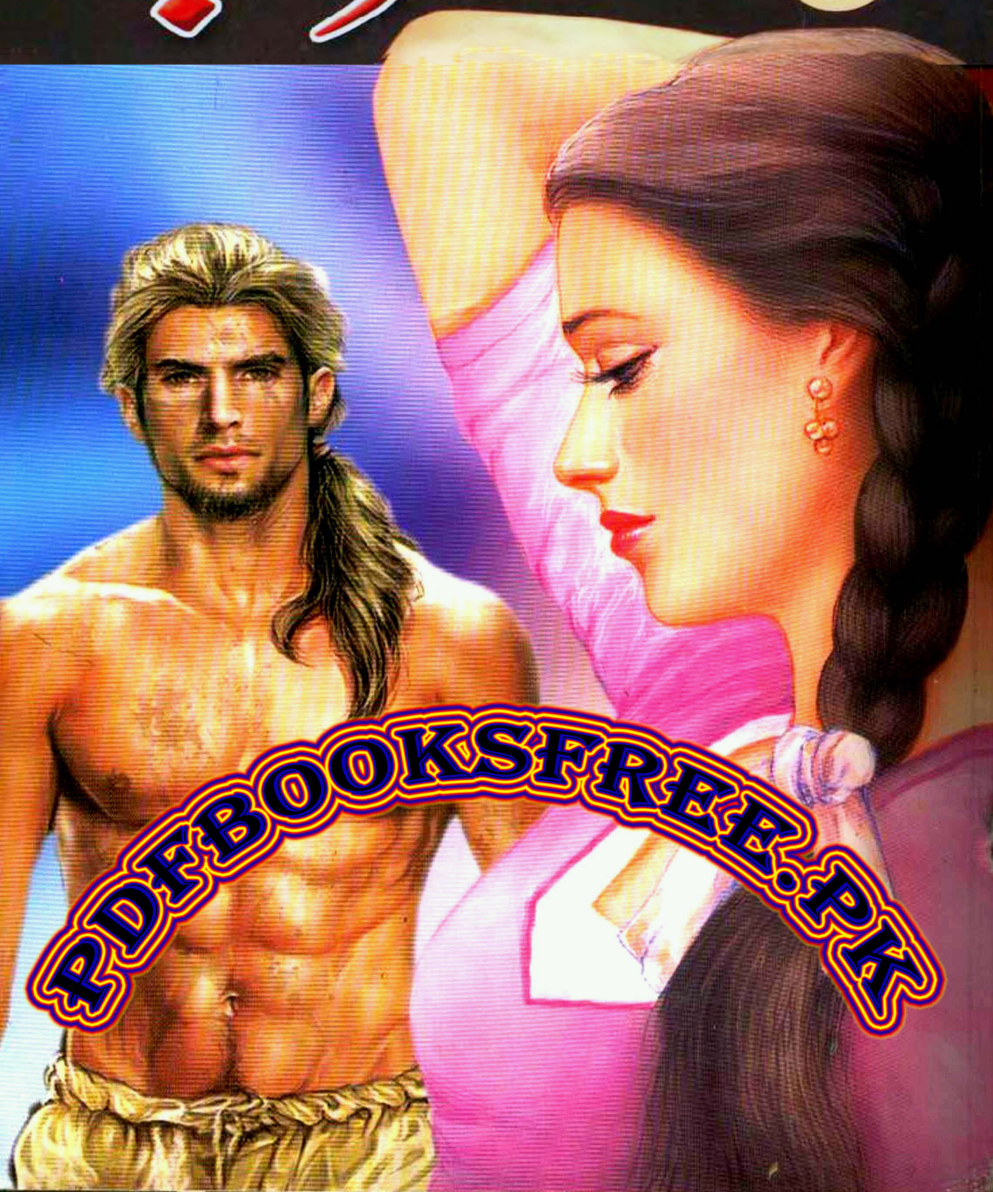


ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی تہلکہ خیز کہانی

سراب

راوی: شہباز ملک
تحریر: کاشف زبیر

17

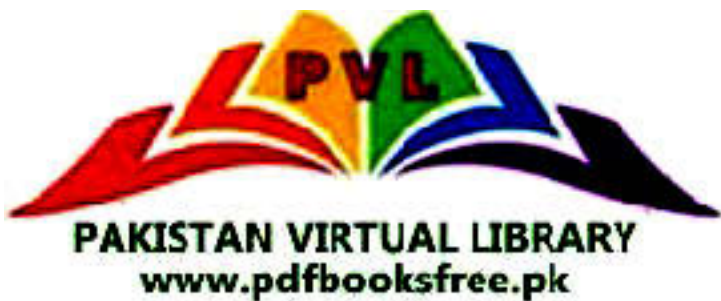


ایک نوجوان کے بلند حوصلوں اور بے مثال ولولوں کی ایک تھلکہ خیز کہانی

سراب

ستر ہواں حصہ

کاشف زیر

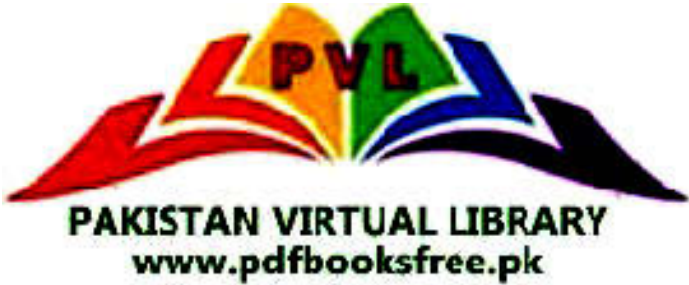


علی میاں پبلی کیشنز

۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247414

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

بار اشاعت ————— اول
مطبع ————— یو این ڈی پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ ————— عاطف رحمن۔ لاہور
قیمت ————— 250 روپے
بیرون ملک ————— 10 برطانوی پونڈ
15 امریکی ڈالر



ISBN 978-969-517-320-6

Stokist: (U.K)

Azhar Enterprises

315, Dickenson Road
Longsight, Manchester, M13 0NR
Tel: 0044 (0) 161 224 6331

اسٹاکسٹ
علیٰ بک سٹال
نسبت روڈ، چوک میوہسپتال، لاہور

میرے علاوہ ڈیوڈ شاہین اور زینی بھی سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ کرنل اور باسو پہرہ دے رہے تھے۔ باسو کو تکلیف تھی مگر اسے بروقت طبی مدد اور آرام ملنے سے اس کی حالت خراب نہیں ہوئی تھی خاص طور سے اس کا پاؤں اچھی حالت میں تھا۔ اس کے باوجود آنے والا وقت اس کے لیے آسان نہیں ہوتا کیونکہ جب ہم وادی کے پاس پہنچ جاتے تو اسے اوپر ہی چھوڑنا پڑتا اور اس ویرانے میں اکیلے ہونے کا مطلب ہے کہ جلد یا بدیر فرشتہ اجل آسکتا ہے۔ اکیلا آدمی یہاں خود کو نہیں بچا سکتا ہے خاص طور سے جب وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو۔ تھکن کے باوجود پریشان کن سوچیں اور اوشا کا خیال نیند کی راہ میں حائل ہو رہا تھا۔ مگر نیند وہ چیز ہے جو سولی پر بھی آجاتی ہے۔ میں تو پھر بھی گرم اور آرام دہ سلپنگ بیگ میں لیٹا ہوا تھا اس لیے بالآخر سو ہی گیا۔ نیند کے باوجود میرا ذہن چوکنا تھا۔ اس لیے جب کسی نے مجھے ذرا سا ہلایا تو میں فوراً جاگ گیا۔

”کون ہے؟“

”زش۔“ زینی نے سہمی آواز میں کہا۔ ”وہ باہر آ گیا ہے۔“

وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ہوشیار ہوا اور سلپنگ بیگ سے نکل آیا۔ میں نے اپنا واحد ہتھیار یعنی کلہاڑی نسا تھوڑی سنبال لی تھی۔ تقریباً ڈھائی پونے تین کلو گرام وزنی اس کلہاڑی کی ضرب اگر صحیح جگہ لگ جاتی تو ایک ہی ضرب میں برفانی آدمی جیسے درندے کو بھی موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ باسو دہانے پر مستعد تھا اور کرنل دہانے کے آخری حصے میں اونڈھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ میں نے سوائے نظروں سے زینی کی طرف دیکھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”باہر سے غراہٹ سنائی دی تھی مگر اس کے بعد سے کچھ نہیں ہوا۔ سامنے کوئی نظر بھی نہیں آ رہا ہے۔“

”جب غراہٹ سنائی دی تو تم جاگ رہی تھیں؟“

”ہاں اتفاق سے میری آنکھ کھلی ہوئی تھی۔“

”کتنی دیر پہلے کی بات ہے؟“

”پانچ منٹ ہو گئے ہیں۔“

”وقت کیا ہوا ہے؟“

اس نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی۔ ”سوا پانچ بج رہے ہیں۔“

یعنی صبح ہونے والی تھی۔ میں دہانے کی سمت آیا اور دیوار سے لگ کر باہر کی طرف دیکھا۔ باہر تاریکی تھی۔ اگرچہ اندھلا ہوا تھا تب بھی آسمان پر بادل ہونے سے روشنی نہیں تھی۔ کرنل بالکل ساکت تھا۔ اس کی ساری توجہ باہر کی طرف تھی اس کے باوجود وہ اس پتھر کو آنے نہیں دیکھ سکا جو باہر سے پھینکا گیا تھا اور وہ دہانے کی دیوار سے ٹکرا کر کرنل پر گرا۔ اس نے بے ساختہ فائر کیا تھا۔ یہ سنکھل فائر تھا اس کے باوجود محمد وجہ رائفیل کی آواز ہم کی طرح گونجی تھی۔ کرنل فائر کرتے ہی تیزی سے پیچھے سرکا اور اسی وجہ سے دوسرے پتھر سے بچ گیا جو نہ ہننے کی صورت کرنل کے سر پر لگتا۔ یہ تین چار سیروزنی پتھر تھا جو اس کا سر توڑنے کے لیے کافی تھا۔ پیچھے ہوتے ہوئے کرنل نے دو فائر اور کیے اور کھڑا ہوا تو اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ اس نے اپنا شانہ تھامتے ہوئے کراہ کر کہا۔

”لغت ہو۔“

پتھر دیوار سے ٹکرا لگا تھا اس لیے چوٹ بہت زیادہ نہیں تھی مگر اتنی ضرورت تھی کہ کرنل تکلیف محسوس کر رہا تھا اور اس کا دایاں ہاتھ پوری طرح حرکت نہیں کر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر باز دھلا کر چپک کر تا جب اسے محسوس ہوا کہ ہڈی کو نقصان نہیں ہوا تو وہ کچھ مطمئن ہوا۔ میں برفانی آدمی کی ہوشیاری پر حیران تھا۔ ڈیوڈ شا اور کرنل اس کے لیے بارودی سرنگیں لائے تھے مگر وہ ان کے چکر میں نہیں آیا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ اس کے ٹھکانے پر قبضہ ہو گیا ہے تو اس نے پاس آنے کی بجائے دور سے سنگ باری شروع کر دی۔ ایک تو باہر تاریکی تھی اور دوسرا یہ کہ وہ کہیں چھپا ہوا تھا اس لیے کرنل پتھر مارتے اور آتے نہیں دیکھ سکا۔ برفانی آدمی کا نشانہ بھی اچھا تھا کرنل کی خوش قسمتی میں اس کے نشانے کا یہ عالم ہے تو دن میں تو وہ پن پوائنٹ پتھر مارے گا۔

”دوسروں کو ڈی مور لازمت کرو۔“ کرنل غرایا۔ ”جلد وہ اس طرف آئے گا۔“

”فرض کرو وہ اس وقت باہر موجود تھا جب تم بارودی سرنگیں لگا رہے تھے تو اس نے دیکھ لیا ہوگا اور اس کی ذہانت تمہارے سامنے ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ اس جگہ قدم رکھے گا۔“

”وہ جانور ہے کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“

برفانی آدمی نے دوبارہ پتھر اچھالے تھے اور اس کے بعد خاموش ہو گیا تھا۔ ہماری طرف سے رد عمل نے اسے بتا دیا تھا کہ یہاں مسلح افراد موجود ہیں اور اب وہ غار کے پاس بھی نہ پھلتا مگر میں یہ بات کہنا نہیں چاہتا تھا۔ کرنل اسے اپنی مزید حوصلہ شکنی سمجھتا اور فی الحال وہی ڈیوڈ شا کا سپہ سالار تھا اور اسے ہی یہ جنگ لڑنا تھی۔ سین بھی جاگ گیا تھا اور ڈیوڈ شا اگر جاگ گیا تھا تب بھی اس نے سلیپنگ بیگ سے باہر آنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ میں نے سین سے کافی تیار کرنے کو کہا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ”تمہیں اس وقت بھی کافی کی پڑی ہے۔ جب کہ باہر وہ درندہ گھوم رہا ہے۔“

”اگر میرے کافی نہ پینے سے وہ واپس چلا جاتا ہے تو تم بے شک کافی مت بناؤ۔“

”یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ ڈیوڈ شانے سلیپنگ بیگ سے سر نکالا۔ ”کافی تیار کرو ہمیں ٹھنڈے دماغ سے

اس درندے کا مقابلہ کرنا ہوگا۔“

”بارودی سرنگوں کی بجائے تم لوگ کریکر لے آتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔ اس قسم کے درندے دھماکوں اور شعلوں سے ڈرتے ہیں۔ فائر کریکر زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔“

”افسوس کہ تم سے مشورہ نہیں کیا۔“ کرنل نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”تم دل برداشتہ نہ ہو۔“ میں نے ہنس کر کہا۔ ”مجھے بھی یہ باتیں اس وقت سوچھ رہی ہیں ممکن ہے تم اس وقت پوچھ لیتے تو میں بارودی سرنگ جیسے احمقانہ ہتھیار کا مشورہ دیتا۔“

کرنل مجھے گھور کر رہ گیا۔ وہ سمجھ نہیں سکا تھا کہ میں اسے تسلی دے رہا ہوں یا اسے مزید گھس رہا ہوں۔ سین برز جلا کر کافی تیار کرنے لگا۔ اس کے پاس پھینٹی ہوئی کافی کے ساشے موجود تھے اور وہ چند منٹ میں اس سے بہت اعلیٰ درجے کی کافی تیار کر سکتا تھا۔ اس نے سب کے لیے کافی تیار کی اور گلوں میں دی۔ اس دوران میں باہر روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ میں نے کرنل کی طرف دیکھا۔ ”کوئی ایسی صورت ہے کہ ہم باہر جائے بغیر باہر کا جائزہ لے سکیں۔“

”اگر باسٹھیک ہوتا تو یہ جاسکتا تھا۔“ کرنل نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”اس کے علاوہ ایک صورت ہے۔“

کرنل نے اپنے بیگ سے ایک چھوٹی سے ٹینک نما گاڑی نکالی اور اس میں ڈرائی سیل فٹ کیے۔ اس کے ساتھ ایک سکرین والا ریموٹ کنٹرول بھی تھا جس کے ساتھ لگی جوائے اسٹک سے اسے چلایا جاسکتا تھا۔ کرنل نے گاڑی نیچے چھوڑی اور اسے ریموٹ کی مدد سے چلانے لگا۔ اس کے اوپر ایک چھوٹے سے شیشے کے گنبد میں گھومنے والا کیمرہ لگا ہوا تھا جس کی ویڈیو ریموٹ کی اسکرین پر آرہی تھی۔ ہم سب ہی کرنل کے پیچھے جمع ہو گئے۔ گاڑی چلتی ہوئی دہانے تک آئی۔ سامنے کا منظر نمایاں تھا اور اس منظر میں دور تک کوئی حرکت کرنے والی چیز نظر نہیں آرہی تھی۔ کرنل گاڑی کو تھوڑا آگے لے گیا اور دہانے سے نکلنے کے بعد گاڑی کا کیمرہ دائیں بائیں گھما کر دیکھا۔ مگر دائیں بائیں بھی کوئی نظر نہیں آیا۔ روشنی خاصی ہو گئی تھی اور کیمرے کا بڑا لینس منظر کو بہت واضح کر کے دکھا رہا تھا۔ یہ یقیناً فوجی استعمال کا زمینی ڈرون تھا۔ زمینی نے کہا۔

”باہر کوئی نہیں ہے۔“

”اوپر کی طرف کیمرہ کرو؟“ میں نے مشورہ دیا۔ کرنل نے کیمرہ گھمایا اور اس کا منہ اوپر کی طرف کر دیا۔ اب نیلے کے اوپر کا حصہ کسی قدر دکھائی دے رہا تھا۔ مگر یہ بہت واضح نہیں تھا کیونکہ برف کی دیوار آگے نکل ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ”گاڑی مزید آگے جاسکتی ہے۔“

”ہاں لیکن سامنے بھی ایک سرنگ موجود ہے گاڑی اس پر چڑھ گئی تو.....“ کرنل نے جملہ ادھورا چھوڑ کر شانے اچکائے۔

”اتنی ہلکی گاڑی بھی اسے اٹیکو کر دے گی۔“

”یہ فوری پھٹ جانے والی سرنگ ہے اس پر صرف ایک کلو گرام کا وزن آنے کی دیر ہوگی۔ گاڑی اس سے زیادہ وزنی ہے۔“ کرنل نے کہا اور پہلے کیمرہ گھما کر گاڑی کے سامنے دیکھا مگر یوں سمجھ میں نہیں آیا تو وہ خود محتاط انداز میں دہانے تک گیا اور پھر گاڑی کو تھوڑا آگے بڑھایا۔ اب اسکرین پر اوپر کا منظر دکھائی دے سکتا تھا۔ کرنل واپس آیا اور ایک بار پھر سب اسکرین پر دیکھ رہے تھے۔ کیمرے کا رخ اوپر کیا اور فوراً ہی ایک لمبے کی

حرکت سی محسوس ہوئی اور یہ سب نے محسوس کی تھی۔ اوپر نیلے کے ابھرے اور دبے حصوں کے درمیان کوئی سفید سی چیز ایک لمحے کو نظر آئی اور غائب ہو گئی۔ ڈیوڈ شانے پوچھا۔ ”تم لوگوں نے بھی دیکھا؟“

”ہاں میں نے دیکھا ہے۔“ میں نے کہا تو باقی سب نے تائید کی تھی۔ ڈیوڈ شانے کرل سے کہا۔

”گاڑی اور باہر لے جاؤ۔“

”اس میں رسک ہے گاڑی اب سرنگ کے بہت پاس ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ اسی لمحے اوپر سے ایک پتھر آ کر گاڑی پر گرا۔ کیمرے نے بالکل آخری لمحے میں پتھر دکھایا۔ پتھر گرنے کی آواز اندر تک آئی اور پھر ایک خوفناک دھماکا ہوا اور برف و سنگریزے اڑ کر اندر تک آئے تھے۔ دھماکا ایسا شدید تھا کہ اس کی ٹیبلر نے سب کو گرا دیا اور غار کے اندر بھی چھت سے مٹی اور سنگریزوں کی بارش ہوئی تھی۔ ابتدائی ردِ عمل میں سب ہی سکڑ سمٹ گئے کہ کہیں غار گرے تو ان کا جسم پتھروں کی زد میں نہ آئے۔ میں لاشعوری طور پر دیوار کے ساتھ لگا اور چہرہ اس میں چھپا لیا۔ چند لمحے بعد مجھے محسوس ہوا کہ غار کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا اس کی دیواریں اور چھت اپنی جگہ برقرار تھیں۔ البتہ دھول مٹی خوب گری تھی۔ میں اٹھا تو اندر گرد کا غبار پھیلنا ہوا تھا اور کھانسی کی آوازیں آرہی تھیں میں نے پوچھا۔

”سب ٹھیک ہیں؟“

”ہاں!“ زینی نے کہا۔ کرل اٹھ گیا تھا اور وہ دہانے کی طرف گیا۔ معاملہ واضح تھا۔ پتھر پہلے گاڑی پر گرا اور پھر سرنگ پر جا گرا اور اس سے دھماکا ہوا تھا۔ خوش قسمتی سے دہانے کے سامنے برف موجود تھی اور دھماکے کے بیشتر اثرات اس نے سہلے لیے تھے ورنہ اندر زیادہ تباہی ہو سکتی تھی۔ اسی وجہ سے اندر برف اڑ کر آئی تھی اور ہر چیز پر برف کا سپرے جم گیا تھا۔ دھماکے سے دہانے کے عین سامنے زمین میں کوئی فٹ بھر گہرا اور ایک میٹر قطر کا گڑھا پڑ گیا تھا۔ کرل جو دہانے کے بالکل پاس چلا گیا تھا اس نے باہر جھانک کر جلدی سے اپنا سر اندر کر لیا تھا۔ چند ایک بار اس نے اسی طرح کیا اور جب تیسری بار سر باہر نکال کر اندر کیا تو زن سے ایک پتھر آ کر اس جگہ سے گزرا جہاں اس کا سر تھا اور وہ تیزی سے اندر بھاگا کیونکہ پتھر لڑھک رہا تھا اور خطرہ تھا کہ وہ کبھی کسی بارودی سرنگ پر نہ جا گرے۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”وہ..... اوپر موجود ہے۔“

خالی جگہ میں کرل نے ایک ناقابلِ بیان گالی فٹ کی تھی۔ یہ گالی کوئی شریف آدمی کسی عورت کی موجودگی میں نہیں دے سکتا تھا مگر ایک تو کرل بدحواس تھا اور یہاں جو عورت تھی وہ بالکل بھی شریف نہیں تھی۔ میں پیچھے ہو کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ”وہ اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑے گا اور دیکھا جائے تو اس نے ہمیں یہاں محصور کر دیا ہے۔“

”وہ کب تک ہمیں یہاں روک سکتا ہے۔“ کرل نے تند لہجے میں کہا اور اپنے بیگ سے کچھ نکالنے لگا۔ جب اس نے چیز نکالی تو میں چونک گیا۔ یہ وہی اسکرین نما ڈی ٹیکٹر تھا جو کسی جاندار شے کا سراغ لگا سکتا تھا اس کی اسکرین پر جاندار کی لوکیشن اور فاصلہ سب آ جاتا تھا۔ کنورٹریس پر حملے کے وقت ہمیں اس قسم کے آلے فراہم کیے گئے تھے۔ کرل اسے لے کر دہانے کی طرف گیا با سوکل رات والی جگہ پر موجود تھا اور اس نے دھماکے کے وقت

بھی اپنی پوزیشن تبدیل نہیں کی تھی۔ اس کے تاثرات سے تکلیف یا تھکن کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

”تمہاری ٹانگ کیسی ہے؟“

”پتا نہیں۔“ اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

”میں اسے مسلسل اینٹی بائیوٹک دے رہی ہوں۔“ زینی نے مجھے بتایا۔ ”پھر یہ آرام بھی کر رہا ہے اُمید ہے اس کا زخم خراب نہیں ہوگا۔“

”تم لوگوں کے پاس جدید ترین ادویات ہیں کیا کوئی ایسی دوا نہیں ہے جو زخم آسانی سے بھر دے اور ٹوٹی ہڈی جلدی جوڑ دے۔“

”نہیں ایسی کوئی دوا نہیں ہے۔“

ڈیوڈ شاہولا۔ ”ایسی حیرت انگیز دوائیں صرف ایک جگہ ہیں جہاں ہم جا رہے ہیں۔“

میں نے اٹھ کر باسو کا پاؤں اوپر سے ٹول کر چیک کیا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مجھے ہاتھ بھی نہ لگانے دیتا اور تکلیف سے آسمان سر پر اٹھالیتا مگر اس نے میرے ٹولنے پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ میں نے دونوں پنڈلیوں کا موازنہ کیا تو مجھے خاص فرق محسوس نہیں ہوا۔ یعنی سوجن نہیں آئی تھی اور اس کا امکان تھا کہ زخم ٹھیک حالت میں تھا۔ کرنل دہانے کے پاس جانے کی کوشش کر رہا تھا کہ برفانی آدمی باہر..... کہاں ہے؟ باسو کو دیکھ کر میں اس کے پیچھے آیا لیکن ایک فاصلے پر رہا کہ اگر اسے تیزی سے اندر آنا ہو تو میں رکاوٹ نہ بنوں۔ مجھے اس کے ہاتھ میں موجود آلے کی اسکرین نظر آ رہی تھی اور اس پر کوئی دھبہ نہیں تھا۔ یعنی برفانی آدمی آس پاس موجود نہیں تھا اور اگر تھا تب بھی کسی ایسی جگہ تھا جہاں یہ آلہ اسے چیک کرنے سے قاصر تھا۔

کرنل آگے جاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ ایک تو سنگ باری کا خطرہ تھا اور اس سے زیادہ خطرہ بارودی سرنگ کا تھا۔ پھر اس پر پڑتا تو آس پاس موجود لوگ بھی مارے جاتے۔ دیکھا جائے تو بارودی سرنگوں نے خود ہمارے لیے مشکل کھڑی کر دی۔ میں اندر آیا تو ڈیوڈ شاہولا کو کسی سوچ میں منہمک پایا۔ غالباً، اس مسئلے کا حل سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کرنل کو آواز دی۔ کرنل اندر آیا اور ڈیوڈ شاہولا نے اس سے سرگوشی میں کچھ کہا کرنل کا چہرہ تن گیا تھا مگر اس نے انکار نہیں کیا چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے سر ہلایا اور پھر سین کو آواز دی۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“ سین آیا تو کرنل اس کے ساتھ مل کر مارک کی قبر سے برف ہٹانے لگا۔ میں مضطرب ہو گیا۔ ”یہ کیا کر رہے ہو؟“

”دیکھتے رہو۔“ کرنل نے سرد لہجے میں کہا۔ وہ اوزاروں سے مدد لے رہے تھے اور کچھ ہی دیر میں برف کھود کر مارک کی لاش تک پہنچ گئے۔ اس بار میں نے ڈیوڈ شاہولا کی طرف دیکھا۔

”لاش کیوں نکالی جا رہی ہے؟“

”اس کی مدد سے ہم برفانی آدمی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔“

میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔ ”میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ لاش کی بے حرمتی ہے۔“

”تم سے کوئی اجازت طلب بھی نہیں کر رہا ہے۔“ ڈیوڈ شاہولا نے کہا۔ ”یہ تمہارا نہیں میرا ساقی ہے اس لیے

تم دخل نہیں دے سکتے۔“

میرے اندر اشتعال کی لہری آئی تھی۔ یہ لوگ مارک کی لاش استعمال کرنے جا رہے تھے اور اسے چارے کے طور پر برفانی آدمی کے سامنے ڈال رہے تھے۔ مگر جب میں نے غور کیا تو ڈیوڈ شا کی بات دل کو لگی۔ مارک ان کا ساتھی تھا اور مرنے کے بعد وہ ان کی ذمہ داری تھا۔ اس لیے میں نے خود کو شٹڈا کر لیا۔ کرنل اور سین نے برف کھود کر اکڑی ہوئی لاش نکالی۔ برفانی آدمی نے اسے گڑھے میں پھونکنے کے لیے توڑ مروڑ دیا تھا اور وہ بے چارہ اسی حالت میں تھا۔ کرنل اور سین اسے اٹھا کر دہانے تک لے گئے اور پھر کرنل ایک چھڑی کی مدد سے اسے آگے دھکیلنے لگا۔ ذرا سی کوشش کے بعد وہ لاش کو اس گڑھے میں دھکیلنے میں کامیاب رہا جو بارودی سرنگ پھٹنے سے وجود میں آیا تھا۔ میں نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا۔

”فرض کرو وہ اس چارے پر نہ آیا۔ اتنی عقل تو اس کے پاس بھی ہے کہ ہم آتشیں ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔ وہ لاش لینے آئے گا تو مارا جائے گا۔“

”ہو سکتا ہے لیکن کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔“ ڈیوڈ شا نے کہا۔

زینی نے کرنل سے کہا۔ ”کیا ہم باہر نکل کر کوشش نہیں کر سکتے؟“

”اس میں خطرہ زیادہ ہے۔ وہ بہت قوت سے پتھر مار رہا ہے اس کے خلاف تو زور بہتر بھی ناکام ہو جائے

گی۔“

”یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ میں نے کرنل کی تائید کی۔ ”اس وقت کوئی کوشش خطرناک ہو سکتی ہے۔ ہمیں

دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی اپنانا ہوگی۔“



ڈیوڈ شا ذرا مضطرب ہوا اسے خیال آیا ہوگا کہ اس صورت میں وادی تک پہنچنے میں تاخیر ہوگی۔ مگر وہ سمجھتا تھا کہ موجودہ صورت حال میں غار سے باہر جانا بہت رکی ہے۔ اس لیے وہ چپ رہا۔ باسوحب معمول خاموش اور پہرے پر تھا اس لیے سب ریلیکس ہو کر بیٹھ گئے۔ اس سفر میں پہلی بار مجھے سکون سے بیٹھنے اور سوچنے کا موقع ملا۔ میں اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ ایمن سے رابطہ ہوا تھا اور اس کے توسط سے میرا ویم اینڈ پارٹی سے بھی رابطہ ہوا تھا اور انہیں کم سے کم یہ علم تھا کہ میں ڈیوڈ شا کے قبضے میں جا چکا ہوں اور وہ مجھے لے کر وادی کی طرف جانے کے لیے پرتول رہا ہے۔ پھر ایمن کی مدد سے میرے ساتھیوں کو بھی علم ہوا ہوگا کہ ڈیوڈ شا سفر پر روانہ ہو گیا ہے۔ اب ہم وادی سے کچھ ہی فاصلے پر تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھیوں کا کیا رد عمل ہوا ہوگا مگر وہ سکون سے بیٹھے والوں میں سے نہیں تھے میری واپسی کے لیے وہ کچھ نہ کچھ کر رہے ہوں گے۔

راجا عمر دراز اور مرشد اب پیچھے رہ گئے تھے۔ ایک مخلص دوست اور دوسرا جانی دشمن تھا مگر فی الحال دونوں لاتعلق ہو گئے تھے۔ جب تک میں واپس نہ جاتا ان سے دوبارہ تعلق قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ میں سوچوں میں گم تھا کہ زینی سرک کر میرے پاس آگئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”تم اوشا کے بارے میں سوچ رہے ہو؟“

”نہیں۔“

”پھر کس کے بارے میں سوچ رہے ہو؟“

میں نے اسے گھورا۔ ”ضروری ہے کہ میں کسی کے بارے میں سوچوں؟“

”آدمی سوچتا ہے اور زیادہ تر اپنوں کے بارے میں سوچتا ہے۔“ اس نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ”اس لیے اگر تم سوچ رہے ہو تو اپنے کسی دوست یا دشمن کے بارے میں ہی سوچ رہے ہو گے۔“

”ظاہر ہے۔“ میں نے کہا۔ ”بائی دی وے تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

”میں جانا چاہتی ہوں کہ تم نے مجھے کس کیلنگری میں رکھا ہے۔ دوست یا دشمن؟“

میں نے پوچھا۔ ”تمہارا کیا خیال ہے تم کس کیلنگری میں آ سکتی ہو؟“

”فی الحال تو دشمن۔“ اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”لیکن مجھے امید ہے کہ میں تمہیں دوست بنالوں گی۔“

”یہ توقع کیوں؟“

”سنا ہے تم عورتوں میں مقبول ہو میری کزن تمہارے پیچھے پاگل ہے۔“

”اگر تم ایمن کی بات کر رہی ہو تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم صرف دوست ہیں اس سے زیادہ ہمارے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”یہ تو تم کہہ رہے ہو نا اس کے بارے میں، میں نے جو سنا ہے وہ کچھ اور ہے۔“

”تم نے غلط سنا ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ میں عورتوں میں مقبول ہوں۔“

”تم ہینڈ سم ہو۔“ وہ بے تکلفی سے بولی۔ ”یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی عورت تمہارے پاس آئے اور تم سے متاثر نہ ہو۔“

”یہ بھی غلط ہے میرے پاس بہت سی عورتیں آئیں مگر ان میں سے سوائے چند ایک کے کسی اور نے میرے لیے جذبول کا اظہار نہیں کیا۔ بہت سی میری بہنوں کی طرح ہیں۔“

”یہ لڑکی اوشا بھی ہے۔“

”ہاں یہ لڑکی، ایک اور لڑکی جو مرچکی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔“

”میرے بارے میں کیا خیال ہے؟“ وہ مزید نزدیک سرک آئی اتنے قریب کہ درمیانی فاصلہ ختم ہو گیا اگرچہ ہمارے جسموں کے اتصال میں کئی موٹی رکاوٹیں حائل تھیں اس کے باوجود میں ذرا دور سرک گیا۔

”کس لحاظ سے؟“

”یہی کہ میں دیکھنے میں کیسی لگتی ہوں؟“

”ٹھیک لگتی ہو۔“

”بس ٹھیک۔“ وہ مزید آگے سرکی۔

”ہاں کیا یہ کافی نہیں ہے۔“ میں بھی سرکا۔

”نہیں۔“ اس کا لہجہ بدل گیا۔ ”میں چاہتی ہوں تمہیں بہت اچھی لگوں۔“

”جو لوگ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں وہ کام بھی بہت اچھے کرتے ہیں اور تم نے اب تک ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی بناء پر تم مجھے اچھی لگو۔“ میرا لہجہ سرد ہو گیا۔

”جب تم گرنے والے تھے تو میں نے تمہیں بچایا تھا۔“

”اگر ایسا کوئی موقع تمہارے ساتھ پیش آتا تو میں بھی یہی کرتا میں نے تو باسو کو بھی بچانے کی کوشش کی تھی۔ یہ کہیں سی ایسی بات ہے جسے جتایا جائے۔“

وہ کھسیا گئی۔ ”میں جتنا نہیں رہی، صرف پوچھ رہی ہوں کہ میرے اس فعل کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔“

”میں جواب دے چکا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”مہربانی کر کے اپنی جگہ پر رہو اب یہاں سرکنے کی گنجائش ختم ہو گئی ہے۔“

”تم بہت سنگ دل ہو۔“ اس نے مر جھائے انداز میں کہا۔ ”آج تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کسی کی طرف پیش قدمی کی ہو اور اس نے میرے ساتھ ایسا رویہ رکھا ہو۔“

”مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری توقعات پر پورا نہیں اتر پایا مگر اس میں میرا نہیں میری فطرت کا قصور ہے۔“

”یہ سب بکواس ہے۔ مرد کے لیے عورت بس عورت ہوتی ہے۔“ وہ تنک لگی تھی۔

”تم کہہ سکتی ہو کیونکہ اب تک تمہارا واسطہ ایسے مردوں سے پڑا ہوگا جو عورت کو بس عورت سمجھتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک عورت بہت سے رشتوں کا نام ہے۔ ہر رشتہ محترم ہوتا ہے۔“

ہمارے درمیان گفتگو بہت دھیمی آواز میں ہو رہی تھی اور اس کا امکان کم تھا کہ دوسروں نے کچھ سنا ہو مگر زینی کی پیش قدمی اور میری پسپائی سب نے نوٹ کی ہوگی۔ زینی کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”شہباز اب تم میری ضد بن گئے ہو میں تمہیں تو ذکر رہوں گی۔“

میں اس سے کیا کہتا جسے اس عالم میں بھی ہری ہری سو جھ رہی تھی۔ اس سے پہلے بھی اوپر والا بچاتا آیا تھا اب بھی اُسی سے امید تھی کہ اس فتنے سے محفوظ رکھے گا جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی فتنہ نہیں ہے۔ وقت آہستہ آہستہ سے گزر رہا تھا۔ کرنل اور باسودنوں مارک کی لاش کی نگرانی کر رہے تھے مگر ابھی تک برفانی آدمی کی طرف سے کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ کرنل، باسو اور ڈیوڈ شا بالکل خاموش تھے مگر زینی اور سین آپس میں بات کر رہے تھے۔ میں جس دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا اپنی کلباڑی کی نوک اس پر ہلکے ہلکے مار رہا تھا۔ میرا کوئی مقصد نہیں تھا بلکہ میں ایسے ہی بے خیالی میں یہ حرکت کر رہا تھا۔ ایک بار میں نے نوک ماری تو وہ دیوار میں یوں گھس گئی جیسے دیوار کچی ہو یا پھر اس کے دوسری طرف خلا ہو۔ میں چونکا اور کلباڑی کھینچ کر اسے دوبارہ مارا اس بار بھی وہ دوسری طرف نکل گئی تھی۔

اگلی بار میں نے کلباڑی استعمال نہیں کی بلکہ اس کا دستہ سوارخ میں داخل کیا اور اسے آگے دھکیلے لگا۔ مزاحمت کے باوجود دستہ آگے جا رہا تھا۔ پھر ایسا لگا جیسے دستہ زاد ہو گیا ہو اس کے آگے رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ میں نے اسے کھینچا اور دوبارہ اندر گھسایا اور اس بار یہ آسانی سے چلا گیا۔ یوں لگا جیسے آہستہ آہستہ سوارخ مکمل ہو گیا۔ کوئی میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس لیے میں یوں جھکا جیسے لیٹ رہا ہوں اور پھر سوارخ کے دوسری طرف دیکھا تو مجھے تاریکی ہی نظر آئی۔ پھر میں نے کان لگا کر سنا تو یوں لگا جیسے کوئی بہت ہی آہستہ سانس لے رہا ہو لیکن یہ میرا وہم بھی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ آواز نہ ہونے کے برابر تھی۔ ایسا لگا تھا کہ اس غار کے برابر میں ایک غار اور تھا اور درمیان

میں موجود دیوار کسی وجہ سے کمزور ہوئی تھی اور جب میں نے اس پر کھلڑی آزمائی تو اس کا کچھ حصہ ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ پہلے میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو بتاؤں مگر پھر میں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ بے شک میں ان کے ساتھ سہی اور ہم بر فانی آدمی کے خطرے کا اکٹھے سامنا کر رہے تھے مگر ان کو ہر بات بتانا بھی درست نہیں تھا۔

میں کچھ دیر یونہی لیٹا رہا اور سن گن لیتا رہا مگر دوسری طرف مستقل قسم کی خاموشی طاری رہی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ رات ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی اس لیے میں نے کچھ دیر سونے کا سوچا اور پھر سو بھی گیا۔ خواب میں، میں نے دیکھا کہ اوشا کو بر فانی آدمی نے کسی ایسے ہی غار میں قید کیا ہوا ہے اور اس کے نزدیک آنا چاہتا ہے مگر اس کے بدن میں موجود زہر کو محسوس کر کے وہ بدک کر پیچھے ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے اوشا کو مارا نہیں اگرچہ وہ مرنے کی حد تک خوفزدہ تھی پھر بر فانی آدمی کو غصہ آ جاتا ہے اور وہ اوشا کو زبردستی کھینچ کر غار سے لے جانے لگتا ہے اور وہ چیخ رہی ہوتی ہے۔ میں بر فانی آدمی سے کہہ رہا ہوں کہ اسے چھوڑ دے مگر وہ شاید میری آواز سن نہیں رہا تھا کہ اچانک کسی نے مجھے ہلایا اور میں چونک کر بیدار ہو گیا اس وقت بھی میرے کانوں میں اوشا کی آخری چیخ گونج رہی تھی۔ مجھے جگانے والا سین تھا۔ اس نے پوچھا۔

”کیا ہوا تم خواب میں ڈر گئے ہو کچھ کہہ رہے تھے؟“

میں نے سر جھٹکا اور اٹھ بیٹھا۔ ”شاید..... وقت کیا ہوا ہے؟“

”دوپہر کے بارہ بج رہے ہیں۔“ سین نے جواب دیا اور پیچھے ہو گیا۔ میں نے پانی پیا۔ جب سے ہم غار میں محدود ہوئے تھے کھانے اور خاص طور سے پینے میں احتیاط کر رہے تھے کیونکہ یہاں اخراج کا مسئلہ ہو جاتا تو باہر جانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ مگر کب تک جلد یا بدیر یہ مرحلہ آتا ہی تھا۔ میں نے کرنل کی طرف دیکھا اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ باسو ویسا ہی تھا اور اس وقت دیوار سے ٹیک لگائے سو رہا تھا مگر اس کے ہاتھ میں شاٹ گن بدستور موجود تھی۔ ڈیوڈ شاو زینی آرام کر رہے تھے اور سین لنچ کی تیاری کر رہا تھا۔ صبح ہم نے ہلکا ناشتا کیا تھا اور اب شاید سب ہی بھوکے تھے۔ لنچ بھی ہلکا چھلکا تھا اور وجہ وہی تھی کہ اخراج کا مسئلہ نہ ہو۔ لنچ کے بعد سب ہی اونگھنے لگے تھے۔ اچانک زینی کی آواز آئی۔

”مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے میں باہر جاؤں گی۔“

”کوئی باہر نہیں جائے گا۔“ ڈیوڈ شانے سخت لہجے میں کہا۔

”تب کیا ہمیں کر دوں۔“ زینی چیخی۔

”کرنل اس کو نے میں برف سے دیوار بنا دو۔“ ڈیوڈ شانے کرنل کو حکم دیا۔ ”سب اس دیوار کے پیچھے

جائیں گے۔“

غار میں اچھی خاصی برف جمع تھی۔ کرنل نے چھوٹے سے نیپلے کی مدد سے برف سے اس کو نے میں دو فٹ اونچی دیوار سی بنادی جس کے عقب میں روپوش ہوا جاسکتا تھا۔ اس نے زینی سے کہا۔ ”اب ایک چھوٹا گڑھا کھود لینا اور پھر اسے بند کر دینا۔“

کرنل کا مطلب واضح تھا کہ گڑھا کھود کر جو کرنا ہے اسی میں کرنا اور پھر اسے بند کر دینا تاکہ بدیونہ پھیلے۔ زینی بچلے لیتی ہوئی اس دیوار کے پیچھے چلی گئی۔ اس دن مجھے پتا چلا کہ کسی کی موجودگی میں رفع حاجت کرنا یا کوئی

دوسرا آپ کی موجودگی میں کرے تو کس قدر عجیب محسوس ہوتا ہے۔ وہ نظروں سے اوجھل تھی مگر آوازیں آرہی تھیں اور پھر بو بھی پھیلنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے نکلی تو جھینپ رہی تھی۔ یقیناً باقی سب بھی جھینپ رہے تھے بہر حال کچھ دیر بعد سب نارل ہو گئے تھے۔ فطرت انسان کی مجبوری نہیں دیکھتی ہے۔ میں نے کرنل سے پوچھا۔

”کیا ہم رات کا انتظار کر رہے ہیں؟“

”نہیں اسنو میں کا۔“ ڈیوڈ شانے کہا۔ ”جلد یا بدیر وہ لاش لینے آئے گا اور تب ہم اس پر حملہ کر سکیں گے۔“

”یعنی ہم اس سے اعصاب کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ ہم محصور ہیں اور وہ آزاد ہے۔“ میں نے کہا۔ ”دوسرے لفظوں میں ہماری آزادی و بقا اس کے ہاتھ میں ہے۔“

”تب تم بتاؤ کیا کیا جاسکتا ہے۔“ کرنل نے کہا۔ ”باہر جانا تو دور کی بات ہے ذرا سی جھلک دیکھتے ہی وہ حملہ کرتا ہے۔“

”تاریکی میں ہم روشنی کے محتاج ہو جائیں گے اور وہ شاید تاریکی میں بھی دیکھ سکتا ہے۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”ہمارے لیے کچھ کرنے کو دن کی روشنی ہی بہتر ہے۔“

”ابھی ہمارے پاس وقت ہے۔“ ڈیوڈ شانے کہا۔ ”ہم انتظار کر سکتے ہیں۔“

”دوسرے وہ مارک کی لاش اچک کر لے جائے اور سرنگوں سے بھی بچ جائے تو پوزیشن پھر یہی ہو جائے گی۔“ میں نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ ”وہ پتھر لے کر بیٹھ جائے گا اور ہم باہر نہیں جاسکیں گے۔“

کرنل زچ نظر آنے لگا۔ ”تم کیا چاہتے ہو باہر جانا؟“

”نہیں میں چاہتا ہوں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کی بجائے کچھ سوچیں اور حرکت میں آجائیں۔“ میں نے کہا۔ ”تم لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے ہو کہ یہ مخلوق زیادہ تعداد میں ہو سکتی ہے اور اگر یہ ایک سے زیادہ یہاں آگئی تو ہم ان کا مقابلہ کیسے کریں گے۔“

”تم کوئی تجویز دو۔“

”میں کیسے تجویز دے سکتا ہوں جب کہ مجھے یہی نہیں معلوم کہ تمہارے پاس ذرائع کیا ہیں مزید کتنے ہتھیار ہیں جن سے ہم کام لے سکتے ہیں۔“

کرنل مجھے گھورنے لگا۔ ”تم بہت چالاک آدمی ہو۔“

”اس میں چالاک کہاں سے آگئی؟“

”تم معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہو کہ ہمارے پاس کتنی طرح کے ہتھیار ہیں۔“

”برفانی آدمی سے لڑنے کے لیے۔“ میں نے وضاحت کی۔ ”تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میری نیت خراب ہے۔“

کرنل نے کوئی جواب نہیں دیا اور دہانے کی طرف چلا گیا۔ میں نے ڈیوڈ شا کی طرف دیکھا اور بولا۔

”ہماری طرف ایک محاورہ ہے کہ شک کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔“

اس نے آہستہ سے کہا۔ ”تم بلاوجہ کی باتیں کرنے کی بجائے اپنی تجویز پیش کر سکتے ہو اگر تمہارے ذہن

میں ایسی کوئی چیز ہے۔“

”موجودہ حالات میں تو کوئی تدبیر کچھ میں نہیں آرہی۔ ویسے بھی یہ کرنل کی ذمہ داری ہے۔“

زینی ہر چھ گھنٹے بعد باسکو کوائنٹی بائیونک اور پین کلر دے رہی تھی۔ میں نے پھر اس کا پاؤں چیک کیا تھا اور وہ بہتر حالت میں تھا۔ اس کا اندازہ مجھے اس سے ہوا کہ میں نے جو کلٹریاں اور ان پر پٹی باندھی تھی وہ کسی قدر ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ یعنی چوٹ کے آغاز میں جو سوجن آئی تھی وہ کم ہو گئی تھی اور ایسا صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب زخم بہتر حالت میں آیا ہو۔ شاید باسکو کا جسمانی نظام کچھ اس طرح کا تھا کہ اس کے زخم تیزی سے بہتر ہوتے ہوں۔ بہر حال وہ دواؤں کی مدد سے بڑھایا ہوا جسم تھا جو عام انسانی جسم سے مختلف ہوتا ہے۔ ہم میں سے کوئی نہ کوئی کچھ دیر بعد دہانے تک جا کر باہر کا معائنہ کرتا تھا۔ اچانک کرنل نے یہ کیا کہ اپنی جیکٹ اتار کر اسے دو چھریوں کی مدد سے ہڈ تک سیدھا کیا اور پھر اسے آگے کیے ہوئے دہانے تک آیا اور اسے ذرا باہر نکالا۔ اگر برفانی آدمی اوپر یا کہیں اور موجود تھا تو اسے لگتا کہ کسی آدمی نے سر باہر نکالا ہے ہڈی کے وجہ سے جیکٹ میں آدمی ہی لگ رہا تھا۔ اس نے وقفے وقفے سے کئی بار اسے آگے پیچھے کیا مگر کسی طرف سے کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا۔ سین نے کہا۔

”وہ اس وقت باہر موجود نہیں ہے ہمارے لیے موقع ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔“ زینی نے کہا میں نے نفی میں سر ہلایا۔

”میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ کیونکہ کچھ دیر بعد شام ہو جائے گی اور ہم تاریکی میں باہر زیادہ غیر محفوظ ہوں گے۔“

کرنل نے کہا۔ ”میں سوچ رہا ہوں کہ باہر نکلا جائے۔ مگر مجھے ایک آدمی کی اور مدد چاہیے ہوگی۔“

باسو قابل نہیں تھا۔ سین نے فوری ہاتھ اوپر کر دیئے۔ ”میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔“

”اس وقت سب کی جان پر مبنی ہے۔“ کرنل غرایا۔ ”اگر برفانی آدمی یہاں گھس آیا تو کیا تم اسے یہی عذر پیش کرو گے۔“

”میں ہتھیار استعمال کرنا جانتا ہوں لیکن مہارت نہیں ہے۔“ سین نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

”میں کر سکتا ہوں لیکن تم مجھ پر اعتماد نہیں کرو گے۔“ میں نے ہنس کر کہا تو کرنل نے مجھے گھورا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا ڈیوڈ شانے کہا۔

”اسے ہتھیار دے دو اگر یہ تمہارے ساتھ باہر جانے پر راضی ہے۔“

کرنل نے ڈیوڈ شانے کی طرف دیکھا اور فوراً ہی اس کے تاثرات بدل گئے۔ وہ مخالفت کرنے والا تھا مگر ڈیوڈ شانے شاید اسے کوئی اشارہ کر دیا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ ”تم تیار ہو؟“

”ہاں کیونکہ یہاں میری بھی جان پر مبنی ہے۔ میری ایک ساتھی برفانی آدمی کے قبضے میں ہے۔“

اس نے اپنی شاٹ گن میری طرف بڑھادی۔ میں نے اسے لے کر چیک کیا اور یہ لوڈ ڈھکی اور اس میں سات گولیاں موجود تھیں۔ کرنل نے اضافی بلت بھی دیئے جو میں نے جیکٹ کی جیب میں رکھ لیے۔ ”اب میں تیار ہوں۔“

”یہ بہت خطرناک ہے۔“ زینی نے کہا اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ ”اگر اس نے تم لوگوں پر قابو پایا تو پیچھے اس سے لڑنے والا کون رہ جائے گا؟“

”تم لوگ اپنے طور پر ہوشیار رہو۔“ کرنل نے کہا اور میرے ساتھ دہانے تک آیا۔ اس نے اشارہ کیا۔ ”دہانے کے بعد دو گز دائیں طرف اور دو گز بائیں طرف دوسرئیں ہیں۔ اسی طرح ایک سرنگ بالکل سیدھ میں تھی جو تباہ ہو چکی ہے اس کے ٹھیک دائیں بائیں ایک ایک گز کے فاصلے سے سرنگیں موجود ہیں۔ سمجھ لو کہ نیلے کی دیواروں کے ساتھ ہیں۔“

میں نے سر ہلایا۔ ”اب ایکشن پلان کیا ہے؟“

”میں پہلے جاؤں گا اور مارک کے اوپر سے پھلانگ کر دوسری طرف جاتے ہی اوپر کی طرف نشانہ لوں گا اگر کوئی نظر آیا تو اس پر فائر کروں گا دوسری صورت میں تمہیں کور دوں گا اور تم باہر آؤ گے۔ وقت کا خیال رکھنا میرے جانے کے پانچ سیکنڈ بعد تم باہر آؤ گے۔“

”اچھا پلان ہے۔“ میں نے سر ہلایا۔

”اوکے میں جا رہا ہوں۔“ کرنل نے کہا اور یکدم باہر نکلا۔ اس نے ایک ہی جست میں مارک کی گڑھے میں موجود لاش پھلانگی اور دوسری طرف جاتے ہوئے ایک گھٹنا برف پر ٹپکتے ہوئے گھوم کر اپنی خود کار رائفل کا رخ اوپر کی طرف کر دیا۔ اس کے نکلنے ہی میں نے دل میں گنتی شروع کر دی اور پانچ کہتے ہی تیزی سے باہر آیا۔ مارک کی لاش پھلانگ کر دوسری طرف آیا اور کرنل کے پاس سے ہوتے ہوئے پیچھے نکل گیا۔ جیسے ہی میں آگے گیا پیچھے سے فائر ہوا۔ کرنل نے کسی پر گولی چلائی تھی۔ خطرے کا احساس کرتے ہی میں نے جست لگا کر گرتے ہوئے پشت برف پر کی اور پلٹ کر شاٹ گن کا رخ اوپر کی طرف کیا تھا۔ میں پھسلتا ہوا دور جا رہا تھا اور دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کرنل نے کس پر گولی چلائی ہے۔ اسی لمحے اوپر سے ایک پتھر آ کر میرے پیروں کے پاس گرا اور میں نے پتھر چلانے والے کو دیکھ لیا۔ میں بال بال بچا تھا۔ برفانی آدمی کا پھیکا پتھر میرے پیروں کو لگتا تو یہ ہڈی توڑ سکتا تھا۔

وہ ٹیلے کے اوپری حصے میں تھا اور کرنل نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ ہماری خوش قسمتی کہ اس کا چلایا ہوا پتھر ہم دونوں کے درمیان میں گرا۔ وہ حرکت میں تھا اور اس کی حرکت اتنی تیز تھی کہ کچھ کہنا مشکل تھا کہ وہ کیا کر رہا تھا۔ میں نے شاٹ گن اس کی طرف کی اور پہلی گولی چلائی۔ خوفناک دھماکہ کے ساتھ ہی اس کے پاؤں سے برف کا غبار اٹھا۔ گولی اسے نہیں لگی تھی مگر اس نے اسے خوفزدہ ضرور کر دیا تھا۔ میں نے اسے غائب ہوتے دیکھا۔ میرے گھٹنا ہوا کی گز دور گیا تھا اور رکتے ہوئے میں نے قلابازی کھائی اور اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ کرنل مڑا تو مجھے کھڑے دیکھ کر کسی قدر حیران ہوا تھا۔ پھر وہ بھی تیزی سے پیچھے آیا۔ ہمارے ہتھیاروں کا رخ اوپر کی طرف تھا اور ہم برفانی آدمی کی حرکت دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ”دور ہو جاؤ ایک ہی جگہ ہم پتھر کا آسار ہدف ہوں گے۔“

بات کرنل کی سمجھ میں آگئی اور وہ دائیں طرف حرکت کرنے لگا۔ اس نے برفانی آدمی کی لوکیشن کا اندازہ کرنے کے لیے دو گولیاں

اشارے سے کرنل کو سمجھایا کہ وہ شاید عقب میں جا چکا ہے۔ کرنل نے جوابی اشارے سے کہا کہ وہ پیچھے جا رہا ہے۔ میں نے سر ہلایا اور بدستور پیچھے ہٹا رہا۔ سورج ہمارے بائیں طرف کسی قدر عقب میں مغرب کی طرف جھک چکا تھا۔ پیچھے ہٹنے سے مجھے دو فائدے ہوئے ایک تو میں پتھر کی ضرب سے دور ہو رہا تھا اور دوسرے مجھے ٹیلے کا اوپری حصہ دکھائی دینے لگا اور اسی وجہ سے میں برفانی آدمی کو دیکھ سکا۔ اس نے دو ٹیلوں کے درمیانی خلا سے چھلانگ لگائی اور ناقابل یقین طور پر کوئی آٹھ گز کا خلا عبور کر کے دوسری طرف چلا گیا۔ کوئی انسان اس قسم کی جگہ پر ایسی چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا۔ میں نے گولی چلائی مگر وہ اس بار بھی بچ گیا۔ میں نے چلا کر کرنل سے کہا۔

”وہ شمالی ٹیلے پر چلا گیا ہے۔“

”راجر۔“ کرنل نے جواب دیا۔ اس کا مطلب تھا اس نے میری بات سمجھ لی تھی۔ وہ جنوبی سمت سے جاتے ہوئے میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ یہ ٹیلے برف کی اس ہموار ڈھلان پر الگ سے ابھرے ہوئے تھے۔ ان کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں ہموار جگہ تھ۔ گویا برفانی آدمی ان کے علاوہ اور کہیں چھپ نہیں سکتا تھا۔ ہاں غار کے دہانے کے سامنے کچھ دور ہی ڈھلان نیچے اتر رہی تھی اور وہاں سے برفانی آدمی نے حملہ کیا تھا۔ میں شمال کی طرف ہٹ رہا تھا اور میری نظر اس ٹیلے پر مرکوز تھی جس پر برفانی آدمی گیا تھا۔ اچانک میری چھٹی حس نے خبردار کیا اور میں تیزی سے جھکا تو اک بھاری بھر کم پتھر زن سے میرے عین اوپر سے گزرا۔ جھکنے کی وجہ سے میں بچا تھا اور میں نے اسی پوز میں گھومتے ہوئے دیکھا تو برفانی آدمی میری طرف چھپ رہا تھا۔ وہ مشکل سے دس گز دور رہ گیا تھا اور چند سیکنڈ میں مجھ تک آ جاتا۔ میں نے بے ساختہ فائر کیا اور اس کے سینے میں سوراخ نمودار ہوا۔

اس کے باوجود اس کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی اور وہ غراتا ہوا مجھ تک پہنچ گیا۔ اس نے شاٹ گن تھام لی اور مجھے نیچے گرا لیا۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اتنی خوفناک مخلوق کو سامنے سے دیکھا۔ اس کا قد بہت زیادہ نہیں تھا۔ تقریباً ساڑھے چھ فٹ ہو گا مگر وزن مجھ سے دو گنا ضرور تھا مجھے لگا جیسے میرے اوپر کوئی پہلوان آگرا ہو۔ اس کا جسم ڈھائی تین انچ لمبے اور بے پناہ گھنے بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کا درندگی سے بھرپور چہرہ مجھ سے کچھ ہی دور تھا۔ سرخ آنکھیں اور پھیلی ہوئی ناک تلے منہ سے نکلے ہوئے دانت خاصے بڑے تھے۔ اس کے چہرے پر پرانے زخموں کے نشانات تھے جیسے ہمارے ہاں غنڈے اور بدمعاش قسم کے لوگوں کے منہ پر پائے جاتے ہیں اور وہ انہیں بطور ٹیڈ مارک استعمال کرتے ہیں۔ وہ غرانے کے انداز میں سانس لے رہا تھا اور مجھ سے شاٹ گن چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں کوشش کر رہا تھا کہ اس کے پیٹ تک پاؤں لے آؤں اور اسے خود پر سے اچھالنے کی کوشش کروں۔ اس کے سینے کے کھلے زخم سے بہنے والا خون مجھ پر آ رہا تھا۔ زخم کی وجہ سے وہ کمزور ہو رہا تھا اور پورا زور نہیں لگا پا رہا تھا۔ جب اس نے یہ بات محسوس کر لی تو اس نے پینترا بدلا اور شاٹ گن میری گردن کی طرف لانے کی کوشش کرنے لگا۔ یقیناً وہ شاٹ گن سے میری گردن دبانا چاہتا تھا۔ اس کی کوشش میں اس کا پیٹ والا حصہ اوپر ہوا اور میں نے اس کی رانوں کے درمیان گھٹنا مارا۔ وہ غرایا اور ذرا اوپر ہوا تھا مجھے موقع ملا کہ میں اس کے پیٹ پر دونوں پاؤں جما سکوں۔ اس کے باوجود اسے اچھالنا آسان کام نہیں تھا اس میں رکاوٹ اس کا بے پناہ وزن تھا۔

وہ شات گن تقریباً میری گردن تک لے آیا تھا۔ میں نے ایک بار پاؤں چلائے مگر وہ واپس مجھ پر آیا اور اب وہ مجھے پیٹ سے بھی دبار ہاتھا۔ مجھے لگا کہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجھے کچھ اور کرنا پڑے گا۔

بے پناہ خون بہنے کے باوجود اس کی قوت اور وحشت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ میں نے اچانک ہاتھ ڈھیلے کیے تو وہ تیزی سے نیچے آیا اور میں نے سر سے اس کی ناک کو نشانہ بنایا۔ وار بالکل ٹھیک بیٹھا اور سر اور ناک کے تصادم میں ہڈی ٹوٹنے کی آواز صاف آئی تھی۔ اس نے ہلبلا کر سر اوپر کیا اور اس بار مجھے موقع ملا میں نے دونوں پاؤں اس کے پیٹ پر جماتے ہوئے پوری قوت سے اسے اچھالا اور وہ میرے سر پر سے ہوتا ہوا پیچھے جا گرا۔ اس نے شات گن اب بھی نہیں چھوڑی تھی اسی لیے میرے پاس ہی گرا۔ شات گن پر میرے بھی ہاتھ جمے ہوئے تھے۔ اور میں نے اسے استعمال کرتے ہوئے پیچھے کی طرف قلاز بازی کھائی اور اس پر گرا۔ میرا گھٹنا اس کے زخم پر لگا تھا اور اس نے کرب ناک آواز نکالی۔ اب اس کی مزاحمت جواب دے گئی تھی۔ میں نے شات گن اس سے چھین لی اور اس کی نال کارخ اس کی طرف کر رہا تھا کہ میں نے سامنے سے دو ہیولوں کو چھپنے دیکھا۔

میں نے شات گن کارخ ان کی طرف کیا تھا کہ نیچے دے برفانی آدمی نے حیران کن قوت سے اچانک مجھے پیچھے اچھالا اور میں تقریباً اڑتا ہوا غار کے دہانے پر گرا۔ شات گن میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی مگر وہ پاس ہی گری تھی۔ میں نے فوراً اٹھالی۔ خوش قسمتی سے میں کسی سرنگ پر نہیں گرا تھا۔ آنے والے دو برفانی آدمی کوئی پچاس گز دور تھے اور غیر معمولی رفتار سے آرہے تھے۔ میں نے برف پر پاؤں مارے اور دہانے کے اندر چلا گیا۔ اسی لمحے اندر سے خوفناک دھماکہ ہوا اور گولی میرے اوپر سے ہوتی آگے آنے والے برفانی آدمی کے سر پر لگی اور اس کا سر غائب ہو گیا۔ یہ فائر باسو نے اپنی شات گن سے کیا تھا۔ برفانی آدمی اوندھا گرا اور اس کی سر بریدہ لاش تیزی سے پھسلتی ہوئی غار کی طرف آنے لگی۔ دھماکے نے میرے کان سن کر دیئے تھے مگر خطرے کا احساس باقی تھا میں اٹھ کر اندر کی طرف بھاگا۔

میں دہانے سے اندر آیا تھا کہ عقب میں دھماکہ ہوا اور میں اچھل کر آگے گرا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر برف اور سنگریزوں کی بارش شروع ہو گئی تھی۔ گرنے سے پہلے میں نے ایک دھماکہ اور سنا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ برفانی آدمی کی لاش نے دوسرگوں کو تباہ کر دیا تھا۔ میں اٹھا اور گردوغبار میں ٹٹولنے لگا۔ زینی چلا چلا کر پوچھ رہی تھی کہ باہر کیا ہوا ہے۔ لیکن میں نے جواب نہیں دیا۔ دھماکے کی بازگشت ختم ہوئی تو باہر سے دردناک انداز میں چلانے کی حیوانی آوازیں آنے لگیں۔ میری توجہ ان آوازوں کی طرف بھی نہیں تھی۔ بمشکل میں نے اپنی کلباڑی تلاش کی اور اس دیوار تک آیا جس کے دوسری طرف خلا تھا میں نے کلباڑی گھما کر دیوار پر ماری تھی کہ عقب سے زینی نے میرا بازو دبوچ لیا۔ اس نے تند لہجے میں کہا۔ ”تمہارا دماغ خراب ہے یہ کیا کر رہے ہو۔“

”دہانے پر رہو۔“ میں نے دھاڑ کر کہا۔ ”باہر اور بھی ہیں وہ اندر آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

میرے لہجے کی خونخواری نے اسے جھجکا دیا اور وہ پیچھے ہٹی اور پھر تیزی سے دہانے کی طرف لپکی۔ باسوک طرف سے دو مزید فائر اس کا ثبوت تھے کہ باہر مزید برفانی آدمی آگئے تھے اور وہ اندر گھسنے کی فکر میں تھے۔ ڈیوڈ شانے زینی کی جگہ لے لی مگر اس نے میرے کام میں مداخلت نہیں کی تھی اس نے دور سے پوچھا۔ ”یہ کیا کر رہے

ہو؟“

”یہاں دوسری طرف بھی کوئی غار ہے اور شاید یہاں سے نکلنے کا کوئی اور راستہ بھی ہے۔“ میں نے کلباڑی چلاتے ہوئے کہا اور اس بار ضرب نے دیوار کا ایک حصہ گرا دیا۔ میں نے دستہ مار کر ملے صاف کیا اور نارچ سے اندر روشنی ڈالی تو دوسری طرف سچ سچ ایک بڑا سا غار تھا اور وہاں سے شدید بدبو آرہی تھی مگر بدبو برفانی آدمیوں سے زیادہ خطرناک نہیں تھی۔ ان میں سے کوئی غار کے دہانے تک چلا آیا تھا۔ اس نے اندر گھسنے کی کوشش کی تو زہنی اور باسو نے بیک وقت اس پر فائر کیے اور وہ غراتا ہوا پیچھے ہٹ گیا تھا۔ وقت کم تھا۔ میں نے ایک بار پھر کلباڑی چلانا شروع کر دی۔ سین بھی ایک کلباڑی لے کر میری مدد کو آ گیا تھا اور ہم دونوں نے مل کر ایک منٹ میں سوراخ اتنا بڑا کر لیا کہ ایک آدمی آرام سے اس سے گزر سکتا تھا۔ میں نے سین سے کہا۔

”میں اس طرف جا رہا ہوں اگر خطرہ نہیں ہوا تو تم سامان اس طرف پھینکنا شروع کر دینا۔“

میں نے دوسری طرف قدم رکھا اندر آتے ہی بدبو کا احساس شدید ہو گیا اور یہ سڑتے ہوئے فضلے کی بدبو تھی۔ غار کے فرش پر فضلے کی تہہ بچھی ہوئی تھی۔ برفانی آدمی اس جگہ کو رفع حاجت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ میں جہاں جہاں نارچ گھمراہا تھا مجھے یہی نظر آ رہا تھا لیکن نہیں وہاں کچھ اور بھی تھا میں نے نارچ گھمائی تو کوئی چیز چمکی تھی۔ میں نے دیکھا ایک کسی قدر صاف ستھرے کونے میں کوئی چیز تھی۔ میں فضلے سے بچتا ہوا اس کی طرف بڑھا نزدیک آنے پر میرا دل دھڑکا تھا کیونکہ وہ اوشا کی کلائی کا سنہری کنگن تھا۔ میں نے جھپٹ کر اسے اٹھایا۔ وہ اوشا کا ہی کنگن تھا اور جب برفانی آدمی اسے یہاں لایا تو شاید اس نے خود چھوڑ دیا لیکن نہیں۔ مجھے اپنا خواب یاد آ گیا برفانی آدمی اسے کھینچ کر لے جا رہا تھا اور وہ پیچھے ہوئے مزاحمت کر رہی تھی۔ کیا وہ خواب نہیں تھا اور میں نے سچ سچ اوشا کی آواز سنی تھی اور میرے خواب نے اس کی مکسنگ کی تھی۔ جب میں جاگا تو مجھے لگا کہ اوشا کی آخری چیخ سچ میں آئی تھی۔

شاید کچھ ایسا ہی تھا مگر میرے پاس غور و فکر کا وقت نہیں تھا۔ میں نے اب باقی غار کا معائنہ شروع کیا یہ کھلا ہوا نہیں تھا مگر ایک طرف سرنگ نما راستہ کہیں جا رہا تھا۔ لازمی بات تھی کہ یہاں آمدورفت کا راستہ تھا تب ہی برفانی آدمی یہاں رفع حاجت کے لیے آتے تھے۔ سین سوراخ سے جھانک رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ”ابھی رکو میں دیکھ رہا ہوں یہاں سے باہر جانے کا راستہ کیسا ہے پھر تم لوگ آنا۔“

”میں بھی آ رہا ہوں۔“ ڈیوڈ شانے کہا۔ ”تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔“

”یہاں گندگی اور بدبو ہے جو تمہاری طبع نازک پر ناگوار گزر سکتی ہے ویسے تمہاری مرضی ہے۔“ میں نے کہا اور سرنگ کی طرف بڑھ گیا۔ ویسے مجھے سچ سچ کسی مددگار کی ضرورت تھی کیونکہ ایک آدمی کے لیے مقابلہ مشکل تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ برفانی آدمی اوشا کو اس لیے یہاں لایا ہوگا تاکہ اسے دوسرے برفانی آدمیوں کی نظروں سے بچا سکے۔

میں نے کلباڑی چھوڑ کر شاٹ گن اتار لی تھی اس کے خالی ہو جانے والے خانوں میں کارتوس ڈالنے لگا۔ سرنگ کے پاس آ کر اندر نارچ کی روشنی ڈالی تو دیکھا سرنگ آگے جا کر گھوم رہی تھی میں روشنی نیچے کر کے آگے بڑھا اگر دوسری طرف کوئی موجود تھا تو روشنی اسے ہوشیار کر سکتی تھی۔ اس لیے میں روشنی محدود کر رہا تھا۔ مگر

دوسری طرف کوئی نہیں تھا۔ اب مجھے باہر کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ ڈیوڈ شامیرے پیچھے آچکا تھا۔ میں نے پلٹ کر اس سے کہا۔ ”دوسروں کو بلاو۔“

”میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”وہ سب آرہے ہیں۔ باسود ہانہ تباہ کر دے گا۔“

”وہ کیسے؟“

”ہمارے پاس کچھ بم ہیں جو ایک منٹ میں پھٹ جاتے ہیں۔“

مجھے باسو کا خیال آیا۔ ”وہ کیسے آئے گا۔“

”آجائے گا تم اس کی فکر مت کرو۔“ ڈیوڈ شانے مجھ سے آگے جاتے ہوئے کہا اس نے باہر جھانکا تھا

اور پھر بولا۔ ”ادھر راستہ صاف ہے۔“

میرا اندازہ تھا کہ ہم ٹیلوں کے عقبی حصے میں آنکلتے تھے۔ ”کرئل نظر آ رہا ہے؟“

”نہیں لیکن وہ یہیں ہوگا۔“ ڈیوڈ شانے کہا۔ پیچھے سے زینی نمودار ہوئی اور اس نے سامان والے بیگ

اٹھار کھے تھے۔ بیگ رکھ کر وہ واپس گئی اور مزید دو چکروں میں اس نے سارا سامان اس طرف پہنچا دیا تھا۔ وہ سلیج بھی لے آئی تھی کہ باسو اس کے بغیر سفر نہیں کر سکتا تھا۔ سامنے والے غار سے رہ رہ کر فائرنگ کی آواز آرہی تھی۔ پھر خود کار رائفیل کے برسٹ کی آواز آئی۔ خود کار رائفیل صرف کرئل کے پاس تھی۔ اس کا مطلب ہے وہ زندہ اور مسلح تھا۔ آخر میں زینی اور سین باسو کو سہارا دیتے ہوئے نمودار ہوئے اور فوراً ہی عقب میں دھماکہ ہوا تھا۔ دھماکا اتنا شدید تھا کہ پورا غار اور شاید ٹیلے بھی بل کر رہ گئے تھے۔ سرنگ کے اوپر سے مٹی اور برف کی بارش ہوئی تھی۔ ڈیوڈ شا اور میں سامان اٹھا کر باہر لانے لگے۔ دو بیگ نکال کر میں نے شاٹ گن سنبھال لی اور آس پاس دیکھنے لگا۔ ہم ٹیلوں کے عقب میں تھے اور اس طرف کوئی برفانی آدمی نہیں تھا۔ سب باہر آئے باسو کو سلیج پر بٹھا دیا۔ ڈیوڈ شا اور سین کو اس کے پاس چھوڑ کر میں اور زینی ٹیلوں کے سرے کی طرف بڑھے۔ زینی نے مجھ سے کہا۔

”یہ تو بہن، سارے ہیں میں نے سامنے سے کم سے کم نصف درجن برفانی آدمی آتے دیکھے تھے۔“

”تین تو میں نے بھی دیکھے ان میں سے دو مارے گئے تھے۔“ میں نے کہا۔ ”ایسا لگ رہا ہے کہ یہاں

ان کا پورا قبیلہ آباد ہے۔“

”ایک سرنگ کا نشانہ بنا۔“

”وہ پہلے ہی مر چکا تھا۔ باسو کی شاٹ گن نے اس کا سر اڑا دیا تھا۔“

”جسے تم نے پہلے مارا تھا اور وہ شدید زخمی تھا دوسری بار وہی سرنگ پر وہ آگیا تھا۔ اس کی ٹانگ بھی اڑ گئی

تھی۔“

”میرا خیال ہے جتنے مارے گئے ہیں اتنے ہی یا اس سے زیادہ ابھی زندہ موجود ہیں۔“ میں نے کہا اور

ایک کونے سے جھانک کر دیکھا۔ اس طرف کوئی نہیں تھا۔ اب مجھے کرئل کی فکر ہو رہی تھی۔ ایک برسٹ کے بعد وہ خاموش تھا اور نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ ہم ٹیلوں کے شمالی سمت آگئے تھے اور مغربی حصے یعنی سامنے کی طرف جا رہے تھے۔ اچانک ٹیلے کے اوپری حصے سے آہٹ ہوئی تو میں زینی کو کھینچتے ہوئے ایک کسی قدر نچلے چبھے کی آڑ میں ہو

گیا۔ اوپر سے برف گر رہی تھی۔ کوئی نیچے آ رہا تھا۔ زینی مجھ سے چپک گئی تھی۔ پتا نہیں اس میں خوف کا دخل تھا یا پھر وہ موقع سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔ اچانک اوپر سے دھم سے کوئی کودا اور میں بے ساختہ فائر کرتے کرتے رک گیا۔ وہ کرنل تھا۔ میں نے ہلکی سی آواز نکالی۔ ”شش“

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر اس کا تنا ہوا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”تم لوگ باہر کیسے آئے باقی کہاں ہیں؟“

”سب آچکے ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”درمیان سے دیوار توڑ کر ہم ایک غار میں آئے اور اس سے باہر نکل آئے۔ کیا تم اب ہٹو گی۔“ آخری جملہ میں نے زینی سے کہا تو وہ جھینپ کر دور ہو گئی۔ کرنل چونکا۔ ”تمہیں کیسے پتا چلا اس غار کا؟“

”بس پتا چل گیا۔“ میں نے مبہم انداز میں جواب دیا۔ ”میرا خدشہ درست تھا۔ اوشا کو یہیں رکھا ہوا تھا۔“ میں نے اسے اوشا کا کڑا دکھایا۔ ”اس جگہ کو برفانی آدمی رفع حاجت کے لیے استعمال کرتے ہیں اور وہاں جتنی مقدار میں فضلہ موجود ہے اس سے لگتا ہے یہاں خاصی تعداد میں برفانی آدمی موجود ہیں۔ ویسے ان کے فضلے کی بدبو بھی کم خوفناک نہیں ہے۔ آدمی چند منٹ سے زیادہ وہاں نہیں رہ سکتا۔ دو برفانی آدمی میرے سامنے مارے گئے۔“

کرنل نے سر ہلایا۔ ”کم سے کم تین میں نے مارے ہیں۔“

”ایک میرے ہاتھوں مرا ہے اور ایک باسو کے ہاتھ۔“

”ایک کو میں نے شوٹ کیا تھا۔“ زینی نے لقمہ دیا۔ ”مگر وہ مرا نہیں تھا بھاگ گیا تھا۔“

”آس پاس سکون بتا رہا ہے کہ فی الحال وہ پسپا ہو گئے۔“ کرنل نے کہا۔ ”ہمیں یہاں سے فوری روانہ ہو جانا چاہیے۔“

”لیکن کہاں اور کیا رات کی تاریکی میں سفر محفوظ ہو گا؟“ زینی نے پوچھا۔

”نہیں مگر یہاں ٹھہرنا زیادہ رسکی ہے۔“ کرنل بولا اور پیچھے کی طرف بڑھا جہاں ڈیوڈ شام موجود تھا اس نے اس سے بات کی اور اس نے بھی فوری روانگی کے حق میں فیصلہ دیا۔ باسو نے بتایا کہ جب وہ غار سے نکل رہے تھے تو کم سے کم دو برفانی آدمی اندر آئے تھے اور اس کے بعد دھماکا ہوا تھا۔ اس طرح سے مارے جانے والے برفانی آدمیوں کی تعداد چھ ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود اس سے زیادہ کی موجودگی عین ممکن تھی۔ ہم فوری چل پڑے۔ کچھ سامان چھوڑ دیا تھا جیسے مارک کا ذاتی سامان اور وزن کم کرنے کے لیے ایسی اشیاء جن کی ضرورت کم تھی وہ بھی چھوڑ دی تھیں۔ باقی سب سامان سیلج پر باسو سمیت لا کر ہم آگے روانہ ہوئے۔ پہلے کی طرح میں اور سین سیلج کو کھینچ رہے تھے۔ ڈیوڈ شام جی پی ایس پر لوکیشن چیک کر رہا تھا اور پھر اس نے نقشہ دیکھا۔ میں نے پوچھا۔

”ہم وادی سے کتنی دور ہیں؟“

”تقریباً بیس میل۔“ اس نے جواب دیا۔ ”ابھی ہم چڑھ رہے ہیں اس لیے رفتار سُست ہو گی لیکن جلد ہمیں وادی کی طرف جانے والی ڈھلان ملے گی اور رفتار بڑھ جائے گی۔“

”رفتاریز کرو۔“ میں نے سین سے کہا۔ ”ہمیں جلد یہاں سے دور نکل جانا ہے۔“

سین اپنی پوری کوشش کر رہا تھا میری بات سن کر اس نے رفتاریز کی تھی۔ عقب میں باسورف میں چھری مار کر سلیج کی رفتار کو بڑھا رہا تھا۔ کرنل اور زینی ڈیوڈ شا کے ساتھ تھے۔ تاریکی تقریباً مسلط ہو چکی تھی۔ ہم نے سلیج پر لگی لائٹس آن کیں اور ساتھ ہی ہاتھوں میں موجود نارچیں بھی روشن کر لیں۔ ہم درے کے اوپری حصے کی طرف جا رہے تھے اور ابھی اوپر پہنچنے میں وقت تھا۔ سین نے کہا۔ ”کوئی آس پاس ہے۔“

”توجہ مت دو۔“ میں نے کہا۔ ”جب تک ہم بھاگ رہے ہیں وہ پاس نہیں آئیں گے۔“

”یہ..... تم کیسے..... کہہ سکتے ہو؟“

”جانور ہمیشہ اس وقت حملہ کرتا ہے جب اس کا شکار بے خبری میں ہو جب کہ اس وقت ہم ہوشیار اور

حرکت میں ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”ہماری توجہ ہٹانے کے لیے وہ ڈرائے گا۔“

ابھی میں نے کہا تھا کہ عقب سے حیوانی چیخوں کی آواز آئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے چیخنے والے ہمارے

تعاقب میں ہوں۔ ان چیخوں میں ڈرانے والا اثر تھا۔ سین خوفزدہ ہو گیا۔ ”وہ ہم تک آرہے ہیں۔“

”وہ ہمارے آس پاس ہیں مگر میں نے کہا نا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ابھی حملہ نہیں کریں

گے۔“

کرنل نے چیخوں کے جواب میں پلٹ کر کچھ فار کیے تھے۔ میں نے چلا کر کہا۔ ”وقت مت ضائع کرو

اپنی توجہ چلنے پر لگاؤ۔ وہ ہمیں خوفزدہ کر رہے ہیں۔“

”شہباز ٹھیک کہہ رہا ہے عقب پر توجہ مت دو ابھی وہ حملہ نہیں کریں گے۔“ ڈیوڈ شا نے بھی وہی بات کی۔

”ہمیں بہر صورت آج ہی وادی کے کنارے پہنچنا ہے اسی صورت میں ہم ان سے بچ سکتے ہیں۔“

ڈیوڈ شا اپنی ہمت سے بڑھ کر دوڑ رہا تھا مگر اس کا لہجہ اور سانس حیرت انگیز طور پر ہموار تھی۔ کرنل نے کوئی

جواب نہیں دیا غائباً اسے پسند نہیں آیا تھا کہ ڈیوڈ شا میری تائید کرے۔ کرنل کو میں نے عام طور سے معقول آدمی

پایا تھا مگر بعض اوقات وہ ایب نارل حرکتوں پر اتر آتا تھا۔ حالانکہ اس جیسے آدمی کو ہر فیصلہ میزٹ پر کرنا چاہیے

تھا۔ بہر حال آدمی ہر لحاظ سے مکمل نہیں ہوتا ہے۔ خوبیاں اور خامیاں سب میں ہوتی ہیں۔ بات کرنے سے بھی

سانس ضائع ہو رہا تھا اس لیے میں نے تو خاموشی اختیار کر لی اُن تھک قدم اٹھاتے ہوئے مجھے اوشا کا خیال آیا۔

ان ٹیلوں میں ایک اور غار ملا تھا اس کا مطلب تھا کہ وہاں مزید غار ہو سکتے تھے اور اوشا ان غاروں میں سے کسی

میں ہو سکتی تھی۔ مگر اتنی مارا ماری اور ہنگامے کے باوجود اس کی ایک آواز بھی نہیں آئی تھی۔

اگر وہ وہیں تھی تو بے بس تھی یا بے ہوش تھی یا پھر کسی ایسی جگہ تھی جہاں سے آواز باہر نہیں آ سکتی تھی۔ مجھے

افسوس ہوا کہ کاش میں اسی وقت دیوار میں سوراخ کرنے کی کوشش کرتا جب میں نے دوسری طرف سانسوں کی

آواز سنی تھی۔ سانسوں کی آواز یقیناً اوشا کی تھی اور شاید وہ اس وقت ہوش میں نہیں تھی یا پھر سہمی ہوئی تھی جو آواز

نہیں نکال رہی تھی۔ مگر ہو سکتا تھا کہ یہ صرف میرا خیال ہو اور اوشا درحقیقت وہاں آئی نہ ہو۔ جہاں تک کڑے کی

بات تھی تو وہ برفانی آدمی بھی لا کر وہاں ڈال سکتا تھا۔ اس کے باوجود میرا دل کہہ رہا تھا کہ ایسا ہی ہوا تھا۔ اوشا

وہاں لائی گئی تھی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ڈیوڈ شا کی بات درست ثابت ہوئی تھی کہ اوشا زندہ ہے البتہ وہ

مجھے ملی نہیں تھی۔ شاید ڈیوڈ شا کا علم درست ہو کہ اوشا زندہ ہے اور بعد میں مجھے ملے گی لیکن میں اس پر آنکھ بند کر کے یقین کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔



مسلل دوڑنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم بالآخر دڑے کے اوپری حصے میں پہنچ گئے۔ حالانکہ ہم سلج بھی کھینچ رہے تھے۔ اس کے باوجود ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی ہم سے پیچھے رہ گئی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا دور تک پھیلے ہموار برف کے میدان پر صرف ان لوگوں کے ہولے نظر آرہے تھے۔ میں اس برف زار کے کناروں کو دیکھنے لگا۔ میرا اندازہ تھا کہ برفانی آدمی سیدھے راستے سے آنے کی بجائے اس طرف سے ہمارے پیچھے آسکتے تھے۔ اگر چاند نکل آتا تو اس کی روشنی میں چاروں طرف دیکھنا آسان ہوتا مگر آسمان پر چند ایک تارے ضرور تھے مگر چاندنی الحال نہیں نکلتا تھا۔ میں نے وادی والی سمت کی طرف دیکھا تو ڈھلان واضح طور پر نیچے جاتی دکھائی دی تھی۔ اس پر سلج از خود چلتی اور ہمیں زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی۔ چند منٹ بعد کرنل، ڈیوڈ شا اور زینی آگئے۔ تینوں ہانپ رہے تھے اور ہمارا سانس اب بہتر تھا۔ ڈیوڈ شانے آتے ہی مجھ سے کہا۔

”رکومت تم لوگ آگے جاؤ۔“

”اور تم لوگ؟“ میں نے کہا تو کرنل نے اپنے سامان سے اسکیٹ بورڈ نکالے مگر یہ پیہوں والے نہیں بلکہ برف پر پھسلنے والے اسکیٹ بورڈ تھے وہ تینوں انہیں پیروں میں جوتوں کے ساتھ فکس کرنے لگے۔ میں نے سلج آگے دھکیلی اور اس کے ساتھ ہی ہم چل پڑے۔ ڈھلان کے دوسرے رخ پر آکر اندازہ ہوا کہ سلج کھینچنا کتنا مشکل کام تھا اب اس مشکل سے نجات ملی تو بہت آسانی ہو گئی تھی۔ ہم تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے مگر اصل مزے تو ڈیوڈ شا اینڈ کمپنی کے ہوئے تھے۔ ہم کوئی سو گز آگے نکلے تھے جب انہوں نے ڈھلان سے سفر شروع کیا اور چند منٹ بعد وہ ہم سے آگے نکل گئے تھے۔ وہ مزے سے بورڈ پر کھڑے تھے اور وہ پھسلتا ہوا آگے جا رہا تھا۔ اگر ہمیں سلج کے ساتھ رہنے کا مسئلہ نہ ہوتا تو ہم بھی بورڈ استعمال کر سکتے تھے۔ بہر حال مسئلہ اب زیادہ نہیں تھا کیونکہ پیروں کو زحمت دیئے بغیر بھی ہماری رفتار خاصی تیز تھی۔

میرا اندازہ تھا کہ ہم چھ سات میل فی گھنٹے کی رفتار سے جا رہے تھے اور اس رفتار سے ہم دو سے ڈھائی گھنٹے میں وادی کے کنارے پہنچ جاتے۔ مگر رفتار تیز ہونے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم خطرے سے دور نکل گئے تھے۔ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ برفانی آدمی ہمارے پیچھے ہوں گے۔ میں نے اس کے جوتے سنے تھے اور پھر خود اسے دیکھا تھا تو لگ رہا تھا کہ یہ ضدی اور خونخوار جانور آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ ہمیں سلج کو کھینچنا نہیں پڑ رہا تھا بلکہ بعض جگہوں پر اس کی رفتار ہماری رفتار سے بڑھ جاتی تھی اور اسے روکنا پڑتا تھا۔ رفتار کی وجہ سے خطرہ تھا کہ سلج عقب سے ہم پر نہ چڑھ جائے۔ اس لیے اب ہم اس کے آگے کی بجائے دائیں بائیں دوڑ رہے تھے اور باسکو بھی پیچھے سے ایڑ نہیں لگانی پڑتی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد ہم سانس درست کرنے کے لیے رکے تھے۔ ڈیوڈ شا، کرنل اور زینی جب دیکھتے کہ وہ آگے نکل گئے ہیں تو وہ رفتار ذرا کم کر لیتے تھے کہ ہم ان کے پاس پہنچ جائیں۔

ساڑھے آٹھ بجے چاند طلوع ہوا یہ درمیانہ چاند تھا مگر اس برف زار میں اس کی روشنی دوسری جگہوں کی

نسبت کہیں زیادہ تھی۔ اس لیے چند منٹ میں ماحول روشن ہو گیا اور کئی سو گز تک بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ ہم نے سکون کا سانس لیا اور نہ تاریکی میں روشنی ہونے کے باوجود فکر تھی کہ برفانی آدمی کسی طرف سے حملہ نہ کر دیں اور ہم بے خبری میں ان کا نشانہ بن جائیں۔ مجھے سب سے زیادہ فکر ان کی سنگ باری کی تھی میں دیکھ چکا تھا کہ وہ کئی کلو گرام وزنی پتھر کتنی قوت سے اور درست نشانے پر مارتے تھے۔ کرنل کا شانہ ابھی تک مضروب تھا مگر وہ ہمت کر کے کام چلا رہا تھا۔ اسے زخموں کا تجربہ تھا۔ ممکن ہے اس کی جگہ سین ہوتا تو کسی کام کا نہ رہتا تھا۔ دس منٹ آرام کے بعد ہم دوبارہ روانہ ہوئے اور ڈیوڈ شانے خوشخبری سنائی کہ وادی اب زیادہ دور نہیں رہی تھی۔

مجھے عجیب سا لگا کہ میں کب سے اس وادی کے بارے میں سنتا آ رہا تھا۔ اس کے عجائبات میں نے خود دیکھے تھے۔ راجا عمر دراز کے محل میں وہ تصویر جس میں عجیب و غریب جانداروں کی تصویر کشی کی گئی تھی یہ کردار کبھی کبھی متحرک ہو جاتے تھے۔ وہ پتھر نما چیز جس میں کوئی سیال بھرا ہوا تھا جو روشنی جذب کر کے خود ہی روشن ہو جاتا تھا اور جب اسے تاریکی میں رکھا جاتا تو رفتہ رفتہ دوبارہ سیاہ ہو جاتا تھا۔ سب سے بڑھ کر وہ حیرت انگیز چیز جو حکیم قادس اپنی دواؤں میں استعمال کرتا تھا اور وہ نہ صرف زخم حیرت انگیز تیزی سے بھر دیتی تھیں بلکہ ناکارہ ہو جانے والے اعضاء کو بھی ٹھیک کر دیتی تھی۔ میرا بایاں ہاتھ اب تک میرے جسم سے جڑا ہوا تھا۔ اس میں ان دواؤں کا بنیادی کردار تھا۔ یہ سب چیزیں اس وادی سے تعلق رکھتی تھیں جو بذاتِ خود کسی جعبے سے کم نہیں تھی۔ ہالیہ کے عظیم الشان برف زار کے عین وسط میں یہ وادی حیات کے لیے سازگار ماحول رکھتی تھی اور یہاں نہ صرف انسان آباد تھے بلکہ ایسے جاندار بھی تھے جو دنیا کے کسی اور خطے میں نہیں پائے جاتے تھے وہاں ایک سنہری اہرام تھا جو اصل میں پچاریوں کی طاقت کا مرکز تھا۔ ایک خوب صورت اور آباد شہر تھا۔ یونانیوں جیسے نقوش اور خوب صورت جسموں والے لوگ اس وادی میں رہتے تھے۔ مگر وہ بس اسی لحاظ سے ذرا مختلف تھے ورنہ انسانوں والی تمام خوبیاں اور خامیاں ان میں موجود تھیں۔

بارہا ایسا ہوا کہ راجا عمر دراز نے مجھے یہاں آنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور ڈیوڈ شانے مجھے اس مقصد کے لیے بلیک میل تک کیا مگر میں کبھی اس پر دل سے آمادہ نہیں ہو سکا تھا۔ شاید اسی وجہ سے حالات میرے موافق ہو جاتے تھے اور میں یہاں آنے سے بچتا رہا مگر بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی۔ بالآخر اسے چھری تلے آنا ہی پڑا۔ اب میں وادی کے نزدیک تھا اور اس خطے میں فی الحال یہی ہمارے لیے جائے پناہ رہ گئی تھی۔ موسم، خوراک اور سب سے بڑھ کر پیچھے آتے برفانی آدمی تھے۔ جن سے بچنے کے لیے وادی میں اتنا لازمی تھا۔ مگر اولین مرحلہ اس کے کنارے پہنچنے کا تھا اور ابھی ہم اس سے دور تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد مجھے لگا جیسے دور کہیں زمین پر دھند ہو۔ میں نے سین سے پوچھا تو اس نے بھی دھند دیکھنے کی تصدیق کی۔ ڈیوڈ شا اور دوسرے آگے تھے اور اب وہ تیزی سے سفر کر رہے تھے۔

شاید انہوں نے بھی دھند دیکھ لی تھی اور اب وہ جلد از جلد وادی کے کنارے پہنچ جانا چاہتے تھے۔ میں نے اور سین نے بھی تھکن کے باوجود رفتار تیز کی۔ چاند نکل آنے سے ہمیں آسانی ہوئی تھی اور اب ہمیں روشنی سنجانے کی زحمت نہیں کرنا پڑ رہی تھی۔ اس لیے ہمارے قدم تیز اٹھ رہے تھے۔ دھند واضح نظر آنے لگی تھی مگر ساتھ ہی وہ غائب بھی ہو رہی تھی اس کے مرغلے اوپر اٹھ اٹھ کر فضا میں تحلیل ہو رہے تھے۔ چاند کی روشنی میں یہ

منظر بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ میں نے بے شمار برفانی علاقے دیکھے ہیں اور پاکستان کے سارے شمالی علاقے میں گھوما ہوں لیکن ایسی مرغولے بناتی دھند میں نے آج تک کہیں نہیں دیکھی تھی۔ جیسے جیسے ہم نزدیک جا رہے تھے ویسے ویسے چٹانیں نمایاں ہو رہی تھیں یہ زمین سے زیادہ بلند نہیں تھیں۔ کسی فصیل کی طرح نیم دائرے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ چٹانیں اصل میں وادی کی دیواریں تھیں۔ ان چٹانوں کے درمیان میں کہیں راستہ تھا جو وادی کے اندر جاتا تھا۔ اس راستے پر وادی کا نگران برف والا بیٹھا ہوا تھا۔

برف والا ایک اور حیرت انگیز کردار تھا جو اس وادی کے دوسرے تمام عجائبات پر حاوی تھا۔ ایک ایسا لاغر اور معمر بوڑھا جو نہایت سرد ماحول میں نہ ہونے کے برابر لباس میں رہتا ہے اور صرف برف کھاتا ہے۔ وہ اتنی طویل عمر رکھتا ہے کہ وادی کے لوگ جو خود بھی طویل عمر رکھتے ہیں وہ بھی اسے کئی نسلوں سے ایسا ہی دیکھ رہے ہیں اور روایت کے مطابق جب ایک برف والا مرے لگتا ہے تو وہ نیچے وادی میں آکر اپنا جانشین چن کر اوپر لے جاتا ہے اور اسے اپنے علوم اور دوسری چیزیں سونپ کر مر جاتا ہے۔ جب سے یہ بات کھلی کہ برف والا مجھے طلب کر رہا ہے تو میرے ساتھیوں نے مذاق میں کہنا شروع کر دیا کہ وہ مجھے اپنا جانشین تو نہیں بنانا چاہ رہا ہے اور میں ان کی بات کو ہنس کر ٹالتا رہا۔ اس وقت مجھے یہ سب بہت دور لگ رہا تھا۔ کیونکہ نہ میرا وادی کی طرف جانے کا ارادہ تھا اور نہ ہی میں نے اس بارے میں سوچا تھا۔

مگر اب میں وادی کے سامنے تھا اور برف والا پُر اسرار بوڑھا جس نے وادی میں اترنے کے لیے میری آمد کی شرط رکھی تھی۔ یہاں سے کچھ ہی دور تھا۔ جلد کھل کر سامنے آنے والا تھا کہ میری آمد کی شرط اس نے کیوں رکھی تھی۔ اسے مجھ سے ایسا کیا مطلب تھا کہ اس نے راجا عمر دراز اور ڈیوڈ شا کے سامنے شرط ہی یہ رکھ دی کہ جو مجھے لے کر آئے گا اسے ہی وادی میں اترنے کا راستہ ملے گا۔ چاند اوپر آنے سے منظر واضح ہو رہا تھا اور چٹانیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کے پیچھے سے اٹھنے والی دھند اب مرغولے دار نہیں رہی تھی بلکہ وہ جیسے کناروں پر بٹھیر رہی تھی اور چٹانوں سے امڈ کر میدانوں کی طرف آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر باہر آنے والی دھند اتنی کم تھی کہ وہ زیادہ دیر ٹھہر نہیں پاتی تھی اور ہوا میں غائب ہو رہی تھی۔ سردی اسے منجمد کر رہی تھی اور شاید پانی اور برف میں تبدیل کر رہی تھی۔

جب میں غار میں تھا تب ہی مجھے مٹانے میں دباؤ محسوس ہونے لگا تھا مگر وہاں مجھے موقع نہیں ملا اور پھر مار دھاڑ شروع ہو گئی۔ اس کے بعد فرار کا ایسا مرحلہ آیا جس میں رکنے کا مطلب موت کا شکار ہونا بھی ہو سکتا تھا۔ اس لیے راستے میں بھی موقع نہیں ملا مگر اب معاملہ برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ چٹانیں اب نصف کلومیٹر دور تھیں اور ڈھلان ختم ہونے سے اب ہمیں سلج کو کھینچنا پڑ رہا تھا۔ میں نے سین سے کہا۔ ”تم سلج لے جاؤ میں آتا ہوں۔“

”نہیں۔“ پاسو غرایا۔ ”تم کہیں نہیں جاؤ گے۔“

”میں جانیں رہا مجھے حاجت ہو رہی ہے۔“

”تب ہم بھی رکتے ہیں۔“ پاسو بولا اور اس نے اپنی چھتری برف میں گاڑ کر سلج روک لی۔ دوسرے لفظوں میں وہ مجھے اکیلے رکنے کا پابندی جانے کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا

اور نزدیکی چھوٹے سے برف کے ڈھیر کی طرف بڑھ گیا۔ پتلوان کی زپ نیچے کرتے ہوئے میں آس پاس سے ہوشیار تھا۔ برفانی آدمیوں کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ اتنی آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر وہ فوری تعاقب میں نہ بھی آئے تب بھی ہمارے پیچھے ضرور آئیں گے اور ان کی آمد سے پہلے ہمارا وادی میں اتر جانا لازمی تھا۔ چند منٹ میں، میں فارغ ہو کر آیا تو کرنل بھی ہماری طرف آ رہا تھا اسے بھی ہمارے رکنے سے تشویش لاحق ہو گئی تھی۔ وہ لوگ چٹانوں کے پاس پہنچ گئے تھے اور سامان اتار دیا تھا۔ میں نے اسے واپس جانے کا اشارہ کیا اور سیلج کی رستی تھام لی۔ میں نے اور سین نے کھینچنا شروع کیا باسو ہماری مدد کر رہا تھا اور دس منٹ میں ہم چٹانوں کے پاس پہنچ گئے تھے۔ ڈیوڈ شاروشنی لیے چٹانیں دکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

”جہاں تک میری معلومات ہے نیچے اترنے کا راستہ یہاں سے نہیں ہے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں یہاں رات گزارنے کے لیے جگہ دکھ رہا ہوں۔ یہاں اسنوین کا خطرہ کہیں

زیادہ ہوگا۔“

میں نے سر ہلایا کہا۔ ”ہمیں ٹھکانہ محفوظ چاہیے مگر ساتھ ہی ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔“

”یہاں ایک تنگ سی جگہ ہے جس میں برفانی آدمی اپنی جسامت کی وجہ سے آسانی سے نہیں گھس سکتے

ہیں۔“

”ایسی جگہ باسو کیسے جائے گا؟“ میں نے نکتہ اٹھایا۔

”باسو باہر رہے گا۔“ اس نے بے نیازی سے کہا۔

میں حیران نہیں ہوا مگر سوال ضرور کیا تھا۔ ”یعنی تم اسے ان درندوں کے سامنے بے یار و مددگار چھوڑ دو

گے؟“

”مجبوری ہے ایک آدمی کی خاطر سب کو خطرے میں نہیں ڈالا جاسکتا۔“ ڈیوڈ شانے کہا اور چٹانوں میں

ایک طرف غائب ہو گیا۔ شاید اسے وہ جگہ نظر آ گئی تھی۔ ہم سب ایک ہی جگہ تھے کرنل ایک طرف اپنے بیگ پر

بیٹھا ہوا سگریٹ پنی رہا تھا۔ وہ عادی سگریٹ نوش نہیں تھا میں نے صرف فارغ اوقات میں اسے تمباکو نوشی کرتے

دیکھا تھا۔ سین اس کے پاس چلا گیا اور اس سے سگریٹ لے کر پینے لگا۔ زینی باپ کے ساتھ لگی ہوئی تھی مگر وہ

چٹانوں کے اندر نہیں گئی تھی۔ ڈیوڈ شانیقینا پاس تھا۔ وہ اکیلا سب سے دور جانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا جب کہ

اسے معلوم تھا کہ خطرہ آس پاس ہی منڈلا رہا تھا۔ میں نے پہلے چٹانوں کو پاس سے دیکھا۔ ان کی ساخت کچھ

عجیب سی تھی جیسے گولی لگنے سے کوئی فوادا چادر پھٹ جائے اور دوسری طرف اس کی جو ساخت بنتی تھی ویسی ہی

ساخت ان چٹانوں کی تھی۔ جیسے ان کے اندر سے کوئی چیز بہت قوت سے نکلے ہو اور اس نے چٹانوں کو یہ شکل دی

ہو۔ نوکیلی کئی چھٹی اور مہیب سی ساخت تھی۔

نوگوں سے دھند جیسے ٹپک ٹپک کر رہی تھی۔ میں نے پاس جا کر دیکھا تو جج جج دھند پانی کے

باریک قطرہوں میں بدل کر نیچے گر رہی تھی اور یہ قطرے پھیل کر برف کی صورت اختیار کر رہے تھے۔ وادی میں

برف باری اور بارش سے جو پانی جاتا تھا اس کا اخلاء وادی سے اسی دھند کی صورت میں ہوتا تھا ورنہ پانی کی نکاسی

نہ ہوتی تو اس وادی کی جگہ یہاں کوئی بہت بڑی جی ہوئی جھیل ہوتی۔ پانی کے اسی اخلاء کی وجہ سے یہاں آبادی

ممکن ہوئی تھی۔ ڈیوڈ شا کو چٹانوں میں گئے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہو گئے تھے۔ مگر زینی اطمینان سے اپنی جگہ موجود تھی۔ اس لیے باقی بھی مطمئن تھے۔ بالآخر ڈیوڈ شا اندر سے برآمد ہوا اور اس نے اشارہ کیا۔ اس نے جگہ تلاش کر لی تھی۔ سب نے سامان اٹھایا۔ میں اور سین دوبارہ سیلج کھینچنے لگے اور ہم چٹانوں میں داخل ہوئے یہاں بھی شروع میں برف جمی ہوئی تھی لیکن جیسے جیسے ہم آگے بڑھ رہے تھے برف کم ہو رہی تھی۔ ایک جگہ برف بالکل ہی ختم ہو گئی ہے۔ میں نے ڈیوڈ شا سے کہا۔

”اب سیلج نہیں کھینچ سکتے۔“

”پہلے سامان اندر پہنچاؤ۔“ اس نے کہا۔ کرنل، سین اور زینی سامان اٹھا کر لے جانے لگے۔ میں وہیں ایک جگہ بیٹھ گیا یہاں چاند کی روشنی بہت کم تھی اور لائٹس آن کرنا پڑی تھیں۔ باسو سیلج پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ یوں بے فکر تھا جیسے اپنے آرام دہ اور محفوظ گھر میں بیٹھا ہو میں نے کبھی اسے اپنی ذات کی پروا کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے آقا اسے بلا جھجک موت کے منہ میں جھونک دیتے تھے اور وہ بلا جھجک چلا بھی جاتا ہے۔ اس سے جو کہا جاتا وہ وہی کرتا تھا نہ تو اپنا دماغ استعمال کرتا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی فکر کرتا تھا۔ وہ زمانہ قدیم کے غلاموں کی طرح تھا جو اپنے آقا کے حکم پر ہنسی خوشی اپنی جان دے دیتے تھے۔ کرنل آخری بیک لینے آیا تو میں نے اس سے پوچھا۔ ”باسو کا کیا ہوگا؟“

”یہ اندر نہیں جاسکتا۔“ کرنل نے کہا۔ ”راہ داری بہت تنگ ہے۔ اگر اس کے پاؤں میں مسئلہ نہ ہوتا تو شاید کسی نے کسی طرح گزرا کر کھا کر چلا جاتا مگر اس کنڈیشن میں بہت مشکل ہے۔“

میں نے کہا۔ ”اگر یہ یہاں رہے گا تو برفانی آدمیوں کا آسان شکار بن جائے گا۔“

”تم اس کی فکر مت کرو۔“ کرنل نے سرد لہجے میں کہا اور شاٹ گن کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ مجھے دو۔“

”کس خوشی میں؟“ میں نے انکار کیا۔ ”اگر یہ میرے پاس ہے تو تمہیں کیا مسئلہ ہے؟“

”گن دو۔“ باسو غرایا تو میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی مہیب شاٹ گن کا رخ میری طرف تھا۔ اس حال میں بھی اسے اپنی ڈیوٹی یاد تھی جب کہ اس کے آقا کو اس کی زندگی کی خاص پروا نہیں تھی۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ کرنل مسکرایا اور اس نے ہاتھ آگے کیا تو میں نے بادل نا خواستہ شاٹ گن شانے سے اتار کر اس کی طرف بڑھادی اور طنزیہ لہجے میں کہا۔

”دیکھتے ہیں کب دوبارہ مجھے دیتے ہو؟“

کرنل نے تسلیم کیا۔ ”ہو سکتا ہے کہ گن تم کو دینی پڑے مگر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔“

کرنل بیک اور شاٹ گن لے کر اندر چلا گیا۔ باسو نے اپنی شاٹ گن رکھ لی اور پہلے کی طرح بے نیاز نظر آنے لگا تھا۔ وہ اس روبوٹ کی طرح تھا جس میں مکمل پروگرام فیڈ ہوتا ہے کہ اسے کس صورت حال میں کیا کرنا ہے اور وہ اپنا کام کر کے دوبارہ ساکت ہو جاتا ہے۔ میں بھی اندر کی طرف بڑھا۔ چٹانوں کے درمیان ایک پتلا سا راستہ تھا جو اوپر سے مزید تنگ ہو رہا تھا اور اوپر سے کسی کے اندر گھسنے کا امکان کم تھا۔ آگے جا کر دراڑ خاصی تنگ ہو گئی تھی اور میں بھی اس سے بھٹس کر جا رہا تھا۔ پتا نہیں یہ لوگ سامان کیسے اندر لے گئے تھے۔ باسو کی

جسامت کا آدمی کسی صورت اندر نہیں جاسکتا تھا اور اسی طرح برفانی آدمیوں کے اندر گھسنے کا امکان بہت کم تھا۔ شاید وہ اندر گھس آتے لیکن بے خبری میں حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں بہت آسانی سے روکا جاسکتا تھا۔ دراڑ کے آخری حصے میں ایک چھوٹا سا بند کمرہ تھا۔ بندیوں کے اس کے اوپر چھت تھی۔ سب سامان سمیت وہیں تھے۔ یہ ظاہر یہ جگہ محفوظ تھی لیکن میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ میں نے ڈیوڈ شائے کہا۔

”کہیں یہ جگہ ایک غار نہ ثابت ہو اور ہم پھنس کر رہ جائیں۔“

”کیا مطلب؟“

”ہمیں باہر پہرے کا انتظام کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہاں آمدورفت کا راستہ ایک ہی ہے اور برفانی آدمیوں نے اسے ہلاک کر دیا تو ہم یہیں پھنس کر رہ جائیں گے۔“

ڈیوڈ شائے نفی میں سر ہلایا۔ ”باہر خطرہ ہے۔“

خلاف توقع کرل نے میری حمایت کی۔ ”میرا خیال ہے شہباز ٹھیک کہہ رہا ہے ہمیں بالکل ہی اندر محصور ہو کر نہیں رہنا چاہیے۔ باہر کسی جگہ پہرہ ہوتا کہ ہم برفانی آدمیوں کو باہر ہی روک سکیں۔“

”اور جو باہر ہوگا.....“ ڈیوڈ شائے کہنا چاہا۔

”باسو باہر ہی ہے اور ہم اس سے بھی کام لے سکتے ہیں مگر ایک آدمی اور ہونا چاہیے۔“

کسی قدر غور و خوض کے بعد ڈیوڈ شائے سر ہلادیا۔ ”ٹھیک ہے تم لوگ آپس میں میکنزم طے کر لو کہ کس طرح یہ کام ہوتا ہے لیکن اب کوئی جانی نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں کل بہر صورت وادی میں اترنا ہے۔“

کرل نے میری طرف دیکھا۔ ”تمہارے ذہن میں کوئی پلان ہے؟“

”ہاں اگر ہم ان چٹانوں پر کہیں چیک پوسٹ بنالیں جہاں سے دور تک نظر رکھی جاسکے تو مناسب ہوگا اور آپس میں رابطے کے لیے آلات ضروری ہیں۔“

کرل نے اپنے مخصوص بیگ سے چھوٹا ریڈیو سیٹ نکالا۔ ان کے بلو تو تھ ہینڈ سیٹ آرام سے کان میں فٹ ہو جاتے تھے اور ٹانگ اتنا طاقتور تھا کہ سرگوٹی کی آواز بھی کچھ کر لیتا تھا۔ سیٹ جیب میں رکھے جاسکتے تھے مگر ایک کھپ کی مدد سے جیکٹ کے کالر سے لگانے پر ان کی ریٹج بڑھ جاتی تھی۔ اور یہ بند جگہوں پر بھی دوسو گز کی دوری تک کام کر سکتے تھے۔ میں اور کرل باہر آئے۔ باسو اپنی جگہ خالی ہو جانے والی سیٹج پر بیٹھا ہوا تھا۔ کرل نے اس سے سیٹج خالی کرائی اور اسے چٹان کے ساتھ ٹکا کر اوپر چڑھ گیا۔ اوپر جا کر اس نے آس پاس کا جائزہ لیا اور پھر مجھے اوپر آنے کا اشارہ کیا۔ میں بھی چڑھ گیا۔ یہاں سے آس پاس کی چٹانیں اور عقب میں دور تک پھیلے برفانی میدان کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ کرل نے ذرا آگے ایک تاج کی طرح اونچی ہوتی چٹان کی طرف اشارہ کیا۔ ”مگر ان پوسٹ کے لیے وہ کیسی رہے گی؟“

”بہترین لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔“

”وہ کیا؟“

”ایک طرف تو تم لوگ مجھ پر اعتماد کر رہے ہو مجھے ہر معاملے میں شامل کر رہے ہو۔ دوسری طرف مجھے

الحد دیتے ہوئے ڈر رہے ہو۔“

وہ مسکرایا۔ ”آسان سی بات ہے۔ تم ہمارے ساتھ تمام خطرات کے سامنے ہو۔ اس لیے لازمی ہمارا ساتھ دے رہے ہو۔ مگر اسلحہ ہاتھ میں آنے کی صورت میں تمہارے خیالات بدل سکتے ہیں اور تم اس کی مدد سے ہمیں مجبور کر سکتے ہو۔“

میں سمجھ رہا تھا مگر میں نے جان بوجھ کر اس سے یہ سوال کیا تھا۔ ”فرض کرو کہ میں اسلحہ چھین لوں۔ مجھے بہت سے مواقع ملے بھی تھے۔“

”تب تم نے اسلحہ کیوں حاصل نہیں کیا؟“ کرنل نے پوچھا اور پھر خود ہی اس سوال کا جواب بھی دیا۔ ”تم جانتے ہو کہ اسکیلیم سب کو کنٹرول نہیں کر سکو گے اس لیے اسلحہ حاصل کرنا بھی بیکار ہوگا۔“

”جب تم یہ جانتے ہو تب مجھے ہتھیار کیوں نہیں دے رہے؟“

”بتایا نا کہ تمہارے ذہن میں اچانک کوئی خیال آئے اور تم ہتھیار کے زور پر اس پر عمل کر گزرو۔ ہو سکتا ہے وہ ہمارے پلان یا پالیسی میں نہ ہو اس صورت میں نقصان ہمارا ہوگا۔“ کرنل کہتے ہوئے اس تاج نما چٹان کی طرف بڑھ گیا اس کی آگے سے اٹھ جانے والی لکرنما دیواروں کے پیچھے ایک پیالہ نما جگہ تھی اور اس میں آرام سے ایک دو آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں اتنی سردی نہیں تھی اور آنے والی دھند کا درجہ حرارت یہاں کے ماحول سے زیادہ تھا اس لیے وہ کسی قدر گرم محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔ نیچے سے آنے والی دھند کی مقدار کم ہو رہی تھی۔ اب کنارے کی طرف گرنے والی چٹانیں بھی نظر رہی تھیں۔ کرنل نے تاج نما چٹان کا معائنہ کیا اور واپس آیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ ”باسو یہاں تک آ سکتا ہے؟“

”نوئی ٹانگ کے ساتھ یہ آسان نہیں ہوگا۔“

مگر جب باسو سے پوچھا تو اس نے کہا۔ ”میں جاسکتا ہوں اور پرستی باندھ کر مجھے دو۔“

”تم کیا کرو گے؟“ میں نے پوچھا۔

”تم دیکھو۔“ اس نے کہا۔ کرنل نے اوپر رسیاں باندھ کر نیچے پھینکیں اس نے رسیاں اپنی بیلٹ میں کوء پٹائی والے کس سے منسلک کیں اور پھر بہت آرام سے رسی کی مدد سے اوپر پہنچ گیا۔ ٹانگوں سے زیادہ اس کے بازو طاقتور تھے۔ کرنل نے تاج نما چٹان کے بالکل پاس رسی باندھی تھی اس لیے باسو کو چٹان تک پہنچنے میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس نے اپنی ٹانگ پر زور نہیں دیا اور آرام سے اوپر پہنچ گیا۔ کرنل نے مجھے کہا۔

”تم اس کے ساتھ رو، میں تم دونوں کے لیے کھانے اور پینے کی چیزیں لاتا ہوں۔“

کرنل چلا گیا مگر کچھ دیر بعد اس کی بجائے زینی آئی وہ میرے اور باسو کے لیے کھانا پانی لے کر آئی تھی۔

اس نے کہا۔ ”یہاں اتنی سردی نہیں ہے۔“

”شاید نیچے سے گرمائش آرہی ہے۔“ میں نے کہا اور اس کے لائے سینڈوچ کھانے میں لگ گیا۔ دیر کرتا تو یہ جم جاتے اور پھر منہ میں ڈال کر پہلے انہیں گھلاتا پڑتا۔ کھاپی کر میں نے آرام کا ارادہ کیا تھا کہ زینی نے کہا۔ ”کیا خیال ہے وادی کے کنارے تک چلیں؟“

میں نے اس طرف دیکھا۔ ”ہاں اب دھند صاف ہوگئی ہے اور ممکن ہے نیچے کچھ نظر آ رہا ہو۔“

زینی خوش ہوگئی۔ ”میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔“

ہم دونوں باسوکو وہیں چھوڑ کر چٹانوں کے اوپر سے ہوتے ہوئے وادی کے کنارے کی طرف بڑھے۔ کھنڈر نما چٹانیں کئی سو گز تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ہمیں مختلف چٹانوں کو پھلانگتے ہوئے جانا پڑ رہا تھا۔ بعض مقامات پر غلا خاصے بڑے تھے اور انہیں احتیاط سے پھلانگنا پڑ رہا تھا۔ ایسی ہی ایک جگہ زینی نے پھلانگ لگائی تو کنارے پر اس کا قدم ٹھیک سے نہیں آیا تھا اور وہ پھسل کر نیچے جانے لگی تھی۔ میں نے بروقت اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر اسے اوپر کھینچ لیا۔ اس کا سانس رک گیا تھا کیونکہ نیچے خاصی گہرائی تھی اور وہ تیس پینتیس فٹ کی بلندی سے گرتی تو یقیناً شدید چوٹ لگتی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ نہیں گر رہی ہے تو اس کی سانس بحال ہوئی۔ اس نے کہا۔

”تھینک یو۔“

”میری کم بختی۔“ میں آہستہ سے ہنسا۔ ”مجھے تمہارا چیلنج یاد ہے۔“

اس نے ترچھی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ”تم اس قسم کے آدمی لگتے نہیں ہو۔“

”آدمی آدمی ہوتا ہے اس کی کوئی قسم نہیں ہوتی ہے۔“ میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ وادی کا کنارہ کچھ دور تھا۔ ہم ایک چٹان پر پہنچے تو اس کے نیچے دیوار سیدھی جا رہی تھی۔ دھند اب کم رہ گئی تھی لیکن چند سو فٹ زیادہ دور نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ نیچے دھند بدستور موجود تھی۔ مجھے یاد آیا کہ راجا عمر دراز نے بتایا تھا کہ مکمل دھند اسی صورت میں صاف ہوتی تھی جب آسمان پر چاند نہ ہو۔ صرف ستارے ہوں۔ اگر چاند ہو تو دھند پوری طرح صاف نہیں ہوتی تھی اور اس کا کچھ حصہ باقی ہوتا تھا۔ یعنی جب تک روشنی ہوتی تھی نیچے دیکھنا ممکن نہیں ہوتا تھا جب روشنی ہوتی تب وادی اوپر سے دکھائی دیتی تھی۔ بعض اوقات دن میں کچھ دیر کے لیے دھند ہٹ جاتی اور سورج کی روشنی بھی نظر آتی تھی مگر یہ بس چند منٹ کے لیے ہوتا تھا۔ اس کے بعد دھند نمابادل دوبارہ چھا جاتا تھا۔ شاید یہ وادی کا سیلف ڈیفنس سسٹم تھا جس کا مقصد اس وادی کو باقی دنیا کی نظروں سے دور رکھنا تھا۔ ز میرے ساتھ نیچے دیکھ رہی تھی اور اس نے کہا۔

”یہاں تو کچھ نہیں ہے۔“

”یہاں نہیں ہے لیکن نیچے بہت کچھ ہے۔“

”یہاں بھی بہت کچھ ہے۔“ وہ اچانک بدلے ہوئے لہجے میں بولی۔

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ”کیا ہے۔“

”میں۔“ اس نے سینے پر ہاتھ رکھا اور مخمور لہجے میں بولی۔ ”میرا حسین وجود۔“

”دونوں باتوں میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن تم مجھے کیوں بتا رہی ہو۔“

”میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتی ہوں۔“ اس نے اپنی بھاری جیکٹ اتار دی۔ نیچے اس نے جسم پر چ

گرم ہائی نیک پہنی ہوئی تھی مگر یہ اتنی فٹ تھی کہ ایک ایک انگ نمایاں تھا۔

”تم بھول رہی ہو میں سب دیکھ چکا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”جب تم نے مجھے غلام بنایا ہوا تھا۔“

اس نے حسرت سے مجھے دیکھا۔ ”کاش کہ میں تمہیں اسی وقت حاصل کر لیتی۔“

اب پچھتاوے کیا ہوتے جب چڑیاں چک گئیں کھیت۔“ میں ہنسا۔ ”مہربانی کر کے جیکٹ پہن لو

سردی اتنی بھی کم نہیں ہے۔“

”تمہارے ساتھ مجھے گرمی لگنے لگی ہے اور میرا دل کر رہا ہے کہ یہ بھی اتار دوں۔“ اس نے شوخی سے کہا۔
 ”تم نے پہلے کیا کہا تھا؟“

”شوق سے اتار دو۔“ میں نے جواب دیا اور اسے محاورے کا مطلب سمجھایا۔ اس کی اردو اتنی اچھی نہیں تھی۔ پھر جانے کے لیے پلٹا تو وہ سامنے آگئی۔
 ”میں تمہیں ایسے جانے نہیں دوں گی۔“
 ”پھر کیسے جانے دو گی۔“

”مجھے ایک کس دینا ہو گا۔“ وہ میرے پاس آگئی۔ میں نے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید پیش قدمی سے روکا۔
 ”بس اس سے آگے مت آنا۔“

اس سے پہلے وہ کچھ کتنی یا کرتی اچانک نیچے وادی سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی جاندار بولا ہو۔ آواز ایسی تھی جیسے لکڑی چنچتی ہے۔ وہ چونک گئی۔ ”یہ کیسی آواز ہے؟“
 میں فکر مند ہو گیا۔ ”پتا نہیں جیکٹ پہنوا ہمیں یہاں سے جانا ہو گا۔“

اس نے جلدی سے جیکٹ پہنی اس کا سارا رومانی موڈ ہوا ہو گیا تھا۔ اگلی بار آواز نزدیک سے آئی اور یوں لگا جیسے وہ چیز اوپر آگئی ہو۔ میں نے زینی کا ہاتھ تھاما اور تیزی سے واپس جانے لگا۔ جب چٹانیں پھلا گئیں کا مرحلہ آیا تو مجھے اس کا ہاتھ چھوڑنا پڑا تھا۔ ایک بار میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے لگا جیسے کئی چھوٹے چھوٹے جاندار چٹانوں کے درمیان حرکت کر رہے ہوں اور تیزی سے ہماری طرف آرہے تھے۔ میں ٹھیک سے نہیں دیکھ سکا لیکن ان کی تعداد خاصی زیادہ لگ رہی تھی۔ میں اور زینی ایک جگہ تھے۔ اس سے آگے دو چٹانوں کے درمیان خلا تھا۔ ہم اس طرف سے نہیں آئے تھے مگر جلدی میں واپسی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اس سمت آئے تھے۔ خلا زیادہ تھا اور ہمیں اسے دوڑ کر کراس کرنا تھا۔ میں نے زینی سے کہا۔ ”دوڑو اور رکنا مت۔“

”ایک ساتھ جاتے ہیں۔“ اس نے کہا اور ہم دونوں ایک ساتھ بھاگے۔ جیسے ہی چٹان کے کنارے پر پاؤں رکھا اچانک وہ لرزا اور ہمارے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ چٹان کا یہ حصہ نیچے گیا اور ایسا لگا جیسے ہم کسی گہرے کنویں میں گر رہے ہوں مگر یہ تاثر لمحاتی تھا۔ کچھ نیچے جانے کے بعد چٹان کا یہ ٹکڑا کسی چیز سے ٹکرایا اور ہم اس سے اچھلتے ہوئے نیچے نرم برف پر گرے اور پھر اس میں دھنستے چلے گئے۔ زینی نے چیخ ماری تھی اور میرے منہ سے بھی آواز نکلی تھی۔ عقب میں آنے والے جاندار یقیناً ہماری سمت سے واقف ہو گئے ہوں گے۔ ہماری خوش قسمتی کہ نرم برف کے اس ڈھیر کی وجہ سے ہمیں کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ حالانکہ ہم کوئی چالیس فٹ کی بلندی سے گرے تھے۔ یہ جگہ کسی کنویں جیسی تھی اور اس کی دیواروں میں کہیں کوئی رخنے نظر نہیں آ رہا تھا یعنی یہاں سے باہر جانے کا راستہ صرف چھت تھی۔ نرم برف کا ڈھیر صرف اسی حد تک تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ ہمارے لیے ہی یہاں بچھایا گیا ہو جب کہ کنویں کی باقی جگہیں برف سے خالی تھیں۔ یا وہاں معمولی سی برف تھی۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی تھی کہ آنے والے طوفان نے یہاں تک اثر ڈالا تھا اور ہواؤں نے برف کا یہ ڈھیر یہاں لا پھینکا تھا۔ زینی نے گر کر اٹھنا چاہا مگر میں نے اسے روک لیا اور پھر واپس دھکیل کر اس کے اور اپنے اوپر برف

ڈالنے لگا وہ مضطرب لہجے میں بولی۔ ”یہ کیا کر رہے ہو؟“

”دشش پلو مت۔“ میں نے کہا اور اسے اتنا برف میں دفن کر دیا کہ بس اس کا منہ باہر رہ گیا۔ پھر میں نے اپنے ساتھ یہی یہی سلوک کیا۔ چنچنی آوازیں اب یہاں تک آ رہی تھیں اور ہمارے پیچھے آنے والے چھوٹے جاندار یہاں تک پہنچ گئے تھے۔ راجا عمر دراز نے اپنی جو کہانی سنائی تھی۔ اس میں کچھ بندر نما جانوروں کا ذکر تھا جو اپنے مخصوص پنچوں اور ہلکی جسمانی ساخت کی وجہ سے وادی کے اوپر تک آ جاتے تھے۔ یہ چھوٹے ہونے کے باوجود خوشخوار تھے اور اپنے ناخنوں اور دانتوں سے آدمی کو ادا ہیز سکتے تھے اور اپنی زیادہ تعداد کی وجہ سے بڑے جانوروں پر بھی حاوی ہو جاتے تھے۔ جب راجا عمر دراز ولیم شاہ کے ساتھ یہاں آیا تو اس کا واسطہ سب سے پہلے ان ہی جانوروں سے پڑا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ وہی جانور تھے اور میں نے جو آخری منظر دیکھا تھا اس میں ایسے درجنوں جانور حرکت کرتے محسوس ہو رہے تھے۔

”آواز مت نکالنا۔“ میں نے سرگوشی میں زبانی سے کہا۔

اسی لمحے اوپر آئیں ہوئیں اور ٹوٹی چھت سے چھوٹے چھوٹے بے شمار سر نمودار ہوئے۔ وہ اندر جھانک رہے تھے اور ان کی زرد آنکھیں تاریکی میں چمک رہی تھیں۔ پھر ان میں سے کچھ نیچے اترنے کی راہ تلاش کر لگے۔ ان کے لیے یہ زیادہ مشکل نہیں تھا وہ کھر در دی دیواروں پر پنچے گاڑھ کر نیچے آ سکتے تھے اور ایسا ہی ہوا۔ ایک نے نیچے آنے کا راستہ دریافت کیا اور اس کے پیچھے پوری پلاٹون اتر کر نیچے آ گئی اور گھوم کر ہمیں تلاش کرنے لگی وہ لازمی ہمارے پیچھے آئے تھے۔ میں نے اور زبانی نے سانس بھی روک لی تھی۔ میری ایک آنکھ برف سے باہر اور ناک کا کچھ حصہ تھا مجھے خطرہ تھا کہ میں سانس لوں گا تو ہوا میں بھاپ بنے گی اور وہ ہوشیار ہو جائیں گے۔ زیادہ دیر سانس روکنا بھی ممکن نہیں تھا اس لیے میں بہت آہستہ سے سانس لینے لگا۔ ایسا ہی زبانی بھی کر رہی تھی میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا۔ کہ یہ دفع ہو جائیں ورنہ ان سے ایک طویل جنگ کرنا پڑتی جس میں ہم بچ جاتے تب بھی ہمارا حشر ہو جاتا۔

یہ کچھ عجیب سی مخلوق تھی جو بیک وقت بندر اور چمگاڈ کا مکسچر لگ رہی تھی۔ ان کے جسم چمگاڈ کی طرح پتہ جیسے اور ہلکے سے تھے مگر سر اور منہ بندر جیسا تھا۔ ان کی ساخت دیکھ کر مجھے شبہ ہوا کہ شاید یہ ہوا میں گلائیڈ کر ہوئے اڑنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے یعنی ہوا میں تیرتے ہوئے نیچے جا سکتے تھے۔ اوپر آنے کے لیے یہ انوکھی اور مڑی ہوئی ساخت کے پنچوں کا سہارا لیتے ہوں گے اور ان کی واپسی بائی ائیر ہوتی ہوگی۔ صدیوں یا شاید ہزاروں سال سے یہ مخلوق اس جگہ آ جا رہی تھی اور ارتقا کے قانون کے تحت ان کے جسم از خود ماحول مطابق ڈھل گئے تھے۔ ہو سکتا ہے شروع میں یہ بندروں یا چمگاڈوں کی کوئی قسم رہی ہو۔ چمگاڈ اتنی بلندی پر اڑ سکتی ہے۔ بلکہ کوئی پرندہ بھی اتنی بلندی پر نہیں آتا ہے۔ اندر آنے والے جانوروں کی تعداد میں پینتیس زیادہ تھی اور وہ ہر جگہ گھس رہے تھے اور مکروہ سی چنچنے جیسی آوازیں نکال رہے تھے۔ یہ آوازیں کانوں کو کچھ تھیں۔

برف کا ڈھیر وسط میں تھا اور وہ اب تک اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ مگر کب تک بالآخر خنجرند ہماری طرف آئے۔ وہ زمین پر پھدک پھدک کر چل رہے تھے۔ شاید انہیں زمین پر چلنے کی عادت نہیں تھی

چٹائی دیواروں میں رہتے ہوں گے۔ میں نے سانس روک لیا اور زینی نے بھی ایسا ہی کیا تھا مگر بد قسمتی سے آنے والوں میں سے ایک نے سیدھا زینی کے منہ پر پاؤں رکھا اور اس نے ایسی دل خراش چیخ ماری کہ اس بندر کا تو ہارٹ فیل ہو گیا ہو گا جس نے اس کے منہ پر پاؤں رکھا تھا۔ وہ اچھل کر دوڑ گیا اور باقی سب بھی چیختے چلاتے تتر بتر ہو گئے۔ اب لیٹے رہنا حماقت تھی۔ میں نے بھی ایک گرجدار آواز نکالی اور یوں اٹھا کہ برف اڑنے لگی تھی۔ کہا میں نے ”اوئے“ تھا اور انداز سلطان رائی مرحوم کا سا تھا۔ میرے اٹھتے ہی وہاں قیامت سی آگئی تھی۔ کم سے کم ان بندروں نے واویلا ایسا ہی مچا یا تھا۔ وہ بھاگ رہے تھے اور اوپر چڑھنے کی کوشش میں دیواروں سے ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ کچھ اوپر پہنچنے میں کامیاب رہے۔ زینی نے اٹھتے ہی پستول نکال لیا تھا مگر میں نے اسے بروقت روکا۔

”تم کتنوں کو مارو گی۔“

”انہیں دور تو رکھوں۔“ وہ ہانپتے ہوئے بولی۔ ”میرے خدا کتنا گھناؤنا لٹس تھا اس جانور کا۔ میں تو اسی وقت اسے شوٹ کر دیتی مگر وہ بھاگ گیا۔“

”ہاں مگر فائر کی آواز دور تک جائے گی اور اسے سن کر اب اگر ان کے بھی باپ آ گئے تو.....؟“

زینی سمجھی گئی کہ میں برفانی آدمی کا ذکر کر رہا ہوں۔ بندروں کے شور میں ہمیں چلا کر بات کرنا پڑ رہی تھی وہ قائل ہو گئی۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو ان کا شور خود ہمارے لوگوں کی رہنمائی کرے گا۔“

”وہ سب خاصے اندر ہیں اور یہاں سے دور بھی ہیں ان تک یہ شور شاید ہی پہنچے۔“ میں نے کہا تو زینی نے یاد دلایا۔

”باسواو پر ہے اور اس کے پاس ریڈیو بھی ہے۔“

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی میں پُر امید ہو گیا۔ کئی ناکام کوششوں کے بعد تمام ہی بندر واپس ہی آ رہے تھے اور اب وہیں سے شور کر رہے تھے۔ میں نے اور زینی نے اچھل کود کر اور چیخ چلا کر انہیں ڈرانے کی کوشش کی۔ وہ ڈر بھی رہے تھے مگر جلد انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ چھت پر ہماری پہنچ سے دور ہیں۔ اس لیے ان میں سے چند ایک نے نیچے آنے کی کوشش کی تو میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے وہ نیچے آ سکتے تھے۔ میں نے ایک پتھر اٹھا لیا اور ایک بندر کو نشانہ بنایا۔ وہ چیخ مار کر نیچے گرا اور تڑپنے لگا۔ میں نے جوتے تلے اسے دبا کر اوپر سے زور ڈالا تو وہ لمحوں میں فوت ہو گیا۔ وہ مرا تو باقی بندروں نے ایک بار پھر آسمان سر پر اٹھا لیا اور اس کے بعد انہوں نے وہ کیا جو ہم نے سوچا نہیں تھا۔ وہ کہیں سے چن کر چھوٹے پتھر لے آئے اور ہم پر برسائے لگے۔ چند لمحے کو ہم بوکھلا گئے تھے اور اپنے دفاع کی ناکام کوشش میں کئی پتھر کھالے۔ یہ چھوٹے پتھر تھے مگر چوٹ تو ان سے بھی لگ رہی تھی۔ زینی نے بوکھا کر ایک فائر کیا اور ایک بندر اور مارا گیا۔ مگر ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ میں نے پتھروں سے بچتے ہوئے کہا۔ ”فائر مت کرو۔“

”تو کیا پتھر کھائیں؟“ وہ تیز لہجے میں بولی۔

”تم کتنوں کو مارو گی؟“ میں نے اپنی جیکٹ اتارتے ہوئے کہا۔ ”جیکٹ اتارو۔“

”کیوں تمہیں اب کچھ سوجھ رہا ہے؟“ اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ میں نے جیکٹ اتار کر سر اور اوپری

جسم کے سامنے کی۔

”اُسے ڈھال کی طرح استعمال کرو۔“

بات زینی کی سمجھ میں آگئی اور اس نے بھی اپنی موٹی جیکٹ اتار کر پتھروں کی بارش میں ڈھال کی طرح استعمال کرنا شروع کی۔ کچے سے ذرا بڑے حجم کے پتھر جیکٹ سے ٹکرا رہے تھے اور اس کے پیچھے ہم بچے ہوئے تھے۔ جہاں سے جیکٹ پکڑی ہوئی تھی وہاں پر پتھر لگتا تب بھی معمولی سی چوٹ آتی تھی جو آدمی برداشت کر ہی سکتا ہے۔ اگر ہمارے پاس بیکلس نہ ہوتیں تو اب تک یہ پتھر مار مار کر ہمارا حشر کر چکے ہوتے۔ میں سوچ رہا تھا کہ چند منٹ میں اگر مدد نہ آئی تو یہ جانور موقع سے فائدہ اٹھا کر نیچے آسکتے تھے۔ اس کے بعد ہم جیکٹ کی ڈھال تلے بھی محفوظ نہ رہتے۔ زینی بھی شاید یہی سوچ رہی تھی اس نے کہا۔ ”اگر یہ نیچے آئے تو میں آسرا نہیں کروں گی بلکہ فائر کروں گی۔“

”اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔ ہم دیوار کے ایک ابھرے ہوئے حصے کی آڑ میں آگئے تھے یہاں ہمیں تین طرف سے تحفظ تھا اور صرف سامنے سے بندر پتھر مار سکتے تھے۔ پھر ہمارا خدشہ درست نکلا۔ ہمیں محصور اور محدود کر کے بندر نیچے اترنے لگے۔ میں نے دیکھ لیا اور زینی سے کہا۔ ”وہ نیچے آ رہے ہیں۔“ زینی نے ایک فار کیا۔ ان میں سے ایک گر اور باقی سب دوبارہ اوپر کی طرف بھاگے۔ یوں ہم کچھ دیر کے لیے محفوظ ہو گئے تھے۔ اپنے چند ساتھیوں کے مرنے پر ان کا غم و غصہ ان کے لہجے اور چیخ و پکار سے جھلک رہا تھا۔ ساتھ ہی اب مجھے تشویش ہو رہی تھی کہ اب تک کرنل اینڈ پارٹی کو ہماری مدد کے لیے آ جانا چاہیے تھا مگر ان کی طرف سے خاموشی تھی۔ اگر ان تک آواز نہیں پہنچی تھی تب بھی اوپر موجود باسو نے لازمی یہ شور اور فائر کی آواز سنی ہوگی اس نے کرنل کو کیوں اطلاع نہیں دی؟ زینی نے یہی کہا۔ ”ان لوگوں کی طرف سے مکمل خاموشی ہے؟“

”مجھے باسو کی فکر ہو رہی ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوا ہے تبھی اطلاع اندر نہیں پہنچی۔“

زینی بھی فکر مند ہو گئی۔ ”تب ان سے جان کیسے بچے گی۔“

”انتظار اور مزاحمت۔“ میں نے کہا۔ اسی لمحے مجھے لگا کہ بندروں کے شور اور پتھروں کی برسات میں کچھ کمی آئی ہے۔ میں نے ذرا خطرہ مول لیا اور جیکٹ کی آڑ سے جھانکا تو مجھے چھت پر موجود بندروں کی تعداد میں کچھ کمی نظر آئی اور جو تھے وہ بھی ہمارے بجائے اوپر کہیں متوجہ تھے۔ پتھر برسائے والے چند ایک ہی رہ گئے تھے۔ پھر ان کی تعداد تیزی سے کم ہونے لگی۔ زینی نے بھی یہ بات محسوس کر لی اور اس نے جیکٹ نیچے کی۔

”شاید کرنل اور دوسرے آگئے ہیں۔“

میرا بھی یہی خیال تھا۔ اتنی سی دیر میں تمام ہی بندر مفروز ہو گئے تھے اور ان کی چخنی ہوئی مگر وہ آوازیں دور جاتی سنائی دے رہی تھیں۔ میں منتظر تھا کہ کرنل یا کسی اور کی آواز سنائی دے تو میں بھی آگے سے بولوں۔ میں خود آواز دیتا مگر میری چھٹی جس نے شاید روک لیا تھا۔ اوپر سے اب تک کسی کی آواز نہیں آئی بلکہ اس کی بجائے ایک بھاری سی غرائی آواز آئی اور میں نے بے ساختہ زینی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کیونکہ وہ بولنے جا رہی تھی۔ اسے خاموش کرانے کے ساتھ میں دیوار میں مزید دب گیا۔ اسی لمحے دیوار پر جہاں چاند کی روشنی آ رہی تھی ایک

طویل قامت سایا نمودار ہوا اور پھر اس نے جھکتے ہوئے اندر جھانکا تھا۔ اس کا سر کنارے سے نمودار ہوا۔ چاند خاصا اوپر آگیا تھا اور کنواں اندر تک روشن ہو رہا تھا۔ برفانی آدمی کی سرخ دہکتی آنکھیں ہم پر آنکلی تھیں اور وہ وحشیانہ انداز میں غرایا۔ بندر نما جانور یقیناً اسے ہی دیکھ کر فرار ہوئے تھے۔ زینی کا پستول والا ہاتھ بلند ہوا اور پھر ایک فائر ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی برفانی آدمی قلابازی کھا کر اندر کودا تھا۔



برفانی آدمی اندر کودا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس محدود جگہ اس خونخوار درندے کا مقابلہ مشکل تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سینے میں شات گن کا زخم کھا کر بھی کتنی دیر زندہ اور متحرک رہا تھا۔ فوراً ہی مجھے احساس ہوا کہ گولی زینی نے نہیں چلائی تھی۔ فائر کہیں اور سے ہوا تھا اور بالکل نزدیک سے ہوا تھا۔ برفانی آدمی نیچے گرا اور ساکت ہو گیا۔ میں نے زینی سے پستول لے کر اس کا رخ برفانی آدمی کی طرف کر دیا۔ جب میں نے زینی سے پستول لیا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ کانپ رہی تھی۔ خوف اس پر اتنا غالب آیا کہ وہ فائر ہی نہیں کر سکی تھی۔ اسی لمحے اوپر سے ایک سانپ آکر اندر گرا اور زینی نے چیخ ماری۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسری چیخ مارتی میں نے اس کا منہ دیوچ لیا کیونکہ اندر کرنے والی شے سانپ نہیں بلکہ رشتی تھی اور اوپر سے کسی نے سرگوشی میں کہا۔ ”جلدی اوپر آ جاؤ..... وقت نہیں ہے یہاں اور بھی برفانی آدمی ہیں۔“

میں بولنے والے کی آواز شناخت نہیں کر سکا کیونکہ وہ ڈیوڈ شا کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ برفانی آدمی برف کے ڈھیر پر گرا تھا اور جب وہ سرخ ہونے لگا تب مجھے درست طور پر پتا چلا گولی برفانی آدمی کے سر میں لگی تھی اور وہ نیچے گرنے سے پہلے مر چکا تھا۔ بظاہر ایسا لگا تھا کہ وہ قلابازی کھا کر نیچے کودا ہو۔ اس کے سر سے بہنے والا خون برف پر پھیل رہا تھا۔ شکر ہے گولی چلانے والے نے اس کے سر کا نشانہ لیا ورنہ وہ اتنی جلدی اور آسانی سے مرنے والی مخلوق نہیں تھی۔ میں نے رشتی پکڑی اور ایک لمحے کو سوچا اور اوپر چڑھنے لگا تھا کہ زینی چمٹ گئی۔ ”کہاں جا رہے ہو مجھے چھوڑ کر۔“

”تم پیچھے آؤ۔“ میں نے کہا۔ ”بولنے والا ہمارے ساتھیوں میں سے نہیں ہے یہ کوئی اور ہی شخص ہے۔“ زینی نے سر ہلایا اور مجھے چھوڑ دیا۔ میں اوپر چڑھا اور ایک منٹ بعد میں کنویں کے کنارے پر تھا۔ میں نے باہر جھانکا تو ایک شخص مجھے پاس ہی لیٹا ہوا نظر آیا اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اٹھنا مت اور زیادہ حرکت مت کرنا اسی طرح لیٹے لیٹے اوپر آ جاؤ۔“

وہ انگریزی بول رہا تھا مگر اس کا لہجہ مقامی تھا۔ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور سانپ کی طرح ریگ کر چٹان پر آگیا۔ میں نے بھی سرگوشی میں پوچھا۔ ”تم کون ہو؟“ ”جلد تمہیں پتا چل جائے گا لیکن میں دوست ہوں۔“ ”تمہارے ساتھ اور کوئی بھی ہے؟“

”ہاں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”لیکن وہ یہاں نہیں ہے۔“

میرے بعد زینی اوپر آ رہی تھی اور میں نے اسے بھی وہی کہا جو اس آدمی نے مجھ سے کہا۔ زینی نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا۔ ”یہ کون ہے؟“

”میں نہیں جانتا اور خاموش رہو۔ یہاں مزید برفانی آدمی موجود ہیں۔“
وہ سہم گئی۔ ”باسو کہاں ہے؟“

یہاں سے وہ چٹان نظر نہیں آرہی تھی جس پر باسو کچھوڑا تھا۔ میرے پاس لیٹے آدمی کے ہاتھ میں ایک خودکار رائفل تھی اور اس پر ایک چھوٹی دوربین بھی فٹ تھی اس کا زردی مائل شیشہ بتا رہا تھا کہ یہ نائٹ ویژن بھی تھی اور وہ شاید اسی کی مدد سے دیکھ رہا تھا کیونکہ اس کی آنکھ دوربین سے لگی ہوئی تھی۔ پھر اس نے کان پر انگلی رکھ کر آہستہ سے کہا۔ ”وہ محفوظ ہے میرے پاس ہے اوکے ہم آتے ہیں۔“
”تم کس سے بات کر رہے ہو؟“

”میرے ساتھ آؤ۔“ اس نے میری بات نظر انداز کر کے کہا اور لیٹے لیٹے دوسری طرف مڑ گیا۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر روکا۔

”میں تمہارے ساتھ ایسے ہی نہیں جاؤں گا۔ پہلے مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تم کون ہو؟“
جواب میں اس نے اپنا دستا نہ پوش ہاتھ میرے سامنے کر دیا۔ چاندنی میں دستانے پر ایک نام لکھا ہوا تھا اور میں کچھ لمحے کے لیے دنگ رہ گیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اگر تم نے چلنا ہے تو چلو۔“
”ہم کہیں نہیں جائیں گے۔“ زینی نے تند لہجے میں کہا۔
”آہستہ بولو۔“ اس آدمی نے گھبرا کر کہا۔ ”برفانی آدمی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ انہوں نے سن لیا تو ہم صحیح سلامت یہاں سے نکل نہیں سکیں گے۔“
”زینی ہمیں جانا ہو گا۔“ میں نے اچانک کہا۔ ”میرا خیال ہے ڈیوڈ شا اور دوسرے یہاں سے جا چکے ہیں۔“

”اتنی جلدی؟“ اس نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔ ”وہ کیسے؟“
”ایسے۔“ میں نے کہا اور کہنی اس کی کنپٹی پر ماری اور وہ بے سدھ ہو گئی۔ میں نے پلٹ کر اسے اپنی پشت پر لاد لیا اور آدمی سے کہا۔ ”چلو یہاں سے۔“

آدمی نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور آگے ریٹکے لگا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ شروع میں بڑا مشکل رہا کیونکہ زینی کو پشت پر لاد کر ریٹکنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر کسی نہ کسی طرح اسے پشت پر رکھنے میں کامیاب رہا۔ اس دوران میں دوسرا آدمی بھی نظر آ گیا۔ وہ ایک ابھری ہوئی چٹان کے پیچھے مورچہ لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی اور شاید برفانی آدمی پر اسی نے فائر کیا تھا۔ ہمارے نزدیک آتے ہی وہ ہمارے ساتھ ہو گیا۔ وہ عقب سے زینی کو میری پشت پر رہنے میں مدد دے رہا تھا۔ ہمارا رخ شمال کی طرف تھا۔ تقریباً سو گز کے بعد ہم نیچے اتر گئے۔ پہلے وہ دونوں نیچے گئے اور انہوں نے زینی کو سہارا دے کر اتارا۔ میں خود اتر آیا۔ یہ راہداری سی تھی دوسرے آدمی نے زینی کو پشت پر لاد لیا اور پہلے آدمی نے پوچھا۔ ”یہ کون ہے؟“

”ڈیوڈ شا کی بیٹی۔“

وہ چونکا۔ ”ڈیوڈ شا کی بیٹی..... تب اسے کیا ساتھ لے جانا مناسب ہو گا؟“
”مناسب تو شاید نہ ہو لیکن اسے یہاں اس حال میں چھوڑ کر جانا بھی مناسب نہیں ہے۔ اس کی جان

خطرے میں پڑ سکتی ہے۔“

اس نے سوچا اور سر ہلایا۔ ”ٹھیک ہے اسے بھی لے چلتے ہیں۔“

ہم نے چلنا شروع کیا اور میں نے اس سے پوچھا۔ ”ہمیں کہاں جانا ہے اور وہ کہاں ہے؟“

”دور جانا ہے ویسے تم کس کی بات کر رہے ہو؟“

”جس کا نام تم نے دستانے پر دکھایا ہے۔“

”وہ بھی وہیں ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

قریب سے انہیں دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ گورکھا یا اس سے ملتی جلتی کسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ جسمانی لحاظ سے وہ تو مند اور مضبوط تھے۔ اس طرح کے نقوش کے حامل افراد اس سارے ریجن میں پائے جاتے ہیں۔ یہ نقوش میرے جانے پہچانے تھے اس لیے بھی میں نے ان پر اعتبار کیا۔ دوسرے میں ویسے ہی دشمن کی قید میں تھا۔ نیچے آنے کے بعد انہوں نے محدود روشنی والی ٹارچیں آن کر لی تھیں اور ہم ان کی روشنی میں سفر کر رہے تھے۔ راہداری بار بار مختلف دورا ہوں اور بعض مقامات پر سہ راہوں سے گزر رہی تھی اس کے باوجود بغیر جھجکے جتنی تیزی سے راستے اختیار کر رہے تھے۔ اس سے لگ رہا تھا کہ انہیں راستوں کا اچھی طرح علم تھا۔ اس لیے انہوں نے کہیں بھی رک کر راستہ سوچنے یا کوئی نقشہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ روانی سے چل رہے تھے۔ برفانی آدمیوں کا سن کر مجھے باسو کا خیال آیا تھا کہ وہ اوپر تھا اور پوری طرح فٹ بھی نہیں تھا۔ وہ یقیناً برفانی آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکا ہوگا اور اسے اپنی مہلک گن چلانے کا موقع بھی نہیں ملا ہوگا۔ مجھے افسوس ہوا تھا۔

میں نے پوچھا۔ ”تم ہماری آمد سے کیسے واقف ہوئے؟“

”ایک فرد مستقل یہاں موجود رہتا تھا۔“ میرے ساتھ چلنے والے نے جواب دیا۔ ”اس سے ہمیں پتا چلا

پھر کچھ وقت ہم دونوں کو آنے میں لگا۔“

میں چونکا۔ ”نگران وہاں موجود ہے؟“

”نہیں!“ اس نے گہری سانس لی۔ ”جب ہم وہاں پہنچے تو برفانی آدمی اسے مار چکے تھے۔ ہمیں ذرا

تاخیر ہوئی۔ اگر ہم چاہتے تو انہیں مار سکتے تھے مگر تمہاری وجہ سے ہم نے ہنگامہ آرائی مناسب نہیں سمجھی۔ اسی وجہ

سے ہم کامیاب بھی ہوئے ورنہ برفانی آدمی خاصے زیادہ تھے۔ شاید درجن سے بھی اوپر۔“

”تمہیں کیسے پتا چلا کہ ہم اس کنویں میں گر گئے ہیں۔“

”بندر نما جانوروں نے رہنمائی کی لیکن جب تک ہم تمہاری مدد کو آتے ایک برفانی آدمی وہاں آ نکلا اس

نے بھی بندروں کی موجودگی سے اندازہ لگایا کہ کنویں میں کوئی ہے۔ عین اس وقت جب وہ اندر کودنے والا تھا

تو سینے نے اسے شوٹ کر دیا۔“

”سوئینے؟“

”میرا بھائی۔“ اس نے زینہ کو اٹھانے والے کی طرف اشارہ کیا۔ ”میرا نام روئینے ہے۔“

”سوئینے روئینے یہ تو خاصے مشکل نام ہیں۔“

وہ آہستہ سے ہنسا۔ ”اسی وجہ سے ہمیں سوئی اور روئی کہا جاتا ہے۔“

”تمہارے ساتھ اور کتنے لوگ ہیں؟“

”ایک درجن افراد تھے۔“ اس نے سرسری سے انداز میں کہا۔ ”اب نوباتی رہ گئے ہیں تین مارے جا چکے ہیں۔ ایک کو برفانی آدمی نے مارا باقی دو راستے میں حادثات کا شکار ہوئے تھے۔“

”تم لوگوں کا واسطہ بھی برفانی آدمیوں سے پڑا تھا؟“

”نہیں ہم دوسرے راستے سے آئے ہیں۔ لیکن ہمیں معلوم ہے برفانی آدمی ان چٹانوں تک آتے ہیں کیونکہ جب ان کے پاس خوراک کی قلت ہوتی ہے تو یہاں خوراک لینے آتے ہیں۔“

”تمہارا مطلب ہے وہ وادی میں اتر کر خوراک لیتے ہیں۔“

”ہاں شاید وہ وادی سے ہی لیتے ہیں نیچے اترتے ہیں یا درمیان سے کہیں سے لیتے ہیں۔“

”تم کب سے یہاں ہو؟“

”آج ہمیں یہاں آئے ہوئے دوسرا ہفتہ شروع ہو گیا ہے۔“ اس نے بتایا تو میں مزید چونکا تھا۔

”تم جانتے تھے کہ ہم یہاں آ رہے ہیں؟“

اس نے سر ہلایا۔ ”خاص طور سے یہ بھی جانتے تھے کہ آپ بھی آ رہے ہیں۔“

میں سوچ میں پڑ گیا۔ مگر میں نے اس سے کچھ کہا نہیں۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے میں منٹ ہو چکے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ ہم اس جگہ سے کوئی دو ڈھائی میل دور نکل آئے تھے۔ ہمارا رخ مزید شمال کی طرف تھا۔ ایک جگہ رستی کی سیڑھی اوپر جا رہی تھی اس سے ہم چٹانوں پر چڑھے اور کوئی سو گز کے بعد دوبارہ نیچے اتر کر اسی طرح کی راہداریوں میں سفر کرنے لگے۔ شاید دوسری طرف جانے کا زمینی راستہ بہت طویل تھا اس لیے شارٹ کٹ بنایا گیا تھا۔ زمینی کو اس شارٹ کٹ سے لے جانا کسی قدر مشکل ثابت ہوا تھا۔ اس کا وزن پہلے ہی کوئی پینے ٹھکڑا گرام کے آس پاس تھا اور اس نے خاصا وزن لیاس اور دوسری چیزیں زیب تن کر رکھی تھیں۔ مجموعی طور پر وہ کوئی پچھتر کلو گرام کے آس پاس وزن کی تھی۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی اور دوسری طرف اتر کر میں نے دقت پوچھا تو روٹی نے جواب دیا۔ ”سو اگیا رہ رہے ہیں۔“

”تم لوگوں کا اپنی پارٹی سے کیسے رابطہ ہوتا ہے؟“

”ہمارے پاس ریڈیو ہیں۔“

”مارے جانے والے کے پاس بھی ریڈیو تھا؟“

”ہاں لیکن شاید اسے استعمال کرنے کا موقع نہیں ملا۔ برفانی آدمیوں نے اچانک حملہ کیا تھا۔ اس

ریڈیو بھی تباہ کر دیا تھا۔“

”حملہ کس وقت کیا؟“

”جب تم لوگ پہنچے اس کے کچھ دیر بعد ہی انہوں نے حملہ کیا ہوگا کیونکہ جب ہم وہاں پہنچے تو اسے مر

ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔“ روٹی نے جواب دیا۔ ”اسی سے ہمیں برفانی آدمیوں کے بارے میں پتا چلا۔“

”وہ ہمارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں، انہوں نے میری ایک ساتھی عورت کو اغوا کر لیا۔ ایک

آدمی کو مار دیا۔“

رونی چونکا۔ ”عورت کو اغوا کیا ہے اس کے ساتھ زیادہ برا ہو سکتا ہے۔ یہ ہماری عورتوں کو بھی اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔“

”تمہاری عورتیں..... کیا تمہارا تعلق بھی شمالی علاقے سے ہے؟“

اس نے سر ہلایا۔ ”ہم یہاں سے چھ دن کی مسافت پر رہتے ہیں اور پیشہ ور گائیڈ ہیں۔“

”میرا تو خیال ہے کہ تم پیشہ ور گائیڈ سے بڑھ کر کچھ ہو۔“ میں نے اس کی رائفل کی طرف دیکھا۔

”تمہارے بھائی کا نشانہ لا جواب ہے اس نے ایک ہی گولی میں اس درندے کو مار گرایا۔“

اس نے جواب نہیں دیا اور خاموشی سے چلتا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد اس نے پوچھا۔ ”اگر آپ تھک گئے ہیں تو ہم کچھ دیر رک سکتے ہیں۔“

”ہمیں مزید کتنی دور جانا ہے؟“

”تقریباً اتنا ہی اور چلنا ہے۔“ اس نے بتایا۔

”خاص تھکن نہیں ہے، اگر تم رکنا چاہتے ہو تو رک جاؤ۔“

”ہم وزن اٹھا کر چلنے کے عادی ہیں۔“ رونی نے کہا۔ اس کا بھائی نہایت کم گو تھا اس نے اس دوران میں صرف چند الفاظ کہے تھے اور وہ بھی اپنی زبان میں جس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑا تھا۔ جب میں نے برفانی آدمی کو ایک ہی گولی میں مار گرانے پر اس کی تعریف کی تب بھی اس نے کوئی رد عمل نہیں دکھایا تھا۔ اس پورے سفر کے دوران میں وہ زہنی کو اٹھائے رہا اور اس نے ایک بار بھی تھکن ظاہر نہیں کی تھی۔ میں نے کہا۔

”تب چلتے رہو اور اگر میں محسوس کروں گا تو بتا دوں گا۔“

ہمیں سفر کرتے ہوئے دو گھنٹے ہو چکے تھے اور اتنا ہی سفر باقی تھا۔ میرا خیال تھا کہ دوسری پارٹی اس جگہ موجود تھی۔ جہاں وادی میں جانے والا راستہ اترتا تھا۔ اس وقت تک ہم خطرے سے دور نکل آئے تھے کیونکہ اب وہ آواز دبا کر بات نہیں کر رہا تھا بلکہ نازل آواز میں بول رہا تھا اس طرح چلنے کے دوران پیدا ہونے والی آہٹوں کو بھی نہیں دبا رہا تھا۔ مگر ان کے پاس بولنے کو زیادہ نہیں تھا اور اب خاموشی تھی۔ خاموش رہ کر سفر کرنے میں بوریت ہی ہو رہی تھی اور میں فی الحال اس شخص کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا جس کا نام رونی کے دستانے پر لکھا تھا۔ اس لیے میں نے برفانی آدمی کا موضوع چھیڑ دیا۔ ”تم نے بتایا کہ یہ تمہاری عورتوں کو اٹھائے جاتے ہیں وہ کیوں؟“

مجھے صحیح سے تو پتا نہیں ہے کیونکہ کبھی ان کے پاس نہیں گئے مگر میرے بزرگ کہتے ہیں کہ برفانی انسان عورتوں سے نسل کشی کا کام لیتا ہے۔“

میں چونکا۔ ”لیکن ان میں مادائیں بھی ہوتی ہیں۔“

”ہاں بزرگوں کا کہنا ہے کہ ان کی مادائیں اکثر بانجھ ہوتی ہیں اور بچے پیدا نہیں کر سکتیں اس لیے یہ اپنی نسل بڑھانے کے لیے ہماری عورتوں کو استعمال کرتے ہیں۔ میں نے تو یہ تک سنا ہے کہ ہمالیہ کے مختلف علاقوں میں لوگ ان شادی شدہ عورتوں کو جن کے شوہر مر جائیں یا انہیں چھوڑ دیں بھیٹ کے طور پر برفانی آدمیوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ انہوں نے بھیٹ کے مندر بنار کھے ہیں جہاں ان عورتوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور برفانی

آدمی آکر انہیں وہاں سے لے جاتے ہیں۔“

”کوئی انسان اس موسم میں زندہ رہ سکتا ہے جس میں یہ زندہ رہتے ہیں۔“

”کیا کہہ سکتے ہیں ہو سکتا ہے عام انسان بھی ان کے ساتھ رہ کر اس قابل ہو جاتا ہو کہ اس موسم میں زندہ رہ سکے۔“ رونی نے کہا۔ وہ لہجے سے پڑھا لکھا لگ رہا تھا اس کی انگریزی بھی بہت صاف تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے ہنس کر کہا۔ ”سکول کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے ہاں انگریزی بولنا اور پڑھنا آتی ہے میں نے انگریزی ادب بھی پڑھا ہے۔ یہاں آنے والے اپنے ساتھ جو کتابیں اور رسالے لاتے ہیں میرا شوق دیکھتے ہوئے وہ جاتے ہوئے مجھے دے جاتے ہیں۔“

”گڈ یعنی تم سیلف میڈ آدمی ہو؟“ میں نے اس کی تعریف کی تو وہ خوش نظر آنے لگا۔ رونی اور سونی کا قبیلہ مظاہر پرست تھا اور یہ پہاڑوں کو خدا قرار دیتے تھے۔ ان کے باقی رسم و رواج کسی قدر ہندومت سے ملتے تھے اور کچھ بدھ مت کے قریب تھے۔ ایک عورت کئی آدمیوں کی بیوی ہو سکتی تھی کیونکہ یہاں عورتوں کی قلت تھی اور اس کی وجہ برفانی آدمی نہیں بلکہ ان کا لالچ تھا۔ یہ پیسے کے عوض اپنی عورتیں اور لڑکیاں بیچ دیتے تھے۔ اس معاملے میں ماں اور دوسرے بڑے رشتوں کی تیز بھی نہیں تھی۔ ماں خالہ اور چچتی تک فروخت کر دیتے تھے۔ اس سے بڑی عمر کی خواتین کا کوئی خریدار نہیں تھا ورنہ یہ نانی وادی بھی بیچ ڈالتے۔ مجھے سن کر افسوس سے زیادہ کوفت ہوئی تھی۔ پورے ہمالیائی رجن میں عورت کی تذلیل رائج تھی۔ صرف یہاں نہیں بلکہ پاکستان میں بھی شمالی علاقے میں عورتوں کی خرید و فروخت عام تھی۔ میں چپ ہو گیا تو اس نے آہستہ سے کہا۔

”شاید تمہیں عورتیں بیچنے والی بات اچھی نہیں لگی؟“

”شاید نہیں یقیناً، میرے نزدیک عورت محترم ہستی ہے اور اسے فروخت کرنا اس کی انتہائی تذلیل ہے۔“

”میں تم سے متفق ہوں اور ہمارے ہاں نوجوان نسل میں اس کے خلاف بغاوت رواج پا رہی ہے شاید

آنے والے وقت میں ہم اس لعنت سے نجات حاصل کر سکیں۔“

”تم لوگوں کو بغاوت کرنی چاہیے۔“ میں نے زور دے کر کہا۔ ”غور کرو اس طرح سے عورت بیچ کر تم

لوگ اپنی نسل کی بیخ کنی کر رہے ہو۔ آدمی کی نسل کو عورت ہی پیدا کرتی اور پروان چڑھاتی ہے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو اس وقت میرے قبیلے میں یہ حال ہے کہ پانچ ہزار کی آبادی میں صرف بارہ سو

عورتیں ہیں۔ کئی نوجوان مرد، عورت کے بغیر ہیں اور ہمیں شاید باہر سے عورت خرید کر لانی پڑے۔“

”خریدو بھی مت ورنہ یہ لعنت کبھی ختم نہیں ہوگی۔ تم خود سوچو تم خریدو گے تو کوئی نہ کوئی بیچے گا۔ پھر وہ

تمہارے قبیلے سے عورت خریدنے آئے گا۔ اصل میں اس سسٹم میں فائدہ مالدار لوگ اٹھاتے ہیں وہ پیسے کے بل

پر کئی کئی عورتوں پر قابض ہو جاتے ہیں اور ان کی وجہ سے کئی افراد محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لیے سرے سے خریدو

فروخت ہوئی ہی نہیں چاہیے۔ اس خطے میں ویسے بھی لڑکیاں کم ہی جوان عمر کو پہنچتی ہیں۔ بچپن میں مرنے والے

بچوں میں سے اکثریت لڑکیوں کی ہوتی ہے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے مگر ہمارے بزرگ اس سسٹم کو تبدیل کرنے پر رضامند نہیں ہیں۔“

”یہ کام تم نوجوانوں کا ہے کہ انہیں مجبور کرو ہر جگہ تبدیلی نوجوان ہی لاتے ہیں۔“ میں نے کہا۔ اس گفتگو

میں مزید ایک گھنٹہ گزر گیا تھا اور اس دوران میں زینی کسمانے لگی تھی اس لیے ہم رک گئے اور پھر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی جو تھوڑی دیر میں کامیاب رہی۔ میرے وار نے اس کا دماغ اندر سے ہلا دیا تھا اس لیے ہوش میں آنے کے بعد اسے کچھ دیر شدید درد رہا تھا اور وہ سر پکڑ کر مجھے سناٹی رہی تھی۔ خاموش رہا اسے حق تھا۔ البتہ جب میں نے محسوس کیا کہ وہ ٹھیک ہو گئی ہے تو میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”بس تم نے بدلہ لے لیا ہے اب بولو گی تو میں جواب دینے کا حق رکھتا ہوں۔“

”آخر کیوں؟“ اس نے چیخ کر پوچھا۔

”اگر میں تمہیں زبان سے قائل کرنے کی کوشش کرتا یا پستول سے دھمکا تا تو تم مزاحمت کرتیں اور اس وقت برفانی آدمیوں کا شدید خطرہ تھا ہمیں فوری وہاں سے نکلنا تھا۔ اس لیے یہی ایک ترکیب سمجھ میں آئی تمہیں خاموش کرنے کی۔“

وہ کچھ دیر مجھے گھورتی رہی اور پھر زیر لب بولی۔ ”ظالم، وحشی۔“

”حالانکہ میں ایسا ہوں نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”میں تمہیں وہیں چھوڑ آتا مگر مجھے خطرہ تھا کہ تم برفانی آدمیوں کے ہاتھ نہ لگ جاؤ۔ ابھی ان کے بارے میں جو معلوم ہوا ہے وہ کہیں زیادہ تشویشناک ہے۔ اگر تم ان کے ہاتھ لگ جاتیں تو تمہارے مردوں کے حوالے سے تمام ارمان پورے ہو سکتے ہیں۔“

اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور بولی۔ ”کیا معلوم ہوا ہے؟“

”یہی کہ یہ انسانی عورت سے نسل کشی کا کام لیتے ہیں۔“

وہ کانپ گئی۔ ”نہیں..... تب اوشا کی خیر نہیں ہے۔“

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”تم بھول رہی ہو وہ زہریلی ہے برفانی آدمی اس کے پاس آ کر بیچ نہیں سکتا اور نہ ہی وہ ماں بن سکتی ہے۔“

”مگر وہ ان کی درندگی کا شکار تو ہو سکتی ہے۔“

”اسے بس اللہ ہی بچائے۔“ میں نے سرد آہ بھری۔ ”جی بات ہے اس کا کڑا ملنے کے باوجود مجھے اس کی زندگی کی امید بہت کم ہے۔“

زینی خوش تھی کہ اوشا کی زندگی کی امید کم ہے اور وہ اس خوشی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اوشا زندہ تھی یا نہیں لیکن زینی کے لیے میرے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اس لیے مجھے اس کی خوشی سے بھی کوئی غرض نہیں تھی۔ زینی اب اپنے بارے میں فکر مند تھی۔ ”تم ان لوگوں کے ساتھ کیوں جا رہے ہو۔ یہ دشمن بھی ہو سکتے ہیں۔“

”یہ دشمن نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ تم لوگوں کا بھی توقیدی تھا۔“

وہ مجھے گھورنے لگی۔ ”تم کچھ جانتے ہو جو مجھ سے چھپا رہے ہو۔“

”تم جو چاہے سمجھو اور اب کھڑی ہو جاؤ۔ ہمیں خاصا سفر کرنا ہے۔“

”میں نہیں جاؤں گی کیا میں تمہاری قیدی ہوں۔“ اس نے ہٹ دھرمی سے کہا اور اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

”مرضی تمہاری، تم نہیں جانتی کہ کہاں ہو اور نہ تمہارے پاس ہتھیار یا کوئی دوسری چیز ہے۔ بیٹھی رہو یا

جس طرف دل چاہے نکل جاؤ۔ اچھا ہے میرا ایک درد سہم ہوگا۔“
 میں چلے گا تو رونی اور سونی بھی میری دیکھا دیکھی چل پڑے۔ زینی کچھ دیر تو وہیں بیٹھی رہی پھر اٹھ کر
 پیچھے لپکی۔ ”تم سچ جوحشی ہو۔“ وہ روہانی ہو رہی تھی۔ ”تم میں کوئی جس نہیں ہے۔“
 ”تمہارے بھلے کو کہہ رہا تھا۔“ میں نے نرمی سے کہا۔ ”اب بھی وقت ہے واپس چلی جاؤ ان چٹانوں سے
 ہوتی ہوئی تم ان تک پہنچ جاؤ گی بہ شرط کہ وہ صحیح سلامت ہوں۔ تم نے بھی دیکھ لیا تھا کہ عرفانی آدمی وہاں پہنچ گئے
 تھے۔“

وہ چند لمبے کھڑی اچکچاتی رہی اور پھر بولی۔ ”میں تمہارے ساتھ چلوں گی مگر میں قیدی نہیں ہوں گی۔“
 ”اپنی حد تک میں یقین دلاتا ہوں لیکن جہاں جا رہا ہوں وہاں تمہارے ساتھ کوئی اور سلوک ہوا تو میں
 اس کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔“

”کیوں میں تو تمہاری ذمہ داری ہوں۔“ وہ تیز لہجے میں بولی۔ ”میں کسی اور کو نہیں جانتی۔“
 ”فی الحال میں اپنی ذمہ داری نہیں لے سکتا تو کسی اور کی کہاں سے لوں گا۔“ میں نے جواب دیا۔ ”تم
 نے چلنا ہے تو انہی شرائط پر چل سکتی ہو ورنہ تمہاری مرضی ہے۔“
 وہ کچھ دیر ہونٹ کاٹتی رہی پھر سر ہلا کر آگے بڑھی۔ رونی اور سونی آگے تھے اور وہ میرے ساتھ چل رہی
 تھی۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔ ”تم میں عورت سے متاثر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔“
 ”پلیز لیو دس ٹائپ۔“

”تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا.....“
 ”کاش کہ میری جگہ کوئی اور ہوتا۔“ میں نے بھنا کر اس کی بات کاٹی۔ ”کیا تم خاموش نہیں رہ سکتیں۔ یہ
 سوچو کہ اب تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟“

”جب میں نے یہ پیشہ اختیار کیا تھا تب ہی سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ آگے کیا ہوگا۔ زندہ رہوں گی یا ماری
 جاؤں گی“ اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ”اس کے علاوہ تیسری صورت اور کیا ہوگی؟“
 ”بعض اوقات آدمی زندہ نہیں رہنا چاہتا اور پھر بھی زندہ رہتا ہے اس وقت سے ڈرنا چاہیے۔“
 ”مجھ پر ایسے وقت بھی آئے ہیں مگر میں زندہ رہی میں نے کبھی خود سے مرنے کی کوشش نہیں کی۔“
 ”یہ اچھی بات ہے کہ آدمی خود سے زندہ رہنے کی کوشش کرے۔“

”شش۔“ اچانک رونی نے خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور ساتھ ہی ہم رک بھی گئے۔ وہ کان لگا کر سن
 رہا تھا جب کہ مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ زینی نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اسے بھی کچھ سنائی
 نہیں دیا تھا۔ مگر رونی اور سونی کچھ سن رہے تھے وہ چونکا ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنے ہتھیرا رسنبھال لیے تھے۔
 پھر وہ دبے قدموں آگے بڑھے اور ہمیں بھی اشارہ کیا کہ قدموں کی آہٹ نہ ہو۔ میں اور زینی بھی دبے قدموں
 آگے بڑھے۔ کچھ آگے گئے ہوں گے کہ میرے کانوں نے مخصوص چٹانے والی آوازیں سن لیں۔ یہ آوازیں
 وہی بندر نما مخلوق نکال رہی تھی جو کچھ دیر پہلے ہمیں بے گناہ ہی سنگسار کر رہی تھی۔ وہ آگے کہیں موجود تھے۔ چاند
 اب مغربی افق کی طرف جھک گیا تھا اس لیے بند جگہوں پر اس کی روشنی براہ راست نہیں آرہی تھی مگر کسی قدر اجالا

تھا البتہ جس کھلی جگہ ہم پہنچے وہاں چاند کی روشنی تھی اور اس روشنی میں بے شمار بندر نما مخلوق کسی شے پر جمع تھی اور اس پر ٹوٹی پڑ رہی تھی۔

میں نے غور کیا تو وہ فوج کھسٹ کر رہے تھے اور ملنے والی چیز جلدی جلدی کھا رہے تھے کیونکہ ایک کے ہاتھ میں دیکھ کر دوسرے کئی اس پر جھپٹتے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ان کی تعداد سو سے زیادہ تھی اور ایک طرف سے مزید بندروں کی آمد جاری تھی۔ درمیان میں موجود چیز پر ان کا مزید هجوم آرہا تھا۔ اس لیے وہ بالکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ بندر ایک دوسرے پر چڑھے جا رہے تھے اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو نوچ کھسٹ رہے تھے۔ مگر ان کی یہ لڑائی صرف کھانے پر تھی۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں تھی۔ ان کی مکروہ چنجی آواز یہاں بہت زیادہ تھی۔ میں نے رونی کو اشارہ سے پیچھے کیا اور اس کے کان میں بولا۔ ”اس مصیبت سے کیسے چھٹکارا ملے گا کیا کوئی اور راستہ نہیں ہے؟“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”اسی راستے سے جاسکتے ہیں یا پھر باہر نکل جائیں مگر اس صورت میں دوبارہ اندر آنے کا راستہ تلاش کرنا ہوگا۔“

”ان کو ذرا دھمکا کر.....“

”ہرگز نہیں یہ بہت ڈھیٹ مخلوق ہے، تم نے دیکھا نہیں وہ جسے کھا رہے ہیں وہ ایک برفانی آدمی ہے۔ یہ زیادہ ہوں تو اسے بھی مار دیتے ہیں۔“

میرے جسم میں خوف کی لہری دوڑ گئی۔ یہ ظاہر حقیر نظر آنے والی مخلوق اتنی خطرناک ہو سکتی ہے۔ مگر یہ شاید قدرت کا اصول ہے کہ وہ بڑے کو چھوٹے کے ہاتھوں شکست دیتی ہے۔ فطرت میں سب سے طاقتور وہ ننھی مخلوق ہے جو طاقتور ترین خرد بین سے بھی بمشکل نظر آتی ہے یعنی وائرس اور وہ اپنے سے کروڑوں اربوں گنا بڑے انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔ میں نہیں دیکھ سکا تھا مگر رونی نے دیکھ لیا تھا۔ ”تب کیا ہو سکتا ہے ہم واپس جائیں اور راستہ صاف ہونے کا انتظار کریں۔“

”میرے پاس ایک چیز ہے اگر ہم اسے استعمال کریں تو ان سے کچھ دیر کے لیے نجات مل سکتی ہے۔“ رونی نے کہتے ہوئے اپنے بیگ سے ایک گیس اسپرے برآمد کیا۔ ”یہ اس کی بو سے بھاگتے ہیں۔“

”ایسے کتنے اسپرے ہیں؟“

”ایک اور ہے۔“ اس نے بیگ سے دوسرا نکالا۔

وہ میں نے لے لیا اور اس سے کہا۔ ”میں اور تم ایک ایک سمت ہوں گے۔ سونی اور زینی درمیان میں ہوں گے۔ یہ بتاؤ کہ بوتل میں کتنی دیر کا اسپرے ہے اور ایک اسپرے کتنی دیر تک کرنا ہوگا؟“

”ایک سینکڑ سے بھی کم۔ اس میں دو منٹ کا اسپرے ہے۔“

”ہمیں برفانی آدمی کی لاش سے دور دور سے گزرنا ہوگا تاکہ وہ اس کی طرف سے بے فکر رہیں اور ہم لاش سے دور رہیں گے تو ہماری طرف آنے والوں کی تعداد بھی کچھ کم ہوگی۔“

”آپ نے ٹھیک سوچا۔“ اس نے خوش ہو کر کہا۔

”شہباز.....“ زینی کی خبردار کرنے والی آواز آئی اور میں نے اس طرف دیکھا تو کئی بندر ہماری طرف

آ رہے تھے۔ پتا نہیں انہوں نے ہماری آوازیں سن لی تھیں یا بسوگنہ کی تھی۔ مگر ابھی انہیں ہماری موجودگی کا یقین نہیں تھا۔ زینی نے آواز دے کر اپنی موجودگی ثابت کر دی اور اس کے ساتھ ان بندروں نے خبردار کرنے والے انداز میں چلنا اور ہماری طرف منہ کر کے چٹختی آواز نکالنا شروع کر دی۔ میں اور رونی تیزی سے آگے آئے اور اس کھلی جگہ میں گھستے ہوئے بندروں کی طرف پہلا اسپرے کیا۔ فوراً ہی تیز چھتی ہوئی ناگوار بو میری ناک سے نکلا اور بندر اس سے زیادہ الجھ کر تھے وہ تیزی سے پیچھے ہٹے۔ میں نے زینی سے کہا۔

”میرے اور رونی کے درمیان میں آ جاؤ۔“

”مجھے پتہ تو دل دو۔“ اس نے میرے پیچھے آتے ہوئے کہا۔

”وہ بیکار ہے تم ان کی تعداد دیکھ رہی ہو۔“

اتنی سی دیر میں لا تعداد بندر ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے اور جو برفانی آدمی کی لاش سے چپے نہیں تھے وہ سارے کے سارے ہماری طرف آنے لگے۔ یہ کھلی جگہ تھی جس میں دائرے میں دیواریں پھیلی ہوئی تھیں اور ہم ان دیواروں کے ساتھ لگ کر آگے بڑھنے لگے۔ زینی اور سونی ہماری اوٹ میں تھے۔ رونی نے سونی سے کچھ کہا اور اس نے اپنی رائفل کا رخ اوپر کی طرف کر دیا کیونکہ بے شمار بندر ہمیں دیکھتے ہی چٹانوں پر چڑھ گئے تھے اور اس کا خطرہ تھا کہ وہ اوپر سے حملہ نہ کر دیں۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ ایک بندر نے اوپر سے چھلانگ لگا کر سونی نے ایک ہی فائر میں اس کے چھینٹے اڑا دیے اور اس کم بخت کا خون اور دوسری باقیات ہم پر گری تھیں۔ جب میری برفانی آدمی سے دست بدست جنگ ہوئی تھی اور اس کے سینے میں موجود سوراخ سے بے تحاشہ خون نکلا تھا تو میری جیکٹ اور پتلون پر اس کا خون لگا تھا پھر بارودی سرنگ کی زد میں آنے والے سر بڑیدہ برفانی آدمی کی باقیات بھی مجھ پر برسی تھیں اور میں اس وقت حلیے سے پنجابی فلموں کا ہیر دلگ رہا تھا۔ جس نے کشتوں کے پٹے لگا دیے ہوں۔ یعنی سر سے پاؤں تک خون میں نہایا ہوا تھا۔

بندر مرا تو اس کا خون بھی گرا اور میری پہلے سے رنگین جیکٹ مزید رنگین ہو گئی۔ یہ سفید رنگ کی تھی اس لیے اس پر سرخ رنگ بہت نمایاں تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ میرے پاس مزید کوئی جیکٹ نہیں تھی اور کسی کی فالٹو جیکٹ بھی نہیں تھی اور اس موسم میں اس کے بغیر رہنے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس لیے مجھے مجبوراً یہی پہننی پڑی تھی۔ میرے پاس پتلون تھی مگر اسے بدلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے زیر لب بندر کو کوسا جو مرتے مرتے بھی مجھے مزید گندا کر گیا تھا۔ میں نے غصے میں ایک کسی قدر نزدیک آنے والے بندر پر آگے ہو کر اسپرے کیا اور اس نے براہ راست اسپرے کا مزہ کھٹا جو یقیناً مزید اڑ نہیں تھا کیونکہ اس نے چٹختے کے ساتھ زمین پر لوٹنا شروع کر دیا تھا اور اس کی حالت دیکھ کر باقی بندروں نے عبرت پکڑی اور فوراً اسپرے سے محفوظ فاصلے پر چل گئے تھے۔ رونی نے کہا۔

”یہ اچھی بات ہے اب نزدیک آنے والے بندر پر براہ راست اسپرے کرنا ہے۔“

ہم دیوار سے لگ کر اور برفانی آدمی کی لاش سے دور ہو کر گزر رہے تھے مگر جب بندر کو براہ راست اسپرے لگا اور اس نے شور کیا تو لاش پر موجود بندر بھی ڈر کر پیچھے ہٹ گئے اور تب ہم نے دیکھا کہ انہوں نے اس دیوہیکل اور طاقتور مخلوق کا کیا حال کیا تھا۔ وہ اس کے سینے اور سر سے تقریباً تمام گوشت نوج کر کھا چکے تھے اور

اوپری حصہ ڈھانچا کر دیا تھا۔ اب وہ اس کے پیٹ اور پسلیوں کے اندر موجود چیزیں نکال کر کھا رہے تھے۔ پیروں اور کولہوں کا بھی خاصا گوشت غائب تھا۔ شاید مشکل سے آدھے گھنٹے میں وہاں صرف اس کا ڈھانچا رہ جاتا۔ یہ روٹنگے کھڑے کر دینے والا منظر تھا۔ خالی جگہ سے گزر کر دوسری طرف موجود راہداری تک جانے میں ہمیں دو بار اور بندروں پر اسپرے کرنا پڑا اور اس کا مفید نتیجہ نکلا۔ سوئی رونی اور زینی ویسے ہی اوپر کی طرف سے ہوشیار تھے۔

راہداری میں آنے کے بعد ہم کچھ دیر تو ہوشیار ہو کر اٹنے قدموں چلتے رہے اور جب ذرا دور نکل آئے تو ہم نے سیدھے ہو کر دوڑ لگائی۔ اس وقت بھی بندر شور مچا رہے تھے اور وہ چٹانوں کے اوپر بھی تھے۔ وہ رفتار میں ہمارا پیچھا نہیں کر سکتے تھے مجھے حیرت تھی کہ تیز رفتار برفانی آدمی ان سے کیسے شکست کھا گیا۔ وہ بے شک ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا مگر وہاں سے بھاگ تو سکتا تھا۔ شاید اسے کوئی ایسی چوٹ آئی تھی کہ بھاگ نہیں سکا اور بندروں نے اسے گرا لیا۔ کوئی دس منٹ بعد ہم رکے کیونکہ اب بندروں کی آوازیں معدوم ہو گئی تھیں۔ وہ خاصا پیچھے رہ گئے تھے۔ رک کر اپنا سانس درست کرتے ہوئے ہم اب عام رفتار سے چلتے گئے۔ میں نے رونی سے پوچھا۔ ”اب کتنی دور جانا ہے؟“

”زیادہ نہیں بس پندرہ منٹ میں پہنچ جائیں گے۔“

رونی کا کہنا درست ثابت ہوا اور ہم پندرہ منٹ میں چٹانوں کے اندر اس بڑے سے غار تک پہنچ گئے۔



وہاں نصف درجن افراد کے ساتھ وہ شخص موجود تھا جس کا نام اردو زبان میں رونی کے دستانے پر لکھا ہوا تھا اور میں اس کی تحریر بھی پہچانتا تھا۔ تحریر راجا عمر دراز کی تھی اور وہ بذات خود وہاں موجود تھا۔ اس پورے سفر کے دوران میں مجھے ایک بار بھی خیال نہیں آیا کہ راجا عمر دراز انڈیا یا وادی کی طرف محو سفر ہوگا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے محل میں بسترِ علالت پر دراز ہوگا۔ مگر وہ یہاں موجود تھا۔ جب رونی نے دستانے پر مجھے اس کا نام دکھایا اور میں نے اس کی تحریر کو بھی شناخت کر لیا تب بھی مجھے مکمل یقین نہیں آیا تھا کہ وہ یہاں موجود ہوگا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور پُر جوش انداز میں مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ ”شہباز..... میرے بیٹے کیسے ہو؟“

چند دن پہلے سیکرٹری بیک نے مجھے ذلت آمیز اور تقریباً دشمنانہ انداز میں محل سے رخصت کیا تھا تو میرے دل میں راجا عمر دراز کے لیے موجود مقام جیسے ختم سا ہو گیا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ جب اپنے مسائل سے نمٹ لوں گا تب بھی راجا عمر دراز سے تعلق استوار کرنے کی کوشش نہیں کروں گا اور اگر اس کی طرف سے ایسی کوئی کوشش ہوئی تو اسے نظر انداز کر دوں گا۔ وہ میرے لیے بھولی بری یاد بن جائے گا۔ اس کے بعد مشکلات کا ایسا دور شروع ہوا کہ مجھے راجا تو کیا بلکہ اپنے ساتھیوں کے بارے میں بھی سوچنے کا وقت کم ہی ملا تھا۔ وادی کے پاس آ کر مجھے کئی مواقعوں پر راجا عمر دراز کا خیال آیا۔ لیکن یہ خیال اس کے ساتھ کیے سفروں کے بارے میں تھا۔ میرے دل میں اس کے لیے جگہ نہیں آئی تھی۔ مگر وہ غیر متوقع طور پر مجھ سے پہلے یہاں موجود تھا۔ رونی کا کہنا تھا کہ وہ ایک ہفتے سے زیادہ وقت ہوا یہاں آچکے تھے اور اس وقت میں شاید افغانستان میں تھا اور مجھے انڈیا لانے کی تیاری کی جا رہی تھی۔

گویا جس وقت سیکرٹری بیگ نے مجھے ذلیل کر کے محل سے نکالا تب تک راجا عمر دراز وادی کی مہم پر روانہ ہو چکا تھا یا اس کے لیے پرتول رہا تھا۔ یعنی بیگ نے مجھ سے راجا کی بیماری کے بارے میں جھوٹ بولا تھا کہ وہ کسی سے مل نہیں سکتا۔ وہ کیسے ملتا جب کہ وہ محل میں تھا ہی نہیں۔ اگر راجا عمر دراز چھپ کر گیا تھا تو دشمنوں سے چھپ کر گیا تھا مجھ سے چھپانا اور پھر ایسا سلوک کرنا سمجھ سے بالاتر تھا۔ اگر بیگ کا مقصد سچ مچ میری تذلیل نہیں تھی تب بھی اس نے مجھے کھلونے کی طرح برتا اور یہ بھی کوئی عزت والی صورت نہیں تھی۔ بے شک راجا عمر دراز میرا محسن اور بڑا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ میرے ساتھ کوئی بھی سلوک کرنے کے لیے آزاد ہو۔ میں اپنی ذلت بھول نہیں سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب راجا عمر دراز نے مجھے سینے سے لگایا تو اس کی گرم جوشی میرے اندر موجود سرد مہری کو ذرا بھی نہیں پکھلا سکی تھی اور میں جواب میں بالکل ساکت رہا۔ جلد اس نے یہ بات محسوس کر لی اور کسی قدر جھینپ کر پیچھے ہوا۔ تب میں نے سرد ہی لہجے میں کہا۔

”آپ کے سامنے ہوں اور اس جگہ موجود ہوں جہاں آپ اور ڈیوڈ شامی مجھے لانا چاہتے تھے۔“

دوسرے لفظوں میں، میں نے اسے بتا دیا کہ اب میرے لیے اس کی حیثیت تقریباً ڈیوڈ شامی جیسی ہے۔ اس بار راجا عمر دراز کا کزردہ چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے سر ہلایا۔ ”ہاں اب تم یہاں ہو۔“ پھر اس نے زینی کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”ڈیوڈ شامی کی بیٹی؟“

”آپ سے زیادہ کون جانتا ہو گا۔“ میں نے چپتے لہجے میں کہا۔ ”آپ کے سیکرٹری نے مجھے ان لوگوں کے حوالے کیا تھا۔“

”شہباز بیٹے میری بات سنو۔“

”راجا صاحب جب آپ مجھے بیٹا کہتے تھے تو مجھے خوش ہوتی تھی مگر اس وقت مجھے اس مخاطب سے الجھن ہو رہی ہے برائے مہربانی مجھے نام سے مخاطب کریں۔“

ہاں موجود افراد میں صرف دو افراد تھے جو صورت سے برصغیر کے میدانی علاقوں کے رہنے والے لگ رہے تھے۔ باقی سب کی صورتیں رونی اور سونی سے ملتی تھیں۔ سب ملا کر کل نو افراد تھے۔ ان کے پاس خاصا سا زوسا مان نظر آ رہا تھا۔ راجا عمر دراز نے ان دو میں سے ایک، کسی قدر طویل قامت کی طرف دیکھا اور آنکھوں سے کوئی اشارہ کیا تو اس نے فوراً سب کو حکم دیا۔ ”یہاں سے چلو۔“

یہ تخیل والی بات تھی۔ مگر جب رونی نے زینی کا بازو پکڑا تو میں نے کہا۔ ”یہ میرے ساتھ ہے۔“

”شہباز میں تم سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔“ راجا عمر دراز نے کہا۔

”یہ یہیں رہے گی۔ ورنہ میں بھی چلوں گا۔“ میں نے راجا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ اس نے گہری سانس

لی اور بولا۔

”ٹھیک ہے اسے یہیں چھوڑ جاؤ۔“

وہ سب زینی کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ راجا عمر دراز واپس اپنی جگہ بیٹھ گیا تھا اس نے تنہائی پاتے ہی کہا۔

”میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو۔“

میں اس کے سامنے ایک پتھر پر ٹک گیا۔ زینی بھی بیٹھ گئی تھی۔ چل چل کر ہمارا حشر ہو گیا تھا۔ اس بلندی پر

جو کسی طرح پندرہ ہزار فٹ سے کم نہیں تھی بات کرنے سے بھی سانس پھول جاتا تھا۔ ”جب یہ جانتے ہیں تو وجہ بھی جانتے ہوں گے۔“

”شہباز!“ راجا عمر دراز نے زندگی میں شاید پہلی بار مجھ سے اس طرح بات کی تھی۔ ”پلیز مجھے وضاحت کا موقع دو۔“

سچی بات ہے جب میں نے اس کا کمزور چہرہ اور اس پر بے بسی کی ایک کیفیت دیکھی تو اس کے لیے میرے اندر موجود سچ کھلنے لگی تھی مجھے اس پر ترس آ رہا تھا۔ وہ کینسر کے جان لیوا مرض کے ساتھ اور شاید زندگی کے آخری لمحوں میں اپنے خواب کی تکمیل کے لیے یہاں تک چلا آیا تھا۔ میں نے گہری سانس لی جو ویسے بھی مسلسل لینا پڑ رہی تھی۔ ”پلیز راجا صاحب مجھ سے یوں بات نہ کریں۔“

”تب کیا کروں جب کہ تم میری بات سننے کو تیار نہیں ہو۔“

بادل ناخواستہ میں نے سر ہلایا۔ ”آپ کہیں، میں سن رہا ہوں۔“

”مجھے معلوم ہے تم اب بھی دل سے نہیں سن رہے ہو۔ مگر میں بات ضرور کروں گا۔ پہلی بات یہ بتا دوں کہ ڈاکٹروں نے مجھے جواب دے دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کینسر میرے اندر ناقابل علاج حد تک جڑیں پھیلا چکا ہے۔“

اگرچہ میں بیگ سے یہ بات سن چکا تھا مگر راجا عمر دراز کے منہ سے سن کر مجھے دھچکا لگا تھا۔ ”افسوس ہو رہا ہے راجا صاحب۔“

وہ مسکرایا۔ ”لیکن مجھے افسوس نہیں ہے میں نے بہت لمبی عمر گزاری ہے اور اس وقت بھی بستر پر نہیں ہوں۔ اوپر والے سے امید ہے کہ وہ زندگی کی طرح موت بھی اچھی دے گا۔“

”تب راجا صاحب آپ کو اپنے گھر والوں کے ساتھ.....“

”اب وہ میرے گھر والے نہیں ہیں ان کے بچوں کے بھی گھر ہو چکے ہیں۔“ اس نے بات کاٹی۔ ”میں ایک آزاد فرد ہوں اور اپنی مرضی کر سکتا ہوں۔ اس لیے میں نے آخری وقت کے لیے اس جگہ کا انتخاب کیا۔ ایک دن میں خاموشی سے محل سے نکل گیا اور اب میرے بچوں کو بھی نہیں معلوم کہ میں کہاں ہوں؟ صرف ایک فرد کو معلوم ہے کہ میں کہاں ہوں؟“

”سیکرٹری بیگ؟“

راجا عمر دراز نے سر ہلایا۔ ”ہاں، اسی نے تمہیں یہاں بھیجا ہے کیونکہ میں تمہارے بغیر آیا۔ یہ فیصلہ اس نے خود کیا اور سارا انتظام بھی خود کیا۔“

”دوسرے لفظوں میں وہ ڈیوڈ شا سے مل گیا۔“ میرا لہجہ پھر تند ہو گیا۔

”نہیں مگر اس نے سامنے آئے بغیر ڈیوڈ شا کو ہی استعمال کیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ان دنوں انڈیا میں ہے اور وادی کی طرف جانے کی تیاری کر رہا ہے۔“

”صرف وہی نہیں ڈیوڈ شا بھی جانتا تھا کہ آپ یہاں آچکے ہیں اب سمجھ میں آیا کہ اس کا رویہ بعض اوقات پُر اسرار اور ناقابل فہم کیوں ہو جاتا تھا۔“

راجا عمر دراز چونکا۔ ”وہ جانتا ہے؟“

”بالکل جیسے آپ اس کے بارے میں جانتے ہیں۔“

میں نے یقین سے کہا۔ ”جیسے بیگ نے اس پر نظر رکھی اسی طرح اس نے آپ پر نظر رکھی ہوگی۔ اب مجھے خیال آرہا ہے کہ کچھ عرصے پہلے وہ پاکستان میں تھا اور اس نے مجھے اپنے قبضے میں لیا تھا تب اس نے وادی کی طرف جانے کی بات نہیں کی ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے آپ کی بیماری کا سن کر اسے مستقبل پر چھوڑ دیا ہے۔ پھر اچانک ہی وہ انڈیا پہنچا اور اس نے مجھے بھی بلوانے کا بندوبست کر لیا۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ اسے آپ کے سفر کا علم ہو گیا تھا اور وہ بھی فوری عازم سفر ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا مقابلہ آپ سے ہے۔“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“

”مگر بیگ کا رویہ اب بھی میری سمجھ سے بالاتر ہے؟“

”دیکھو جب بیگ کے علم میں ڈیوڈ شاوالی بات آئی تو اسے معلوم تھا کہ وہ تمہیں حاصل کرنے اور اپنے ساتھ لے جانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اگر تمہاری بات درست ہے کہ ڈیوڈ شا میرے سفر کی خبر پا کر پیچھے آیا تو اس کے لیے یہ ابھی یا کبھی نہیں والا معاملہ تھا۔ بیگ سمجھ رہا تھا کہ تم نہ سہی تمہارے ساتھی شدید خطرے میں گھر سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ مجھے یہاں تمہاری ضرورت تھی۔ تیسرے وہ جانتا تھا کہ تمہاری زندگی کو خطرہ نہیں ہے اور ساتھ ہی وہ اس سے بھی واقف ہے کہ کوئی تمہیں زیادہ دن قید نہیں رکھ سکے گا۔ اس لیے اس نے کوشش کی کہ تم ڈیوڈ شا کے توسط سے انڈیا پہنچ جاؤ۔ دوسری صورت میں تمہارے لیے خود یہ کام اتنا آسان نہیں ہوگا۔“

”آپ نے بیگ کی حمایت میں جو کہا ہے اس میں اصل بات شاید شامل نہیں ہے کہ اصل میں بیگ نے مجھے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ مجھے فوری بھیجنے کا سب سے آسان اور شارٹ کٹ راستہ اور طریقہ یہی تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جب میں یہاں پہنچوں گا اور آپ کی موجودگی کا علم ہوگا تو لازمی میں آپ کی طرف آؤں گا۔ اس نے بہت چالاکی سے بندوق ڈیوڈ شا کے شانے پر رکھ کر چلائی ہے۔“

پہلی بار راجا عمر دراز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“

”لیکن کیا آپ ڈیوڈ شا کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور آپ کے خیال میں وہ اتنی آسانی سے مجھے ہاتھ سے نکل جانے دے گا۔“

راجا عمر دراز چونک گیا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ یہاں آ رہا ہوگا۔“

”اس صورت میں آپ کے ساتھی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے تو بے خبری میں مارے جائیں گے۔“

راجا عمر دراز نے ایک چھوٹا واکي نکالا اور کسی سے کہا۔ ”ہوشیار ہو جاؤ جلد دشمن اس طرف کا رخ کرے گا۔“

”ہم ہوشیار ہیں جناب۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”سب کو پہرے پر لگا دو۔“ راجا عمر دراز نے اسے حکم دیا۔ اس نے واکي نکالا رکھا تو میں نے اس کے

آدمیوں کے بارے میں پوچھا۔

”رونی کے قبیلے سے ہٹ کر جو دو افراد ہیں کیا وہ پاکستانی ہیں؟“

”نہیں انڈین ہیں۔ رانا ویاس نے ساتھ کیے ہیں۔“

میرا یہ اندازہ بھی درست نکلتا تھا مجھے رونی اور سونی کے خدو خال میں رانا ویاس کی جھلکیاں نظر آئی تھیں۔
”اس سفر کا بندوبست بھی اسی نے کیا ہے؟“

”بالکل کیونکہ اس کا اثر و رسوخ یہاں مسلم ہے۔“ راجا عمر دراز نے کہا۔ ”تم نے کچھ کھایا ہے؟“

”رات کا کھانا کھالیا تھا مگر چل چل کر.....“ میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ راجا عمر دراز نے وہاں ایک چھوٹا سا برنز چلایا ہوا تھا اس نے اس پر کیتلی رکھ دی۔ ایک تو وہ بڑا اور پھر بیمار آدمی تھا میں نے اس سے چائے سازی کا سامان لے لیا۔ اس نے بسکٹ کا ایک پیکٹ کھولا۔ یہ بہت اعلیٰ درجے کے ذائقے اور خوشبو کے حامل ازبجی بسکٹ تھے۔ میں نے چائے بنائی اور مخصوص ہندوگوں میں نکالی جن میں چائے دیر تک گرم رہتی تھی۔ زینی کو بھی چائے اور بسکٹ دیئے۔ وہ خاموشی سے سن رہی تھی اور غالباً اس کے لیے بھی یہ بات حیرت انگیز تھی کہ اسے اور اس کے باپ کو استعمال کیا گیا ہے۔ چائے اور بسکٹ سے فارغ ہو کر ہم لیٹ گئے۔ وہاں بہترین قسم کے گرم سلپنگ بیگز تھے۔ راجا عمر دراز کے آدمی پہرے پر تھے اس لیے وہ بھی سونے کے لیے لیٹ گیا۔ اس نے زینی سے کچھ اور نہیں کہا سوائے ایک وارننگ کے۔

”لو کی کوئی غلط حرکت مت کرنا، تمہارا باپ میرا دشمن ہے لیکن میں اس لیے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ تمہیں صرف اس صورت میں نقصان ہوگا جب تم کوئی غلط حرکت کرو گی۔“

زینی نے اس وارننگ کا جواب نہیں دیا اور سلپنگ بیگ میں گھس گی۔ یقیناً اس کا تھکن سے برا حال تھا۔ تھکن تو مجھے بھی تھی لیکن واقعات کے اس رخ نے مجھے چونکا دیا تھا اور میں راجا عمر دراز سے کچھ سوالات اور کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور جب زینی کے سلپنگ بیگ سے نوائی خراٹوں کی آواز آنے لگی تو میں نے آہستہ سے راجا عمر دراز کو آواز دی۔ ”آپ جاگ رہے ہیں؟“

”ہاں تم بھی جاگ رہے ہو۔“ اس نے زپ نیچے کر کے چہرہ باہر کیا۔ ”بہت راتیں ہو گئی ہیں مجھے نیند نہیں آتی ہے۔“

”آپ ایک ہفتے سے زیادہ وقت سے یہاں رکے ہوئے ہیں کیا نیچے اترنے کی کوشش نہیں کی؟“

”کی نہیں۔“ اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ”لیکن راستہ نہیں ملا۔ میں ان چٹانوں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں جہاں سے راستہ نیچے جاتا ہے میں کچھ عرصے پہلے ہی آیا تھا اس لیے بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر جہاں راستہ تھا وہاں سوائے سیدھی ڈھلان کے اور کچھ نہیں ہے۔“

”ممکن ہے چٹانیں نیچے گر گئی ہوں۔“

”اگر کوئی اور جگہ ہوتی تو میں سوچتا لیکن اس جگہ کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتا ہوں نیچے جانے کا

راستہ اس وقت تک سمجھ نہیں آئے گا جب تک برف والا بوڑھا نہیں چاہے گا اور.....“

”جب تک میں ساتھ نہیں ہوں گا وہ نہیں چاہے گا؟“

”ٹھیک کہا تم نے۔“

”کیا اسے علم ہوگا کہ کچھ لوگ اوپر آگئے ہیں اور ان میں، میں بھی ہوں۔“

”اے علم ہوگا۔“ راجا عمر دراز نے یقین سے کہا۔ ”یہ رات خیریت سے گزر جائے تو ہم کل تمہارے ساتھ راستہ تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔“

میں سوچتے ہوئے سو گیا کہ اسے کیسے علم ہو گیا۔ بے شک اس کے بارے میں جو سنا ہے اس سے تو وہ کوئی روحانی شخصیت لگتا ہے اور پُر اسرار قوتوں کا مالک ہے لیکن بحیثیت مسلمان میں اللہ پر اعتقاد رکھتا ہوں کہ اسے ہر جگہ ہر شے کا علم ہے اور وہ سب کا احوال جانتا ہے۔ اس کے سوا صرف وہی غیب کا علم جانتا ہے جسے اللہ علم دے۔ تو کیا اسے اللہ نے یہ علم دیا ہے کہ وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے آس پاس کی باتوں سے واقف ہو جاتا ہے اور دور دراز مستقبل میں ہونے والے واقعات کی قبل از وقت پیش گوئی کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اس نے رانا ویاس اور راجا عمر دراز کے معاملے میں پیش گوئی کی تھی اور وہ درست بھی نکلی۔ میری آنکھ صبح سویرے کھلی تھی اس وقت سورج نکل رہا تھا اور چٹانوں میں دھند چھانا شروع ہو گئی تھی۔ میں سلیپنگ بیگ سے نکلا تو زین بدستور سو رہی تھی البتہ راجا عمر دراز اٹھ گیا اور بالکل ڈیوڈ شا کی طرح آئینے میں دیکھ کر استرا اپنے رخسار پر پھیر رہا تھا۔ فطرت اور کردار میں مشرق و مغرب کا فرق ہونے کے باوجود ان میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔

”اٹھ گئے تم؟“

میں نے انگڑائی لے کر اپنا جسم کھولا۔ ”ہاں آپ شاید پہلے سے اٹھے ہوئے ہیں۔“
اس نے سر ہلایا۔ ”میں ناشتہ بھی کر چکا ہوں۔ تم ناشتہ کر لو لیکن اس سے پہلے اپنا یہ خراب ہو جانے والا لباس بدل لو۔“

”میرے پاس کوئی اضافی لباس نہیں ہے جو تھا وہ ڈیوڈ شا کے کیمپ میں رہ گیا ہے۔“
”میں تمہارے لیے سب لایا ہوں۔“ اس نے کہا اور ایک بڑے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس میں صرف تمہارا سامان ہے۔“

میں نے بیگ کھولا اس میں گرم ترین جیکٹ، پتلون، گرم جریاں، اونچی پاجامے اور سوتلی پاجامے جو سب سے نیچے پہنے جاتے ہیں تاکہ پسینا جذب کر سکیں، جوتے موزے، دستانے اور گرم ٹوپیاں بھی تھیں۔ میں حیران ہوا۔ ”آپ کو یقین تھا کہ میں یہاں آؤں گا اور ان چیزوں کو استعمال کروں گا۔“

”میں اسی توقع پر یہ بیگ لے کر آیا اور صرف اسے اٹھانے کے لیے ایک اضافی پورٹر بھی لیا۔ اس میں تمہارا سلیپنگ بیگ اور خیمہ بھی ہے۔ عجیب بات ہے کہ چونیاں عبور کرتے ہوئے وہ پورٹر نیچے گر گیا مگر تمہارا بیگ ایک جگہ اٹک گیا اور گرنے سے بچ گیا۔“

صرف یہی سامان نہیں بلکہ اس علاقے میں سفر کے دوران میں جن چیزوں کی ضرورت پڑ سکتی تھی وہ سب اس بیگ اور اس کے مختلف خانوں میں موجود تھیں۔ میں نے جیکٹ اور پتلون اتار دیئے اور بیگ سے دوسری جیکٹ اور گرم پتلون نکال کر پہن لی اندر کے اونچی اور سوتلی پاجامے صاف تھے۔ جیکٹ کے نیچے جری بھی صاف تھی۔ ان کو تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے چہرے پر بھی خون اور آلائشیں آئی تھیں جنہیں میں نے ہاتھ سے صاف کر لیا تھا مگر یہاں مجھے چہرہ صاف کرنے کے لیے گرم پانی ملا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر جو سکون ملتا ہے مجھے اس سے زیادہ ہی سکون ملا تھا۔ راجا عمر دراز کے آدمی رات بھر پیرے کے بعد بھی تازہ دم نظر آ رہے تھے

انہوں نے ناشتہ کر لیا تھا اور سامان بھی پیک کر لیا تھا۔ رونی نے میرے اور زینی کے لیے ناشتہ بنایا۔ جو دودھ ملے دلیہ، مکھن، شہد اور آخر میں کافی پر مشتمل تھا۔ سونی نے میری اتاری چیکنٹ اور پتلون پلیٹ کر اپنے سامان میں شامل کر لی اور وہ اس پر بہت خوش نظر آ رہا تھا کہ اسے مفت میں اتنا اچھا گرم لباس مل گیا تھا۔

زینی کا موڈ خراب تھا اور منہ پھولا ہوا تھا۔ کیونکہ یہاں آنے کے بعد سے میں نے اس سے بات نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ بھی اب مجھ سے بات نہیں کر رہی تھی اور ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ راجا عمر دراز نے آہستہ سے پوچھا۔ ”کیا اسے بھی ساتھ لے جانا ہے؟“

”ظاہر ہے نہ ہم اسے چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی مار سکتے ہیں اس لیے ساتھ رکھنا ہی مناسب ہوگا۔“

”میں نے سنا ہے یہ خطرناک ہے ہتھیار استعمال کرنے اور لڑنے بھڑنے کی ماہر ہے۔“

”ہاتھ پاؤں کی لڑائی تو نہیں دیکھی لیکن ہتھیاروں میں اس کی مہارت کا عینی گواہ ہوں۔ میں نے بہت کم افراد کا اتنا اچھا نشانہ دیکھا ہے۔“

”ذہن کیسا ہے؟“

”اپنے باپ سے کم سازشی ہے لیکن ہو سکتا ہے یہ اس سے بھی آگے نکلے۔ سمجھ لیں فی الحال اپنٹس ہے۔“

”تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔“ راجا عمر دراز نے کہا۔ ”اس پر ایک آدمی مسلسل لگانا ہوگا۔“

”مگر وہ ہوشیار اور کردار کا پکا ہو یہ عورت پوری فتنہ ہے۔ مرد کو بہکانے کے جتنے حربے ہو سکتے ہیں اسے ان سے زیادہ ہی آتے ہیں۔“

”مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔ بعض عورتوں کی باڈی لینکوتج بتا دیتی ہے کہ وہ کس فطرت کی ہیں اور یہ مجھے مردانہ ذہن والی عورت لگ رہی ہے۔“

”بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔“ میں نے بے ساختہ کہا۔ ”اس میں مردوں کی سی بے باکی اور کھلا پن ہے۔“

”ویر شاہ۔“ راجا عمر دراز نے کسی کو آواز دی تو رانا ویاس کا ایک آدمی اندر آیا۔ وہ صاف رنگت اور چھوٹی آنکھوں والا شخص تھا۔ اس نے ادب سے کہا۔

”حکم راجا صاحب۔“

”یہ شہباز ملک ہے۔“ راجا نے میری طرف اشارہ کیا۔ ”اب تم سب اس کی کمانڈ میں ہو۔“

”جیسا حکم راجا صاحب۔“ اس نے میری طرف دیکھا۔ ”اب ہم شہباز صاحب کا حکم مانیں گے۔“

”چاہے یہ حکم میرے خلاف کیوں نہ ہو۔“ راجا عمر دراز نے اضافہ کیا تو ویر شاہ نے جھک کر سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلیم کیا۔ راجا عمر دراز نے مجھ سے پوچھا نہیں تھا اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا اس لیے میں نے بنا کسی تاثر کے ویر شاہ سے کہا۔

”تمہاری پوزیشن حسب سابق رہے گی۔ اپنے ساتھی کا تعارف کراؤ۔“

”اس کا نام رومی شاہ ہے اور وہ میرا بھائی ہے۔“

میں مسکرایا۔ ”یہاں بھائیوں کی جوڑیاں کچھ زیادہ ہی نہیں ہیں۔“

ویر شاہ سنجیدہ رہا۔ ”جی جناب۔“

”تیاری مکمل ہے؟“

”جی جناب۔“

”ٹھیک ہے کچھ دیر میں فیصلہ کرتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔“

وہ سر جھکا کر چلا گیا۔ میں نے راجا عمر دراز سے کہا۔ ”میرا اندازہ ہے کہ ڈیوڈ شا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ یہاں پہنچ گیا ہے یا بجپنچے والا ہے۔ ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔“

”تب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے۔“

”اس کے برعکس ہمیں انتظار کرنا چاہیے۔“

”وہ کیوں؟“

”آپ کے آدمی مسلح ہیں اسی طرح ڈیوڈ شا بھی مسلح ہے۔ اگرچہ اس کے پاس افراد کم ہیں لیکن فرض کریں اگر ہم راستہ تلاش کر لیتے ہیں اور نیچے اترنے لگتے ہیں اور تب وہ حملہ کرتا ہے تو اس صورت میں ہمارے لیے دفاع مشکل نہیں ہو جائے گا۔“

میری بات نے راجا عمر دراز کو متفکر کر دیا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس پتلے سے راستے پر دفاع بہت مشکل ہے۔“

”میرا خیال ہے ڈیوڈ شا اپنے ساتھ گرینڈ بھی لایا ہے جو زیادہ خطرناک ہو سکتے ہیں۔“

”تب کیا کرنا چاہیے؟“

”وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے جہاں آپ کے خیال میں نیچے اترنے کا راستہ ہے؟“

”تقریباً نصف کلومیٹر دور ہے۔“

”آپ کے آدمیوں نے وہ جگہ دیکھی ہے؟“

”ویر شاہ اور روی شاہ اس جگہ سے واقف ہیں۔“

”میر ان کے ساتھ جاتا ہوں اور صورت حال دیکھتا ہوں۔“ میں نے کہا اور ویر شاہ کو بلایا۔ ”تم اور روی میرے ساتھ چلو گے۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ یہاں راجا صاحب کے پاس رکھیں اور باقی بلند جگہوں پر چڑھ کر آس پاس نظر رکھیں لیکن خود کو چھپا کر۔“

”میں سمجھا کر آتا ہوں۔“ ویر نے کہا اور چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ دو قبائلیوں کے ساتھ آیا۔ ان سب کے

پاس اسلحہ تھا اور یہ جدید ترین اسلحہ تھا۔ راجا عمر دراز اپنے ساتھ خاصا اسلحہ لایا تھا۔ میں نے ایک عدد 47 AK منتخب کی۔ اسلٹ رائفلوں میں یہ میرا پسندیدہ ہتھیار تھا۔ میں نے اسے ایم سولہ اور جی تھری سے بہتر گن پا رہے۔ دستے کے بغیر یہ خاصی چھوٹی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک بریٹا لیا۔ چھوٹے ہتھیاروں میں اس سے بہتر گن اور کوئی نہیں ہے۔ میں، ویر اور روی کے ساتھ روانہ ہوا۔ ان کا تعلق بنیادی طور پر رانا دیاس کے قبیلے سے تھا مگر کئی نسلوں سے وہ مقامی لوگوں سے رشتہ کر رہے تھے۔ اس لیے ان کے نقوش میں انڈین جھلک بھی آئی تھی۔ ان کے قد پتہ مگر جسم گھٹے ہوئے تھے۔ ہم چٹانوں کے درمیان بنی ہوئی راہداری سے گزرتے ہوئے وادی۔ اس کنارے تک پہنچے جہاں بقول راجا عمر دراز کے نیچے اترنے کا راستہ تھا۔ اس جگہ کی نشان دہی کے لیے انہو

نے چھپی جگہوں پر سرخ رنگ سے نشان لگائے تھے۔ ویر شاہ نے مجھے نشان دکھایا۔

”یہ راجا صاحب نے خود لگایا ہے۔“

یہاں ایک پتلی سی دراڑ آگے جا رہی تھی۔ ہمیں اس میں جانا تھا۔ ویر آگے تھا۔ میں اس کے پیچھے تھا اور رومی میرے پیچھے تھا۔ ہم تقریباً پچاس گز طویل دراڑ سے گزر کر وادی کے کنارے پہنچے تو ویر نے اضطرابی آواز نکالی۔ ”یہ کیا..... یہ پہلے تو نہیں تھا۔“

میں پیچھے تھا دیکھ نہیں سکا تھا۔ ”کیا ہے؟“

”یہ راستہ۔“ ویر نے ایک طرف سرک کر مجھے دیکھنے کا موقع دیا۔ تب میں نے دیکھا ایک پتلا سا راستہ نیچے دھند میں غائب ہو رہا تھا۔ ہمارے سروں کے اوپر بھی یوں دھند چھائی تھی جیسے گہرے بادل چھاتے ہیں اور نیچے روشنی اتنی تھی کہ بس چیزیں اور راستہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔

”تمہیں یقین ہے کہ پہلے یہاں راستہ نہیں تھا؟“

”سو فیصد جناب۔“ اس نے یقین سے کہا۔ ”یہاں ایک اونچی دیوار تھی اور اس پر چڑھ کر دیکھا تو نیچے پاٹ دیوار تھی۔ یہ راستہ بالکل نہیں تھا۔“

”تم دونوں یہیں رکو اور پوری طرح ہوشیار رہو۔“ میں نے کہا۔ ”سمجھ لو کہ دشمن آس پاس ہے۔“

”سمجھ گئے جناب۔“ ویر بولا تو میں نے اس ترچھے نیچے جاتے راستے پر قدم رکھا۔ عام لوگوں کے نقطہ نظر سے تو یہاں کوئی راستہ ہی نہیں تھا اور وہ اس کے پاس بھی نہ پھٹیں مگر ہانکرز کے لیے یہ مناسب راستہ تھا۔ میں قدم جما کر نیچے اترنے لگا۔ دھند اتنی تھی کہ چند گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ راستہ دیکھنے کے لیے نظر جمانا پڑتی تھی۔ ورنہ غلامیں جانے والا ایک قدم مجھے تحت الثریٰ میں لے جاسکتا تھا۔ نیچے آتے ہی مجھے کسی قدر گرمی کا احساس ہوا۔ یہ دھند اپنے ساتھ گرمائش بھی لا رہی تھی۔ شاید اسی وجہ سے اوپر کی کھنڈر نما چٹانیں برف سے پاک رہتی تھیں۔ تقریباً سو گز تک نیچے اترنے کے بعد بھی مجھے نہ تو کوئی نظر آیا اور نہ ہی کوئی اور جگہ یا راستہ نظر آیا۔ چٹانوں سے چٹنی یہ پتلی سی پگ ڈنڈی بس نیچے اترتی جا رہی تھی۔ میں رک گیا۔

اس سے نیچے جانا مناسب نہیں لگ رہا تھا اور وہ بھی اکیلے، اگر میں کسی مشکل میں پڑ جاتا تو اوپر والوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی۔ میں تذبذب میں تھا، میرے اندر سے کوئی کہہ رہا تھا کہ میں نیچے جاؤں مگر میرا دماغ اسے مناسب نہیں سمجھ رہا تھا اور میں دل کے مقابلے میں دماغ کو فوقیت دیتا ہوں اس لیے کچھ دیر بعد میں پلٹ گیا اور چند قدم اوپر کی طرف بڑھائے تھے کہ مجھے ایسا احساس ہوا اور لگا کہ جیسے میرے عقب میں کوئی ہے۔ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ میں رک جاؤں واپس نیچے کی طرف جاؤں۔ ساتھ ہی مجھے لگا کہ وہ دشمن نہیں ہے بلکہ خلوص رکھنے والا دوست ہے۔ میں اس کی طرف پلٹنا چاہتا تھا مگر پلٹ نہ سکا ہاں رک ضرور گیا۔ کچھ دیر بعد ایک انوکھی اور جیسے دل میں گونجتی سرگوشی میں اس نے پوچھا۔ ”کیا آؤ گے نہیں میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“

”کیوں؟“ میں نے غیر ارادی پوچھا۔

”میں تمہیں بتاؤں گا جب تم میرے ساتھ چلو گے۔“

”میں ابھی نہیں جاسکتا میرے ساتھی اوپر ہیں۔“

”وہ بھی آئیں گے۔“

”تب میں ان کے ساتھ ہی آؤں گا۔“

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”بہت ضدی ہوٹھیک ہے جاؤ ان کے ساتھ ہی آنا۔ مگر یاد رکھنا اب مشکل سے آؤ گے۔“

اس کے ساتھ ہی وہ احساس ختم ہو گیا اور میں نے پلٹ کر دیکھا تو عقب میں کوئی نہیں تھا سوائے اس پتلے سے راستے کے جس سے میں واپس آیا تھا۔ میں دوبارہ اوپر چڑھنے لگا اور جب کنارے پہنچا تو دیر شاہ بھی راستے پر نظر آیا مجھے دیکھتے ہی اس نے سکون کا سانس لیا۔ ”شکر ہے آپ آگئے ورنہ میں پریشان ہو گیا تھا۔ اگر آپ کچھ دیر اور نہ آتے تو میں نیچے اتر جاتا۔“

”میں ذرا آگے چلا گیا تھا۔ راستہ ہے مگر میں نے اکیلے جانا مناسب نہیں سمجھا۔“ میں نے اس سے اس کیفیت کا ذکر نہیں کیا جس میں کسی فرد نے مجھ سے یوں بات کی کہ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میرے کانوں نے کچھ نہیں سنا تھا۔ اب یوں لگ رہا تھا جیسے ساری گفتگو دل میں ہوئی ہو۔ میں نے بھی زبان سے کچھ نہ کہا اور دل ہی دل میں جواب دیتا رہا ہوں۔ یہ حقیقت میں تھا یا میرا وہم تھا۔ ہم واپس آئے اور جب میں راجا عمر دراز کے پاس پہنچا تو وہ میری صورت دیکھ کر بھانپ گیا۔

”کچھ ہوا ہے وہاں؟“

میں نے سر ہلایا اور سب سے پہلے پانی پیا۔ میرا گلا خشک ہو رہا تھا۔ پھر راجا عمر دراز سے کہا۔ ”پہلی بات تو یہ کہ وہاں راستہ ہے۔“

”راستہ ہے۔“ راجا عمر دراز پُر جوش ہو گیا۔ ”مجھے یقین تھا کہ جیسے ہی تم آؤ گے راستہ مل جائے گا۔“

”میں تقریباً سو گز نیچے گیا ہوں گا۔ پتلی سی چٹانوں سے چمٹی پگ ڈنڈی ہے جولانا تہا یہ نیچے جا رہی ہے۔“

”اسی راستے پر برف والے کا ڈیرہ بھی ہے لیکن وہ ہر کسی کو نظر نہیں آتا ہے۔“

زینی کو راجا عمر دراز نے یہاں سے باہر بھیج دیا تھا۔ جب میں آیا تو دونوں قبائلی بھی چلے گئے تھے۔ اب وہاں ہم دونوں ہی تھے۔ میں نے ہچکچاتے ہوئے راجا عمر دراز کو اس گفتگو کے بارے میں بتایا جس کے بارے میں مجھے یقین نہیں تھا کہ میں نے سچ کی تھی یا میرا وہم تھا۔ مگر راجا عمر دراز پوری سنجیدگی سے سنتا رہا اس نے ایک بار بھی مجھے نہیں کہا کہ یہ میرا وہم ہو سکتا ہے۔ میں خاموش ہوا تو اس نے گہری سانس لی۔ ”وہ برف والا تھا اور اس نے ہمیں آنے والے حالات سے خبردار کر دیا ہے۔“

”کیسے حالات؟“

”اس نے کیا کہا ہے کہ اب ہم بہت مشکل سے نیچے آئیں گے۔“

”یعنی دونوں پارٹیوں میں کشمکش ہوگی۔“

”اس کے علاوہ بھی مسائل ہو سکتے ہیں۔“

”ہاں برفانی آدمی بھی آسکتے ہیں اور کوئی قدرتی یا غیر قدرتی آفت بھی نازل ہو سکتی ہے اس لیے ہمیں

”نیچے جانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”اس کا فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔“ راجا عمر دراز نے کہا۔ ”تم کیا سمجھتے ہو کہ میں نے تمہیں بس ایسے ہی کمان دی ہے۔ نہیں اب تمام فیصلے تمہیں کرنے ہیں۔“

”چاہے میں کچھ بھی فیصلہ کروں یہاں سے واپس جانے کا فیصلہ بھی کر سکتا ہوں؟“

”بالکل تم فیصلہ کرو اور ہمیں اس پر عمل کرنے کو کہو۔“

اس بار میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ”راجا صاحب آپ نے بہت بڑی ذمہ داری میرے سر ڈال دی ہے۔“

”تم اس کے اہل ہو۔“ اس کے لہجے میں اصرار تھا۔ ”مجھے یقین ہے تم ہمیں نیچے لے جاؤ گے۔“

اچانک کہیں پاس ہی فائر کی آواز آئی۔ یہ سنگل فائر تھا۔ میں بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ راجا عمر دراز بھی کھڑا ہوا تھا مگر میں نے اس سے کہا۔ ”آپ یہیں رکیں میں دیکھتا ہوں۔“

”یہ رکھ لو مجھ سے رابطہ رہے گا۔“ اس نے ایک چھوٹا سا ٹاکی مجھے تھمایا۔ ”جب تم جا رہے تھے تب میں دینا بھول گیا تھا۔ ویسے یہ دو سو گز تک کام کرتا ہے۔“

میں نے واکی ٹاکی جیکٹ میں رکھا اور باہر آ گیا۔ یہ جگہ کچھ ایسی تھی کہ اس کے چاروں طرف راہداریاں بنی ہوئی تھیں مگر اندر آنے جانے کا راستہ ایک ہی تھا میں اس سے باہر آیا اور سوچ رہا تھا کہاں جاؤں، سامنے سے روٹی نمودار ہوا اور اس نے کہا۔ ”وہ بھاگ گئی اس نے میرے ایک آدمی کو شوٹ کر دیا ہے۔“

”زینی۔“ میں نے کہا۔ ”کیسے؟“

”پتا نہیں جناب اسے میں نے ایک جگہ رکھا تھا اور اس پر میرا آدمی تھا۔ اس نے اسی کی رائفل سے اسے شوٹ کیا اور جب ہم فائر کی آواز سن کر وہاں پہنچے تو وہ رائفل سمیت غائب تھی۔ میرے دو آدمی سوئی کے ساتھ اس کے پیچھے گئے ہیں۔“

میں فکر مند ہو گیا۔ ”یہ اچھا نہیں ہوا۔ وہ بہت شاطر اور عیار عورت ہے اس نے ہمارا ٹھکانہ بھی دیکھ لیا ہے۔“

ہم اس جگہ پہنچے جہاں زینی کو رکھا گیا تھا یہ تین اطراف سے بند ایک غار تھا اور خاص بات یہ تھی کہ روٹی کے آدمی کی لاش غار کے اندر تھی یعنی زینی نے کسی طرح سے اسے اندر بلایا اور پھر اسی کی رائفل سے اسے شوٹ کر دیا۔ میں سوچ کر رہ گیا کہ اس نے یہ کام کیسے کیا ہوگا۔ وہ شرم و حیا سے عاری عورت تھی اور اپنے مفاد کی خاطر اپنا جسم آخری حد تک استعمال کر سکتی تھی۔ اس نے ایسا ہی کوئی حربہ استعمال کیا ہوگا۔ میں نے لاش دیکھی۔ گولی اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر لگی تھی اور وہ فوراً ہی مر گیا تھا۔ اس نے حماقت کی تھی اور اس کی سزا اسے موت کی صورت میں ملی۔ میں نے روٹی سے کہا۔ ”تمہارا اپنے آدمیوں سے رابطہ ہے۔“

”کوشش کرتا ہوں۔“ اس نے کہا اور واکی ٹاکی نکال کر سوئی کو پکارنے لگا۔ چند لمحوں بعد سوئی نے جواب دیا تو پیچھے بہت شور تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کہیں دست بدست لڑائی ہو رہی ہو اور پھر فائرنگ کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔ روٹی پریشان ہو گیا۔ ”وہاں کچھ ہو رہا ہے۔“

”ہمیں جانا ہوگا لیکن پہلے باقی سب کو راجا صاحب کے پاس بھیجنا ہے ان کی حفاظت کے لیے آدمی ان کے پاس ہوں۔“ میں نے کہا اور ویرشاہ کو پکارا۔ اس نے فوری جواب دیا اور میں نے کہا۔ ”تم تین آدمی راجا صاحب کے پاس چھوڑ کر میرے ساتھ آؤ۔“

ویرشاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ روی کے ساتھ دو قبائلی راجا عمر دراز کے پاس چھوڑ کر ہمارے پاس آیا اور ہم اس طرف روانہ ہو گئے جہاں سونی اور اس کے دو ساتھی زینی کے تعاقب میں گئے تھے۔ ایک ذرا سی غفلت نے اچھا خاصا کام بگاڑ دیا تھا۔ اگر میں اسے وہیں چھوڑ آتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔ مگر یہ مقدر میں بھی تھا۔ یہاں کے راستوں سے رونی سب سے زیادہ واقف تھا۔ اس کے بعد سونی جاتا تھا۔ ہم چند سو گز آگے گئے ہوں گے کہ گزبڑ کے آثار نظر آئے ایک جگہ زمین پر خاصا خون پڑا ہوا تھا۔ کوئی شدید زخمی ہوا تھا اور زخمی بھی کچھ آگے جا کر نظر آ گیا۔ وہ سونی تھا۔ وہ چٹائی دیوار سے ٹیک لگائے اور اپنا سینہ تھا مے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اور اس کا ہاتھ خون میں تر تھا۔ رونی اس کی طرف لپکا۔ اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا تھا۔ سونی نے اکھڑتی سانسوں کے درمیان اسے کچھ بتایا۔ میں نے اس کا ہاتھ ہٹا کر زخم دیکھا جس سے خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا اور یہ ظاہر اس کا چننا مشکل لگ رہا تھا۔ کیونکہ کسی تیز دھار آلے کا زخم تین دن کے مقام پر تھا۔ رونی نے یہ بات محسوس کر لی وہ رونے لگا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سونی نے دم توڑ دیا اور رونی اب سوگ میں رو رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

”مجھے افسوس ہے تمہارا نقصان بڑا ہوا ہے مگر اس کی قاتلہ آزاد ہے یہاں کیا ہوا تھا سونی نے کیا بتایا

ہے۔“

”عورت نے ان پر خنجر سے حملہ کیا تھا اس نے سونی کے دونوں ساتھیوں کو اس کے سامنے مار دیا اور پھر اس پر بھی حملہ کیا تھا۔ اس کے وار کے بعد سونی نے اس پر فائر کیا تھا۔ پتا نہیں اسے گولی لگی یا نہیں مگر وہ فرار ہو گئی تھی۔ سونی اس کے پیچھے بھاگا مگر یہاں آ کر اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ گر گیا۔“ رونی نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ اس کو سونی کی لاش کے پاس چھوڑ کر ہم باقی دو قبائلیوں کو دیکھنے لگے اور ان کی لاشیں دو الگ راہدار یوں میں ملی تھیں۔ زینی میرے انداز سے زیادہ خطرناک اور سفاک ثابت ہوئی تھی۔ اس کے پاس خنجر تھا اور اس نے اسے چھپا کر رکھا مگر جب رائفل حاصل کر لی تب بھی اس نے خنجر سے کام کیا اس نے ان دونوں قبائلیوں کی گردنیں کاٹ دی تھیں۔ حالانکہ وہ رائفل سے یہ کام زیادہ آسانی سے لے سکتی تھی۔ اب آزاد اور مسلح تھی۔ میں واپس آیا۔ میں نے رونی سے کہا۔

”ہمیں واپس جانا ہوگا۔ اس وقت ہم خطرے میں ہیں وہ مسلح ہے اور کسی جگہ سے چھپ کر کارروائی کی تو

ہم مارے جائیں گے۔“

رونی اپنے بھائی کی لاش چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں تھا مگر ہم اسے تقریباً زبردستی لے گئے۔ لاشیں لے جانا بھی آسان نہیں تھا البتہ ان کا اسلحہ سمیٹ لیا تھا۔ ہم واپس آئے۔ راجا اور دوسروں کے علم میں صورت حال آئی تو سب ہی متشکر ہو گئے تھے۔ صورت حال یوں زیادہ گھمبیر تھی کہ ذرا سی دیر میں ہماری پارٹی آدھی رہ گئی تھی۔ اب ویر اور اس کے بھائی کے علاوہ صرف تین قبائلی تھے۔ چھٹا میں اور ساتواں عمر دراز تھا۔ افرادی قوت

کے لحاظ سے اب ہم ڈیوڈ شا سے برتر نہیں رہے تھے۔ برف والے کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی تھی ہم آسانی سے نہیں آسکیں گے۔ میں نے کہا۔ ”ہمیں فوری طور پر یہ جگہ چھوڑنی ہوگی۔“

”تب کہاں جائیں؟“

”کسی اور جگہ ٹھکانہ بناتے ہیں۔“

”کیوں نہ نیچے اتریں۔“ راجا عمر دراز نے کہا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔ جانا تو ہم نے وہیں تھا۔ اگر فوری روانہ ہو جاتے تو امکان تھا کہ ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کی آمد سے پہلے نیچے اتر جاتے۔ میں نے سر ہلایا۔

”ٹھیک ہے ہم نیچے چلتے ہیں، مگر سارا سامان لے کر جانا مشکل ہوگا۔“

”ہم یہاں کچھ سامان چھپا دیتے ہیں۔“ ویرشا نے تجویز دی۔

”بس تو فوری ضرورت کا سامان اور اسلحہ ہمارے ساتھ جائے گا۔ ہلکا پھلکا کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ رکھ لو۔“

دیر اور روی سامان چھانٹنے لگے۔ روٹی جو اب تک بھائی کے دکھ میں تھا اس نے میرے اور قبائلیوں کے ساتھ مل کر ایک جگہ تلاش کی جہاں ہم سامان چھپا سکتے تھے۔ ایک جگہ پتھروں کا ڈھیر تھا ہم نے یہ ڈھیر ہٹایا اور رکھنے والا سامان اس کے پیچھے چھپا کر پتھروں کا ڈھیر بھریے ہی کر دیا۔ ڈھیر چٹان ٹوٹنے سے بنا تھا اور بالکل قدرتی لگ رہا تھا۔ ان چکروں میں ایک گھٹنے سے زیادہ کا وقت گزر گیا تھا۔ اس کے بعد ہم روانہ ہوئے۔ میں نے روانہ ہونے سے پہلے کہا۔ ”ہمیں بالکل خاموشی سے اور بنا آواز کے سفر کرنا ہے کیونکہ یہاں اگر دشمن موجود ہے تو وہ آواز کی مدد سے ہمارا سراخ لگا لے گا۔ آپس میں گفتگو بھی اشاروں سے کی جائے اور صرف انتہائی ضرورت کے وقت آواز نکالی جائے۔“

سب نے اثبات میں سر ہلایا اور ہم روانہ ہو گئے۔ ہم جو سامان لے کر جا رہے تھے اس میں کوہ پیما کا سامان بھی تھا۔ نیچے اترتے ہوئے ہمیں اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ ہم دبے قدموں اور خاموشی سے چلتے ہوئے اس جگہ تک آئے جہاں سے نیچے اترنے کا راستہ جاتا تھا روٹی سب سے آگے تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس میں خطرات بھانپنے والی حس بھی اس کی باقی حسوں کی طرح تیز تھی۔ اس نے بندروں کی آواز بھی سب سے پہلے سنی تھی اور ہم بروقت خبردار ہوئے تھے۔ اسی لیے اسے آگے رکھا گیا تھا۔ اس کے پیچھے میں اور میرے پیچھے راجا عمر دراز تھا۔ کینسر کے مرض کے آخری اسٹیج میں ہونے کے باوجود اس کے دھم میں کمی نہیں آئی تھی اور وہ بالکل سیدھا چل رہا تھا۔ گھر میں وہ عام طور سے چھڑی کا سہارا لیتا تھا مگر یہاں اس نے چھڑی کا سہارا بھی نہیں لیا ہوا تھا۔ البتہ اس کے پاس فولد ہو جانے والی چھڑی ضرور تھی۔ اس نے کوئی سامان نہیں اٹھایا تھا اور خالی ہاتھ تھا۔ اس کے پیچھے باقی پارٹی تھی۔ اچانک روٹی نے پہلے کی طرح ہاتھ بلند کر کے رکنے کا اشارہ کیا اور پھر پلٹ کر آیا اور سرگوشی میں بولا۔

”آگے کوئی ہے آپ سب ذرا پیچھے ہو جائیں میں دیکھ کر آتا ہوں۔“

وہ آگے گیا اور غائب ہو گیا۔ چٹانوں کے اوپر مکمل دھند تھی البتہ نیچے راستوں پر اس کی شدت کم تھی اس وجہ سے دس بارہ قدم تک دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بعد منظر غائب ہو جاتا تھا۔ روٹی چند منٹ بعد نمودار ہوا اور

اس کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ آگے گزبڑ ہے اس نے آکر پہلے کی طرح سرگوشی میں کہا۔ ”آگے کچھ لوگ ہیں نظر نہیں آرہے ہیں مگر ان کی باتوں کی آواز آرہی ہے۔“

میں نے احتیاطاً سب کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا اور پھر روٹی سے پوچھا۔ ”تم نے کچھ سنا وہ کون سی زبان استعمال کر رہے تھے اور لہجے سے کہاں کے لگ رہے تھے؟“

”انگریزی۔“ اس نے یقین سے کہا پھر جذباتی لہجے میں بولا۔ ”وہ یہاں کے نہیں تھے اور اس لڑکی کی آواز بھی آرہی تھی جو میرے بھائی اور قبیلے والوں کی قاتلہ ہے۔ کاش میں آپ کے ساتھ نہ ہوتا تو جان پر کھیل کر اسے ختم کر دیتا۔“

”تم فکر مت کرو ہمیں موقع ملے گا۔“ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ یہ یقینی ثبوت تھا کہ ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی چٹانوں کے اس حصے میں پہنچ گئی تھی جہاں سے نیچے اترنے والا راستہ نکلتا تھا۔ وہ اس پتلی سی دراڑ پر قابض ہو گئے تھے جس سے گزرے بغیر ہم کنارے تک نہیں جاسکتے تھے۔ راجا عمر دراز یہ سن کر جھنجھلا گیا تھا اس نے کہا۔

”یہ کہاں سے آگئے؟“

”مجھے پہلے ہی اس کا خدشہ تھا۔“ میں نے کہا۔ ”ہم نے خاصا وقت ضائع کیا ہے اور اب ہمیں متبادل راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔“

”متبادل راستہ کہاں ہے؟“

”چٹانوں کے اوپر سے۔“ میں نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

”یہاں چٹانیں بہت اونچی ہیں جناب۔“ ویرشاہ نے کہا۔

”ہاں مگر ہم اسی راستے سے جائیں گے۔“ میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ”سب سے پہلے اوپر جانے کا راستہ تلاش کرنا ہوگا۔“

ہم جس جگہ کھڑے تھے یہاں چٹانوں کی بلندی پچاس فٹ کے لگ بھگ تھی اور اتنی بلند چٹانوں پر چڑھنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر کوئی کام آسان نہیں ہوتا جب تک اسے کرنے کا ارادہ نہ کر لیا جائے۔ جب انسان ارادہ کر لے تو پھر کوئی نہ کوئی راستہ نکل آتا ہے۔ ہم الگ الگ جگہوں پر اوپر جانے کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔ چٹانیں اس طرح ٹوٹی ہوئی تھیں کہ اوپر تک ان کی دیواریں اکثر مقامات پر سپاٹ تھیں اور جہاں کہیں سے یہ کھردری تھیں ان میں بھی اوپر جانے کی گنجائش اتنی نظر نہیں آرہی تھی۔ بالآخر روٹی کے ایک آدمی جانوس نے ایک جگہ دریافت کی یہاں دیوار پر گھر سے نکلے ہوئے تھے اور اس نے دعویٰ کیا کہ وہ ان گھروں کو پکڑ کر اوپر پہنچ سکتا ہے۔ میں نے پہلے انکار کیا کیونکہ مجھے یہ خطرناک لگ رہا تھا مگر جب اس نے روٹی کے توسط سے اصرار کیا اور روٹی نے بھی اس کی تائید کی کہ وہ اس قسم کے کاموں کا ماہر ہے۔ تو میں مان گیا۔

اجازت ملنے پر جانوس نے اپنا بھاری لباس اتارا۔ جوتے اتار کر اپنے بیگ سے عجیب ساخت کے بچہ کی جیسے شوز نکال کر پہنے جن کے تلے بے انتہا کھردرے تھے۔ ہاتھوں میں ایسے دستانے پہنے جو گرپ لینے کے لیے بہترین تھے۔ وہ صرف جرسی اور اوٹنی پاجامے میں تھا۔ اس نے رتی اور تھوڑی نما کلباڑی لی اور اوپر چڑھنے لگا۔

شروع کے گھر آسان تھے مگر اس کے بعد گھر چھوٹے اور دور ہونے لگے۔ ہم نے احتیاطاً نیچے سلپنگ بیگز بچھا دیئے تھے کہ اگر وہ گرے بھی تو اسے جان لیوا چوٹ نہ لگے۔ جیسے جیسے وہ اوپر جا رہا تھا۔ اس کے لیے آگے جانا مشکل ہوتا جا رہا تھا اور اسے زیادہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ اب اسے کلباڑی بھی استعمال کرنا پڑ رہی تھی۔ اس کے بغیر اسے سہارا نہیں مل رہا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم دھڑکتے دل سے انتظار کر رہے تھے کہ ہم کے آخری حصے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

چند منٹ انتظار کے بعد اچانک اوپر سے رسی لہراتی ہوئی آکر نیچے گری تو ہم سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اس نے رسی اوپر باندھ دی تھی۔ سب سے پہلے رونی گیا۔ اس نے اوپر مزید رسیاں باندھیں۔ ویر شاہ بھی اوپر چلا گیا۔ پہلے انہوں نے سامان کھینچا پھر راجا عمر دراز کو اوپر کھینچا اور آخر میں، میں اور رومی شاہ بھی اوپر پہنچ گئے۔ یہ اچھا ہوا کہ ہمارے پاس صرف ضروری سامان تھا ورنہ اس طرح سے سارا سامان اوپر پہنچانا بہت مشکل کام بن جاتا کیونکہ باقی سامان خاصا بڑا اور بھاری تھا۔ اوپر دھند شدید تھی۔ یہاں چند فٹ سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور یہاں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔ پہلا مرحلہ اس پتلی دراڑ کو تلاش کرنا تھا جس سے راستہ گزر کر کنارے تک جاتا تھا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہم کنارے تک پہنچ سکتے تھے۔ وہاں سے نیچے اترنے کے لیے کوئی دوسری تدبیر کی جاسکتی تھی۔

سب نے اپنا اپنا سامان سنبھالا اور ہم مقام انداز میں آگے بڑھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم کنارے سے کوئی دو سو گز دور تھے۔ چٹانیں اوپر سے ہموار نہیں تھیں۔ کہیں یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں اور کہیں ان میں کوہان سے نکلے ہوئے تھے۔ ٹوٹے حصے سے بہت احتیاط سے گزرتا پڑ رہا تھا۔ ایک چٹان تک پہنچے تو اسے متعدد حصوں میں تقسیم پایا اور ہر حصہ بل رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی بڑے زلزلے یا دھماکے سے چٹان اوپر سے نیچے تک مکمل طور پر بے شمار حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ یہ خاصے بڑے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس پر قدم رکھنا خطرناک ہو سکتا تھا اس لیے ہم اس کے ساتھ ساتھ چلتے گئے اور خاصا گھوم کر ہم اس کے دوسری طرف پہنچے تھے۔ میرا اور دوسروں کا بھی یہی خیال تھا کہ اسی سیدھ میں ہمیں اس پتلی دراڑ کا اوپری حصہ ملے گا جو کنارے تک جاتی تھی مگر آگے جانے پر بھی اس دراڑ کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ راجا عمر دراز نے کہا۔

”ہم غلط سمت تو نہیں آئے ہیں؟“

”یقیناً ایسا ہی ہے۔“ میں نے کہا۔ ”دھند اور ٹوٹی چٹان کی وجہ سے ہم اصل راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ اس صورت میں ہمیں سب سے پہلے کنارے تک جانا ہوگا اس کے بعد ہم اس کے دائیں دراڑ تلاش کریں گے۔ مجھے یاد ہے آخری حصے میں وہ خاصی چوڑی ہو گئی تھی۔“

”ایسا ہی کرتے ہیں۔“ ویر شاہ نے کہا اور ہم آگے بڑھے۔ اب ہمیں چٹانیں پھلانگنا بھی پڑ رہی تھیں۔ اگرچہ خلا گز ڈیڑھ گز سے زیادہ نہیں تھا مگر حد نظر محدود ہونے کی وجہ سے ہمیں احتیاط کرنی پڑتی تھی ایک ٹوکڑا جانے والا قدم ہمیں خاصا نیچے لے جاسکتا تھا۔ اسی طرح چٹانیں پھلانگتے ہوئے ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جس کے دوسری طرف خلا تھا۔ اور دھند کے پاس اگلی چٹان نظر نہیں آرہی تھی۔ رونی نے ہتھوڑی رسی سے باندھ کر آگے پھینکی مگر وہ کسی شے پر گرنے یا اس سے ٹکرانے کے بجائے واپس آئی اور اس چٹان کے ساتھ ٹکرائی جس کے

کنارے ہم کھڑے ہوئے تھے۔ ٹن کی آواز خاصی بلند تھی۔ میں نے روٹی کو خبردار کیا۔
 ”احتیاط سے ہم دشمن سے زیادہ دور نہیں ہیں ایک آواز ہماری نشان دہی کر دے گی۔“
 ”سوری صاحب۔“ اس نے ندامت سے کہا اور رستی اوپر کھینچ لی۔

”یہ تو طے ہے کہ ہم وادی کے کنارے کھڑے ہیں اب معلوم یہ کرنا ہے کہ دراز کس طرف ہے۔“ میں نے کہا۔ ”دو افراد بائیں طرف جائیں اور دودائیں طرف۔“
 ”میں اور روٹی بائیں طرف جاتے ہیں۔“ روی شاہ نے کہا۔

”میں اور ویردائیں طرف جاتے ہیں۔“ میں نے سر ہلایا۔ ”واکی ٹاکی ساتھ رکھنا اور ہر دس گز کے بعد اشارہ دینا۔ اس سے پتا چلتا رہے گا کہ کون سی پارٹی کتنی دور ہے۔ اگر سو گز بعد بھی دراز نہ ملے تو لازمی واپس آنا ہوگا۔“

”میں سمجھ گیا۔“ روی شاہ نے کہا اور روٹی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ دونوں پارٹیوں کو راجا عمر دراز کو رپورٹ کرنی تھی۔ میں نے اپنا واک ٹاکی ہاتھ میں رکھا اور ویر شاہ کے پیچھے چلتے ہوئے دس قدم گن کر واک ٹاکی میں کہا۔ ”دس قدم۔“

اسی طرح ہر دس قدم کے بعد میں اعلان کرتا رہا اور راستہ دیکھنے کا کام ویر شاہ کرتا رہا۔ سو قدم یعنی سو گز پورے ہو گئے۔ مگر اب تک دراز نمودار نہیں ہوئی تھی دوسری طرف روی شاہ بھی اسی طرح اعلان کرتا ہوا سو گز دور نکل گیا تھا اور اسے بھی دراز نہیں ملی تھی۔ راجا عمر دراز نے مشورہ دیا کہ ہم مزید پیچاس گز اور جائیں۔ اس پر بھی عمل کر کے دیکھا مگر دراز اب بھی نہیں ملی تو راجا عمر دراز نے کہا۔ ”اس وقت تک چلتے رہو جب تک واک ٹاکی کی حد ختم نہیں ہو جاتی۔ جب تم لوگوں کو میری طرف سے جواب نہ ملے تو واپس آ جانا۔“

ہم روانہ ہوئے اور تقریباً تین سو گز کے بعد راجا عمر دراز کی آواز آنا بند ہو گئی یعنی واک ٹاکی کی حد ختم ہو گئی تھی۔ میں نے ویر شاہ کو روکا اور ہم واپس آئے۔ بیس گز کے بعد راجا عمر دراز کو میری آواز آئی اور اس نے بھی جواب دیا۔ اس نے کہا۔ ”دوسری پارٹی کی طرف سے جواب نہیں آ رہا ہے حالانکہ اسے ریجن سے نکلے ہوئے کئی منٹ ہو چکے ہیں۔“

”ہم واپس آ رہے ہیں ہو سکتا ہے وہ بھی واپس آ رہے ہوں۔“ میں نے کہا اور واپس چلنا شروع کیا۔ یہ واک ٹاکی فکس فریکوئنسی پر سیٹ تھے اور ایک بولتا تو ریجن میں موجود تمام واک ٹاکی سیٹ پر آواز آتی تھی۔ کیونکہ ہمارے اور روی شاہ پارٹی کے درمیان خاصا فاصلہ تھا اس لیے مجھے ان کی آواز نہیں سنائی دی۔ میں نے ویر شاہ کو بتایا کہ روی کی طرف سے جواب نہیں مل رہا ہے تو وہ بے چین ہو گیا۔ اس نے رفتار تیز کر دی۔ واپسی کا راستہ دیکھا بھالا تھا اس لیے میں نے اس کی تیز رفتاری پر اعتراض نہیں کیا۔ راستے میں ہمیں صرف چند گڑھے ملے تھے اور ہم نے آرام سے انہیں بھلا لگ لیا تھا۔ اسی وجہ سے ویر شاہ بے فکر تھا اور اس نے ایک گڑھا پھلانگنا چاہا تو نہ جانے کیا ہوا کہ وہ اچھلنے ہوئے دوسری طرف جانے کی بجائے نیچے کی طرف گیا۔ وہ یوں گڑھے میں چلا گیا جیسے اسے کسی نے کھینچ لیا ہو۔ گرتے ہوئے اس نے کناروں پر ہاتھ جما لیے تھے اور خود کو اوپر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس نے دہشت زدہ لہجے میں کہا۔

”مجھے کسی نے پکڑ لیا ہے۔“

میں نے نیچے گرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے اس کے ہاتھ کی تختی سے اندازہ ہوا کہ نیچے کوئی سچ بچ اسے کھینچ رہا تھا میں نے گڑھے میں دیکھنے کی کوشش کی مگر اس کے عقب میں تاریکی اور دھند تھی اس لیے کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے پورا زور لگایا اور اسے کمر تک واپس بھی کھینچ لیا۔ دیر شاہ کے چہرے پر اذیت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے پیٹنی آواز میں کہا۔ ”میرا پاؤں الگ ہو جائے گا۔“

”خود کو قائم رکھو۔“ میں نے پستول نکالتے ہوئے کہا اور ذرا گھوم کر سوراخ میں ہاتھ کر کے لگا تار کئی فار کیے۔ اندر سے غراہٹ کی آواز آئی اور فوراً ہی دیر شاہ جھٹکے سے نیچے گیا۔ اس نے خود کو روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اور جب تک میں اس کے پاس آتا وہ گڑھے میں جا چکا تھا۔ اس کی آخری چیخ بہت کرناک تھی اور دیر تک سنائی دیتی رہی۔ دوسری طرف راجا عمر دراز بار بار پوچھ رہا تھا کہ اس طرف کیا ہوا ہے؟ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے اسے جواب دیا۔ ”برفانی آدمی نے دیر شاہ کو ایک سوراخ سے اندر کھینچ لیا ہے۔“

راجا عمر دراز پریشان ہو گیا۔ ”میرے خدا روی اور روئی کی طرف سے بھی جواب نہیں مل رہا ہے۔“

”میں آ رہا ہوں۔“ میں نے کہا اور جیکٹ سے طاقتور نارنج نکال کر اس کی روشنی سوراخ میں ڈالی۔ روشنی دس بارہ گز سے نیچے نہیں جا رہی تھی اور یہاں تک خلا میں کچھ نہیں تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ یہاں سے زمین پچاس ساٹھ فٹ نیچے تھی اور اتنا نیچے اترنا ممکن نہیں تھا۔ پتا نہیں برفانی آدمی میری فائرنگ کا نشانہ بنا تھا یا وہ بچ گیا تھا دونوں صورتوں میں وہ دیر شاہ کو ساتھ لے گیا تھا۔ اس کے پیچھے جانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور پستول رکھ کر اٹھل سنبھال لی۔ خطرہ ہمارے آس پاس تھا اور یہ برفانی آدمی کا خطرہ تھا جسے ہم اپنے طور پر پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ اب مجھے روی شاہ اور روئی کی طرف سے بھی فکر ہو رہی تھی۔ میں تیز قدموں سے چند منٹ میں واپس پہنچ گیا تو راجا عمر دراز اور اس کے ساتھ موجود جانوس چوکنا تھا۔ انہوں نے ہتھیار سنبھال رکھے تھے۔ میں نے جاتے ہی کہا۔ ”یہاں ہم شدید خطرے میں ہیں اور ہمیں نیچے اترنا ہو گا۔“

”وہ کیسے؟“ راجا عمر دراز نے پوچھا۔ ”اگر ہم نیچے بھی اتر گئے تب بھی جانے والے راستے پر ڈیوڈ شا قابض ہے۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”ہمیں وادی میں اترنا ہے۔“

اسی اثناء میں دوسری طرف سے کوئی نمودار ہوا تو ہم نے بھڑک کر رائفلیں اس کی طرف کیں مگر وہ روئی تھا جو ہر اسال اور پریشاں دوڑا آ رہا تھا۔ اس نے نزدیک آ کر ہانپتے ہوئے کہا۔ ”برفانی آدمی..... انہوں نے روی پر حملہ کیا اور اسے مار کر لے گئے۔“

”وہ دیر شاہ کو بھی مار چکے ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”اب وہ ہمارے لیے آئیں گے اور ہمارے لیے ایک ہی جائے پناہ ہے۔“ میں نے ایک بیگ پشت پر باندھا۔ ”ہمیں نیچے اترنا ہے۔“

راجا عمر دراز فکر مند ہو گیا۔ ”اس طرح اندھا دھند نیچے اترنا خطرناک ہو سکتا ہے۔“

”اور جو خطرہ پیچھے ہے۔ بلکہ ہمارے آس پاس ہے۔“ میں نے کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ روئی نے میری تائید کی۔ ”وہ بہت خوفناک ہیں۔ دو برفانی آدمیوں نے

روی شاہ کو پکڑ کر کھینچا اور اس کے دو گلے کر دیئے۔“

مجھے اپنے روٹنے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ روٹی اور جانوس نے بھی اپنے بیک لاد لیے۔ اس کے باوجود دو بیک باقی تھے مگر ان کو لے جانا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے انہیں وہیں چھوڑا۔ البتہ رسیاں ساری لے لی تھیں۔ ہماری بیٹلوں سے کلپس پہلے ہی بندھے ہوئے تھے ہم نے کیلیں اور ہتھوڑی بھی ساتھ رکھ لیں۔ پہلے جانوس نیچے گیا اور اس نے جائزہ لے کر اود کے کیا تو پھر میں اور میرے بعد راجا عمر دراز نیچے آئے سب سے آخر میں روٹی آیا تھا۔ ہم ایک چھجے پر تھے اور ابھی ہم رسیاں اور کیلیں لگانے جا ہی رہے تھے کہ اوپر سے غرانے اور بھاری سانسوں کی آوازیں آئیں۔ ہم سب چھجے کی دیوار سے چپک گئے تھے۔ اوپر ایک یا زیادہ برفانی آدمی تھے۔ انہوں نے یقیناً بیک دیکھ لیے تھے اور انہیں الٹ پلٹ رہے تھے۔ میں نے کلباڑی سنبھال لی۔ بہت زیادہ چانس تھا کہ برفانی آدمی ہمیں دریافت کر لیں گے۔

میں نے سوچ لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے اور ساتھ ہی اشارے سے دوسروں کو بھی تیار رہنے کو کہا۔ سانسوں کی آواز نزدیک آنے لگی اور پھر ایک برفانی آدمی نے نیچے جھانکا ہی تھا کہ میں نے ہتھوڑی کا کلباڑی نما حصہ گھما کر اس کے سر پر مارا۔ وہ دستے تک ماتھے پر اس کے سر میں گھس گیا اور وہ ایک کرہہہ چیخ کے ساتھ سر کے بل نیچے آیا تھا میں نے کلباڑی اس کے سر سے نکالنے کی کوشش کی مگر وہ بری طرح سر میں دھنسی ہوئی تھی اگر میں اس پر گرفت رکھتا تو اس کے ساتھ میں بھی نیچے جاتا مجھے چھوڑنا پڑا۔ وہ لمحوں میں گہری دھند میں غائب ہو گیا۔ میں نے کلباڑی استعمال کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا کیونکہ کسی اور ہتھیار کے استعمال سے خطرہ تھا برفانی آدمی فوری نہیں مرے گا اور نیچے جاتے ہوئے کسی دوسرے کو بھی ساتھ لے جائے گا۔ جہاں تک میں نے اس مخلوق کو دیکھا تھا یہ بے انتہا خدی اور مرے مارنے والی تھی۔ وہ نیچے گیا تو میں نے پتول نکال لیا۔ اگر اوپر کوئی اور برفانی آدمی تھا تو وہ یقیناً آنے والا تھا اور میں اسے دیکھتے ہی شوٹ کر دیتا۔ میرے ساتھ راجا عمر دراز بھی تیار تھا۔ مگر اوپر سے مزید کوئی آواز نہیں آئی ایسا لگ رہا تھا کہ اوپر ایک یہی تھا جو یہاں تک آیا تھا۔ میں نے روٹی سے کہا۔

”اب رسی لگاؤ۔“

وہ ہتھوڑی لے کر رسی کے لیے کیل ٹھونکنے لگا اور میں اوپر تک آیا اور کنارے سے غمرانی کرنے لگا۔ بے شک حد نظر چند گز تک تھی مگر برفانی آدمی یہاں تک بھی آجاتا تو میں اسے دیکھ لیتا اور کنارے پر آنے سے پہلے میں اسے مار گرتا۔ روٹی نے دو الگ کیلیں ٹھونکیں اور ان سے رسیاں منسلک کر کے نیچے پھینکیں۔ اس نے کیلوں سے کلپ لگا کر ان سے ایک باریک رسی یوں لگائی کہ نیچے سے ہم رسی کھول سکتے تھے اور اسے دوبارہ استعمال کر سکتے تھے۔ یہ ضروری تھا ہمارے پاس رسیاں محدود تھیں اور ہم نے ابھی نامعلوم بلند یوں سے نیچے جانا تھا۔ پہلے راجا عمر دراز نیچے گیا۔ کلپ کی مدد سے اسے نیچے جانے میں آسانی رہی تھی اور اسے اتنا زور نہیں لگانا پڑ رہا تھا۔ لیکن پھر بھی ایک تو وہ بوڑھا تھا اور دوسرے بیمار تھا۔ مجھے اس کی فکر تھی۔ اب تک میں نے کئی بار اسے ان ہیلر لیتے دیکھا تھا۔ پتا نہیں یہ سادہ ان ہیلر تھا یا اس میں کینسر کے لیے کوئی دوا ہوتی تھی۔ میں نے کہا۔

”سب پاس پاس رہیں۔“

راجا عمر دراز کے پیچھے روٹی گیا تھا۔ دوسری رسی سے جانوس گیا اور جب روٹی نے نیچے سے آواز دی۔

”کلیئر ہے۔“ تو میں بھی نیچے آیا اور رستی سے کلب منسلک کر کے نیچے جانے لگا۔ تقریباً بیس گز کے بعد ہمیں ایک اور چھپا ملا یہاں اتنی جگہ تھی کہ ہم چاروں آرام سے کھڑے ہو سکتے تھے۔ رونی نے ایک رستی سے منسلک باریک ڈوری کھینچی اور اوپر کیل سے بندھی گرہ کھل گئی۔ اس رستی کو لچھا بنا کر اس نے شانے پر ڈالا اور دوسری رستی کھولنے لگا۔ میں آس پاس دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر یہاں دھند کہیں زیادہ گہری تھی اور دو گز سے آگے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس طرح اندھا دھند نیچے جانا مناسب ہوگا یا نہیں۔ اگر خاصا نیچے جانے کے بعد ہمیں ڈیڈ اینڈ ملا اور نیچے اترنے کا کوئی اور راستہ نہ ملا تو ہم اوپر بھی نہیں جاسکیں گے۔ دیکھا جائے تو ہم ایک ناقابل گزر اترائی کے دہانے پر تھے۔ ہزاروں فٹ تک سیدھی دیوار پر اترنا ناممکن حد تک مشکل کام تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ نیچے جانے والا راستہ ہمارے دائیں طرف ہے۔ اچانک رونی نے پریشانی سے کہا۔

”یہ رستی نیچے نہیں آ رہی ہے۔“

وہ بار بار ڈوری کو جھککا دے رہا تھا جو بڑی رستی کی گرہ کھول دیتی مگر بڑی رستی نیچے نہیں آ رہی تھی۔ رونی نے میری طرف دیکھا۔ ”کچھ مسئلہ ہے کیا میں اوپر جاؤں؟“

”یہ رستی ضروری ہے کیا؟“

”بالکل جناب یہ سویمٹر لمبی ہے۔“ رونی نے کہا۔ ”اتنی لمبی صرف تین رسیاں ہیں آگے ان کی ضرورت ہوگی۔“

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اوپر خطرہ موجود تھا اور برفانی آدمی اس جگہ سے زیادہ دور نہیں تھے۔ پتا نہیں وہ کس تعداد میں وادی تک آئے تھے۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ وہ یہاں تک نہیں آئے ہیں مگر وہ یہاں بھی آچکے تھے۔ ممکن ہے وہ اوپر کی چھپا دریافت کر چکے ہوں۔ اس صورت میں رونی کے اوپر جانے میں خطرہ تھا۔ دوسری طرف ہمیں اس نامعلوم بلندی والی جگہ پر لازمی رسیوں کی ضرورت تھی۔ میں نے سر ہلایا۔ ”لیکن کسی خطرے کی صورت میں تم فوری نیچے آؤ گے۔“

رونی نے سر ہلایا اور رستی کی مدد سے اوپر جانے لگا۔ میں نے اپنے پاس موجود بیم نارچ نکال کر اس سے آس پاس دیکھا۔ اس کی لیزر کی طرح طاقتور بیم دھند کو چیر کر کچھ دور تک دکھا رہی تھی۔ میں دائیں طرف والی دیوار کا جائزہ لے رہا تھا اس چھپے سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر ایک چھپا اور تھا اور یہ خاصا طویل تھا جہاں تک نارچ کی روشنی کام کر رہی تھی یہ چٹان کے ساتھ لگا ہوا نظر آ رہا تھا۔ راجا عمر دراز بھی دیکھ رہا تھا اور میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے منہ سے کچھ کہے بغیر اثبات میں سر ہلا کر میرے خیال کی تائید کی۔ مجھے خیال آیا کہ اوپر بندھی رستی کی مدد سے ہم اس جگہ تک جاسکتے تھے۔ دوسری صورت میں یہ کام مشکل ہو جاتا۔ میں نے خیال آتے ہی رونی کو آواز دی اور اپنی آواز بس اتنی رکھی کہ اس تک جائے۔ اس نے پوچھا۔ ”لیں سر۔“

”ابھی رستی مت کھولنا میں اس کی مدد سے دائیں طرف موجود ایک چھپے تک جا رہا ہوں۔ سب اس طرف چلے جائیں تب تم بھی اسی طرف آنا میری بات سمجھ گئے۔“

”سمجھ گیا جناب۔“

میں نے رستی اپنے کلب سے منسلک کر کے اوپر چھپے کے اتر کر چٹان پر جٹ گیا اس میں پتھر ابھرے

ہوئے تھے۔ اگر میرا ہاتھ یا پاؤں سلب ہو جاتا تب بھی میں رستی سے بندھا ہوا تھا۔ اس لیے میں بے فکری سے مشکل جگہوں سے بھی گزرتا ہوا چند منٹ میں دوسرے جھجے تک پہنچ گیا۔ یہاں میں نے رستی باندھی اور اس کا بقیہ حصہ جانوس کی طرف اچھالا اس نے اسے اپنے جھجے پر باندھا اور اس کی مدد سے راجا عمر دراز میری طرف آ گیا۔ آخری چند گز اس نے میری مدد سے طے کیے۔ اس ذرا سی مشقت نے اسے ہانپنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس کا چہرہ نیلگوں ہو رہا تھا۔ جھجے پر آتے ہی اس نے ان ہیلر نکالا اور منہ سے لگا کر چند لمبے سانس لیے۔ اس کے پیچھے جانوس رستی کھولتا ہوا آ گیا اور پھر میں نے روٹی کو نیچے آنے کو کہا۔ مگر نہ تو وہ نیچے آیا اور نہ اس کی طرف سے جواب آیا۔

میں فکر مند ہو گیا اگلی بار میں نے کسی قدر بلند آواز سے پکارا اور جواب میں کوئی ذرا اور دھند میں ہوتا ہوا نیچے گیا تھا۔ کوئی آواز نہیں آئی بس ایک جسم نیچے جاتا دکھائی دیا فاصلہ اور دھند اتنی تھی کہ میں اسے ٹھیک طرح نہ دیکھنے سے بھی قاصر رہا تھا۔ ویسے بھی لمحے میں گزر گیا تھا۔ اتنے میں رستی اچانک ہلی اور بری طرح تن گئی۔ میں نے چاقو نکال لیا اور رستی تھام لی۔ میری نظر اوپر لگی ہوئی تھی اور میں نے جانوس کو ہوشیار رہنے کو کہا تھا۔ اس رائل کارخ اوپر کر دیا۔ راجا عمر دراز ذرا پیچھے ہٹ گیا تھا۔ چاقو کی نوک رستی پر لگی ہوئی تھی اور جیسے ہی کوئی او سے نمودار ہوا میرا ہاتھ تن گیا تھا مگر اس سے پہلے میں چاقو سے رستی کا ٹٹا میں نے روٹی کو دیکھ لیا تھا۔ وہ رتھاے پھسلتا ہوا آ رہا تھا۔ میں تیزی سے پیچھے ہٹا اور جانوس بھی پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس نے نیچے آتے ہی رستی ساتھ موجود باریک ڈوری کھینچی اور اوپر سے گرہ کھل گئی رستی لہراتی ہوئی نیچے آ گئی تھی۔

”کیا ہوا تھا؟“

”سوری میں آپ کو جواب نہیں دے رہا تھا وہ وہاں موجود تھے۔“ اس نے ہانپتے اور رستی سمیٹتے ہو کہا۔ ”ایک کو میں نے گردن میں چاقو مار کر نیچے پھینک دیا مگر وہ کئی تھے میں آواز نکالتا تو مارا جاتا۔ ایک کو مارنے میں نیچے آ گیا۔“

اسی لمحے غراہٹ کی آواز آئی اور یہ دوسرے جھجے کی طرف سے آئی تھی جس سے ہم آئے تھے۔ وہ یہاں سے نظر نہیں آ رہی تھی میں نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھا۔ ہم کوشش کر رہے تھے کہ کوئی نہ نکالیں جس سے ہماری نشان دہی ہو سکے۔ جانوس سب سے آگے تھا اس کے پیچھے راجا عمر دراز، پھر روٹی سب سے پیچھے میں تھا۔ جب وہ لوگ آگے نکل گئے تب میں نے چلنا شروع کیا مگر کچھ آگے جاتے ہی مجھے اُ پیچھے کچھ سرگرمی ہو رہی ہے۔ میں رکا اور واپس آیا۔ میں نے پستول واپس رکھ کر رائل شانے سے اتار لی۔ لگا دھند میں ذرا پیچھے کوئی حرکت کر رہا ہے۔ لیکن یہاں خلا تھا یہاں کون اس طرح حرکت کر سکتا تھا۔ مگر جا سانس لینے کی حیوانی آوازیوں نے واضح کر دیا کہ یہاں کون تھا۔ وہ ایک برفانی آدمی تھا جو دونوں چھجور درمیان چٹان میں ابھرے پتھروں کو پکڑتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔

اس کا وجود نمایاں ہوتے ہی میں نے برسٹ مارا اور اس کی ٹانگوں کا نشانہ لیا۔ اس کا فوری رد عمل اس نے بھیانک سی آواز نکالی اور نیچے گر گیا۔ اس کے پیچھے ایک اور تھا اور وہ خطرہ بھانپ کر واپس جانے اب میں اسے کہاں جانے دیتا میں نے اسے بھی مار گرایا۔ میں نے دیکھا تھا کہ ان کے جسم کو نشانہ بنایا جا۔

اتنی جلدی نہیں مرتے تھے۔ ان کے سر کو نشانہ بنانا ضروری تھا اور یہاں میں نے ان کو گرانے کے لیے ان کے پیروں کو نشانہ بنایا۔ دونوں بار یہ تدبیر کارگر رہی۔ دوسرے کو گرانے کے بعد میں کچھ دیر انتظار کرتا رہا کہ اس کے پیچھے کوئی اور آ رہا ہے تو اسے بھی نشانہ بناؤں۔ مگر اس کے پیچھے اگر کوئی تھا تو وہ واپس جا چکا تھا یا چھپے سے اتر ہی نہیں تھا۔ رونی عقب سے آیا۔ اس نے سہلے لہجے میں پوچھا۔ ”وہ پیچھے آ رہے ہیں؟“

”اب نہیں آ رہے۔“ میں نے رافٹل شانے سے لٹکانی۔ اسی لمحے اوپر سے ایک خاصا بڑا پتھر میرے بالکل پاس سے گزرا۔ چھچھ کے کنارے سے ٹکرایا اور نیچے چلا گیا۔ میں بال بال بچا تھا۔ میں اور رونی بے ساختہ دیوار سے چپکے اور پھر چپکے چپکے آگے سر کئے گئے۔ یہاں کھڑے ہو کر گفتگو کرنا ہماری غلطی تھی۔ آواز پر اوپر سے پتھر پھینکا گیا۔ میں اور رونی آگے سرک رہے تھے اتنے میں مزید پتھر آئے مگر وہ سب دور رہے تھے۔ کچھ آگے جانے کے بعد ہم نے تیزی سے سفر شروع کیا۔ مگر میرے ذہن میں خدشہ تھا۔ برفانی آدمی جان گئے تھے کہ ہم کہاں تھے؟ اور وہ ایسی مشکل جگہوں کے عادی تھے اور ہماری نسبت یہاں بہت تیزی سے سفر کر سکتے تھے۔ ان سے صرف ایک صورت میں ہماری بچت تھی کہ ہم ان سے دور رہیں۔ جانوس اور راجا عمر دراز ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہمارے آتے ہی وہ آگے چل پڑے۔ یہ چھجا خاصا طویل ثابت ہو رہا تھا۔ تقریباً دو سو گز کے بعد اس کا ایک حصہ گرا ہوا تھا مگر اسے پار کرنا مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد دوبارہ سفر شروع ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ چھجا نیچے کی طرف جارہا ہے اور اب ہم وادی کے کنارے سے خاصا نیچے آگئے تھے۔ یہاں دھند گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ہمیں آگے بڑھنے کے لیے پہلے نیچے دیکھنا پڑتا تھا۔ سب نے نارچ نکال لی تھیں اور اس کی روشنی میں آگے بڑھ رہے تھے۔ چھچھ کا ٹونا حصہ عبور کرنے کے بعد میں نے راجا عمر دراز سے مختصر میٹنگ کی تھی اور میں نے اسے اپنا خیال پیش کیا کہ شاید ہم اسی سمت میں سفر کر رہے تھے جس طرف نیچے جانے کا راستہ تھا اور اس نے مجھ سے اتفاق کیا خود اس کا بھی یہی خیال تھا۔ جانوس اور رونی وہی کر رہے تھے جو میں کہہ رہا تھا۔

ایک گھنٹے بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک بڑی چٹان راستے میں حائل تھی اور اس کے دوسری طرف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رونی نے دیوار میں کیل گاڑی اور رستی سے نیچے لٹک کر جھولتے ہوئے چٹان کے دوسری طرف جانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر چٹان نہ صرف بڑی بلکہ چکنی اور ہموار تھی اس پر ہاتھ پاؤں جمانے کی جگہیں بہت کم تھیں۔ رونی نے مجھ سے کہا۔ ”مجھے مزید نیچے جانا ہو گا۔“

”بات مشکل کی نہیں ہے ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔“ اس نے کہا اور نیچے جانے لگا۔ اسے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں سے وہ اس چٹان کے دوسری طرف جا سکے۔ راجا عمر دراز جو ذرا پیچھے تھے اس نے مجھے متوجہ کیا۔ ”یہ آواز کیسی ہے؟“

میں اس کے پاس آیا تو ایسا لگا جیسے دیوار کے اندر پانی بہہ رہا ہو۔ شاید یہاں چٹانوں کے اندر کوئی چشمہ تھا۔ میں کان لگا کر سن رہا تھا کہ پانی کے روم ترم میں عجیب سی چٹختن جیسی آواز بھی شامل ہو گئی۔ جلد مجھے اندازہ ہو گیا کہ چٹختن کی آواز اوپر سے آ رہی تھی اور ہمارے نزدیک آ رہی تھی۔ میں نے راجا کو پیچھے کھینچا اور ہم راستے پر ابھری چٹان سے لگ گئے۔ چٹا بھٹ کی آوازیں بہت زیادہ اور بلند بھی تھیں ایسا لگ رہا تھا کہ اذپر سے بندر نما جانوروں کا پورا جھنڈا آ رہا ہے اور ایسا ہی تھا۔ چند لمحے بعد اوپر سے چھلا گئیں لگاتے اور تقریباً سیدھی دیوار پر چہل

قدی کرتے بندر گزر کر نیچے جانے لگے۔ ان کی تعداد درجنوں میں تھی۔ ان میں سے کچھ چھبے پر بھی رکے مگر پھر تیزی سے نیچے چلے گئے۔ شاید وہی جھنڈ تھا جس نے برفانی آدمی کو مارا گرایا تھا اور اسے کھاپی گئے تھے۔ ان کی آوازوں میں ایک پیٹ بھرا خوش کن تاثر تھا۔

بندر ہم سے کچھ فاصلے سے گزر رہے تھے۔ شاید جہاں ہم کھڑے تھے وہاں گزرنے کا راستہ نہیں تھا مگر میرا خیال اس وقت غلط ثابت ہوا جب ایک بندر سیدھا میرے سر پر نازل ہوا۔ جتنی غیر متوقع اس کی آمد تھی۔ اتنی غیر متوقع اس کے لیے یہاں میری موجودگی ثابت ہوئی تھی۔ وہ میرے سر پر گرا اور میرا سر ہلا تو وہ ہوا میں اچھلا اور سیدھا خلا میں گیا تھا۔ اس نے نیچے گرتے ہوئے عجیب سی آواز نکالی۔ اس سے پہلے کہ اس کی آواز دوسروں کو متوجہ کرتی وہ غائب ہو چکا تھا۔ مگر ایک بندر کو اس کی آواز نے متوجہ کیا تھا اور وہ چھبے پر ہم سے چند گز کے فاصلے پر رکا ہوا تھا اور کان گھما گھما کر گویا سن گن لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان بندروں کی آنکھیں زیادہ بڑی نہیں تھیں اس کا مطلب تھا کہ ان کی نظر زیادہ تیز نہیں تھی مگر ان کے کانوں کی ساخت بتا رہی تھی کہ وہ آواز سن لیتے تھے اور شاید معمولی سی آواز بھی سن سکتے تھے۔ میں نے سانس روک لی۔

راجا عمر دراز سانس نہیں روک سکتا تھا۔ بلکہ وہ سانس تیزی سے اور کسی قدر شور والے انداز میں لے رہا تھا۔ اس وقت مجھے رک جانے والے بندر سے زیادہ روئی کی فکر تھی جو نیچے گیا تھا اور بندر بھی نیچے جا رہے تھے اسے دیکھ لیتے تو اس کی عافیت خطرے میں پڑ جاتی۔ پھر بندر نے شاید راجا عمر دراز کی سانس کی آواز سن لی اور وہ تفتیش کے لیے اس طرف آیا میں نے دل ہی دل میں اس کے جذبہ تجسس کو نامناسب الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ نزدیک آ کر اس نے منہ اٹھا کر سوگھا۔ اب غالباً اسے ہماری بو بھی آرہی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ چلا کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کرتا میں نے اچانک پاؤں اٹھا کر اسے دبا دیا۔ اتفاق سے میرا پاؤں سیدھا اس کی گردن پر آیا تھا اور وہ جھٹتی ہوئی چیں چیں کی آواز نکالتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا مگر یہ اس کے لیے ممکن نہیں تھا اس کی چیں چیں سے خوفزدہ ہو کر میں پورا ہی اس پر کھڑا ہو گیا اور منٹ سے بھی پہلے اس کا دم نکل گیا تھا۔ میں نے اسے اٹھا کر دور اچھال دیا تاکہ اس کی لاش بہت نیچے جائے اس کے بھائی بندروں کو نہ مل جائے۔ بندروں کا جھنڈ نیچے جا چکا تھا۔

اس طرف سے اطمینان کے بعد میں نے رتی کو جھٹکا دے کر روئی سے پوچھا اور اس نے جھٹکا دے کر اوکے کا اشارہ کیا۔ وہ ذرا دیر بعد اوپر آیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے سانس درست کرتے ہوئے کہا۔

”پتا نہیں کیسے بچا وہ میرے پاس سے گزر رہے تھے۔“

”یہاں بھی پاس سے گزرے ہیں بلکہ وہ تو جان بھی گئے تھے۔“

روئی چونکا۔ ”وہ کہاں ہیں۔“

”نیچے گئے۔“ میں نے اشارہ کیا۔ ”یہ بتاؤ کہ راستہ ملا؟“

اس نے سر ہلایا۔ ”ہاں لیکن بہت نیچے جا کر ہے اور وہاں سے اوپر جانا بھی ممکن نظر نہیں آ رہا تھا میں، جانوس اور آپ شاید چلے جائیں مگر.....“ اس نے راجا عمر دراز کی طرف دیکھا۔ ”ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ بہت دشوار چڑھائی ہے۔“

میں بھی سمجھ رہا تھا کہ راجا عمر دراز کے لیے اس قسم کی کوہ پیمائی ممکن نہیں تھی۔ مگر میرے ذہن میں ایک طریقہ آگیا تھا۔ ”اگر نیچے سے اوپر جا کر رستی باندھی جائے تب ممکن ہے؟“

”ہاں تب ممکن ہے۔“

”تب تم جاؤ اور رستی دوسری طرف باندھو۔“

رونی تھکا ہوا تھا مگر وہ سر ہلاتا ہوا نیچے اتر گیا۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ یہ ہمارے لیے موقع تھا کہ سستالیں۔ ہم نے سامان میں کھانے پینے کی ایسی چیزیں رکھی تھیں جو تیار تھیں اور جنہیں فوری استعمال کیا جاسکتا تھا۔ میں نے ایک چاکلیٹ نکالی۔ جانوس کو لڈ ڈرنک پی رہا تھا البتہ راجا عمر دراز اپنی دواؤں والا بیگ کھولے بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس میں سے اپنے لیے ڈوز نکال رہا تھا۔ یہ کوئی نصف درجن مختلف سائز کی گولیاں اور کپسول تھے جنہیں اس نے ازجی ڈرنک کی مدد سے حلق سے اتار لیا۔ پھر وہ وہیں لیٹ گیا۔ میں فکر مند ہوا کہ شاید اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ ”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔“

”ہاں یہ دوائیں لینے کے بعد دس پندرہ منٹ آرام کرنا ہوتا ہے۔“ اس نے کہا۔ ”ایسے میں تھکا ضرور ہوں لیکن پھر بھی بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ بالآخر میں اس جگہ کے پاس ہوں جہاں آنے کے خواب میں برسوں سے دیکھتا رہا ہوں۔“

”آپ کچھ عرصے پہلے وادی تک آئے تھے۔“ میں نے اسے یاد دلایا۔ اس نے سر ہلایا۔

”لیکن میں نیچے نہیں جاسکا تھا۔“

”اب آپ جاسکیں گے؟“

”ہاں کیونکہ میں نے برف والے کی شرط پوری کر دی ہے۔“ راجا عمر دراز نے مسرور لہجے میں کہا۔ ”اب میں نیچے جاسکوں گا۔“

”فی الحال تو ہمیں وادی میں اترنے والا راستہ تلاش کرنا ہے اور دیکھا جائے تو ابھی ہم راستہ میں ہیں۔“

”مجھے یقین ہے کہ راستہ مل جائے گا۔“ اس نے یقین سے کہا۔ ”تم ساتھ آئے تو سب راستے کھل جائیں گے اور سب راستے مل جائیں گے۔“

میں مسکرا کر رہ گیا۔ اب میں اس کی باتوں کو بچکانہ نہیں لے رہا تھا مگر اب بھی اس کی بعض باتوں کو مبالغہ آمیز ضرور سمجھ رہا تھا۔ وہ مجھے ہر تالے کی چابی سمجھ رہا تھا۔ جب کہ میں ایسا نہیں سمجھ رہا تھا۔ رونی کو گئے ہوئے بیس منٹ ہونے کو آئے تھے کچھ دیر بعد رستی اوپر کی سمت آنے لگی۔ وہ کھینچ کر چٹان کے متوازی ہو رہی تھی یعنی رونی چٹان کے دوسری طرف جانے کے بعد اوپر چڑھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رستی کو جھٹکا لگا۔ میں نے جوابی جھٹکا دیا۔ رستی دوسری طرف باندھی جا چکی تھی۔ میں نے راجا عمر دراز سے کہا۔ ”اب آپ کو ہمت کرنا ہوگی۔ دوسری طرف جانے کے لیے۔“

اس نے سر ہلایا اور اپنا کلپ رستی سے منسلک کیا۔ رستی دوسری طرف کسی قدر نیچے تھی اس لیے جب اس نے خلا میں قدم رکھا تو خود بہ خود آگے جانے لگا۔ ساتھ ہی وہ ہاتھوں سے چٹان کے سہارے خود کو آگے بڑھا رہا تھا۔ ایک منٹ میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ راجا عمر دراز دوسری طرف پہنچا تو رستی خود بہ خود ڈھیلی ہو گئی اور

رونی نے جھٹکا مارا۔ اب میں نے جانوس کو جانے کا اشارہ کیا اور کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ وہ رتی پکڑتا اور نکلتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ اس کے بعد میری باری تھی۔ میں نے رتی سے کلپ باندھا اور غلامیں جاتے ہی تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ چٹان کی رگڑ سے بچنے کے لیے میں ہاتھوں کا سہارا لے رہا تھا اور اس وجہ سے میں ذرا گھوما اور میں نے عقب میں دھند سے جھجے پر ایک ہیولہ برآمد ہوتے دیکھا۔

اس کی قامت بتا رہی تھی کہ وہ برفانی آدمی تھا اور اس نے آتے ہی رتی پکڑ لی۔ مجھے جھٹکا لگا۔ وہ رتی کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر میں رکنا نہیں کیونکہ میں کلپ کی مدد سے آگے پھسل رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے میں محسوس کر چٹان کے دوسری طرف چاچکا تھا۔ اب برفانی آدمی رتی توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے رتی کو لگنے والے جھٹکوں سے ہوا۔ مگر رتی بہت مضبوط تھی۔ اللہ نے مجھے عقل دی اور میں نے فوراً ہی رتی کو اپنے پکڑنے والے کلپ سے باندھ لیا۔ مجھے خیال آیا کہ برفانی آدمی رتی توڑنے میں ناکامی کے بعد کیا کرے گا اور اس نے ایسا ہی کیا اس نے رتی توڑنے میں ناکامی کے بعد وہ کیل نکال دی جس سے رتی بندھی تھی اور کیل نکلتے ہی میں تیزی سے نیچے گیا۔

میں اتنی تیزی سے نیچے گیا تھا کہ ایک لمحے کو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مجھے لگا کہ میں نیچے گر رہا ہوں۔ چند گز نیچے جاتے ہی مجھے جھٹکا لگا اور میں چٹان سے ٹکرایا۔ سر بچانے کے چکر میں میرے ہاتھوں کو ضرب سہنا پڑی تھی۔ پھر پھسلتا ہوا نیچے جانے لگا۔ میری جیکٹ چٹان سے رگڑ کھا رہی تھی اور میں اپنا جسم بچا رہا تھا۔ بد قسمتی سے یہاں چٹان نہایت کھردری تھی۔ اس کے حصے سے رگڑ کھا کر میری جیکٹ جواب دے گئی ایک طرف شانے اور بازو کا حصہ پھٹ گیا۔ میں پاؤں اڑا کر خود کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر آخری جھٹکے نے مجھے ہوا میں معلق کر دیا اور میں چٹان سے دور ہو کر جھولنے لگا۔ چند لمحے تو ہوش بحال ہونے میں لگے۔ رونی کی آواز نے

مجھے چونکا یا اور میں نے اوپر دیکھا وہ پوچھ رہا تھا۔ ”آپ ٹھیک ہیں؟“

”ہاں تم نے کیل صحیح سے ٹھونگی تھی۔“ میں نے کہا اور اوپر جانے لگا۔ گرپ کرنے والا کلپ اس قسم کا ہوتا ہے کہ اس میں رتی ایک طرف آسانی سے حرکت کرتی ہے اور دوسری طرف صرف کلپ کی گرفت کم کرنے پر چھوٹی ہے۔ میں آرام سے اوپر پہنچ گیا۔ پہلے ایک ڈھلان تھی اور اس کے بعد اوپر چھجا اسی طرح کا تھا جیسا چٹان کے دوسری طرف تھا۔ میں ڈھلان سے اوپر آیا اور رتی سے کلپ الگ کیا۔ رونی نے پوچھا۔

”رتی کیسے نکل گئی؟“

”نکلی نہیں نکالی گئی ہے۔ وہ بد بخت اس چھجے تک چلے آئے ہیں۔“ میں نے کہا تو ان لوگوں کے چہرے

سفید پڑ گئے۔ راجا عمر دراز نے کہا۔

”انہوں نے پیچھا نہیں چھوڑا؟“

”یہ نہایت ضدی اور سفاک مخلوق ہے۔“ میں نے اپنی پھٹ جانے والی جیکٹ کا جائزہ لیا۔ اس کا اوپر ڈ

پیراشوٹ پھٹ گیا تھا اور اندر کا گرم میشریل جھانک رہا تھا۔ رونی نے اس کا جائزہ لیا اور سامان سے نیپ نکال کر

پھٹ جانے والے حصوں پر لگا دیا تاکہ اندر کا گرم حصہ محفوظ رہے یہاں چھجا زیادہ تر چھا ہو کر نیچے جا رہا تھا اور

خاصا تک بھی تھا۔ راجا عمر دراز نے توجہ دلائی۔

”کہیں ہم نیچے جانے والے راستے پر تو نہیں آگئے ہیں۔“

”شاید ایسا ہی ہے مگر اس پر کہیں اس قسم کی چٹان نظر نہیں آئی۔“

”ہو سکتا ہے کسی وجہ سے چٹان کے ساتھ والا حصہ نیچے گر گیا ہو۔“

میں نے چٹان دیکھی تھی اور مجھے اس میں ٹوٹ پھوٹ نظر نہیں آئی تھی۔ مگر میں نے راجا عمر دراز کی بات کو رد نہیں کیا۔ ”آگے چل کر پتا چل جائے گا۔“

”برفانی آدمی پیچھے آئے گا۔“ روٹی بولا۔

یہ خدشہ میرے ذہن میں بھی تھا۔ وہ اب تک جس مستقل مزاجی سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے لگ رہا تھا کہ اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ جہاں تک درمیان والی چٹان کا تعلق تھا۔ اسے عبور کرنا برفانی آدمیوں کے لیے زیادہ مشکل نہیں تھا۔ وہ نہایت آسانی سے نیچے جا کر دوبارہ اوپر چڑھ سکتے تھے جیسا کہ روٹی نے کیا تھا۔ اس خدشے کے ساتھ ہم آگے روانہ ہوئے۔ نیچے آنے کے بعد ہم نے جھجے پر ہی خاصا سفر کیا تھا اور ہم خاصا نیچے بھی آگئے تھے۔ یہاں چھجا تک اور کھر در تھا جیسے اس کے حصے موسم کا شکار ہو کر نیچے گرتے رہے ہوں۔ بعض جگہوں پر پاؤں رکھتے تو وہاں سے پتھر اور مٹی گرتی تھی۔ اس لیے ہم کنارے والے حصوں پر قدم رکھنے سے گریز کر رہے تھے۔ میں راجا عمر دراز کے پاس تھا کہ کسی موقع پر اسے ضرورت ہو تو سہارا دے سکوں۔ مگر ابھی تک اسے ضرورت نہیں پڑی تھی وہ نہایت ہمت سے چل رہا تھا۔

دیکھا جائے تو راجا عمر دراز کی ہم تنہائی سے دو چار ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ آنے والے تین چوتھائی افراد موت کی نیند سو چکے تھے۔ صرف روٹی اور جانوس بچے تھے۔ میں اس کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ اتنے افراد کے ساتھ واپس جانا آسان نہیں تھا جب کہ راستے میں برفانی آدمی جیسا خطرہ بھی موجود تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ نیچے اترنے والے راستے پر موجود ڈیوڈ شا اینڈ پارٹی پر کیا گزری ہوگی۔ یہ تو یقینی تھا کہ برفانی آدمی اصل میں ان کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں آئے تھے۔ انہوں نے ان پر حملہ کیا ہوگا۔ ابھی ہم ذرا ہی نیچے گئے ہوں گے کہ اچانک اوپر سے چند بوندیں ٹپکیں۔ اس سے پہلے کہ ہم سنبھلتے اچانک ہی نہایت تیز بارش شروع ہو گئی۔ ہم نے افراتفری میں سامان سے برساتیاں نکال کر پھینکیں۔ ویسے ہمارے لباس پیراشوٹ کے تھے جو تقریباً وائر پروف ہوتے ہیں اس کے باوجود ہم تھوڑے بہت بھیگے تھے۔ بارش کے ساتھ ہی موسم سرد ہو گیا اور ہم عادی ہونے تک لرز اٹھے تھے۔

جب ہم نے برساتی پہن کر آس پاس دیکھا تو حیران رہ گئے۔ بارش کے ساتھ ہی دھند نہایت تیزی سے غائب ہونے لگی تھی۔ پہلے قریب کے مناظر دکھائی دیے اور اس کے بعد دور دور تک دکھائی دینے لگا۔ منظر ایسا ہی تھا جیسا شدید بارش میں دکھائی دیتا۔ یہ نہایت حیرت انگیز منظر تھا جس میں وادی دور تک پھیلی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ گہرائی میں رنگ غالب تھے۔ جہاں سبزہ تھا وہاں سبز رنگ غالب تھا اور جہاں آبادی تھی یا خالی زمین تھی تو وہاں بھورا اور سفید رنگ نمایاں تھا۔ وادی کی تنگی دیواریں پہلی بار نمایاں تھیں۔ ان پر کئی ہزار فٹ کے بعد سبز رنگ شروع ہوا تھا۔ ورنہ سرخ، سفید، سرمئی اور بھورے رنگ نمایاں تھے۔ اوپر آسمان پر گہرے بادل تھے۔ ہم جس جگہ پر تھے اس کے نیچے کئی ہزار فٹ تک صرف چٹانیں تھیں اور بارش کی وجہ سے چند سو فٹ بعد جو منظر واضح دکھائی دے رہا تھا۔ اس میں تفصیلات واضح نہیں تھیں اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ چھجا کہاں تک جا رہا تھا؟

”میرا خیال ہے ہمیں بارش ختم ہونے تک رکتنا چاہیے۔“ راجا عمر دراز نے کہا۔ ”اس وقت سفر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔“

مگر میرا خیال کچھ اور تھا اس وقت ہم آنکھوں سے دیکھ کر کوئی مناسب جگہ یا نیچے جانے والا راستہ تلاش کر سکتے تھے۔ کیونکہ جیسے ہی بارش رکتی دھند دوبارہ مسلط ہو جاتی اور حد نظر محدود ہو جاتی۔ میں نے راجا عمر دراز کے سامنے اپنا نقطہ نظر بیان کیا اور دوبارہ سفر کے لیے اصرار کیا۔ راجا عمر دراز مان گیا۔ ”یو آر دی باس۔“

”یہ آپ کا بڑا اپن ہے ورنہ بہر حال باس آپ ہی ہیں۔“

”نہیں رہنمائی دی کرتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے اور جو خطرہ مول لینا جانتا ہو۔ جیسا کہ تم کر رہے ہو۔ تمہاری جگہ میں باس ہوتا تو اس وقت سفر نہ کرنے کا فیصلہ کرتا۔“

ہم بارش سے گیلیے چھجے پر احتیاط سے سفر کرنے لگے۔ میں نے عقب میں بھی دیکھ لیا تھا کہ اگر کہیں برفانی آدمی موجود ہوں تو ہم انہیں دیکھ سکیں مگر جہاں تک نظر کام کرتی تھی کوئی ایسی چیز حرکت کرتی یا ساکت نظر نہیں آئی جسے برفانی آدمی کہہ سکتے۔ جب آگے بڑھنے لگے تو دھیان ہر طرف سے ہٹ کر راستے پر آ گیا۔ جب تک دھند تھی تو ہمیں علم نہیں تھا کہ ہم کس نسبت ناک بلندی پر ہیں۔ یہاں سے نیچے دیکھنا ہی دل گردے کا کام تھا۔ سفر کرنا زیادہ دشوار تھا۔ مگر ہمیں سفر کرنا ہی تھا۔ راجا عمر دراز کے پاس اعلیٰ درجے کی طاقتور دور بین تھی وہ وقفے وقفے سے رک کر دور بین آنکھوں سے لگاتا اور آس پاس کا جائزہ لیتا تھا۔ ایک بار اس نے آنکھوں سے دور بین لگائی اور بولا۔

”میرا خیال ہے مجھے نیچے جانے والا راستہ مل گیا ہے۔“

اس نے اشارے سے بتایا اور دور بین میری طرف بڑھائی۔ میں نے آنکھوں سے لگا کر دیکھا۔ واقعی تقریباً نصف کلومیٹر دور ایک راستہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے جانے کی کوشش کی کہ اس چھجے سے وہاں تک رسائی کا راستہ کہاں سے گزر رہا ہے مگر مجھے ناکامی ہوئی۔ درمیان میں کچھ ایسی جگہیں دکھائی دیں۔ جہاں سے راستہ غیر واضح تھا۔ ان میں وادی کی دیوار پر بنا ہوا ایک پیالہ نما بھی تھا۔ میں نے اس پیالہ نما جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ ”میرا خیال ہے ہمیں وہاں تک جانا ہوگا وہاں سے راستہ واضح ہوگا۔“

یہ پیالہ رکھا ہوا نہیں تھا بلکہ دیوار پر بنا ہوا تھا اور وہاں سے راستہ غیر واضح تھا۔ ہم پھر سفر کرنے لگے۔ اتفاق سے اس وقت بھی میرے پاس گھڑی نہیں تھی اور مجھے روٹی سے وقت پوچھنا پڑا اس نے بتایا کہ دوپہر کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ گویا ہمیں سفر کرتے ہوئے تین گھنٹے کا وقت گزر چکا تھا مگر ابھی تک ہم وادی میں اترنے والے راستے پر بھی نہیں آئے تھے۔ راجا عمر دراز کے مطابق وادی کی تہہ سے اوپر چڑھنے یا وادی کے اوپر سے نیچے اترنے میں پورا دن لگتا ہے لیکن اولین مرحلہ برف والے کے ذریعے تک رسائی کا تھا۔ پیالہ نما جگہ تک جانے کا چھجا اب اوپر چڑھ رہا تھا۔ ساتھ ہی یہ تک بھی ہوتا جا رہا تھا۔ کئی جگہوں سے ہمیں دیوار سے چپک کر چلنا پڑا تھا کیونکہ پشت پر بندھے بگڑکی وجہ سے ہم دیوار سے پشت بھی نہیں لگا سکتے تھے۔ صرف راجا عمر دراز پشت لگا سکتا تھا کیونکہ اس نے کچھ بھی نہیں لیا تھا۔

میرا خیال ہے نیچے دھند چھٹنے کی ایک وجہ تو بارش تھی اور دوسرے چونکہ اوپر بادل آگئے تھے اور بلندی یا

خلا سے یہ وادی نظر نہیں آتی اس لیے بھی دھند غائب ہو گئی تھی۔ اگرچہ یہ ایک تخیل تھا کہ صرف وادی کو دنیا کی نظروں سے بچانے کے لیے یہ دھند آتی اور غائب ہوتی تھی۔ یہ خود کار نظام تھا جو زمینی عوامل کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اس میں کسی انسانی یا روحانی طاقت کا دخل نہیں تھا۔ بارش جیسے اچانک شروع ہوئی تھی اسی طرح اچانک رک گئی اور اوپر موجود بادل چھٹنے لگے۔ ایک طرف سے بادل کچھ چھٹے تو عقب سے سورج کی شعاعیں ہم تک آنے لگیں۔ سورج بالکل اوپر تھا اس لیے اس کی روشنی نیچے تک گئی تھی اور نیچے سے کسی چیز کی چمک یہاں تک محسوس ہوئی تھی۔ راجا عمر دراز نے اشارہ کیا۔ ”یہ اہرام نما عمارت کا اوپری حصہ ہے جو سونے جیسے رنگ کی ہے۔“

سورج مشکل سے چند منٹ کے لیے نکلا تھا اور فوراً ہی نیچے سے دھند کا ریلا اوپر چڑھنے لگا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے نیچے وادی والا حصہ مکمل طور پر چھپ گیا اور اب وہاں بادل جیسے چھائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد دھند نے اوپر کا رخ کیا تھا۔ میں نے کہا۔ ”جلدی چلو اس سے پہلے کہ دھند منظر غائب کر دے۔“

ہم تیزی سے پیالے کی طرف بڑھے لیکن اس کے پاس جانے سے پہلے ہی ہمارے آس پاس کا ماحول دھند لانے لگا تھا۔ صرف وادی کی تہہ سے ہی نہیں بلکہ دیواروں پر موجود نیچے بھی تیزی سے دھند میں بدل رہی تھی۔ ورنہ صرف نیچے سے دھند کا اتنی جلد اوپر آنا ممکن نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ منظر مکمل طور پر دھند لا جاتا اچانک آگے جانے والے روٹی نے گھکھکی آواز میں کہا۔ ”برفانی آدمی۔“

”کہاں.....؟“

”کدھر.....؟“

مختلف آوازیں بے ساختہ بلند ہوئیں۔ مگر روٹی کے بتانے سے پہلے میں نے دیکھ لیا تھا۔ وہ تین برفانی آدمی تھے جو تقریباً چار سو گز نیچے ڈھلان سے اوپر چڑھ رہے تھے اور ان کا رخ ہماری طرف تھا اس کا مطلب تھا انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور اسی وقت دیکھا تھا جب بارش نے دھند کو تسلیل کر دیا تھا۔ میرا اور سب کا خدشہ درست نکلا تھا انہوں نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا تھا اور مستقل مزاجی سے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اب انہوں نے ہمیں دیکھ بھی لیا تھا۔ میں نے رفتار تیز کرنے کو کہا اور خود بھی جلدی قدم اٹھانے لگا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے دھند نے برفانی آدمیوں کو ڈھانپ لیا تھا۔ اور اب وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ پیالہ نما جگہ کوئی دو سو گز دور رہ گئی تھی۔ جب تک برفانی آدمی نظر آتے رہے میں ان کی اوپر چڑھنے کی رفتار دیکھتا رہا اور مجھے لگا کہ وہ اتنی ہی رفتار سے اوپر آ رہے جتنی رفتار سے ہم اس پیچھے پر سفر کر رہے تھے۔

ہم پیالہ نما جگہ ان سے پہلے پہنچ سکتے تھے مگر وہاں سے آگے جانے کا کوئی راستہ نہ ہوتا تو ہم وہیں ٹریپ ہو جاتے اور ہمیں برفانی آدمیوں سے مقابلہ کرنا پڑتا اور اس میں کہنا مشکل تھا کہ کون بچے گا اور کون نہیں۔ دس منٹ بعد ہم پیالے نما جگہ کے کنارے تھے اور یہاں آتے ہی ایک حیرت انگیز چیز سامنے آئی۔ دیوار کے گھومتے ہوئے پینڈے والے حصے سے ذرا دور پتھر کا ایک معلق پل تھا جو پیالے کے اگلے حصے تک جا رہا تھا اور وہاں سے وادی میں نیچے جانے والے راستے تک اترنے تک رسائی ممکن تھی۔ ہمیں اس معلق پل کو عبور کرنا تھا مگر وہ دیکھنے میں ہی نہایت مخدوش لگ رہا تھا۔ اوپر سے آنے والی بارش اور شاید سنگ باری نے بھی اس پل کے دونوں طرف

موجود حصول کو اڑا دیا تھا اور درمیان میں بھی جو پتھر بچا تھا اس میں بھی جا بھ جادراڑیں پڑ گئی تھیں۔ مگر یہ پل اسی وجہ سے وجود میں آیا تھا۔ ایک منٹ میں ہم گھوم کر پل کے سامنے جا پہنچے تھے۔ اس کے نیچے لاتنا ہی خلا تھا۔



”یہ تو دیکھنے میں ہی خطرناک لگ رہا ہے۔“ راجا عمر دراز نے تشویش سے کہا۔
 ”مگر دوسری طرف جانے کا یہی ایک راستہ ہے۔“ میں نے نیچے دیکھا۔ ”اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔“

”میں پہلے جاتا ہوں۔“ روٹی نے ہمت کر کے کہا۔ اس نے پہلے اس طرف ایک رستی باندھی اور اسے اپنی بیلٹ سے منسلک کر کے پل پر قدم رکھا۔ یہ دو ڈھائی فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ وہ محتاط قدموں سے چلتا ہوا تقریباً پچاس فٹ لمبے پل کو عبور کر کے دوسری طرف چلا گیا اور رستی اپنی بیلٹ سے کھول دی۔ میں نے نوٹ کیا کہ پل محدود تھا اور روٹی کے سفر کے دوران میں اس کے کچھ حصے حرکت بھی کر رہے تھے مگر وہ بہر حال قابل گزار تھا۔ اس کے بعد راجا عمر دراز گیا اور اس نے بھی خیریت سے اسے کراس کر لیا۔ جانوس مجھے کہہ رہا تھا مگر میں نے اسے جانے کو کہا۔ میری توجہ اب نیچے سے آنے والے راستے پر تھی۔ برفانی آدمی اسی سمت سے آ سکتے تھے۔ مگر ابھی تک ان کی آمد کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ جانوس دوسری طرف گیا اور اس نے مجھے آواز دی تو میں چونکا اور میں نے راکفل شانے سے لٹکا کر پل پر قدم رکھا تو ایک لمحے کے لیے مجھے ڈولتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ شاید کئی لوگوں کے چڑھنے سے پتھر اپنی جگہ چھوڑ رہے تھے۔ میں کچھ دیر کے لیے ساکت ہو گیا اور جب پل ہلنا بند ہو گیا تو میں احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔ اچانک روٹی چلا یا۔

”اپنے پیچھے دیکھیں۔“

اس سے پہلے میں مڑ کر دیکھتا مجھے جھٹکا لگا اور میں پیچھے گرا تھا۔ پشت کے بل گرتے ہوئے میں نے خود کو نہ جانے کیسے نیچے گرنے سے بچا یا۔ میرے ہاتھ پتھروں سے چمٹ گئے تھے۔ جس رستی سے میں منسلک تھا وہ کھینچ رہی تھی۔ میں نے سرگھما کر دیکھا تو ایک برفانی آدمی رستی پکڑ کر کھینچتا دکھائی دیا۔ میں نے پستول نکالا اور اسی طرح اس کی طرف کر کے گولی چلائی۔ دھماکے کے ساتھ وہ جھٹکے سے پیچھے گیا تھا اور رستی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ رستی پر دباؤ ختم ہوا تو موقع غنیمت جان کر میں جلدی سے کھڑا ہوا۔ پل ایک بار پھر واضح طور پر ڈولا تھا۔ میں نے رستی کھپ سے نکلنے کا سوچا مگر اس طرح محدود ہونے والے پل پر رستی نکالنا بھی درست نہیں لگا تھا اگر یہ ٹوٹ جاتا تو رستی ہی تو تھی جو مجھے نیچے گرنے سے بچاتی۔ برفانی آدمی گولی کھا کر پیچھے گیا تھا مگر وہ پھر آگے آیا اور اس نے ایک بار پھر رستی تھام لی تو مجبوراً مجھے اسے کھپ سے الگ کرنا پڑا تھا۔

اس کے ساتھ ہی میں پیچھے ہٹنے لگا اس وقت میں کوئی تیس فٹ کا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ ابھی میں بائیس فٹ کا فاصلہ باقی تھا۔ برفانی آدمی نے غرا کر رستی ایک طرف پھینک دی اور پل کی طرف بڑھا۔ اگر وہ پل پر چڑھ جاتا تو اس کے وزن سے یہ شاید ٹوٹ جاتا۔ میں نے اس کے سر کا نشانہ لیا مگر گولی اس کے شانے پر لگی۔ وہ جھٹکے سے پیچھے گیا تھا۔ میں چند قدم اور پیچھے ہٹا اور رک کر پھر اس کی طرف پستول سیدھا کیا۔ دو گولیاں کھا کر وہ اب تکلیف سے غرا ہوا تھا۔ شاید اس کی ہمت جواب دے رہی تھی اور وہ پل پر قدم رکھتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ میں

چند قدم اور پیچھے ہٹا۔ اب میں دوسرے سرے سے کوئی دس بارہ فٹ دور تھا۔ میں اگر پلٹ کر تیزی دکھاتا تو شاید پل کر اس کر جاتا یا شاید وہ گر جاتا۔ اب میں رکا ہوا تھا تب بھی وہ ڈول رہا تھا۔ کسی وقت بھی پتھروں کے بوٹہ جواب دے سکتے تھے اور میں ان پتھروں سمیت نیچے جاتا۔ اچانک برفانی آدمی کا موڈ بدل گیا اور وہ دھاڑ کر پل کی طرف لپکا۔

اس کا ارادہ بھانپتے ہی میں پلٹ کر بھاگا اور فوراً ہی پل گرنے لگا۔ اس کے پتھر خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ ایک دوسرے سے الگ ہونے لگے اور یہ نیچے کی طرف جھکنے لگا۔ میں نے گرتے پتھروں پر زور مارا اور خود کو پوری قوت سے دوسری سمت اچھالا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تیز برسٹ کی آواز گونجی۔ بعد میں مجھے علم ہوا کہ روٹی نے پل پر چڑھتے برفانی آدمی پر برسٹ مارا تھا۔ مگر وہ اسے چڑھنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ اس کے پل پر آتے ہی رہی سہی کسر پوری ہو گئی اور وہ مکمل طور پر ٹوٹ پھوٹ کر نیچے گر گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ عقب میں کیا ہو رہا ہے، میری ساری توجہ کنارے تک پہنچنے پر تھی۔ میں نے جست لگائی اور خلا میں گیا تھا۔ میرا سانس رک گیا اور جب تک میرے پھیلے ہاتھ کنارے پر نہیں جے سانس رکا ہی رہا۔ جھٹکے سے میرا جسم نیچے گیا۔ مگر میں گرا نہیں تھا بلکہ چٹان سے چمٹا ہوا تھا۔ میرے ہاتھ چٹان سے پوں چمٹے تھے جیسے شیر خوار بچہ ڈر کر ماں سے چمٹتا ہے۔ بالآخر روٹی نے دھول اور دھند سے نمودار ہو کر میرا ہاتھ پکڑا تو میں اوپر چڑھا تھا۔ میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ میں کیسے بچا؟ میں کوئی دس بارہ فٹ پیچھے تھا اور مجھے دو قدم سے زیادہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

کنارے اور میرے درمیان کم سے کم بھی آٹھ فٹ کا فاصلہ تھا اور میری جست بس نمائش تھی۔ اس کے باوجود میں کنارے تک پہنچ گیا۔ اوپر چڑھ کر میں نے چند گہرے سانس لیے اور پلٹ کر دیکھا۔ پل تقریباً غائب ہو گیا تھا۔ اس کے ٹوٹنے سے اڑنے والا گرد و غبار جیسے اس جگہ جم گیا تھا۔ یہ دھند کی وجہ سے اتنی آسانی سے تحلیل ہونے والا نہیں تھا۔ میں دائیں طرف جانے لگا تا کہ پیالے کے دوسری طرف دیکھ سکوں۔ میرا خیال تھا کہ وہاں موجود صرف ایک برفانی آدمی نیچے گرا ہے جب کہ ہم نے ڈھلان سے تین برفانی آدمی اوپر آتے دیکھے تھے تو باقی دو کہاں تھے؟ مگر پیالے کے دوسری طرف کا حصہ خالی تھا۔ راجا عمر دراز میرے پیچھے تھا اس نے پوچھا۔ ”کیا دیکھ رہے ہو؟“

”باقی برفانی آدمی کہاں ہیں؟“

”میرا خیال ہے وہ اس طرف آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ راجا عمر دراز نے سکون سے کہا اور جہاں ہم کھڑے تھے اس کے نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس طرف آنا ذرا مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے آگے روانہ ہو جانا چاہیے۔“

میں نے اس سے اتفاق کیا اور ہم آگے روانہ ہو گئے۔ مجھے خیال آیا کہ راجا عمر دراز نے اتنی مشکل سے پہنچنے کے بعد میرا احوال نہیں پوچھا۔ وہ یوں مطمئن تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ شاید وہ اسی خیال میں تھا کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میں ہر مشکل سے گزر جاؤں گا اور ہم بہر صورت نیچے پہنچیں گے اس لیے وہ برفانی آدمیوں سے بھی خوفزدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب ہم پیالے سے نکل کر دیوار سے چمٹے ہوئے نیچے جانے والے راستے کی طرف جا رہے تھے جو ہم سے ابھی بھی کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا۔ یہاں چٹان بالکل سیدھی تھی اور راستہ بھی نیچے کی

طرف جھک رہا تھا اور اس پر پاؤں پھسل رہے تھا۔ یہاں بھی رونی سب سے آگے تھا۔ اس سے پیچھے راجا عمر دراز البتہ اس بار میں تیسرے نمبر پر تھا۔ جانوس سب سے پیچھے تھا۔ ہم نے منہ دیوار کی طرف کیا ہوا تھا اور ہاتھوں سے ابھرے جسے تھام کر آگے بڑھ رہے تھے۔ اس جگہ ہمیں چاروں ہاتھوں پاؤں سے کام لینا پڑ رہا تھا۔

اچانک عقب سے جانوس کی مضطرب آواز آئی اور میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر دہشت تھی اور وہ دیوار سے چپٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پہلے میں سمجھا کہ اس کا توازن بگڑا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کے بائیں پاؤں پر ایک بالوں بھرا ہاتھ موجود ہے اور وہ اسے نیچے کھینچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ہر ممکن تیزی سے پوتول نکالا اور ہاتھ کا نشانہ لے کر فائر کیا اور ہاتھ ایک جھٹکے سے غائب ہوا۔ مگر اتنی دیر میں جانوس کا توازن بگڑ گیا تھا اور اس کے ہاتھ دیوار سے ہٹ کر خلا میں لہرا رہے تھے۔ میں اس کی طرف سرکا۔ میرا ہاتھ اس کی طرف لپکا۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں اسے پکڑتا وہ طویل ہوتی چیخ کے ساتھ نیچے گرتا چلا گیا۔ اس کی چیخ اس وقت تک سنائی دیتی رہی جب تک نیچے سے دھپ کی ہیبت ناک آواز نہیں آئی۔ شاید کوئی جگہ تھی جہاں جانوس کا سفر جلد ختم ہو گیا اور اسے زندگی کے آخری لمحات کی تکلیف زیادہ دیر نہیں اٹھانی پڑی تھی۔ آواز بتا رہی تھی کہ وہ کم سے کم دو ڈھائی سو فٹ کی گہرائی میں گرا۔ میں اس کی خالی جگہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی یہاں تھا اور اب نہیں رہا تھا۔ میں دکھ سے ساکت رہ گیا۔ پھر راجا عمر دراز کی آواز نے مجھے چونکایا۔

”رکومت وہ ہمارے پیچھے ہیں۔ چلتے رہو۔“ وہ کہتے ہوئے آگے سرنگے لگا اور چند منٹ بعد ہم نیچے جانے والے راستے پر تھے جو اوپر سے آ رہا تھا میں اس جگہ تک نہیں آیا تھا اور یہ جگہ شاید اوپر سے کوئی آدھا کلومیٹر نیچے تھی۔ یہاں برف تھی مگر اتنی سردی نہیں تھی۔ مسلسل پُر مشقت سفر سے مجھے لباس کے اندر پسینہ آتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے جیکٹ کی زپ کھول لی۔ یہاں پہنچ کر میں نے عقب میں دیکھا مگر جہاں تک دھند اجازت دیتی تھی کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اب ہم آواز نہیں نکال رہے تھے۔ راجا عمر دراز نے رک کر اپنا این ہیلر استعمال کیا اور پھر اشارے سے مجھے کہا کہ ہمیں چلنا چاہیے۔ جب کہ میں چاہتا تھا کہ ہم کچھ رک کر سستالیں۔ خاص طور سے راجا عمر دراز۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ اگر برفانی آدمی پاس آچکے تھے تو ہمیں بے خبری میں ان کا شکار ہونے کی بجائے ان کا شکار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔

میں نے آس پاس کا جائزہ لیا اور راستے کے ساتھ چٹان میں موجود ایک چھوٹے سے خلا کی طرف اشارہ کیا۔ راجا عمر دراز نے دیکھا اور سمجھ گیا وہ سر ہلاتا ہوا اس کی طرف چلا گیا۔ میں نے رونی کو بھی اسی سمت جانے کا اشارہ کیا۔ میں خود راستے پر ذرا اوپر چڑھا اور ایک ابھرے پتھر کے ساتھ یوں ٹک گیا کہ مجھے نیچے نظر آ رہا تھا۔ اب اس طرف سے چاہے کوئی راستے سے آتیا ڈھلان سے اوپر چڑھتا میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے رائفل اتار لی تھی۔ نیچے رونی بھی ہوشیار تھا اور وہ مزید نیچے زیادہ بہتر دیکھ سکتا تھا۔ چند منٹ اسی طرح گزرے۔ اچانک مجھے اوپر سے جیسے نکل کر گرنے کی آواز آئی۔ میں دیوار کے ساتھ مزید چپک گیا۔ اوپر کوئی تھا جو مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر خطرہ اسی سمت میں تھا۔ میں رائفل کا رخ اوپر کی طرف کر رہا تھا کہ ایک برفانی آدمی اوپر سے میرے عین سامنے کودا اور اس نے میرے شانوں کو دبوچ لیا۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ میں رائفل سامنے ہونے کے باوجود اس پر فائر نہیں کر سکا تھا۔ اصل میں رائفل کا رخ اوپر کی طرف تھا اور وہ ایک لمحے میں اس کے

سامنے سے گزر گیا۔

برفانی آدمی نے خوفناک غراہٹ کے ساتھ مجھے اتنی قوت سے دیوار پر مارا کہ مجھے لگا کہ میں چٹان میں گھس گیا ہوں۔ ظاہر ہے میں چٹان میں نہیں گھسا تھا بلکہ چٹان نے میری پشت کو دبا دیا تھا اور میری ہڈیوں کو توڑ ڈالا تھا۔ تکلیف کی ایسی لہر تھی جس نے میرا جسم سن کر دیا اور مجھے لگا کہ میری ریڑھ کی ہڈی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے۔ شدت تکلیف سے میں برفانی آدمی کے ہاتھوں میں جھول کر رہ گیا۔ مجھے بے بس پا کر وہ بھیانک انداز میں غرایا۔ اس کے سیاہی مائل بڑے دانت اس کے کھلے منہ سے جھانک رہے تھے اور منہ سے ایسی بو آرہی تھی کہ میرا دل مالش کرنے لگا تھا۔ رانفل بدستور میرے ہاتھ میں تھی مگر شانوں پر آنے والے دباؤ کی وجہ سے میرے ہاتھ بیکار ہو گئے تھے۔ پھر بھی میں نے کوشش کی اور رانفل کا ٹریگر دبانا چاہا۔ نال کا رخ اب اوپر کی طرف تھا۔ اسے گولی نہیں لگ سکتی تھی مگر گولی چلتی تو شاید وہ ڈر کر مجھے چھوڑ دیتا۔ یہ اور بات تھی کہ میری انگلیوں میں اتنی طاقت بھی نہیں رہی تھی کہ میں ٹریگر دبا دیتا۔

اس نے مجھے پھر اپنے قریب کیا اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مجھے دوبارہ چٹان پر مارنا چاہتا ہو۔ اس بار شاید یہی کسر پوری ہو جاتی۔ پہلی بار میں میرا سر بچ گیا تھا اور اس بار وہ میرا سر مارنا چاہتا تھا۔ میں نے جسم و جان کی ساری قوت جمع کی اور حلق کے بل دھاڑا۔ اس دھاڑ نے اثر کیا اور وہ جھجکا۔ اس کی گرفت کمزور ہوئی اور میں نے رانفل کا ٹریگر دبا دیا برسٹ نے اس کے ساتھ میرے کانوں کو بھی جھنجھنا دیا تھا مگر میں عادی تھا اور وہ بری طرح بوکھلا گیا۔ اس کی گرفت مزید کم ہوئی تھی اور اگلی بار میں نے نال کا رخ اس کی طرف کر کے ٹریگر دبایا اور برسٹ نے اس کا چہرہ اڑا دیا۔ نزدیک سے یہ نہایت خوفناک منظر تھا۔ اس نے میرے شانے کھینچے۔ اصل میں وہ گر رہا تھا اور اس کی گرفت بدستور میرے شانوں پر قائم تھی۔ میں اس کے ساتھ کھنچا جا رہا تھا۔ یہاں راستہ بہت تنگ تھا اور اس کے نیچے لامحدود گہرائی تھی۔

میں اس گہرائی کی طرف جھک رہا تھا کہ مجھے جھٹکا لگا اور اس کے ساتھ ہی برفانی آدمی کے ہاتھ میرے شانے سے چھوٹ گئے۔ وہ پھیلے ہاتھوں کے ساتھ دھند میں غائب ہو گیا اور میں واپس آ گیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا یہ راجا عمر دراز تھا جس نے مجھے بیگ کی اسٹریپ سے پکڑ کر واپس کھینچ لیا تھا۔ اس نے دوسرا ہاتھ ابھرے پتھر پر بجا رکھا تھا تا کہ اپنا توازن برقرار رکھ سکے۔ میں واپس آیا اور سکون کا سانس لیا۔ اللہ نے ایک بار پھر مجھے محفوظ رکھا تھا۔ اس بار اس نے راجا عمر دراز کو وسیلہ بنایا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”احتیاط سے بیٹے تم بہت سے لوگوں کے لیے بہت قیمتی ہو۔“

”شکریہ، آپ نے بروقت تھام لیا۔“

”یہ کیا ہے۔“ راجا عمر دراز نے عقب میں چٹان کی طرف اشارہ کیا جس پر برفانی آدمی نے مجھے دے مارا تھا اور مجھے لگا تھا کہ میری پشت کی ہڈیاں پکنا پور ہو گئی ہیں۔ میں اب تک اپنی جسمانی کیفیت چیک کر رہا تھا کہ مجھے کیا ہوا ہے اور نقصان کس حد تک ہے۔ میں آرام سے کھڑا ہوا تھا اور پشت میں درد تھا مگر یہ ناقابل برداشت نہیں تھا۔ جب راجا عمر دراز نے توجہ دلائی تب پتا چلا کہ اصل میں میری پشت نہیں بلکہ چٹان میں ٹوٹ پھوٹ ہوئی تھی اور برفانی آدمی نے مجھے جہاں مارا تھا وہاں چٹان ٹوٹ گئی تھی اور اس میں ایک خلا نمودار ہوا تھا۔

راجا عمر دراز اندر جھانک رہا تھا پھر اس نے مارچ کی روشنی اندر ڈالی اور بولا۔ ”یہ تو کوئی سرنگ لگ رہی ہے۔“
میں نے بھی اندر دیکھا واقعی یہ سرنگ تھی جو اوپر سے نیچے کی طرف جا رہی تھی۔ مجھے یاد آیا۔ ”آپ نے بتایا تھا کہ چٹانوں کے اندر بھی کوئی پوشیدہ راستہ ہے جو اوپر سے نیچے تک جاتا ہے اور شاید صرف برف والا اس سے واقف ہے۔“

”ہاں میں نے ایسا ہی ذکر کیا تھا۔“

”کہیں یہ وہی راستہ تو نہیں ہے۔“

رونی آس پاس دیکھ رہا تھا کہ مزید برفانی آدمی تو نہیں ہیں کہ ڈھلان کی طرف سے پتھر گرنے کی آواز آئی اور ہم سب چونک گئے۔ راجا عمر دراز نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ”اس میں چلو، وہ مزید ہیں۔ یہاں آنے والے ہیں۔“

”پہلے آپ جائیں۔“ میں نے بیگ اتارتے ہوئے کہا کیونکہ میں بیگ سمیت نہیں جاسکتا تھا۔ رونی نے راجا عمر دراز کو اندر جانے میں مدد دی۔ وہ اندر گیا تو میں نے اسے اپنا بیگ پکڑا دیا۔ پھر میں گیا۔ راستہ بہت تنگ تھا اور میں بڑی مشکل سے سمٹ سنا کر اندر گیا تھا۔ چٹان کمزور نہیں تھی کیونکہ ٹوٹ جانے والے حصے کے علاوہ یہ باقی طرف سے خاصی موٹی تھی۔ صرف یہی حصہ پٹلا تھا۔ یوں لگ رہا تھا قدرت نے خاص طور سے ہمارے لیے یہ راستہ بنایا تھا۔ میں اندر گھسا تو رونی نے مجھے اپنا بیگ تھما دیا۔ اب وہ خود اندر آ رہا تھا۔ اس کا سر اور اوپری جسم اندر آیا تو میں نے اسے سہارا دے کر اندر کرنا چاہا۔ اچانک اسے جھکنا لگا اور وہ تیزی سے واپس گیا تھا۔ مجھے ایک لمحہ لگا صورت حال بھانپنے میں اور میں نے دیوار پر پاؤں جماتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ اب تک باہر جا چکا ہوتا۔

رونی چیخ رہا تھا۔ برفانی آدمی نے اس کے پاؤں پکڑ لیے تھے اور اسے باہر کھینچ رہا تھا۔ راجا عمر دراز اپنا پستول لے کر آگے آیا اور سوراخ میں جگہ تلاش کرنے لگا جہاں سے وہ برفانی آدمی پر گولی چلا سکے مگر بد قسمتی سے رونی کا کولہ والا حصہ خلا میں پھنسا ہوا تھا اور اس میں بالکل بھی گنجائش نہیں تھی۔ باہر سے ایک زوردار جھٹکے سے اسے کھینچا گیا تو وہ پیٹ تک باہر چلا گیا تھا اور صرف اس کا سینہ اور سر اندر رہ گیا تھا۔ اچانک اس کی آنکھیں پتھرائے لگیں اور وہ یوں سانس لینے لگا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو باہر سے ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے کوئی درندہ کسی جاندار کو چیر پھاڑ رہا ہو اور حقیقتاً ایسا ہی تھا۔ میں جو پوری قوت صرف کر کے رونی کو اندر کھینچ رہا تھا۔ اچانک کامیاب رہا اور اس سمیت پیچھے جا گرا۔ خلا ہوتے ہی راجا عمر دراز نے باہر کی طرف لگا تار فائر کیے۔ ایک غراہٹ سنائی دی۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ برفانی آدمی نشانہ بنا ہے یا عادتاً غرایا ہے۔

میں جلدی سے اٹھا اور پھر ساکت رہ گیا کیونکہ رونی پورا نہیں آیا تھا اس کا پیٹ کے نیچے کا دھڑ باہر ہی رہ گیا تھا اور صرف سینہ اور سر اندر آیا تھا۔ برفانی آدمی نے اسے زندہ ہی پیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا اور وہ آخری دموں تھا۔ میں دم بخود اسے دیکھ رہا تھا اور چند سانس لے کر اس نے دم توڑ دیا۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور نیچے بیٹھ گیا۔ چھ سات گھنٹے پہلے تک میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ آنے والے چند گھنٹے اس قدر خوفناک اور خونریز گزر رہے۔ ہمارے سارے ساتھی مارے جا چکے تھے اور میرے ساتھ صرف راجا عمر دراز باقی بچا تھا۔ وہ بھی تھکے اندا

میں ایک طرف بیٹھ گیا۔ شاید اس نے بھی نہیں سوچا ہوگا کہ اس کی خواہش پر اتنے انسان اپنی جان واردیں گے۔ روئی کے جسم سے نکلنے والا خون سرنگ کے فرش پر پھیل رہا تھا اور اب باہر خاموشی تھی۔ مگر یہ خاموشی زیادہ دیر برقرار نہیں رہتی۔ جب تک ایک بھی برفانی آدمی زندہ تھا وہ ہمارا پچھا نہیں چھوڑتا۔ اچانک ایک بالوں بھرا ہاتھ خلا سے اندر آیا اور اس نے ناقابل یقین انداز میں دراز ہو کر روئی کا جسم پکڑا اور اسے کھینچ کر لے گیا۔ جب تک میں اٹھتا وہ اسے کسی نہ کسی طرح کھینچ کر سوراخ سے نکال چکا تھا۔ میں سوراخ کی طرف جھپٹا تھا کہ راجا عمر دراز نے کہا۔

”کوئی فائدہ نہیں۔“

”تب اس کا کیا فائدہ۔“ میں نے سرنگ کی طرف اشارہ کر کے تلخ لہجے میں کہا۔ ”کیا یہاں ہم بچ جائیں

گے۔“

”یہ کم سے کم یہاں اندر نہیں آسکتے ہیں۔“ اس نے اطمینان سے کہا۔

”آپ کو آگے کی فکر بھی نہیں ہے۔“ میں سچ بچ چڑ گیا تھا اور اس وقت راجا عمر دراز مجھے بہت خود غرض

شخص لگا تھا جسے صرف اپنے مفاد کی فکر تھی اور ان لوگوں کا کوئی خیال نہیں تھا جو اس کے مفاد کی بھیینٹ چڑھ گئے تھے۔ یہ بے شمار لوگ تھے۔ اس وقت وہ مجھے بالکل ڈیوڈ شاکی طرح لگا جو انسانوں کو صرف استعمال کی چیز سمجھتا تھا۔

”تم کیا سمجھتے ہو کہ مجھے فکر نہیں ہے۔“ اس نے سکون سے کہا۔

”شاید ایسا ہی ہے کیونکہ آپ کا انداز بتا رہا ہے کہ آپ واپس جانے کے لیے نہیں آئے ہیں اس لیے

دوسرے بچاتے ہیں یا نہیں اس کی آپ کو پروا نہیں ہے۔“

”تم غلط سمجھ رہے۔“ اس نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔ ”اور کیا تم تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے ہو؟“

”رکھتا ہوں۔“ میں ذرا دھیمہ پڑ گیا تھا۔

”تب یوں کیوں نہیں سوچتے کہ یہ سب تقدیر میں تھا۔ ان سب کی موت اسی طرح لکھی تھی۔ انہیں یہاں

آنا ہی تھا۔“

میں نے چند لمحے بعد گہری سانس لی۔ ”شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میں انسان ہوں جذباتی ہو جاتا

ہوں۔“

”تم جوان ہو تم نے ابھی لمبی عمر جینا ہے لیکن میں موت کو سامنے دیکھ رہا ہوں اور ایسے شخص کے لیے

زندگی کی اہمیت وہ نہیں رہتی ہے۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اس کے باوجود اتنے لوگوں کو یوں مرتے دیکھنا جو آپ کے نزدیک ہوں

آسان کام نہیں ہے۔ سچی بات ہے میں اپنے اعصاب پر اس کا بہت دباؤ محسوس کر رہا ہوں۔“

راجا عمر دراز نے روئی کے بیگ سے ایک انرجی ڈرنک نکال کر میری طرف بڑھایا۔ ”یہ تو تمہیں اس کی

ضرورت ہے۔“

میں عام طور سے ایسی مصنوعی ڈرنکس پسند نہیں کرتا ہوں لیکن اس وقت میں نے لے کر ٹن کھولا اور چند

گھونٹ میں شن خالی کر دیا۔ مجھے پہلی بار علم ہوا کہ میرا گلا کیسے خشک ہو رہا تھا اور ڈرنک نے اسے ترک کر دیا تھا۔ اب میں بہتر محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر رونی کے فرش پر رہ جانے والے خون سے نظریں چراتے ہوئے سرنگ کا جائزہ لیا۔ ایک طرف یہ اوپر جا رہی تھی اور دوسری طرف نیچے جا رہی تھی اور اس کی ساخت میں انسانی ہاتھوں کی کارگیری واضح تھی۔ ترچھا فرش جان بوجھ کر کسی قدر کھردرا رکھا گیا تھا تاکہ اس پر قدم اچھی طرح جمیں اور دیواروں و چھت کو تراش کر ایسی صورت دی گئی تھی کہ اس میں چلتے ہوئے آدمی کو کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ چھت کی اونچائی سات فٹ تھی اور سرنگ کی چوڑائی ساڑھے چنانچہ یا چھ فٹ تھی۔ میں نیچے کی طرف بڑھا اور جہاں سے سرنگ مڑ رہی تھی نیچے جھانک کر دیکھا تو یہ تقریباً چالیس درجے زاویے پر نیچے جاتی دکھائی دی اور کوئی بیس پچیس گز بعد پھر مڑ رہی تھی۔ میں نے مڑ کر راجا عمر دراز سے کہا۔

”اگر آپ کہیں تو آگے بڑھیں۔“

”بالکل۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔ میں نے دونوں بیک اٹھا لیے اور ہم نیچے جانے لگے۔ فرش اتنا تر چھا تھا کہ اس پر قدم خود بہ خود تیز اٹھ رہے تھے اور ہم نہ چاہنے کے باوجود تقریباً دوڑتے ہوئے نیچے جا رہے تھے۔ کوئی تیس گز نیچے جانے کے بعد سرنگ دائیں طرف گھوم گئی اور اب یہ تقریباً سیدھی جا رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ ہم کمر اندر دینی غار میں نکلیں گے۔ مگر غار کی بجائے ہم ایک بہت بڑے ہال میں نکلے جس کا بڑا حصہ ایک جھیل پر مشتمل تھا۔ ایک طرف چھت سے پانی کسی آبشار کی طرح جھیل میں گر رہا تھا اور اس کے وسط میں بننے والا بھنور بتا رہا تھا کہ وہاں کوئی سوراخ تھا جس سے یہ پانی مزید نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ اوپر سے یہ پانی یقیناً برف پگھلنے سے نیچے آ رہا تھا مجھے یاد آیا کہ نیچے آتے ہوئے وادی کی ایک دیوار کے اندر سے پانی بننے کی آواز آرہی تھی۔ اوپر سے نہ جانے ایسے کتنے چشمے نیچے آتے ہوں گے اور وادی میں بسنے والے انسانوں، حیوانات اور نباتات کی ضرورت پوری کرتے ہوں گے۔ میں نے بخ بستہ پانی میں ہاتھ ڈالا اور اسے پیاتو اس کی ٹھنڈک اور تازگی نے جیسے مجھے اندر تک بھر دیا تھا۔

راجا عمر دراز نے پانی کے پاس آنے سے گریز کیا۔ شاید سرد پانی اس کے لیے ٹھیک نہیں تھا۔ مگر میں۔ دل بھر کر منہ ہاتھ دھویا اور جہاں جہاں خون اور آلائشوں کے دھبے آئے تھے انہیں صاف کیا۔ میں نے اس کا پروا نہیں کی کہ پانی تقریباً سیال برف کی طرح سرد تھا۔ یہاں سے ایک راستہ دوبارہ سرنگ کی صورت میں نیچے رہا تھا۔ مگر یہ راستہ ہال کے دوسرے سرے میں تھے اور وہاں تک جانے کے لیے ہمیں جھیل کے کنارے ہو کر جا پڑتا۔ میں تازہ دم ہوا تو ہم آگے روانہ ہوئے بعض جگہوں پر پانی دیواروں تک آ گیا تھا اور ہمیں پانی سے گزر پڑا۔ شاید یہ جھیل کا ایک تھاکوئلہ جلد ہی اوپر موسم سرما شروع ہو جاتا اور پانی کی آمد کم ہو جاتی اس کے بعد جھیل رقبہ سکڑ جاتا۔ ہم نے مارچ نکال لی تھیں اور ان کی روشنی میں سفر کر رہے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد ہم مزید کوئی آدھ کلومیٹر نیچے آچکے تھے اور اب موسم واضح تبدیل ہو گیا تھا۔

ولیم شانے طیارے کے آئینی میٹر سے اندازہ لگایا تھا کہ ہم وادی کے کنارے، سطح سمندر سے کوئی سو ہزار فٹ کی بلندی پر تھے جب کہ وادی کی سطح کوئی سات ہزار فٹ کے قریب بلند تھی۔ اس طرح اس کی دیواروں کی گہرائی کوئی نو ہزار فٹ یا تین کلومیٹر بنتی تھی۔ میں نے جو پیمائشیں بتائی ہیں پہاڑوں کے لحاظ سے ان کی کو

خاص حیثیت نہیں ہے۔

پاکستان کے شمالی علاقے میں اس سے زیادہ اونچائیاں اور گہرائیاں ہیں۔ صرف نانگا پربت کی چوٹی کے نیچے ایک چٹان ہے جو ساڑھے چار ہزار میٹر اونچی ہے۔ دنیا میں کہیں بھی اتنی اونچی اور سیدھی چٹان نہیں ہے۔ قراقرم اور ہمالیہ میں ایک ایک کلیشیر اتنا بڑا ہے جو اس وادی کو بھرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان میں سے بعض کلیشیر کی لمبائی سو کلومیٹر سے زیادہ ہے اور ان میں جمی برف کی موٹائی کئی کلومیٹر بنتی ہے۔

میرا اندازہ تھا کہ ہم کوئی ڈیڑھ کلومیٹر تک وادی میں اتر چکے تھے۔ راجا عمر دراز کی بتائی کہانی کے مطابق برف والا بوڑھا تقریباً اتنی ہی بلندی پر قیام کرتا تھا کیونکہ یہاں تک برف کی حد تھی اور اس سے نیچے گرمیوں میں بھی برف نہیں ہوتی تھی۔ میدانوں کے قریب پہاڑوں میں برف گرمیوں میں بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر بھی پکھل جاتی ہے۔ جب کہ جو جگہیں پہاڑوں کے درمیان ہوں وہاں دس ہزار فٹ کی بلندی پر بھی برف موجود رہتی تھی لیکن اس وادی میں گرمائش کا کوئی اپنا سسٹم تھا جس کی وجہ سے یہاں گیارہ ہزار فٹ تک برف صاف ہو جاتی تھی۔ ویسے بھی اوپر سے نیچے تک برف نکلنے والی جگہیں بہت کم تھیں۔ اس لیے اگر کہیں برف ہوتی بھی تو بہت کم ہوتی تھی۔ میں نے راجا عمر دراز سے کہا۔ ”ہم برف والے بوڑھے کے ڈیرے کے پاس پہنچ گئے ہیں۔“

”اگر ہم باہر ہوتے تو میں بتا سکتا تھا مگر یہاں بتانا مشکل ہے کہ ہم اس کے ڈیرے کے پاس ہیں یا نہیں۔“

اس کے باوجود کہ اب تک کوئی جگہ ایسی نہیں آئی تھی جہاں کسی آدمی کا کوئی نشان بھی نظر آتا۔ میں مطمئن تھا کہ ہم درست سرنگ میں سفر کر رہے تھے۔ ہم ایک موڑ سے مڑے تو ٹھنک گئے کیونکہ پہلی بار سرنگ میں دو راستے دکھائی دیئے۔ تھے۔ ایک تقریباً سیدھا جا رہا تھا مگر دوسرا اس کے دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ ہم دائیں طرف جانے والے راستے پر آئے اور اندر روشنی ڈالی تو خلاصہ توقع یہ راستہ کسی قدر اوپر جاتا دکھائی دیا۔ سرنگ بھی الٹی سمت میں مڑ رہی تھی جیسے گھوم کر واپس اسی سمت میں جا رہی ہو جہاں سے ہم آرہے تھے۔ اس کا زاویہ ہمارے لیے غیر متوقع تھا۔ راجا عمر دراز نے جھانکا اور بولا۔ ”شاید یہ کوئی سابق حصہ ہے جو کسی وجہ سے بند ہو گیا اور اس کی جگہ یہ سرنگ بنائی گئی ہوگی۔“

راجا عمر دراز نے اس سرنگ کی طرف اشارہ کیا جہاں سے ہم آرہے تھے وہ اسے نیا راستہ قرار دے رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں مڑنے کی بجائے جو راستہ نیچے جا رہا تھا اسی پر سفر جاری رکھنا چاہیے تھا۔ مگر میری عقل کہہ رہی تھی کہ یہ راستہ متروک نہیں ہے۔ اول تو وہ صاف تھرا تھا جیسے استعمال ہوتا رہا ہے اور دوسرے وہ اس راستے سے الگ محسوس ہو رہا تھا۔ گویا اسے بعد میں بنایا گیا تھا۔ جب کہ دونوں طرف سیدھی سرنگ پہلے سے بنی ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے سیدھی سرنگ تو یہی تھی جس سے ہم سفر کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے اور یہی آگے بھی جا رہی تھی۔ راجا عمر دراز کی بات درست نہیں تھی کہ یہ راستہ الگ سے ہے اور متروک ہو گیا ہوگا۔ میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ ”ہمیں اس پر جانا چاہیے۔“

اس نے اصرار کیا۔ ”یہ واپس اوپر جا رہا ہے اور ہمیں اوپر نہیں جانا ہے۔“

”ضروری نہیں ہے کہ یہ اوپر ہی جائے ممکن ہے یہ کسی ایسی جگہ نکل رہا ہو جہاں سے ہمیں برف والے

کے ٹھکانے یا نیچے وادی تک رسائی ہو سکے۔“

”اس کے لیے یہ راستہ ہے۔“ راجا عمر دراز نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے یہ نیچے وادی کی طرف جارہا ہے۔“

میں چونکا۔ راجا عمر دراز کے لہجے میں جیسی بے تابی نیچے وادی کا ذکر کرتے ہوئے آئی تھی اس سے لگ رہا تھا کہ اسے برف والے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو اصل میں وادی تک رسائی چاہتا تھا۔ وادی جہاں سامیرا تھی۔ اس کا گمان تھا کہ وہ اب تک زندہ ہوگی کیونکہ اس وادی کے لوگ طویل عمر پاتے تھے۔ برف والا اس کے لیے ایک ضمنی کردار تھا۔ اس کے لیے اصل اہمیت حسین سامیرا کی تھی۔ وہ اسی کے لیے اتنے عرصے سے آنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا مگر میں نے راجا سے بحث نہیں کی۔ میں نے اس سے کہا۔ ”آپ یہیں رکیں میں آگے تک دیکھ کر آتا ہوں اگر یہ کسی جگہ نکلا یا بند ہوا، دونوں صورتوں میں، میں واپس آ جاؤں گا۔“

راجا عمر دراز کی جھنجھلاہٹ بڑھ گئی تھی۔ ”شہباز تم وقت ضائع کر رہے ہو۔“

”اتفاق سے ہمارے پاس ضائع کرنے کے لیے یہی چیز بچی ہے۔“ میں نے سرد لہجے میں کہا اور سرنگ کی طرف بڑھ گیا پہلے میں نے سوچا تھا کہ بیک اتار دوں مگر پھر میں انہیں لیے ہی اندر داخل ہوا سرنگ اسی سائز اور انداز کی تھی اور یہ نیم دائرے میں گھوم کر اوپر جارہی تھی۔ مگر پہلا موڑ آتے ہی یہ سیدھی ہو گئی یعنی اب یہ اوپر نیچے نہیں جارہی تھی بلکہ لیول پر تھی مگر دائیں طرف اس کا گھماؤ جاری تھی۔ میں حیران تھا کہ اتنے گھماؤ کے بعد تو اسے منطقی طور پر باہر کھلی جگہ نکل جانا چاہیے تھا مگر فوراً ہی میری سمجھ میں آ گیا۔ ”لاشعوری طور پر ہم اب بھی سرنگ کے ایک طرف وادی کی دیوار تصور کر رہے تھے۔ جب کہ عین ممکن تھا کہ یہ سرنگ دیوار سے بہت دور چٹانوں کے کہیں درمیان سے گزر رہی ہو۔ سخت چٹانوں میں اس سرنگ کو کاٹنے اور یوں ہموار کرنے میں اگر سینکڑوں نہیں تو کئی عشروں کا عرصہ ضرور لگا ہوگا۔“

میں گھومتا ہوا سرنگ کے آخری حصے میں پہنچا تو اسے یوں بند پایا کہ سامنے ایک ہموار اور تراشیدہ دیوار تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ میں اوپر سے نیچے جانے والی سرنگ کے پاس ہی کہیں تھا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ جب اسے بند کرنا تھا تو بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر عقل نے دوبارہ میری رہنمائی کی اور میں دیوار پر ہاتھ پھیر کر اس راستے کا لاک تلاش کرنے لگا جسے دبانے یا کچھ کرنے سے یہ خفیہ راستہ کھل سکتا تھا۔ میں نارنج کی روشنی ہر طرف ڈال رہا تھا۔ مگر کوئی ایسی چیز نہ تو مل رہی تھی اور نہ ہی دکھائی دے رہی تھی۔ البتہ جیسے ہی میں ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے کھڑا ہوا ہلکی سی گھر گھر اہٹ کے ساتھ پتھر کی سل میرے سامنے سے سرک گئی اور دوسری طرف روشنی نظر آنے لگی۔ میں حیران ضرور ہوا مگر فوراً نارنج بند کردی اور محتاط قدموں سے باہر آیا تو خود کو ایک درمیانے سائز کے کمرے میں پایا۔ یہاں فرش اور دیواروں پر بے شمار خوب صورت اشیاء بچی ہوئی تھیں۔

بیشتر اشیاء شیشے کی تھیں۔ یہاں ایسی تصویریں بھی آویزاں تھیں جیسی میں نے راجا عمر دراز کے پاس دیکھی تھی۔ ان تصویروں میں یہاں وادی کے مناظر بیان کیے گئے تھے۔ دیواروں کے ساتھ تراشے ہوئے پتھر کے اسٹولز پر ویسے ہی سیاہ خول رکھے تھے جن میں کوئی سیال بھرا ہوتا ہے جو روشنی جذب اور خارج کرتا ہے۔ اگر وقت ان سے روشنی خارج ہو رہی تھی اور اسی سے یہ جگہ روشن تھی۔ یہاں وادی میں استعمال ہونے والے جنگلوں کا ہتھیار سجے ہوئے تھے اور حیرت انگیز طور پر جدید اسلحہ بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ جدید اسلحہ جس میں کئی رائفلیں، شاٹ

گنر، پستول اور چند ہینڈ گرنیڈز بھی نظر آ رہے تھے۔ ایک طرف ریک میں بچے ہوئے تھے۔ اس کے پاس لکڑی کی ریلنگ پر ہینگ کیے ہوئے عجیب کپڑے کے بنے لبادے تھے۔ ان کے ساتھ ہی مختلف ساز کے جوتے اور چپلیں رکھی تھیں۔ اس سنہری اہرام کا ایک چھوٹا ماڈل بھی رکھا ہوا تھا اور اس کے اوپر حصے پر ایک شفاف ہیرا لٹکا ہوا تھا۔ مجھے خیال آیا اور میں نے اہرام چھو کر دیکھا تو اسے سچ مچ خالص سونے کا پایا۔

دھات بالکل سونے کی طرح ملائم اور دبے والی تھی میں دنگ رہ گیا۔ اس ایک میٹر اونچے اہرام کا وزن شاید ٹن کے آس پاس ہوگا۔ اس کے پاس ہی لائن سے نصف درجن تاج رکھے تھے جو سونے یا اس سے ملتی جلتی کسی دھات کے تھے لیکن ان کی اصل مالیت ان پر لگے ہوئے جواہرات کی تھی۔ سنہری لکڑی سے بنا ہوا فرنیچر رکھا تھا۔ یہ سارے کا سارا تقریباً فرنیچر تھا۔ کرسیاں، میزیں، صوفے اور اسٹول تھے۔ یہ جگہ قیمتی اشیاء سے مالا مال تھی۔ مگر میں ان چیزوں کی تلاش میں نہیں آیا۔ سچ تو یہ ہے کہ نیچے آنے کے بعد مجھے اس حیرت انگیز آدمی کی تلاش تھی جس نے میری زندگی کا رخ بدل دیا تھا اور مجھے یہاں بلوالیا تھا جب کہ میں یہاں آنا نہیں چاہتا تھا۔ آغاز میں مجھے اس کمرے سے باہر جانے کا راستہ نظر نہیں آیا لیکن جلد میں نے ایک دیوار سے ملتا جلتا چڑے کا بنا ہوا پردہ دریافت کر لیا۔ دروازہ اس کے عقب میں تھا۔ میں کمرے میں داخل ہوا اور ششدر رہ گیا۔



یہ کمرہ پورے کا پورا سنگ مرمر جیسے کسی پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اس کے ایک طرف بہت بڑی کھڑکی تھی۔ اس پر حریری پردے لہرا رہے تھے۔ یہاں بھی دیواروں پر وہی خول لگے تھے جو بلب کی طرح روشن ہوتے ہیں۔ ششدر رہ جانے کی وجہ کمرے کے وسط میں ایک نہایت عالی شان اور خوب صورت مسہری پر لینی اوشا تھی۔ شانوں سے پنڈلیوں تک بے حد سفید لبادے میں ملبوس یوں محو خرام تھی کہ صرف اس کا سینہ حرکت پذیر تھا اور لباس اس کے بدن پر کسی مجسمے سازی کی طرح سنگ تراشی کر رہا تھا۔ اس کی رلفیں نیچے پر بکھری ہوئی تھیں۔ میں بے ساختہ اس کی طرف بڑھا تھا کہ رک گیا مجھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اور میں نے پہلی بار اس بوڑھے کو دیکھا۔ استخوانی جسم پر صرف ایک معمولی سا سفید پاجامہ تھا۔ اس کے براق سفید بال اور داڑھی اس کے شانوں اور سینے کو چھپا رہی تھی اور آنکھوں میں شاید دیواروں پر لگے بلبوں سے زیادہ روشنی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں پہچان گیا کہ وہ کون ہو سکتا تھا۔

”آپ.....“ میں نے بے ساختہ کہا۔

”ہاں میں۔“ وہ مسکرایا تو جیسے کمرے کی روشنی بڑھ گئی تھی۔ میں حیران ہوا کہ کوئی مرد اور وہ بھی اتنا عمر رسیدہ اتنے دل کش انداز میں مسکرا سکتا ہے۔ ”میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“

”کیوں؟“ یہ سوال بھی میں نے غیر ارادی طور پر کیا تھا۔ میں نے غور نہیں کیا کہ وہ کون سی زبان بول رہا ہے۔ لیکن مجھے اس کے الفاظ اردو میں سنائی دے رہے تھے اور میں اسے اردو میں جواب دے رہا تھا۔

”تم جان جاؤ گے۔“ اس نے کہا اور میرے پاس آیا۔ اس نے بڑی محبت سے میرا ہاتھ تھاما تو میرے پورے جسم میں ایک لہری دوڑ گئی۔ لیکن یہ ناگوار نہیں تھی بلکہ پُر کیف تھی۔ اس نے پھر دہرایا۔ ”میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“

یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھ پر اس بات کی اہمیت واضح کر دینا چاہتا ہو کہ وہ بہت عرصے سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے سر ہلایا اور اوشا کی طرف اشارہ کیا۔ ”میں حیران ہوں کہ یہ یہاں کیسے آئی؟“

اس بار اس نے اتنی ہی محبت سے اوشا کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”یہ بہت باہمت اور بہادر لڑکی ہے۔ اس سے بچ آئی جس سے کوئی مشکل سے ہی بچتا ہے۔“

”آپ کا مطلب ہے برفانی آدمی؟“

اس نے میرا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ ”مجھے اس کا بھی انتظار تھا مگر میں جانتا تھا اس کی آمد تم سے مشروط ہے۔“

برف والے کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ اسے ایک سے زیادہ لوگوں کا انتظار تھا۔ میں نے کہا۔ ”میرے ساتھ راجا عمر دراز بھی آیا ہے وہ سرنگ کے دہانے پر موجود ہے۔“
اس نے میری بات کو سرسری سا لیا۔ ”ہاں وہ بھی آیا ہے مگر مجھے اس کا انتظار نہیں تھا۔“
”کیا میں اسے لا سکتا ہوں۔ وہ اکیلا اور بیمار ہے۔“
”اب وہ اکیلا نہیں ہے مگر بیمار ضرور ہے۔“ برف والے نے کہا تو میں چونک گیا۔

”آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں وہ کہاں ہے؟“
”وہ اس جگہ نہیں ہے۔ وہ دیکھو۔“ اس نے مسہری کے سامنے لگی بہت بڑی سی ڈرینگ نیبل کے آئینے کی طرف اشارہ کیا اور اس کا ایک حصہ جیسے ٹی وی بن گیا۔ اس میں سرنگ کا وہ دورا ہا دکھائی دے رہا تھا جہاں میں راجا عمر دراز کو چھوڑ کر آیا تھا اور وہ جگہ اب خالی تھی۔ میں اس کرتب پر قطعی حیران نہیں ہوا۔ مجھے لگا کہ اس کے لیے یہ معمولی سی بات تھی۔ اس کی بجائے میں بے چین ہو گیا۔
”وہ کہاں گیا؟“

”وہ کہیں بھی اور کسی کے ساتھ بھی گیا ہو وہ یہیں آئے گا۔“
اتنی دیر میں برف والے نے کسی ایک سوال کا بھی ڈھنگ سے جواب نہیں دیا تھا مگر عجیب بات تھی کہ مجھے ایک بار بھی الجھن نہیں ہوئی۔ میں اس کے جوابوں سے بالکل مطمئن تھا۔ مجھے راجا عمر دراز کی فکر ضرور تھی مگر برف والے کی طرف سے اطمینان دلانے پر میری فکر ختم ہو گئی اور میں نے اوشا کی طرف دیکھا۔ ”کیا یہ سوری ہے یا بے ہوش ہے؟“

”آرام میں ہے اس نے کچھ وقت بہت مشکل گزارا ہے۔ یہ اسی کی ہمت ہے جو بچ کر یہاں تک آ گئی ابھی اسے آرام کی ضرورت ہے۔“

راجا عمر دراز نے رانا دیاس کے حوالے سے بتایا کہ جب وہ برفانی آدمی کی مادہ کے جبر کا شکار ہو کر مرنے کے قریب ہو گیا تھا تب برف والے نے اس کی مدد کی تھی اور اس کا علاج کیا تھا۔ تب وہ بہت دنوں تک سوتا رہا تھا صرف کھانے پینے اور رفع حاجت کے لیے اٹھتا تھا۔ برف والا اسے کچھ انوکھی غذائیں کھانے پینے کو دیتا تھا۔ شاید اوشا کو بھی ایسی ہی کوئی چیز دی جا رہی تھی اور وہ سو کر اپنی توانائی بحال کر رہی تھی۔ میں نے جھج کر پوچھا۔
”یہ محفوظ ہے تا میرا مطلب ہے اس کی عزت.....“

”تم جانتے ہو کوئی اس کے پاس نہیں آ سکتا ہے۔“

”کیا آپ نے اس کی مدد کی تھی؟“

اس بار بھی اس نے واضح جواب دینے سے گریز کیا۔ ”سب کی مدد ایک ہی ہستی کرتی ہے جب تک وہ نہ چاہے کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔“
میں نے سر ہلایا۔ ”آپ نے ٹھیک کہا۔“

اس نے پھر محبت سے میری طرف دیکھا۔ جب وہ یوں دیکھتا تو لگتا جیسے مجسم محبت ہو۔ اس میں اس جذبے کے سوا کسی دوسرے جذبے کی ذرا بھی آمیزش نہ ہو۔ ”تم بھوکے ہو کچھ کھاؤ گے؟“

”ہاں میں بھوکا ہوں۔“ میں نے بلا تکلف کہہ دیا۔ ساتھ ہی میں حیران ہوا کیونکہ میں کتنا ہی بھوکا کیوں نہ ہوں کسی شخص سے پہلی ملاقات میں اس طرح اقرار نہیں کر سکتا مگر اس شخص میں نہ جانے کیا بات تھی مجھے اس سے کوئی پردہ ہی محسوس نہیں ہو رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ میری شخصیت کی کھلی کتاب اس کے سامنے ہو۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ اس نے کہا اور ایک طرف دیوار کی طرف بڑھا اور جیسے ہی دیوار کے پاس پہنچا اس میں جیسے خود بہ خود دروازہ نمودار ہوا۔ میں اس کے پیچھے آیا اور دیوار کے پاس سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ بہت مہارت سے پتھر کا دروازہ یوں جوڑا گیا تھا کہ وہ کسی میکینزم کے تحت سرک کر خلا پیدا کرتا تھا جیسے ہی میں گزر کر دوسری طرف آیا دروازہ خود بند ہو گیا۔ ہم ایک چھوٹی سی سرنگ میں کھڑے تھے۔ برف والا آگے بڑھنے لگا۔ اس کا جسم اتنا ہی مگر بدہیت نہیں تھا۔ اس کا بدن یوں شفاف تھا کہ اس پر کہیں ذرا بھی میل کا شائبہ نہیں تھا۔ اس کے بال بہت صاف اور سلیقے سے پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے پاؤں ٹنگے تھے۔ چلتے ہوئے وہ اچانک دیوار کی طرف مڑا تو اس میں بھی اسی طرح خلا پیدا ہو گیا اور وہ اس میں داخل ہوا جب میں اندر آیا تو میں نے خود کو بچے ہوئے عالیشان قسم کے ڈائننگ ہال میں پایا۔ وہاں ایک کھانے کی میز تھی۔ یہ اسی سنہری لکڑی کی بنی تھی۔ میز پھلوں، دودھ، جوس اور خشک میوؤں سے بھری ہوئی تھی۔ برف والے نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”مجھے معلوم ہے تم صرف مخصوص گوشت کھاتے ہو اور ابھی میرے پاس تمہارے لیے قابل قبول گوشت نہیں ہے۔“ اس نے نام لیے بغیر حلال اور حرام گوشت کی وضاحت کر دی۔

”کوئی بات نہیں میں یہ بھی کھاتا ہوں۔“ میں نے کہا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ پھل تقریباً وہی تھے جو ہم کھاتے ہیں بس شکل، ذائقے اور خوشبو میں ذرا مختلف تھے۔ میں نے دل بھر کر پھل اور خشک میوے کھائے۔ دودھ پیا اور آخر میں جوس پیا جو شاید مختلف پھلوں کے رس کی کاک ٹیل تھی۔ تمام چیزیں نہایت لذیذ اور اعلیٰ درجے کی تھیں۔ میں نے آج تک ایسے ذائقے والی چیزیں نہیں کھائی تھیں۔ حد یہ کہ دودھ بھی بنا کسی بو کے تھا۔ اس دوران میں برف والا میرے سامنے بیٹھا رہا۔ اس نے ان میں سے کوئی چیز نہیں لی تھی۔ میں نے اس کے علاوہ وہاں اب تک کسی مقامی فرد کو نہیں دیکھا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس کے لیے یہ سب کون کرتا ہے۔ اس نے اچانک کہا۔

”انسان کو اپنے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔“

”تو آپ جو کر رہے ہیں وہ اپنے لیے کر رہے ہیں؟“

”ظاہر ہے۔“ اس نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ ”دنیا میں کون ہے جو اپنے کسی مفاد کے بغیر کچھ

کرے۔“

”آپ کا کیا مفاد ہے؟“

”تم جان جاؤ گے۔“ اس نے کہا۔

میں نے ہاتھ روک لیا۔ ”بس میں نے کھالیا لیکن آپ نے کچھ نہیں کھایا۔“
 اس نے بے نیازی سے میز پر کچی غذاؤں کو دیکھا۔ ”میں جو کھاتا ہوں میرے لیے وہی کافی ہے۔“
 میں اس کے بارے میں پوچھتے ہوئے ذرا جھجکا تھا۔ ”میں نے سنا ہے کہ آپ صرف برف کھاتے ہیں۔“

”میرے ساتھ آؤ۔“ اس نے اس بار بھی میرا سوال نظر انداز کیا۔ ”میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔“
 وہ مجھے لے کر ایک سرنگ میں آیا اور ہم نے نیچے اترنا شروع کیا۔ ہم اترتے چلے گئے اور بلاشبہ ہم بہت نیچے آ گئے۔ شاید ایک کلومیٹر نیچے اترے تھے۔ مگر عجیب بات ہے مجھے ذرا بھی تھکن کا احساس نہیں ہوا۔ میں نے پیٹ بھر کر کھایا تھا اور اتنا کھانے کے بعد اتنا چلنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ مگر مجھے ذرا بھی گرانی اور بھاری پن محسوس نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح برف والا بوڑھا بھی ان تھک چلے جا رہا تھا۔ کئی سرنگوں سے ہوتے ہوئے بالآخر ہم ایک ٹیرس نما جگہ نکلے اور تب میں نے نیچے دور تک پھیلی ہوئی وادی کو دیکھا۔ یہاں وادی سے بلندی شاید تین ہزار فٹ تھی اور ہم سطح سمندر سے کوئی ساڑھے نو دس ہزار فٹ کی بلندی پر تھے۔ یہاں دھند ختم ہو گئی تھی۔ اس سے اوپر یہ بادلوں کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ برف والے نے نیچے دور تک پھیلے شہر اور اس کے آس پاس کھیتوں اور چھوٹے قلعوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ سب دیکھ رہے ہو؟“
 ”دیکھ رہا ہوں۔“

”ان چھوٹے قلعوں والوں نے مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور وہ ان کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں۔“
 ”کیوں؟“

”کیونکہ وہ مزید پجاریوں اور خاص طرز زندگی کے غلام بن کر نہیں رہنا چاہتے۔“
 ”یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔“ میں نے تجربہ کیا۔ ”اسے ہزاروں سال بعد بھی نہیں دبایا جا سکتا ہے۔“

”لیکن اس صورت میں یہ وادی تباہ ہو جائے گی۔ اس کا سسٹم ہزاروں سال کا آزمودہ ہے اور اسی وجہ سے وادی میں انسانی نسل موجود ہے۔ اگر یہ سسٹم ختم کیا گیا تو یہاں سب ختم ہو جائے گا۔“
 ”دوام کسی شے کو نہیں ہے، آپ اس وادی کی بات کر رہے ہیں ہمارے عقیدے کے مطابق نہ صرف یہ دنیا بلکہ آنکھوں سے نظر آنے والی اور آنکھوں سے ادھل پوری کائنات بھی ایک دن تباہ ہو جائے گی شاید ایسا ہونا اب زیادہ دیر کی بات بھی نہیں ہے۔“

اس نے گہری سانس لی۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو ایک دن سب ختم ہو جائے گا۔ لیکن یہ وادی میرے بزرگوں کی نشانی ہے میں اسے قبل از وقت تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔“
 ”کیا آپ اس خانہ جنگی کو روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟“

”نیچے والے میرا احترام کرتے ہیں۔“ اس نے گہری سانس لی۔ ”لیکن وہ اس احترام کو ایک حد میں رکھتے ہیں کہ میرے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے معاملے میں

مداخلت نہ کروں۔“

”ایسا ہر جگہ ہوتا ہے۔ مفاد پرست طبقے دوسروں کی مداخلت اسی حد تک برداشت کرتے ہیں جب تک ان کے مفاد پر ضرب نہ آئے۔“ میں نے کہا۔ ”آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”میں چاہتا ہوں کہ یہ کشیدگی ختم ہو جائے اور قلعوں والے مرکزی حکومت کی اطاعت کریں۔ ساتھ ہی میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو زیادہ آزادی دی جائے۔ ان کی نجی زندگی کو پابندیوں سے آزاد کیا جائے۔“

یہ میرس پتھر سے بنا ہوا تھا اور اس کے کنارے پتھر کی چھوٹے چھوٹے ستونوں والی ریڈنگ تھی۔ اسے تراش کر بنایا گیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ جگہ خاص وادی کا جائزہ لینے کے لیے بنائی گئی تھی کیونکہ یہاں سے وادی کا مکمل نظارہ کیا جاسکتا تھا شہر تو بالکل سامنے تھا اس کے عقب میں اہرام نما مندر اور اس کے پیچھے گھنا جنگل صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اسی طرح کاشت کاری کے لیے مخصوص رقبہ اور چھوٹے قلعے بھی یہاں سے دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے نیچے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ ”اس تحریک مزاحمت کے پیچھے کون ہے؟“

”سامیرا!..... اور گان کی بیٹی۔“

میں چونکا۔ ”سامیرا کیا وہ اس قابل ہے کہ کسی تحریک مزاحمت کی قیادت کر سکے۔“

”وہ اور گان کی بیٹی ہے۔“

”میرا مطلب ہے اس کی عمر اچھی خاصی ہوگی کیا وہ اس عمر میں قیادت جیسا سخت کام کر سکے گی۔“

بوڑھا مسکرایا۔ ”یہاں وقت سُست ہو جاتا ہے۔“

میں بھول گیا تھا میرے سامنے جیتی جاگتی مثال تھی اس بوڑھے کو راجا عمر دراز نے آج نصف صدی سے زیادہ وقت پہلے اسی طرح دیکھا تھا۔ میں نے کہا۔ ”لیکن راجا عمر دراز نے جو کہانی سنائی ہے اس کے مطابق تو اور گان خود مہا پجاری بن کر حکمران طبقے میں شامل ہو گیا تھا۔“

”یہ درست ہے لیکن وہ زیادہ عرصے مہا پجاری نہیں رہا تھا۔ کیونکہ ایک رات اس کی پراسرار موت واقع ہو گئی۔ سامیرا کا کہنا ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا۔ مگر یہ الزام ثابت نہیں ہوا تھا۔“

”آپ تو حقیقت جانتے ہوں گے۔“

”جو حقیقت جانتے ہیں وہ اسے بیان نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی زبان بند ہوتی ہے۔“

”پھر سامیرا نے کیا کیا؟“

”وہ عورت تھی مہا پجاری نہیں بن سکتی تھی مگر اور گان نے اسے اپنے خاص اور معبد کے مخصوص علوم سکھائے تھے۔ جب تک نیکاٹ حکمران رہا معاملات ٹھیک رہے لیکن ایک حادثے میں اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا حکمران بنا تو یہاں سے خرابی شروع ہو گئی۔ ریٹاٹ ایک خود غرض اور سفاک شخص ہے۔ اس نے اقتدار کو ذاتی آسائش اور خواہشات پورا کرنے کا ذریعہ بنالیا اور جب اس کے ظلم و ستم حد سے زیادہ بڑھے تو لوگوں نے سامیرا کی قیادت میں اس کے خلاف بغاوت کردی وہ اور گان کی موت کے کچھ عرصے بعد ہی شہر چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئی تھی اور وہیں اس نے پہلا قلعہ بنایا۔ ریٹاٹ کے ظلم و ستم سے بچنے والے اس کے پاس پناہ لینے لگے۔ پھر ان کی تعداد اتنی بڑھی کہ انہوں نے کئی قلعے بنالئے۔ اب وہ اتنے طاقتور ضرور ہیں کہ حکومت ان پر آسانی سے قابو

نہیں پاسکتی ہے۔“

”آپ کو سامیرا کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔“

”میں ایسا ہی کرتا۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”لیکن میرا وقت آگیا ہے اور میرے پاس وقت نہیں ہے کہ وادی کے معاملات میں مداخلت کر سکوں۔“

”آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟“

اس نے میری طرف دیکھا اور سرسراتے لہجے میں کہا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ تم اس کشمکش میں کسی کی طرف سے شامل ہو جاؤ۔ تم جس کے ساتھ ہو گے اسے فتح نصیب ہوگی اور پھر تم اس وادی کے حکمران بن جاؤ۔“

میں دم بہ خود رہ گیا تھا۔ میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ مجھ سے کسی جگہ کا حکمران بننے کی فرمائش کی جائے گی۔ ”آپ سچ ایسا چاہتے ہیں۔“

”میرے چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا اصل بات تمہارے اور نیچے والوں کے چاہنے کی ہے۔“

میں چونکا۔ ”نیچے والے.....؟ کیا وہ میری آمد سے واقف ہو چکے ہیں؟“

”ہاں وہ واقف ہو گئے ہیں۔“

”مگر کیسے جب کہ میرا سامنا سوائے آپ کے اور کسی فرد سے نہیں ہوا ہے؟“

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ”یہ تو میں بھی نہیں جانتا لیکن آج مجھے وادی میں کچھ اجنبی پرندے محسوس ہوئے ہیں۔“

میں نے کسی قدر بے چینی سے کہا۔ ”میں یہ سوچ کر نہیں آیا ہوں کہ مجھے وادی میں اترنا پڑے گا۔“

”انسان آتا اپنی مرضی سے ہے لیکن جاتا دوسرے کی مرضی سے ہے۔“ اس نے ایک بار پھر استعارے کی زبان میں مجھے جواب دیا۔ اس نے راجا عمر دراز کے بارے میں بھی مجھے کھل کر نہیں بتایا تھا بس اتنا کہا تھا کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے اسے ڈیوڈ شا کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ لیکن شاید وہ اس کی آمد سے بھی واقف تھا۔ میں نے کہا۔

”آپ جانتے ہیں ڈیوڈ شا بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آیا ہے۔“

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے دوبارہ کہا۔ ”اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ مجھے اجنبی پرندے کیوں محسوس ہوئے تھے؟“

میں اس کی استعارے پر مشتمل بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”جب ہم نیچے آئے تو وہ اوپر تھے۔ میری آمد کے بعد نیچے آنے والا راستہ نظر آنے لگا تھا۔ یقیناً ڈیوڈ شا کو بھی ملا ہوگا اور وہ نیچے آیا ہوگا۔“

”بعض لوگوں کو سیدھا راستہ بھی مل رہا ہو تب بھی وہ اسے اختیار نہیں کرتے ہیں۔“

”ویسے اگر ڈیوڈ شا کسی طرح سے نیچے اتر بھی گیا ہے تو وہ کیا کر لے گا ہماری طرح وہ بھی اجنبی ہے۔“

”تم بھول رہے ہو ولیم شا بھی اجنبی تھا مگر اس نے اپنی سازشانہ ذہانت سے اس وادی میں کتنا بڑا افساد

کھڑا کیا تھا ہزاروں لوگ مارے گئے تھے۔“

میں اس کی بات کا قائل ہوا کیونکہ ڈیوڈ شا ولیم شا سے زیادہ شاطر آدمی تھا۔ اسے بین الاقوامی سازشوں کا

عملی تجربہ تھا۔ مگر سوال وہی تھا کہ وہ نیچے کیسے پہنچا جب کہ وہ مخصوص راستے سے بھی نہیں گزرا تھا۔ ان ہزاروں بلکہ میلوں اونچی دیواروں سے رسیوں کی مدد سے نیچے جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ برف والے کی سنجیدگی کا اندازہ اس سے بھی ہوا کہ وہ سیدھے انداز میں بات کر رہا تھا۔ میں کسی قدر قائل ہوا تھا مگر مکمل طور پر نہیں۔ میں نے ایک سوال اور کیا۔ ”اگر نیچے جانے پر مجھے گرفتار کر لیا گیا تو؟“

”شاید ایسا ہی ہو لیکن وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔“

”پھر بھی آپ مجھے نیچے بھیجنا چاہتے ہیں؟“

”ہاں کیونکہ اسی طرح معاملہ آگے بڑھے گا۔ دوسرے اگر تم نیچے نہیں گئے تو نیچے والے یہاں آ جائیں گے۔“

”میں نے سنا ہے کہ آپ کی مرضی کے بغیر کوئی یہاں نہیں آ سکتا ہے؟“

”ہاں لیکن وہ وقت اب گزر گیا ہے جب سب میری مرضی سے ہوتا تھا۔ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میرا

آخری وقت آ گیا ہے اور اب میں اپنی مرضی کا مختار نہیں رہا ہوں۔“

”کیا ریٹائٹ اوشا کے بارے میں جانتا ہے؟“

”نہیں اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا ہے سوائے میرے اور تمہارے۔“

”نہیں ایک شخص جانتا ہے اور جب برفانی آدمی اوشا کو لے گیا تھا تو اس نے پورے یقین سے اس کے

بارے میں پیش گوئی کی تھی کہ وہ زندہ رہے گی اور مجھے واپس ملے گی۔“

برف والے کے فراخ اور شفاف ماتھے پر شکنیں آ گئیں۔ اس نے زیر لب کہا۔ ”ڈیوڈ شا.....“

”جی اسی نے کہا تھا۔“

”شاید میں بھی اس کے بارے میں ٹھیک سے نہیں جان سکا ہوں.....“

میں نے اسے ڈیوڈ شا کے بارے میں بتایا۔ ”وہ کچھ مادرائی علوم میں بھی دسترس رکھتا ہے۔ شاید عمل تویم

کا ماہر ہے۔ ستاروں کا علم جانتا ہے اور مستقبل کی پیش گوئی کر سکتا ہے۔ پھر جدید سائنسی علوم کا بھی ماہر ہے۔“

برف والے نے سائنسی علوم کی وضاحت نہیں چاہی تھی اس کا مطلب ہے کہ وہ مادی علم کی اس تشریح سے

واقف تھا۔ اب وہ زیادہ فکر مند لگ رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ”میرے بیٹے نیچے جانا ہو گا۔

اب یہ بات بہت سے لوگوں کی ہی نہیں بلکہ اس وادی کی بقا کا مسئلہ بھی ہے۔“

اس کے لہجے میں ایسی التجا تھی کہ میں انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے گہری سانس لے کر پوچھا۔ ”اگر میں

مان جاؤں تب بھی میں ان کی زبان نہیں جانتا۔“

”تم اس کی فکر مت کرو، ہاں کی رٹ کو یاد رکھنا۔“ برف والے نے کہا اور پھر اس نے وہ حرکت کی جو

میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ اس نے اچانک ہاتھ بڑھا کر اپنا انگوٹھا میری کینٹی پر رکھا اور اس کی انگشت

شہادت میرے ماتھے پر سامنے آئی اور جب اس نے کینٹی پر انگوٹھے سے دباؤ ڈالا تو جیسے میرے سر کے اندر ایک

دھماکہ ہوا اور میں ایک لمحے میں بے ہوش کر نیچے گر پڑا تھا۔ میں نہ جانے کتنی دیر بے ہوش رہا اور پھر جیسے میں

اچانک بے ہوش ہوا تھا اسی طرح ہوش میں بھی آ گیا۔ میرا سر کسی قدر بوجھل تھا مگر جہاں دھماکہ سا ہوا تھا اب

وہاں درو نہیں تھا۔ پھر میں چونک کر اٹھا کیونکہ میں اس میز پر نہیں تھا جہاں میں بے ہوش ہونے سے پہلے برف والے کے ساتھ تھا۔ بلکہ یہ نیچے اترنے والے راستے پر ایک کشادہ سی جگہ تھی۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ برف والے نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا اور میں یہاں کیسے آیا؟ کہ کچھ آٹھوں نے مجھے چونکایا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو نصف درجن قدیم طرز کے سپاہی نیزوں اور تیر کمان سے مسلح مجھے گھیرے کھڑے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے ہاتھ اٹھا کر میری طرف اشارہ کیا اور اپنے ساتھیوں سے بولا۔

”پکڑ لو اسے۔“

میرا ہاتھ اپنے شانے کی طرف گیا مگر وہاں رائفل نہیں تھی۔

صرف رائفل ہی نہیں بلکہ میری جیکٹ اور اس میں موجود تمام چیزیں غائب تھیں۔ میں قطعی نہتا ہو گیا تھا۔ مجھے حرکت کرتا دیکھ کر دو سپاہیوں نے بہت تیزی سے تیر کمان نکال کر تیر مجھ پر تان لیے۔ سپاہیوں نے کھالوں اور فرسے بنے ہوئے مخصوص لباس پہن رکھے تھے۔ ان کے سینوں اور بازوؤں پر کسی لکڑی سے بنے ہوئے حفاظتی خول تھے۔ وہ پیروں میں تسوں والے چڑے کے جوتے اور سروں پر لکڑی سے بنے ہوئے خول پہنے ہوئے تھے۔ ان کے نیزوں کی انی اور ترکش میں نظر آنے والے تیروں کی نوک کسی معمولی درجے کی دھات کی بنی ہوئی تھی۔ راجا عمر دراز نے مجھے بتایا تھا کہ وہ سوائے سونے اور چاندی کے کسی دھات سے ناواقف تھے۔ میں نے ہاتھ اوپر کیے اور بولا۔

”مجھے کیوں پکڑ رہے ہو۔“

”یہ کیا کہہ رہا ہے۔“ بولنے والے سپاہی نے حیرت سے کہا۔ ”یہ ہماری زبان نہیں ہے۔“

”یہ باہر سے آیا ہے جناب۔“ دوسرے نے ادب سے کہا۔ ”اسی لیے ہمیں حکم ملا ہے کہ اسے گرفتار کر کے لے آئیں۔“

عجیب بات تھی وہ لوگ اردو بول رہے تھے اگرچہ لہجہ مختلف تھا مگر زبان اردو ہی تھی اور میں نے ان سے اردو میں ہی پوچھا تھا مگر وہ سمجھ نہیں پارہے تھے۔ میں اس بات پر بھی چونکا تھا کہ انہیں میری گرفتاری کا حکم دیا گیا تھا اور وہ لوگ میری آمد سے واقف تھے۔ یہ تو طے تھا کہ وہ نیچے سے آئے تھے۔ البتہ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ ریناٹ کے آدمی تھے یا سامیرا کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ مزید تعجب اس بات پر تھا کہ وہ اردو بول رہے تھے۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں کوئی اردو بولنے والا ملے گا مگر پہلے برف والا اور اب یہ سپاہی بھی اردو بول رہے تھے۔ میں نے پھر کہا۔ ”میں اردو میں بات کر رہا ہوں تم لوگ سمجھ نہیں رہے ہو؟“

مگر اس بار انہوں نے میری بات پر توجہ نہیں دی اور ان میں سے دو نیزہ بردار آگے آئے۔ ان کا انداز جارحانہ نہیں تھا مگر وہ محتاط اور پوری طرح چوکس ضرور تھے۔ میں کنارے کی طرف تھا اور کسی قسم کی مزاحمت کی صورت میں میرے مارے جانے کے امکانات خاصے زیادہ تھے۔ چاہے وہ ان کے ہاتھوں ہوتے یا نیچے گرنے کی صورت میں ہوتے۔ نہ جانے برف والے نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا تھا اور پھر وہ مجھے بے یار و مددگار یہاں چھوڑ گیا تھا۔ اس نے یقیناً کسی مقصد کے تحت ایسا کیا تھا۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا اور مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا میں نے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے اور کھڑا ہو گیا۔ یہ ہتھیار ڈالنے اور تابع ہونے کا یونیورسل

اشارہ ہے جو یہ بھی سمجھ گئے۔ آگے والے دو حصوں میں بٹ گئے تھے اور انہوں نے مجھے گویا نیچے جانے کا راستہ دیا۔ میں آگے بڑھا تو وہ دونوں میرے پیچھے آگئے اور دو میرے دائیں بائیں آگئے۔ دو آگے تھے۔ پہلے بولنے والا جو سر براہ بھی لگ رہا تھا اس نے کہا۔

”ہوشیار رہنا اس کے بارے میں بتایا ہے گیا کہ یہ خطرناک آدمی ہے۔“

جب وہ بول رہا تھا تو میری نظر اس کے ہونٹوں پر مرکوز تھی اور میں نے محسوس کیا کہ وہ ہونٹ اور منہ مختلف انداز میں ہل رہا ہے اور مجھے سنائی دوسرے انداز میں دے رہا ہے۔ میں حیران ہوا تھا کہ یہ کیا حیرت انگیز بات ہے۔ کیا وہ اپنی زبان میں بات کر رہا تھا اور مجھے سنائی اردو میں دے رہا تھا اور اسی وجہ سے وہ میری بات نہیں سمجھ پارہے تھے کیونکہ میں اردو میں بول رہا تھا۔ دوسرے سپاہی نے کہا۔ ”ہمیں جلد نیچے چلنا چاہیے تاکہ ہم رات سے پہلے آرگون پہنچ جائیں۔“

اس بار مجھے یقین ہو گیا کہ وہ بول کچھ رہا تھا مگر اس کی بات مجھے اردو میں سنائی دے رہی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا؟ سوچتے ہوئے میرا ہاتھ بے ساختہ کن پٹی کی طرف گیا جہاں برف والے نے انگوٹھے سے دبایا تھا اور مجھے لگا کہ میرے سر میں کوئی دھماکہ ہوا ہو۔ کیا اس نے میرے ساتھ کچھ کیا تھا؟ اس نے انگوٹھے سے ضرب لگا کر میرے دماغ کی کسی خفیہ صلاحیت کو بیدار کر دیا تھا جس کی وجہ سے میں ان لوگوں کی زبان سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اب مجھے خیال آ رہا تھا کہ برف والا بھی ہونٹوں کو مختلف انداز میں حرکت دیتا اور مجھے سنائی اردو میں دیتا تھا۔ کیا یہ ٹیلی پتھی کی کوئی قسم تھی جس میں انسان اپنے خیالات دوسرے تک پہنچاتا ہے۔ جب تک وہ میرے ساتھ تھا اپنی صلاحیت کی وجہ سے میری بات سمجھ رہا تھا اور مجھے اپنی بات سمجھا رہا تھا۔ مگر میں اس سے جدا ہونے والا تھا اور اب مجھے دوسروں کو اپنی بات سمجھانی تھی اور اس سے زیادہ مجھے دوسروں کی بات سمجھنی تھی۔

جب میں نے برف والے سے کہا تھا کہ میں وادی والوں کی زبان نہیں سمجھتا ہوں تو اس نے مجھے فکر نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے فوراً بعد اس نے میرے سر کے ساتھ کچھ کیا تھا جس کے اثر سے میں بے ہوش ہو گیا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد یہ حیرت انگیز بات سامنے آئی کہ میں وادی والوں کی بات سمجھ رہا تھا۔ البتہ وہ میری بات سمجھنے سے قاصر تھے۔ سر براہ نے مجھے اشارے سے نیچے اترنے کو کہا۔ اس کے خیال میں، میں بھی اس کی بات سمجھنے سے قاصر تھا اس لیے وہ اشاروں کی زبان میں کام چلا رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اگر میں ان کی زبان سمجھ رہا تھا تو مجھے یہ بات جتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ان کا قیدی بن گیا تھا اور ان کی گفتگو سے آگاہی مجھے فائدہ پہنچا سکتی تھی۔ اس لیے اب میں نے بھی یہی ظاہر کرنے کا فیصلہ کیا کہ میں ان کی بات سمجھ نہیں رہا ہوں۔ ہم نیچے اتر رہے تھے اور شام قریب تھی۔ اوپر دھند کی وجہ سے سورج کی پوزیشن واضح نہیں تھی مگر روشنی میں کمی آ رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم کوئی دو یا ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی پر تھے۔ جیسے جیسے نیچے جا رہے تھے موسم معتدل ہو رہا تھا اور سردی کا احساس تو اس بلندی پر بھی کم تھا جہاں برف والے کا ڈیرہ تھا مگر اب یہ احساس نہ ہونے کے برابر ہو گیا تھا۔ گرم ادنیٰ پینٹ اور گرم ہی ہائی نیک جرسی میں مجھے اب الجھن ہو رہی تھی اور عین ممکن تھا کہ نیچے جاتے جاتے مجھے گرمی لگنے لگتی۔ مجھے برف والے کی گفتگو یاد تھی اس نے کہا تھا کہ وہ وادی میں ہونے والا تازے میں میرا کردار چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ میں فریقین میں صلح کرا کے اس وادی کی حکمرانی سنبھال

لوں۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ جس وادی کے لوگ اس حد تک نسل پرست تھے کہ باہر سے آنے والے کسی فرد کو وادی میں برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اگر کوئی آجاتا تو اسے ثابت کرنا پڑتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر نہیں آیا بلکہ غلطی سے آیا ہے ورنہ دوسری صورت میں اسے سزائے موت دی جاتی تھی۔ وہ لوگ باہر سے آنے والے ایک فرد کو کس طرح اپنا حکمران تسلیم کر سکتے تھے۔

میں گرفتار ہو کر نیچے جا رہا تھا اور یہ یقیناً میری تاج پوشی کے لیے نہیں لے جا رہے تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ برف والے نے مستقبل کی کسی پلاننگ یا اپنے کسی خیال کے تحت مجھے نیچے والوں کے حوالے کیا تھا۔ لیکن لازمی نہیں تھا کہ اس کی پلاننگ درست ثابت ہوتی یا اس نے جو سوچا ہو وہی ہو۔ اگر مجھے دشمن تصور کر لیا جاتا تو میرے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں ہوتا۔ شاید مجھے فوری جلاد کے حوالے کر دیا جاتا۔ اب تک یہ بھی واضح نہیں تھا کہ مجھے نیچے لے جانے والے کون تھے۔ ریٹائٹ یا اس کے مخالف جو سامیرا کی قیادت میں اس سے لڑ رہے تھے۔ میں نے پہلے ان سپاہیوں سے عندیہ لینے کا سوچا مگر یہ مجھے مناسب نہیں لگا اور یہ مجھے نیچے لے جا رہے تھے کچھ دیر میں واضح ہو جاتا کہ مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

برف والے کے بارے میں جتنا سنا اور جانا اور پھر دیکھا تھا۔ وہ ایک پراسرار اور ماورائی قوتوں والا شخص نظر آیا تھا۔ اس نے اس برف زار میں ایک ایسا طلسم خانہ بنا رکھا تھا جس کی بیشتر چیزیں عقل کو چکرا دینے والی تھیں۔ اس کے اندر خفیہ صلاحیتیں موجود تھیں اور وہ مستقبل کے بارے میں پیش گوئی بھی کرتا تھا مگر میری عقل کا اصرار تھا کہ میں اس کی بات آنکھ بند کر کے ماننے سے گریز کروں اگرچہ دل کہہ رہا تھا کہ مجھے اس سے الجھنا نہیں چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی مخالفت نہ کرنی پڑے۔ یہاں آتے ہی میں جیسے اچانک سب سے کٹ گیا تھا۔ راجا عمر دراز کے علاوہ میرے تمام ساتھی مارے جا چکے تھے اور اب راجا عمر دراز بھی غائب تھا۔ مگر او شامل گئی اور وہ صحیح سلامت بھی تھی۔ البتہ وہ ابھی بحالی کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ برف والے نے کہا تھا کہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو میرا انحصار برف والے پر تھا۔

ہم ایک ٹیڑھی میزھی اور بہت تنگ پگ ڈنڈی پر سفر کر رہے تھے جو وادی کی دیواروں سے چٹنی ہوئی نیچے تک جا رہی تھی۔ اس پر سنبھل کر قدم رکھنا پڑتے تھے۔ کسی زمانے میں اس پر قدم بچے بنائے گئے ہوں گے مگر وقت کے دھارے نے انہیں کھس کر سیدھا کر دیا تھا بہت سی جگہوں پر دیوار اور چٹان گرنے سے راستہ بہت ہی تنگ اور خطرناک بھی ہو گیا تھا۔ شاید اس کی مرمت نہیں کی گئی تھی اور یہ ممکن بھی نہیں تھا۔ اتنے طویل راستے کو بلاوجہ مرمت کرنا بہت ہی مشکل کام تھا بلکہ وادی کے حکمران اور کرتا دھرتا چاہتے ہوں گے کہ یہ راستہ کبھی باقی نہ رہے تاکہ نہ کوئی باہر سے یہاں آ سکے اور نہ یہاں سے کوئی باہر جا سکے۔ راستہ جس طرح ختم ہو رہا تھا اس سے لگ رہا تھا کہ جلد ان کی یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔ مگر وہ باہر والوں کو نہیں جانتے تھے ان کو وادی میں آنے کے لیے ان خطرناک راستوں کی ضرورت نہیں رہی تھی وہ چاہتے تو بہت آرام سے اندر اتر جاتے اور آسانی سے اس وادی پر قابض ہو جاتے۔

جیسے جیسے ہم نیچے جا رہے تھے موسم گرم ہوتا جا رہا تھا۔ اوپر چھائی دھند اب اتنی اوپر رہ گئی تھی کہ نیچے سے گھنے بادل جیسی لگ رہی تھی۔ بلندی سے نیچے آنے کے بعد وادی کی دیواریں اب اوپر دکھائی دے رہی تھیں اور

مختلف جگہوں سے آبشار کسی دھندلے سفوف کی طرح نیچے گر رہی تھیں۔ اتنے فاصلے سے پانی کے بجائے یہ بس سفید دھند جیسی لگ رہی تھیں۔ شاید اسی پانی سے وادی کی پانی کی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ کیونکہ اوپر سے پوری وادی میں نہ تو کوئی دریا دکھائی دیا تھا اور نہ ہی پانی کا کوئی بڑا ذخیرہ تھا۔ چند ایک جگہوں پر نیلا رنگ تھا جو چھوٹے تالابوں یا چشموں کی نشان دہی کر رہا تھا اور یہ پانی ضرورت کے لیے ناکافی ہے۔ بارش اور اوپر سے آنے والی آبشاروں کا پانی ہی وادی کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ سردیوں میں جو برف گرتی ہے اس کا پانی پگھلنے کے بعد زمین میں جذب ہو جاتا ہوگا۔ وہ بھی کام آتا ہوگا۔

راجا عمر دراز بھی میرے لیے ہر چیز لایا تھا سوائے گھڑی کے، اس لیے میں درست اندازہ نہیں لگا سکتا تھا مگر خیال تھا کہ ہمیں نیچے پہنچنے میں کوئی دکان گھٹنے لگے تھے۔ اس وقت تک شام ہو چکی تھی اور ماحول نیم تاریک ہو رہا تھا۔ ہم بھول بھلیوں جیسی جگہ نکلے جو چٹانیں ٹوٹنے سے وجود میں آئی تھیں۔ राजا عمر دراز نے اپنے سفر نامے میں ان کا ذکر بھی کیا تھا جب واپسی کے وقت یہاں اسے ایک ہارن نے گھیر لیا تھا۔ ہارن کا خیال آتے ہی میرے اندر پھریری سی آگئی۔ مجھے خیال آیا کہ اگر یہاں کوئی ہارن آگیا تو یہ نصف درجن سپاہی ان قدیم ہتھیاروں سے اپنا اور میرا دفاع کیسے کریں گے؟ مگر جب چٹانوں سے نکل کر کھلی جگہ آئے تو وہاں مزید کوئی دو درجن مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ ہمارا منتظر تھا اور وہ بھاری کمانوں اور تیروں سے مسلح تھے۔ ان کے تیردیکھ کر لگ رہا تھا کہ یہ ہارن جیسے بڑے اور خطرناک جانور کے لیے بنائے گئے ہیں۔ وہ پوری تیاری سے آئے تھے۔ میں ایک بار پھر فکر مند ہو گیا کہ نیچے والوں کو میری آمد کی اطلاع کیسے ہوئی؟

ہارن تو نہیں ایک اور جانور سے سامنا ہوا۔ ہم کچھ ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ جنگل سے ایک عجیب الخلق جانور نکلا۔ وہ بھالو سے مشابہ تھا اور بہت مشکل سے چل رہا تھا۔ اس کے چلنے سے ہڈیاں چنچنے جیسی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اپنی سست چال اور ڈھیلے پن سے وہ ایسا جانور لگ رہا تھا جس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر جیسے ہی اس کی نظر ہم پر پڑی وہ ناقابل یقین تیزی سے ہماری طرف لپکا اور چند سپاہی آگے آئے اور انہوں نے کمانوں پر چڑھ کر تیر کھینچ لیے۔ وہ منتظر تھے کہ جانور موزوں حد میں آئے تو وہ اس پر اپنے تیر آزمائیں مگر ہوشیار جانور اس سے پہلے رک گیا۔ چند لمحے وہ رک کر کسمایا اور پھر رخ بدل کر دوبارہ جنگل کی طرف جانے لگا۔ مگر وہ اسی طرح بمشکل اور چنچتی آوازیں نکالتا ہوا چل رہا تھا۔ مزید عجیب بات یہ تھی کہ جب وہ بہت تیزی سے لپکا تھا تو اس کے جسم سے کوئی آواز نہیں آتی تھی۔ تیر کھینچنے سپاہیوں نے چلے واپس ڈھیلے کر دیئے اور ان میں سے ایک نے کہا۔

”کاش گونڈرا آگے آتا بہت دن ہوئے اس کا گوشت کھائے ہوئے۔“

مجھے یاد آیا کہ राजا صاحب نے اس جانور گونڈر کے بارے میں بتایا تھا۔ انہوں نے ہارن کے ساتھ ایک اور جانور کا ذکر کیا تھا جو گونڈر سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں آ رہا تھا مگر کچھ دیر بعد نہ صرف اس کی بلکہ ہارن کی زیارت بھی ہو گئی۔ مگر ہارن مردہ حالت میں تھا اور بھیڑیے سے مشابہہ لیکن اس سے خاصے بڑے یہ جانور اس کی لاش پر پلے پڑ رہے تھے۔ وہ اس کا بہت سا حصہ کھا چکے تھے اور ہم ان سے خاصے دور تھے اس لیے میں ہارن کو ٹھیک سے نہیں دیکھ سکا۔ البتہ بھیڑیے نما جانوروں کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا کیونکہ ہمیں دیکھتے

ہی وہ دوڑے دوڑے آئے۔ البتہ جب سپاہیوں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کی اور ان میں سے ایک تیر کھا کر گرا اور باقی معمولی زخمی ہوئے۔ تب وہ پلٹ کر بھاگے اور واپس جاتے ہی ہارن کی لاش پر پل پڑے جو یقیناً ان کے کئی وقت کے کھانے کے لیے کافی تھا۔

کچھ دیر بعد بہ ظاہر مردہ ہو کر گرنے والا جانور بھی اٹھ کر بھاگا تھا اسے دو تیر لگے تھے مگر یہ جان لیوا نہیں تھے، وہ بھی جاتے ہی دعوت میں شامل ہو گیا۔ نہ جانے یہ ہارن انہوں نے مار گرایا تھا یا پھر کسی وجہ سے مر گیا تھا اور ان کی ضیافت ہو گئی تھی۔ ممکن ہے ان کے پاس کھانے کے لیے ہارن نہ ہوتا تو شاید وہ اتنی آسانی سے ہماری جان نہ چھوڑتے۔ گوز کے مقابلے میں اس جانور سے سپاہی خوفزدہ ہو گئے تھے اور انہوں نے تیر اندازی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ان کے قریب آنے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ جب وہ پسپا ہوئے تو ایک سپاہی نے پسینہ پونچھتے ہوئے گوز کا گوشت کھانے والے شوقین سپاہی سے کہا۔ ”ممکن ہے اسار نے بھی بہت دنوں سے انسان کا گوشت نہیں کھایا ہو۔“

راجا عمر دراز نے اس جانور کا یہی نام بتایا تھا جب تک میں وادی کو اوپر سے دیکھتا رہا یہ مجھے اتنی بڑی اور وسیع نظر نہیں آئی تھی مگر جب میں اس میں اترا اور سر اٹھا کر دیکھا تو مجھے اس کی وسعت اور کشادگی کا احساس ہوا۔ نیچے آنے کے بعد اس کا مخالف سرانظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم شہر سے کچھ ہی دور تھے۔ اب اس کی دیواریں اور ان پر بنے ہوئے نگرانی کے مینار دکھائی دے رہے تھے۔ راجا عمر دراز نے مجھے اس کا نام شاید آرگون بتایا تھا مگر مجھے پکا علم نہیں تھا اس لیے میں نے شہر کی طرف اشارہ کیا اور نزدیک چلنے والے سپاہی سے کہا۔ ”آرگون؟“

”آرگون۔“ اس نے جواب دیا۔ وہ میرے سوالیہ انداز سے سمجھ گیا تھا۔ سپاہی مجھے گرفتار کر کے لے جا رہے تھے مگر ان کا رویہ ہنک آمیز اور خراب نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے گھبراہوا ضرور تھا مگر نہ تو دھکے دیئے تھے اور نہ ہی گالیوں سے نوازا تھا۔ حد یہ کہ تاریکی ہونے کے باوجود تیز چلنے کو نہیں کہا تھا۔ جنگل سے آگے آنے کے بعد اب ہم کیتوں اور باغات سے گزر رہے تھے۔ یہاں وادی میں بسنے والے کام کرتے تھے اور ان کی حفاظت کے لیے مسلح دستے تھے۔ یہ جگہ جنگل سے زیادہ دور نہیں تھی اور اس کا خطرہ تھا کہ جنگل سے ہارن، اسار یا گوز انسانوں پر حملہ کر سکتے تھے۔ ان سے حفاظت کے لیے مسلح سپاہی لازمی تھے۔ بیشتر کام کرنے والے جاچکے تھے اور کچھ جا رہے تھے۔ جیسے ہی ان میں سے کسی کی نظر مجھ پر پڑتی وہ رک جاتا اور جب ہم آگے نکلتے تو وہ پیچھے آتا تھا۔ شاید میرے لباس سے ان لوگوں نے اندازہ لگالیا کہ میں باہر سے آیا ہوں۔

اب راستے میں جو ملتا وہ ہمارے پیچھے چل پڑتا اور جب تک ہم قلعے کے پاس پہنچے کوئی دوڑھائی سوا فراہ ہمارے پیچھے ہجوم کی صورت میں جمع ہو چکے تھے۔ قلعے کی فصیل پر ہر دس فٹ کے بعد ایک مشعل روشن تھی۔ جب کہ گیٹ کے آس پاس اس سے کہیں زیادہ روشنی تھی۔ یہاں فصیل پر بھاری مشینی کمائیں نصب تھیں جن سے تیر بہت قوت کے ساتھ اور دور تک پھینکے جاسکتے تھے ان کے تیر بھی خاصے بھاری تھے۔ کچھ دیر میں ہم قلعے کے بڑے سے گیٹ کے سامنے تھے مضبوط لکڑی کا بنا ہوا یہ بھاری گیٹ پہیوں پر چلتا تھا ورنہ اس کا بوجھ صرف قبضے نہیں اٹھا سکتے تھے۔ پہلے برقرار رکھنے کے لیے زمین پر پتھر کا فرش ڈالا گیا تھا۔ گیٹ کا چھوٹا حصہ کھلا ہوا تھا جس سے لوگ اندر داخل ہو رہے تھے۔ ہم بھی اسی دروازے سے اندر آئے۔ اندر آتے ہی جنگل کے پاس انتظار

کرنے والا حفاظتی دستہ ہم سے الگ ہو گیا اور ایک طرف موجود بیرک نما عمارت کی طرف چلا گیا۔* میں ان ہی نصف درجن سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھا۔

فصیل اور شہر کے درمیان ایک بڑا میدان تھا اور اس کے بعد شہر کا آغاز ہو گیا۔ شہر کی سڑکوں سے گزرتے ہوئے میں نے اسے دیا ہی پایا جیسا راجا عمر دراز نے بیان کیا تھا۔ صاف ستھرا اور منظم انداز میں آباد اس شہر میں مکان چھوٹے بڑے ضرورت تھے لیکن سب مضبوط اور صفائی سے بنے ہوئے تھے۔ بیشتر مکان اور عمارتیں چمکے اینٹوں سے بنی تھیں۔ البتہ محلات اور سرکاری و شاہی عمارت پتھروں سے بنی تھیں۔ اسی طرح لوگوں کا لباس ایک جیسا تھا سب نے لمبے سے کرتہ نما لباس پہن رکھے تھے جن کی کمروں پر پنکا باندھ کر ان کا ڈھیلا پن قابو میں کیا تھا۔ لباس بنا بھی ایک جیسے میٹرل سے تھا یعنی اظہار امارت کا ذریعہ لباس نہیں تھا۔ اسی طرح سب پیدل چل رہے تھے اوپر کسی کے پاس کوئی سواری نہیں تھی۔ نیل گاڑیاں تھیں جن میں گائے سے ملتا جلتا جانور استعمال کیا جا تھا مگر وہ صرف بار برداری کے لیے مخصوص تھیں۔ شہر میں روشنی کے لیے جگہ جگہ لکڑی کے کھمبوں پر مشعلیں روش تھیں۔ کسی خاص روغن سے جلنے والی آن مشعلوں کی روشنی خاصی تیز تھی۔

شہر منظم انداز میں بسایا ہوا تھا۔ سڑکیں اور گلیاں صاف ستھری اور پختہ تھیں۔ یہاں سیوریج کا نظام یقیناً زیر زمین تھا کیونکہ مجھے کہیں بھی پانی بہتا نظر نہیں آیا۔ پہلے غریب طبقے کی آبادی تھی۔ اس کے بعد متوسط طبقہ آبادی آئی اور آخر میں طبقہ امرا کے محلات شروع ہو گئے۔ اگرچہ یہ ہمارے معیار سے خاص بڑے نہیں تھے اس وادی کے لحاظ سے یقیناً خاصے بڑے تھے۔ امرا کے محلات کے بعد شاہی محل اور اس سے ملحق دفاتر کا سلسلہ شروع ہوا۔ شہر کی تمام اہم سرکاری عمارات اور ادارے اسی علاقے میں تھے۔ لوگوں کا جوہوم شہر کے باہر۔ ساتھ آیا تھا اب تک ہمارے پیچھے تھا۔ جب ہم سرکاری و شاہی علاقے میں داخل ہوئے تو یہاں کسی قدر مختلف دردیوں میں شاہی محافظ تعینات تھے۔ انہوں نے عام لوگوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ شاید یہاں بلا اجازت کسی کو آنے نہیں دیا جاتا تھا جیسا کہ ساری دنیا میں رواج ہے۔

میرا خیال تھا کہ مجھے ریٹات کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ شہر میں آمد سے ہی ثابت ہو گیا تھا کہ ریٹات کا قیدی بن گیا ہوں۔ برف والے کی باتوں سے مجھے لگا تھا کہ اسے ریٹات اور سامیرا کی لڑائی سے ذرا دلچسپی اس بات سے تھی کہ وادی کا نظام برقرار رہے۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر لڑائی ہوئی تو وادی تباہ ہو جائے گا۔ ریٹات تک کسی طرح ہماری آمد کی اطلاع پہنچی تھی اور اس نے اپنے آدمی روانہ کیے تھے۔ وہ اوپر سے آئے۔ والوں کو دیکھنے کے لیے بیتاب ہو گا اسی لیے میرا خیال تھا کہ مجھے ریٹات کے حضور پیش کیا جائے گا مگر اس بجائے مجھے ایک عمارت میں لایا گیا جو اپنے انداز سے ہی قید خانہ لگ رہی تھی اور یہاں مجھے عمارت کے منتظم حوالے کر دیا گیا۔ دستے کے سربراہ نے کہا۔ ”یہ اس وقت تک آپ کے پاس ہے جب تک اسے طلب نہ جائے۔“

منتظم ایک جوان آدمی تھا۔ لمبا تڑنگا اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ”یہ کیوں اور اسے کیوں پکڑا ہے؟“

”یہ اوپر سے آیا ہے، آج ہمیں شاہی دفتر سے حکم ملا کہ اوپر جائیں اور وہاں جو ملے اسے گرفتار کر

نیچے لے آئیں اور قید کر دیں۔ اسے یہاں چھوڑ کر پھر میں شاہی دفتر میں اطلاع کروں گا۔“

”ٹھیک ہے، اس کا کوئی سامان ہے؟“

”اس کے پاس سے کچھ نہیں ملا۔“

منتظم نے میرا جائزہ لیا۔ ”اس نے عجیب طرح کا لباس پہنا ہوا ہے۔“

”اس وادی سے باہر سے آنے والے ایسا ہی لباس پہنتے ہیں جناب۔“ سربراہ نے جواب دیا۔ ”اب

مجھے اجازت دیں۔“

منتظم نے سر ہلایا۔ مجھے لانے والے سپاہی چلے گئے اور منتظم نے تالی بجائی۔ فوراً ہی دو سپاہی اندر آئے

اور منتظم نے میری طرف اشارہ کر کے انہیں حکم دیا۔ ”اسے بند کر دو۔ خیال رہے یہ شاہی قیدی ہے۔“



سپاہی مجھے عمارت کے ایک حصے میں لائے اور یہاں دو قطاروں میں بنے کمروں میں سے ایک کمرے کا

دروازہ کھول کر اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں اندر داخل ہوا تو عقب میں دروازہ بند ہو گیا۔ منتظم نے مجھے شاہی

قیدی قرار دیا تھا اس لیے مجھے شاید یہاں کا سب سے اچھا کمرہ دیا گیا تھا۔ اس میں ایک عدد لکڑی کا بستر بھی تھا۔

لکڑی کی بنی ایک چھوٹی سی میز پر مٹی کا بنا ہوا جگ اور مٹی کا ہی گلاس بھی تھا۔ اس میں پانی تھا اور میں نے ایک

گلاس پانی پیا۔ اتنے طویل سفر کے بعد بھوک لگنا لازمی تھی مگر یہاں فی الحال کھانے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

نیچے آتے ہی مجھے گرمی لگنے لگی تھی مگر مسئلہ یہ تھا کہ میرے پاس نیہی کپڑے تھے اور انہیں اتار نہیں سکتا تھا۔ عقب

میں روشن دان تھا اور اس سے تازہ ہوا اندر آرہی تھی۔ یہ بھی غنیمت تھا اور نہ شاید مجھے کپڑے اتارنے ہی پڑتے۔

بیڈ پر کسی قدر نرم گدا تھا۔ میں نے جوتے اتارے اور بستر پر لیٹ گیا۔

بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ برف والے نے مجھے دھوکا دیا اور نہتا کر کے ریٹائٹ کے حوالے کر دیا جسے خود

اس نے سفاک حکمران قرار دیا تھا۔ مگر میں اپنے اندر اس کے خلاف کوئی جذبہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ مگر اس کا

مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بالکل مطمئن تھا بلکہ مجھے ریٹائٹ کی طرف سے تشویش تھی کہ آخر اسے مجھ سے کیا پُر خاش

تھی جو اس نے خاص دستہ بھیج کر مجھے گرفتار کیا تھا۔ برف والا اس دستے کی آمد سے باخبر تھا اور شاید وہ جانتا تھا

کہ ریٹائٹ مجھے کیوں بلارہا ہے۔ پھر مجھے یاد آیا جب اس نے میری کن پٹی پر اپنا انگوٹھا رکھا تو اس سے پہلے اس

نے مجھے کسی کیرٹ کا نام لے کر اسے یاد رکھنے کو کہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیرٹ کون ہو سکتا ہے اور برف والے

نے مجھے اس کا نام کیوں یاد رکھنے کو کہا تھا۔ جب ہم شہر کی حد میں داخل ہوئے تو رات ہو چکی تھی اور تاریکی مکمل

طور پر چھا گئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی سات کے آس پاس کا وقت تھا اور اس کو بھی ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔

یعنی آٹھ بج چکے تھے یا بجنے والے تھے۔

جب میں شہر میں آیا تو مجھے سڑکوں اور گلیوں میں نہ تو کوئی بچہ دکھائی دیا اور نہ ہی کوئی عورت نظر آئی۔ مرد

نظر آئے تو وہ بھی سر جھکائے تیز قدموں سے اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔ اسی طرح بیل گاڑیاں بھی سڑکوں

پر آ جا رہی تھیں مگر صاف لگ رہا تھا کہ شہر سونے والا ہے۔ یہ لوگ جلد سو جانے کے عادی ہوں گے۔ ہمارے

گاؤں دیہات میں بھی لوگ جلد سو جانے کے عادی ہیں۔ کیونکہ وہاں دیر تک جگانے والی کوئی چیز نہیں ہوتی

ہے۔ اگرچہ اب ہمارے دیہاتوں میں بھی ٹی وی کیبل، انٹرنیٹ اور موبائل پہنچ گیا اور شاید کچھ عرصے بعد وہاں بھی لوگ دیر سے سونے کے عادی ہو جائیں مگر اس وادی کے لوگ کئی ہزار سال پرانے انداز میں جی رہے تھے۔ اس میں جلد سو جانے کی عادت بھی شامل تھی۔ میں لیٹا ہوا تھا کہ لکڑی کا مضبوط دروازہ کھلا اور ایک شخص لکڑی کی ٹرے اٹھائے اندر آیا۔

ٹرے میں ایک بڑا سا پیالہ اور ایک چھوٹا پیالہ تھا۔ اس نے ٹرے بستر کے کنارے رکھ دی اور مجھے اشارے سے کھانے کو کہا۔ پھر اس نے جگ اٹھا کر دیکھا اور اسے لے کر باہر نکل گیا۔ وہ پانی لینے گیا تھا۔ میں ٹرے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس میں بڑے پیالے میں کھیر نما چیز تھی اور چھوٹے پیالے میں ایک بزیال تھا۔ میں نے کھیر کو سونگھا تو اس سے چاولوں جیسی خوشبو آئی پھر چکھ کر دیکھا تو اس کا ذائقہ ہلکا سا نمکین تھا۔ میں نے لکڑی کے چچ سے ہی اسے کھا کر دیکھا اور مجھے اطمینان ہو گیا کہ یہ مکمل نباتی شے تھی۔ کھیر اچھی خاصی تھی اور اسے کھا کر میرا پیٹ بھر گیا تھا۔ پھر میں نے بزیال سونگھا اور فوراً ہی مجھے مکروہی بو محسوس ہوئی۔ یہ یقیناً کوئی نشہ آور مشروب تھا اس لیے میں نے اسے چکھنے سے بھی گریز کیا۔ عام طور سے قیدیوں کو نشہ فراہم نہیں کیا جاتا ہے لیکن شاید مجھے شاہی قیدی ہونے کے ناطے شراب بھی دی گئی تھی۔ ٹرے لانے والا کچھ دیر بعد آیا اور اس نے مشروب کو جوں کا توں پا کر سوائے نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے نفی میں سر ہلا کر اس پر واضح کیا کہ میں مشروب سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا ہوں۔ اس نے اصرار نہیں کیا اور ٹرے اٹھا کر واپس چلا گیا۔

میں بستر پر دراز ہو گیا۔ مگر کچھ دیر بعد ہی دوسرا مسئلہ شروع ہوا اور مجھے دروازہ بجانا پڑا۔ میں کچھ دیر لیے برداشت کر سکتا تھا مگر ساری رات گزارنا مشکل تھا۔ وہی شخص آیا جو ٹرے لایا تھا اور میں نے اسے پیٹ ہاتھ رکھ کر اپنی حاجت سے آگاہ کیا اور وہ مجھے کمرے سے نکال کر واش روم کے لیے مخصوص حصے تک لایا۔ مجھ حیرت ہوئی جب میں نے وہاں جدید ڈبیلوسی سسٹم موجود پایا۔ جس میں پانی بہانے کا بندوبست بھی تھا۔ حدیہ وہاں لوٹا بھی تھا۔ اگرچہ اس کی ٹونٹی اتنی بڑی نہیں تھی جیسی ہمارے لوٹے کی ہوتی ہے، مگر مناسب تھی۔ واش روم میں بدبو کے بجائے ایک الگ مہک تھی شاید یہاں صفائی کے لیے کچھ ڈالا جاتا ہوگا۔ مٹی سے بنے پائپ۔ پانی آ رہا تھا اور پانی روکنے کے لیے کارک نما لکڑی سے بنا ہوا اسٹاپر تھا جو رسی سے منسلک تھا اسے نکالنا اور اُڑا سان کام تھا۔ میں نے خاصی دیر لگائی اور کوشش کی کہ مجھے جلد یہاں نہ آنا پڑے۔ واپس کمرے میں آ کر طبیعت ہشاش بشاش تھی۔

بہت ساری پریشانیوں اور سوالات کے باوجود میں زیادہ پریشان نہیں تھا اس لیے مجھے جلد نیند آگئی بہت دنوں کی مسلسل تھکن اور سفر کی وجہ سے بے آرامی کے بعد مجھے اس رات بہت اچھی نیند آئی اور میں تقریباً ساری رات سوتا رہا۔ جب آنکھ کھلی تو باہر ہلکی سی تاریکی تھی یعنی صبح ہونے والی تھی۔ میرا ذہن ہلکا اور جسم جیسے سا والی کیفیت میں تھا میں اٹھ کر فرش سے تقریباً سات فٹ اونچے روشن دان تک آیا۔ میں نے دونوں ہاتھ اس کناروں پر جما کر خود کو اوپر اٹھایا اور بہت تازہ ہوا میں گہری سانس لینے لگا۔ ایسی ہوا میں نے کہیں محسوس نہیں تھی۔ شہروں اور آبادیوں سے بہت دور ایسے ویرانوں میں بھی ہوا میں وہ تازگی نہیں ہوتی جو اس ہوا میں ہوتی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دنیا ابھی ابھی وجود میں آئی ہو۔ میرے ذہن کی بہت معمولی سی کسل مندی بھی اتر

نے چوس لی اور میں چاک و چوبند ہو گیا۔ یہاں سے آسمان کا کچھ حصہ نظر آ رہا تھا اور یہ آسمان نہیں بلکہ اوپر چھائی دھند تھی۔ جب میرے بازو تھک گئے تو میں پلٹ کر واپس بستر کی طرف آیا۔

باہر روشنی تیز ہو رہی تھی۔ مجھے اپنے صیادوں کی طرف سے کسی ردِ عمل کا انتظار تھا اور مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ رات کھانا لانے والا صبح بھی ناشتہ لایا اور ناشتے میں وہی کھیر نمادلیہ اور اس کے ساتھ چائے نما مشروب تھا۔ اس کی مہک چائے جیسی تھی لیکن ذائقہ ذرا مختلف تھا۔ ٹرے لانے والے نے مجھے اشاروں سے سمجھایا کہ میں جلد ناشتہ کر لوں کیونکہ قید خانے کا منتظم میرا منتظر تھا۔ اگر منتظم میرا منتظر تھا تو یہ اس کا مسئلہ تھا اس لیے میں نے اطمینان سے ناشتہ کیا اور کھیر نمادلیہ اس وقت ہلکا سا میٹھا تھا۔ گویا یہ لوگ بھی اس بات کے قائل تھے کہ ناشتے میں کچھ میٹھا ہونا چاہیے۔ میں مقامی چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ ٹرے والا آ گیا۔ مگر اس بار وہ اشارے کرنے کے بجائے اس وقت تک کھڑا رہا جب تک میں نے چائے ختم نہیں کر لی۔ اس نے ٹرے اٹھائی اور مجھے لے کر وہاں سے نکلا۔ منتظم کے دفتر میں وہ موجود تھا اور اس کے ساتھ کسی قدر فاخرانہ لباس میں ایک جوان العمر اور دلکش شخص بھی موجود تھا۔ اس نے وہی مقامی طرز کا لباس کرتا تھا لیکن وہاں سے پہنا ہوا تھا مگر یہ سرخی مائل زعفرانی رنگ کا تھا اور اس پر اس نے سرخ رنگ کا پنکا باندھ رکھا تھا۔ اس کے لمبے گھنگریالے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور اس کے گلے میں سیاہ مونے موتیوں کی مالا تھی۔ وہ منتظم سے بات کر رہا تھا اس نے ایک اچھٹی نظر مجھ پر ڈالی اور منتظم سے پوچھا۔

”اسے کوئی تکلیف تو نہیں دی؟“

”نہیں جناب۔“ منتظم نے ادب سے کہا۔ ”اسے لانے والے سپاہیوں نے بتا دیا تھا کہ یہ شاہی قیدی ہے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا ہے۔“

”میں اسے لے جا رہا ہوں جلد اسے شاہِ اعظم کے سامنے پیش کرنا ہے۔“

”بالکل جناب، کیا میں اپنے سپاہی آپ کے ساتھ کروں؟“

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ منتظم نے ایک سپاہی بلوایا اور اسے حکم دیا کہ وہ مجھے باہر تک چھوڑ کر آئے۔ سپاہی نے مجھے اشارہ کیا اور میں باہر آیا۔ زعفرانی لباس والا پہلے ہی باہر نکل گیا تھا۔ باہر اس کے ساتھ چار سپاہی موجود تھے انہوں نے مجھے اپنے زرخے میں لے لیا اور ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ دن میں یہاں خاصی چہل پہل تھی اور ہر طرح کے سرکاری اور شاہی ملازم آ جا رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اعلیٰ عہدیدار اسی طرح کے سرخی مائل زعفرانی لباس میں تھے اور انہوں نے سرخ پنکے باندھ رکھے تھے گویا یہ افسران کی کوئی خاص قسم کی تھی۔ اس بار بھی میرا خیال نہیں تھا کہ مجھے ریٹائٹ کے حضور پیش کیا جائے گا اور میرا اندازہ درست ثابت ہوا جب مجھے ایک دفتر نما عمارت میں لایا گیا اور مجھے لانے والے نے ایک دروازے کے باہر چاروں سپاہیوں کو روک دیا اور مجھے لے کر اندر آیا۔ یہ ایک خوبصورت سا کمرہ تھا جس میں دینر قالین کے ساتھ ایسا فرنیچر تھا جو فرشی نشست میں کام آتا ہے۔ چھوٹی میزیں اور چھٹی تپائیاں وغیرہ تھیں۔ اس نے اپنے جوتے اتارے اور قالین پر براجمان ہوتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوا۔

”بیٹھ جاؤ شہباز۔“

میں دنگ رہ گیا۔ اپنا نام تو میں نے برف والے کو بھی نہیں بتایا تھا مجھے خیال تھا کہ وہ جانتا ہے لیکن یہ میں نے نہیں سوچا تھا کہ اس وادی کا ایک فرد میرا نام جانتا ہوگا۔ میں نے بے ساختہ پوچھا۔ ”تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟“

”مجھے برف والے نے بتایا ہے۔“ اس نے اطمینان سے کہا۔

اب مجھے خیال آیا کہ وہ میری بات سمجھ رہا تھا جب کہ میں بدستور اردو بول رہا تھا۔ ”تم میری بات سمجھ رہے ہو؟“

وہ آہستہ سے ہنسا۔ ”جب میں نے برف والے کا نام لیا تب ہی تمہیں سمجھ جانا چاہیے تھا۔“

مجھے خیال آیا کہ کہیں وہی تو کیرٹ نہیں ہے اور میں نے کہا۔ ”میں آپ کو نہیں جانتا ہوں۔“

”میرا نام رائل ہے۔“ اس نے جواب دیا تو مجھے کسی قدر مایوسی ہوئی تھی وہ کیرٹ نہیں تھا۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کیرٹ کون ہے مگر میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ یہ نام زبان پر نہ لاؤں۔ برف والے نے اہم ترین موقع پر خاص طور سے مجھے یہ نام بتا کر یاد رکھنے کو کہا تھا اور مجھے اسے اتنا عام نہیں لینا چاہیے تھا۔

”میں اب تک سمجھ نہیں سکا کہ تم نے برف والے کا حوالہ کیوں دیا ہے؟“

”تم نہیں جانتے برف والے کو؟“ اس کا لہجہ مصنوعی قہر لیے ہوئے تھا۔ ”کیا تمہیں اس نے نہیں بھیجا

ہے۔“

”میں اسی کے پاس سے لایا گیا ہوں لیکن اس نے مجھے نہیں بھیجا ہے۔“ میں نے اس بار بھی غلط بیانی سے کام لیا۔ ”ہاں میں اس کے ساتھ تھا اور پھر پتا نہیں کیا ہوا کہ میں اپنے حواس برقرار نہ رکھ سکا اور جب مجھے ہوش آیا تو میں چھ سپاہیوں کے زخموں میں تھا وہ مجھے یہاں لے آئے۔“

”تمہیں برف والے نے بھیجا ہے۔“ رائل اپنے الفاظ پر زور دے کر بولا۔ ”تم ڈرو مت، کیا تم دیکھ نہیں

رہے ہو کہ میں بھی تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔“

گچی بات ہے کہ اس کی بات نے مجھے ایک لمحے کو چکرا دیا تھا۔ اگر میری چھٹی حس خبردار نہ کرتی تو شاید میں اقرار کر لیتا کہ مجھے برف والے نے بھیجا ہے۔ مگر اس کی بے تابانی نے مجھے بتا دیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ وہ غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے ایک طرف سے پردہ ہٹا کر ایک پری اندر آئی۔ اسے آپ قدیم انداز کی روایتی پری مت سمجھ گا۔ آج کل انٹرنیٹ پر پریوں کے گیم (بچوں کے لیے) عام ہیں جنہیں آپ آن لائن بھی کھیل سکتے ہیں۔ ان میں پریوں کو نہایت جنسی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی ان کے جسمانی خدوخال اور ملبوسات (اگر انہیں لباس کہا جاسکے) ناقابل بیان ہوتے ہیں۔ یہ کچھ اسی قسم کی پری تھی اس نے سرخ رنگ کا روایتی کرتہ پہنا ہوا تھا مگر یہ کرتہ نہایت باریک کپڑے کا تھا اور جہاں اس کے بدن سے لگتا تھا نہایت تفصیل سے سب عیاں کر دیتا تھا۔ میں نے اسے ایک نظر دیکھا اور بے ساختہ لاجول پڑھی۔ وہ خاموشی سے آئی اور دوزانو پیٹھ کر اس نے تپائی سے ام الجائٹ کا بلوریں جگ اور گلاس اٹھائے۔ جب وہ دوسرے گلاس میں بھی سبز شراب ڈالنے لگی تو میں نے منع کیا۔ ”میں نہیں پیتا ہوں۔“

”تم نارس نہیں پیتے؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔ یہاں شراب کو نارس کہا جاتا تھا اور اسے پینا اتنا عام

تھا کہ میرے نہ پینے پر اس نے تعجب کا اظہار کیا تھا۔

”نہیں۔“ میں نے مختصر اور قطعی لہجے میں کہا

”اس کے لیے مت نکالو۔“ اس نے لڑکی کو حکم دیا۔ ”پھلوں کا رس لے آؤ۔“

لڑکی نے جام اس کے سامنے سونے کی طشت میں رکھا اور اٹھ کر چلی گئی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ یہ ایک عام سرکاری افسر کے ٹھات تھے۔ اس کی وجہ یہاں وسائل کی فراوانی نہیں بلکہ وسائل کو چند افراد کے لیے مخصوص کر لینا تھا۔ اب وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ ”تم اوپر سے کیسے آئے؟“

”برف والے آدمیوں سے بچنے کے لیے نیچے اترے تھے۔“

اس کے چہرے پر بے یقینی نظر آئی۔ ”یہ غلط ہے تم وادی میں اترنے آئے تھے؟“

”سب نہیں صرف چند لوگ اس مقصد کے ساتھ آئے تھے اور وہی مجھے زبردستی لائے تھے مگر برف والے آدمیوں کے حملے کے بعد میں ان کی قید سے فرار ہوا اور وادی میں اتر گیا۔“ میں نے غلط بیانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ ”پتا نہیں میں کیسے نیچے ایک راستے تک پہنچا اور پھر مجھے برف والا ملا اور اس نے بتایا کہ وہ برف والا ہے۔“

”اس نے تمہیں نیچے وادی میں جانے کو کہا؟“

”اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی بلکہ اس نے مجھے بتایا کہ وادی میں باہر سے کوئی فرد نہیں آ سکتا ہے۔“

”لیکن تم آ گئے ہو۔“ اس نے تئور بدل کر کہا۔

”ہاں لیکن اپنی مرضی سے نہیں آیا۔“ میں نے کہا۔ ”اس کی گواہی برف والا بھی دے گا۔“

لڑکی اب بلوریں جام میں پھلوں کا رس لے آئی اور میرے عین سامنے بیٹھی کہ مجھے ایک بار پھر لاحول پڑھنا پڑھی۔ وہ بلاشبہ فتنہ بدن تھی۔ اس وادی میں اب تک میرا سامنا جتنے مردوں سے ہوا میں نے ان کو مردوجہ پیانوں کے لحاظ سے حسین و جمیل پایا تھا۔ ان کے جسم قدرتی طور پر متناسب اور مضبوط تھے۔ رنگت سرخ و سفید تھی اور بالوں میں رنگت میں بھی یورپ کا رنگ نمایاں تھا۔ یعنی سرخ، بھورے اور سنہری رنگ زیادہ نظر آ رہے تھے۔ سیاہ اور سرمئی رنگ کے بال کم لوگوں کے تھے۔ عورت اب تک ایک ہی دیکھی تھی اور وہ ایسی تھی کہ سپر ماڈل بن سکتی تھی۔ وہ گئی تو رائے نے آہستہ سے کہا۔ ”شہباز مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ مگر تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ یہاں قدم رکھ کر تم کس مشکل میں پڑ گئے ہو اور میں چاہتا ہوں تم اس مشکل سے نکل جاؤ۔“

”میں کس مشکل میں پڑ گیا ہوں اور اس سے کیسے نکل سکتا ہوں۔“

”باہر سے جو فرد یہاں آتا ہے اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔“

”ایسا جان بوجھ کر آنے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، میں جان کر نہیں آیا اور اگر میں بے ہوش نہ ہوتا تو شاید واپس جا چکا ہوتا۔“

”یہ قانون پرانا ہے نئے قانون کے تحت اب باہر سے آنے والے ہر فرد کو صرف سزائے موت ملتی ہے۔“

”یعنی میرا مقدر بھی سزائے موت ہے۔“

”تم بچ سکتے ہو۔“ اس نے ذرا آگے جھک کر کہا۔ ”اگر تم میری بات مان لو تو؟“

”کون سی بات؟“

”یہاں برف والے سے زیادہ کوئی شخص معزز نہیں ہے اگر تم کہہ دو کہ تم کو برف والے نے بھیجا ہے تو تم سزائے موت سے بچ جاؤ گے۔“

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ”صرف یہ کہنے سے میں بچ جاؤں گا؟“

”میں ضمانت دیتا ہوں۔“

اس قسم کی ضمانتوں کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ بہت عرصے سے اسی دشت کی نیاحی کر رہا تھا جہاں ہر دوسرا فرد رائل جیسا مالتا تھا۔ ”صرف جان بخشی ہوگی؟“

”نہیں تم کو وادی سے باہر بھی بھیج دیا جائے گا۔“

”وہ کیسے؟“

اس نے وضاحت کی۔ ”کوئی مشکل نہیں ہے اچانک تمہاری موت کا اعلان کر دیا جائے گا اور یہ ظاہر تم دفن ہو جاؤ گے لیکن درحقیقت تم وادی سے باہر جا چکے ہو گے۔“

میرا خیال ہے اس نے میری موت کے بارے میں جو کہا تھا اس کے الفاظ میں صرف وہی سچے تھے باقی اس نے ہول سیل میں جھوٹ بولا تھا۔ میں نے سوچا اور پوچھا۔ ”اگر میں یہ بات نہ مانوں اور سچ بول دوں تو؟“

”تب تمہیں بچانا ناممکن نہیں ہوگا۔ کچھ دیر بعد تمہیں شاہ اعظم کے دربار میں پیش کیا جائے گا اور وہاں سے تمہاری موت کا حکم صادر ہوگا آج شام سے پہلے تم دنیا سے رخصت ہو چکے ہو گے۔“

ایسا بالکل ممکن تھا۔ دیکھا جائے تو میں موت کے گھبرے میں تھا اور کسی وقت بھی میرا فرشتہ اجل سے سامنا ہو سکتا تھا۔ اس لیے رائل کی بات پر یقین نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر برف والے کے حوالے سے اس نے جو بات کی تھی اس سے ہی رائل اور اس کے آقا کی نیت کی خرابی سامنے آگئی تھی۔ اگرچہ یہ ڈھکی چھپی تھی مگر مجھے امید تھا کہ وہ کھل کر سامنے آنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ میں سوچ رہا تھا اور رائل مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ مگر اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ رائل کو کس نے میری بات سمجھنے کے قابل بنایا کیا یہاں برف والے جیسی صلاحیت کسی اور شخص میں بھی تھی؟ یہ کوئی ناممکن کام نہیں تھا جو ایک شخص کر سکتا ہے وہ دوسرا بھی کر سکتا۔ رائل میں مجھے یہ صلاحیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ وہ عام سادہ دنیا دار شخص تھا جو اپنا حصہ چالاکی و مکاری سے وصول کرنے پر یقین رکھتا تھا۔ اگر یہاں ایسا کوئی فرد تھا تو لازمی طور پر وہ برف والے کے خلاف تھا اور میرا بھی ہمدرد نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے خبردار کرنے والے انداز میں کہا۔

”تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلدی فیصلہ کر لو۔“

میں نے سر آہ بھری۔ ”تم نے کوئی راستہ نہیں چھوڑا ہے۔ اب میں سوائے جھوٹ بولنے کے اور کیا کر سکتا

ہوں۔“

وہ خوش ہو گیا۔ ”تم نے بالکل درست فیصلہ کیا اور جلد اس کا نتیجہ بھی تمہارے سامنے آ جائے گا۔“

وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا اور یہ ظاہر میں وہاں اکیلا تھا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ آس پاس نگران ہوں گے۔ مگر مجھے نگرانوں کی اتنی فکر نہیں تھی جتنی اس فتنہ بدن کی تھی کہ وہ کہیں تنہائی میں یہاں نہ آجائے۔ پتا نہیں پھلوں کا رس لا جواب تھا یا اس کے ہاتھوں نے اسے لا جواب کر دیا تھا۔ میں نے بار بار مختلف قسم کی کاک ٹیل رس بھی پی

ہے لیکن جیسی کاک ٹیل یہ تھی ایسی میں نے کبھی نہیں پی۔ اس وادی کی ہر چیز ہماری دنیا سے مشابہہ ہوتے ہوئے بھی الگ سی تھی۔ جیسے ہی میں نے جام خالی کیا رائل آگیا اور اس نے کہا۔ ”اب چلو وقت قریب ہے۔“

میں کیونکہ جوتوں سمیت ہی قالین پر فروکش ہو گیا اس لیے صرف اٹھ کر باہر آ گیا۔ ہمارے باہر آتے ہی چار سپاہی ساتھ ہو گئے اور ہم اس عمارت سے بھی باہر آئے۔ اب ہم جس طرف جا رہے تھے وہ شاہی محل کا خاص حصہ لگ رہا تھا یہاں فن تعمیر اور اس میں چیزوں کا استعمال بالکل منفرد اور الگ تھا۔ کچھ دیر بعد ہم ایک عالی شان عمارت کے سامنے رکے۔ اس کی درجن سے اوپر سیڑھیوں کے بعد بہت بڑا سا برآمدہ تھا جس کی بلند چھت کا بوجھ سہارنے کے لیے پتھر کے بنے متعدد ستون موجود تھے۔ یہ تمام عمارت سفید رنگ کے پتھر سے بنی تھی جو سنگ مرمر سے مل رہا تھا۔ ہم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے اور ایک بہت بڑے دروازے سے ایک طویل راہداری میں داخل ہوئے۔ اس کے فرش پر سرخ رنگ کے دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر مصوری کے نمونے آویزاں تھے۔ کیونکہ یہ حصہ اندر تھا اس لیے روشنی کی خاطر یہاں ہر کچھ قدم کے فاصلے پر ایسی شمعیں روشن تھیں جن کے دھوئیں سے مہک سے اٹھ رہی تھی۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہر چند قدم کے بعد مسلح سپاہی بھی موجود تھے۔ تین جگہوں پر ہمیں روکا گیا تو رائل نے مخصوص اجازت نامہ دکھایا اور اسے آگے جانے کی اجازت مل گئی۔ راہداری کے آخر میں ایک عظیم الشان ہال تھا۔ جس کے وسط میں ستونوں کی تین قطاریں تھیں۔ یہاں چھت کی بلندی کم سے کم تیس فٹ ضرور تھی۔ اس کے ایک سرے پر کوئی دس فٹ اونچا چبوترہ تھا جس پر شاید خالص سونے سے بنا ہوا کرسی نمائت رکھا ہوا تھا۔ اس کے دائیں بائیں قطاروں میں کرسیاں رکھی تھیں اور یہ ریٹائٹ کا دربار تھا۔ کرسیوں پر کچھ لوگ بیٹھے تھے مگر میں نے نوٹ کیا کہ چبوترے کے پاس والی ڈراہڑی اور زیادہ خوب صورت کرسیاں خالی تھیں۔ دیواروں پر حریری پردے لہرا رہے تھے اور یہاں روشنی کا ایسا نظام تھا جو یہ ظاہر دکھائی نہیں دیتا تھا مگر یہ ہال کو مخصوص انداز میں روشن کر رہا تھا۔ فرش اور دیواروں کو جس حد تک سجایا جاسکتا تھا یہ ہال اتنا ہی سجا ہوا تھا۔ چھت سے جھنڈے لٹک رہے تھے۔ رائل مجھے لے کر چبوترے سے ذرا فاصلے پر رک گیا۔

میرا خیال تھا کہ ابھی کوئی گجر بچے گا جو شاہ اعظم کی آمد کا اعلان کرے گا۔ مگر اس کے بجائے ایک سریلی اور کوئی نسوانی آواز بلند ہوئی۔ اس میں الفاظ کے بجائے سُرتھے۔ یعنی وہ سُرتھ جو کلاسیکل گلوکار اپنے حلق سے برآمد کرتے ہیں۔ عرف عام میں اسے راگ درباری کہا جاتا ہے مگر یہاں یہ سُردوسرے مقصد کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔ آواز سنتے ہی کرسیوں پر بیٹھے درباری کھڑے ہو گئے اور تقریباً رکوع والی حالت میں چلے گئے۔ ان کے ساتھ رائل اور اس کے چاروں سپاہی بھی اسی پوزیشن میں چلے گئے۔ مگر میں سیدھا کھڑا رہا۔ مجھے خیال آیا کہ مجھے بھی جھک جانا چاہیے مگر میرا دل نہیں مانا کہ میں کسی انسان کے سامنے از خود دیوں جھکوں۔

آواز جاری تھی کہ ایک ادھیڑ عمر مگر مضبوط جسم کا شخص چند افراد کے ساتھ ایک طرف سے ہال میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی چھڑی تھی جو یقیناً حکمرانی کا نشان تھی۔ سر پر سونے کا دائرے میں بنا ہوا تاج تھا جس پر مختلف جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھی مختلف ملبوسات میں تھے۔ وہ سب اپنی اپنی کرسیوں کے پاس رکتے ہوئے رکوع والی پوزیشن میں جاتے رہے اور جب تاج پوش شاہانہ انداز میں چلتا ہوا ہال کے

سرے پر واقع چبوترے تک پہنچا اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنے تخت طاؤس پر جا بیٹھا تو باقی سب بھی اپنی کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔ اس نے ایک نظر پورے ہال پر ڈالی اور پھر اس کی تمام تر توجہ مجھ پر مبذول ہو گئی۔ اس کی آنکھیں سرد اور بے تاثیر تھیں۔ میں نے ایک بارٹی وی پر شارک سے متعلق پروگرام دیکھا تھا اور اس میں شارک کی آنکھیں کچھ اسی طرح کی تھیں۔ اگرچہ اس کی آنکھیں ابھری ہوئی نہیں تھیں مگر ان میں سرد مہری اور سفاکی شارک جیسی تھی۔ وہ یقیناً نیکاٹ کا پیار ریٹا تھا۔

میں اب تک سمجھنے سے قاصر تھا کہ برف والے نے مجھے یہاں کیوں بھیجا تھا اور اسے یہ توقع کیوں تھی کہ میں اس وادی میں متحارب فریقوں کی جنگ میں کوئی کردار ادا کر سکوں گا۔ اگر میں کوئی کردار ادا بھی کرتا تو وہ کم سے کم اس شخص کے لیے ہرگز نہیں ہوتا جس سے مجھے پہلی نظر میں چڑ ہو گئی تھی۔ مجھے لگا کہ مرشد یا ڈیوڈ شا جیسا ایک اور کردار میرے سامنے آ گیا ہے۔ ایک ایسا شخص جس کا کوئی ذاتی کردار نہیں تھا اور وہ صرف قوت کے بل بوتے پر خود کو دوسروں سے برتر سمجھتا ہو۔ اس نے میری طرف ہاتھ دراز کیا اور حقارت آمیز لہجے میں بولا۔ ”تم نے مجھے تعظیم نہیں دی۔“

”کیونکہ میں شاہ اعظم کی رعایا میں سے نہیں ہوں۔ میں وادی کا فرد بھی نہیں ہوں۔“ میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ یہ اطمینان صرف ظاہری نہیں تھا۔ بلکہ میں اندر سے بھی پوری طرح مطمئن تھا۔ نہ جانے کیوں یہ شخص مجھے کسی جابر حکمران سے زیادہ مسخرہ لگا تھا جو شاہ اعظم بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی براہ راست میری بات سمجھ سکے گا مگر وہ نہیں سمجھا تھا اور رائل نے ذرا آگے آ کر میری بات کا ترجمہ کیا۔ اگرچہ اس کا ترجمہ بھی مجھے اردو میں سنائی دے رہا تھا۔ ریٹا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کڑک کر کہا۔

”اس وادی میں رہنے والا ہر فرد میری رعایا میں شامل ہے۔“

میں نے ظاہری ادب سے کہا۔ ”میں بتا چکا ہوں کہ میں وادی سے تعلق نہیں رکھتا۔“

رائل کے ترجمے نے ریٹا کے غصے میں اضافہ کیا تھا اور میں اس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس نے آواز میں مزید گرج شامل کی۔ ”یہاں باہر سے آنے والے ہر فرد کی سزا موت ہے۔“

”میں واقف ہوں لیکن میں خود نہیں آیا بلکہ شاہ اعظم کے سپاہی مجھے گرفتار کر کے لائے ہیں۔“

”جب تمہیں گرفتار کیا گیا تب تم وادی میں تھے۔“ ریٹا سے حقارت سے کہا۔

”مجھے تسلیم ہے لیکن وادی میں بھی مجھے برفانی آدمیوں نے آنے پر مجبور کیا ورنہ میرا وادی میں آنے کا

کوئی ارادہ نہیں تھا۔“

”تم سزائے موت کے مستحق ہو چکے ہو۔“ ریٹا نے فیصلہ لہجے میں کہا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہو رہا تھا وہ ایک مسخرہ شخص تھا جو غصے میں آ کر اپنا اصل منصوبہ بھول گیا تھا اور مجھے سزائے موت سنانے جا رہا تھا۔ رائل نے بردقت کھنکار کر کہا۔

”آپ بجا فرما رہے ہیں شاہ اعظم، لیکن آپ کی انصاف پروری کا تقاضہ ہے کہ اس سے حجت اتمام کر

لیں۔ یہ پوری طرح اپنے جرم کا اقبال کرے تب اسے سزائے موت دی جائے۔“

رائل نے نہایت ہوشیاری سے اسے یاد دلایا کہ حضور اپنے پلاٹ سے ہٹ رہے ہیں۔ وہ جلدی سے سنبھل گیا اور اس کا اظہار اس کے تاثرات سے بھی ہو رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ”اچھا ہوا کہ میں نے تمہیں سزا نہیں سنائی ورنہ موت اسی وقت تمہارا مقدر بن جاتی، تمہارے پاس اپنی صفائی میں کتنے کو کچھ ہے؟“

رائل میری طرف گھوما اور اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ”اگر تم اپنی صفائی پیش کر سکو تو شاہ اعظم کو رحم دل بھی پاؤ گے۔“

”دوسری صورت میں تمہارے لیے سزائے موت ہی ہوگی۔“ ریٹاٹ نے اصل بات کہہ دی۔ لفظ دوسری کی جگہ بہر کر لیا جائے تو اس کے حقیقی عزائم کی عکاسی ہو جاتی۔ میں جواب میں خاموش رہا اور جب خاموشی کا یہ وقفہ کچھ زیادہ طول پکڑ گیا تھا تو رائل نے ذہنی آمیز لہجے میں کہا۔

”لگتا ہے تمہارے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ نہیں ہے۔ کیا تم مزید اس دنیا میں رہنا نہیں چاہتے؟“

”کون بھری جوانی میں مرنا چاہتا ہے لیکن بد قسمتی سے میرے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو جو کچھ ہے وہ میں بتا چکا ہوں۔“

رائل کا منہ ایک لمحے کو کھلا رہ گیا۔ غالباً اسے مجھ سے اس جواب کی توقع نہیں تھی اور جب وہ مجھے کمرے میں چھوڑ کر کہیں گیا تھا تو اس نے یقیناً ریٹاٹ کو یہی اطلاع دی ہوگی کہ مرغا پھنس گیا اور وہ اپنے دربار کی پالی سجا لے تاکہ مجھے ٹھیک سے حلال کر سکے۔ مگر مرنے نے عین موقع پر پالی میں اترنے سے انکار کر دیا۔ رائل نے جلدی سے کہا۔

”تم نے مجھے برف والے کے بارے میں کچھ بتایا تھا۔“

”میں نے تمہیں برف والے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔“ میں نے اطمینان سے اسے جھٹلایا۔

”تمہیں بھی یہی بتایا تھا جو ابھی کہہ رہا ہوں۔“

درباری غالباً حیران تھے کہ میں ان کی زبان جانتا تھا یعنی سمجھ رہا تھا مگر جواب اپنی زبان میں دے رہا تھا اور زیادہ حیرانی اس پر ہوتی کہ رائل میری زبان سمجھ رہا تھا اور مجھ سے اپنی زبان میں بات کر رہا تھا۔ غالباً انہیں اس چکر کا علم نہیں تھا جو برف والے نے میرے ساتھ اور کسی اور فرد نے رائل کے ساتھ چلایا ہوا تھا۔ رائل کی مجبوری یہ تھی کہ وہ مجھ سے اپنی زبان میں بات نہیں کہلواسکتا تھا اور وہ یا ریٹاٹ جو کہہ رہے تھے وہ سب سن رہے تھے۔ ان کا پلان جو یقیناً برف والے کے خلاف تھا میرے انکار سے چوٹ ہو گیا تھا اور اب وہ یہی کر سکتے تھے کہ اس کا بدلہ مجھ سے لیں اور ریٹاٹ نے یہی کیا اس نے غضب ناک ہو کر کہا۔ ”یعنی تم اقرار کرتے ہو کہ تم اس وادی میں داخل ہوئے جب کہ تمہیں اس کا حق نہیں تھا۔“

”شاہ اعظم جو چاہیں سمجھیں میں اپنی صفائی پیش کر چکا ہوں۔“

میرے جواب سے زیادہ لہجے نے اسے بے قابو کر دیا۔ ”اسے آج ہی پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے۔“

اس کے الفاظ نے ہال میں سنسنی کی لہر دوڑادی تھی کیونکہ فوراً ہی چوہترے کے سب سے نزدیک رکھی زرنگار کرسی سے ایک معمر شخص نے اٹھ کر کہا۔ ”شاہ اعظم اس کی سزا یقیناً موت ہے لیکن یہ سزا صرف مہا پجاری دے سکتا ہے۔“

ریناٹ نے اتنی ہی غضب ناک نظروں سے اس بوڑھے شخص کو دیکھا جو یقیناً کسی اعلیٰ سرکاری منصب پر فائز تھا۔ اس نے کہا۔ ”وزیر اعظم سر بان کیا تم اس شخص کی حمایت کر رہے ہو۔“

”نہیں شاہ اعظم آپ نے میرے پہلے جملے پر غور نہیں فرمایا۔ میں نے کہا ہے کہ اسے سزائے موت دینے کا حق مہا پجاری کا ہے اور وہ یقیناً اسے سزائے موت ہی سنائے گا۔“

مگر ریناٹ کی آتش غضب اس حد تک بھڑک چکی تھی کہ اس نے اپنے وزیر اعظم کے توجہ دلاؤ نوٹس کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا اور بولا۔ ”اسے لے جاؤ اور آج کا سورج غروب ہو تو یہ زندہ نہ ہو۔“

وزیر اعظم سر بان کے چہرے پر تشویش نظر آئی تھی۔ وہ صورت سے ہی دانش مند اور مخلص آدمی لگ رہا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر مہا پجاری کے اختیارات میں مداخلت کی گئی تو نتیجہ زیادہ اچھا نہیں نکلے گا اس لیے جب سپاہی مجھے گھیر کر لے جا رہے تھے تو وہ سیڑھی چڑھ کر اوپر جا رہا تھا اور پھر اس نے ریناٹ کے کان میں کچھ کہنا شروع کیا تھا میں اس سے زیادہ نہیں دیکھ سکا کیونکہ درمیان میں اب لہراتے پر دے حائل ہو گئے تھے۔ جب تک میں دربار میں اور ریناٹ کے سامنے رہا میرے جذبات دوسرے تھے مگر وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو مجھے پہلی بار اپنی فکر پڑی اور میں نے سوچا کہ میں نے کہیں برف والے پر کچھ زیادہ ہی اعتبار تو نہیں کر لیا مگر فوراً میرے اندر سے کسی نے نفی کی۔ میں نے برف والے پر نہیں بلکہ اس کائنات کے خالق اور مالک پر اعتبار کیا تھا جس کے قبضہ قدرت میں میری ایک ایک سانس ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں پھر سے پُر سکون ہو گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ رائل میرے پیچھے آئے گا اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے باہر لانے والے سپاہی سیڑھیوں کے پاس رک گئے اور کچھ دیر بعد رائل اندر سے برآمد ہوا اس کا غصے سے برا حال تھا اس نے آتے ہی کہا۔

”حق آدمی کیا تم مرنا چاہتے ہو تمہیں زندگی سے پیار نہیں ہے؟“

”کیوں نہیں ہے۔“ میں نے اطمینان سے کہا۔ ”مگر میں بے وقوف بن کر نہیں مرنا چاہتا۔“

وہ مجھے گھورنے لگا۔ ”کیا مطلب؟“

”کیا میں ان کے سامنے سب کہہ دوں؟“ میں نے سپاہیوں کی طرف دیکھا۔

”ان کی فکر مت کرو، سمجھ لو یہ گوئے بہرے ہیں۔“

”مطلب صاف ہے اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ میں برف والے کے بارے میں جھوٹ بولتا تب بھی

مجھے سزائے موت نہیں ملتی۔ اگر تم یا شاہ ریناٹ اپنی بات سے پھر جائیں تو میں کیا کر لوں گا۔“

رائل کے خوشنما چہرے پر سفاکی اور خشونت نمودار ہونے لگی اور مجھے یوں لگا جیسے اس کے چہرے سے

نقاب اتر رہا ہو اور اس کی اصل شخصیت نمایاں ہو رہی ہو۔ ”تم نے اچھا نہیں کیا ہے شاہ اعظم کے سامنے میری

ساکھ خراب ہوئی ہے۔“

”اگر تم چاہو تو یہ ساکھ بحال ہو سکتی ہے لیکن مجھے ٹھوس ضمانت چاہیے کہ پھر مجھے سزائے موت نہیں دی

جائے گی اور مجھے وادی سے باہر جانے کی اجازت بھی ملے گی۔“

”یہ ضمانت کیسے دی جاسکتی ہے؟“

”یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ مجھے کیسے مطمئن کر سکتے ہو۔“

”اب کچھ کرنا بہت مشکل ہے شاہ اعظم تمہاری موت کا حکم صادر کر چکے ہیں۔“ اس نے مایوسی سے کہا اور سپاہیوں کو حکم دیا۔ ”اسے کڑی نگرانی میں قید خانے تک لے جاؤ۔“

سپاہیوں نے مجھے اپنے زرخے میں لے لیا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ چند گھنٹے بعد میں اسی قید خانے میں تھا جہاں میں نے رات گزاری تھی۔ مجھے اسی کمرے بند کر دیا گیا۔ سپاہیوں نے مجھے قید خانے کے منتظم کے حوالے کیا تھا۔ وہ خود مجھے لے کر کمرے تک آیا اور جب بند کرنے لگا تو اس نے اشارے سے پوچھا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے لباس کی ضرورت ہے۔ یہ لباس یہاں کے موسم کے لحاظ سے بہت گرم تھا۔ وہ سر ہلاتا ہوا چلا گیا اور میں بستر پر دراز ہو گیا۔ یہ چند گھنٹے اس لحاظ سے حیرت انگیز تھے کہ یہاں پہلے ہی میری آمد کی توقع تھی اور ریٹائٹ کو یہ بھی علم تھا کہ میں برف والے کے پاس سے آ رہا ہوں بلکہ یہ بھی علم تھا کہ اس نے مجھے اس قابل بنادیا ہے کہ میں ان کی زبان سمجھ سکوں۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ ان تک یہ سب کیسے پہنچا۔ کیا برف والے کے آس پاس ان کا کوئی مخبر تھا۔

دوسرا جھٹکا مجھے یہ جان کر لگا کہ یہاں برف والے کی مخالفت موجود تھی اور میری مدد سے اسے پھسانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ میری معلومات کے مطابق برف والا نیچے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا تھا اور جب میں اس کے پاس تھا تب بھی میں نے اس کی باتوں سے ایسا کوئی تاثر نہیں لیا کہ وہ نیچے والوں کے درمیان جاری تنازعے میں کوئی ذاتی کردار ادا کرنا چاہتا ہے۔ ہاں اس نے یہ ضرور چاہا تھا کہ میں نیچے جاؤں اور وادی میں جاری تنازعے کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کروں اور شاید اسی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے یوں مجھے نیچے پہنچانے کا بندوبست کیا تھا۔ اس کے باوجود یہاں اس کے خلاف سازش جاری تھی۔ شاید ریٹائٹ اینڈ کمپنی کو خطرہ تھا کہ کہیں برف والا سامیرا کے گروپ کی حمایت نہ کر دے۔ اس لیے انہوں نے سرے سے اس خطرے کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور پہلے مرحلے میں وہ میری مدد سے برف والے کے خلاف ایک اسٹیج تیار کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے مرحلے میں وہ اسے عدالت یا کسی جرگے کے سامنے کھینچ لیتے اور اسے ریٹائٹ کی من پسند سزا سنادی جاتی۔ برف والا روحانی لحاظ سے کتابت ہی طاقتور تھے لیکن بہر حال وہ پوری ریاست کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔



اب میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ برف والے نے مجھے ریٹائٹ کے پاس بھیج کر غلطی کی تھی اس کے بجائے وہ سامیرا کے پاس بھیج دیتا تو میں یقیناً اس کے کام آ سکتا تھا۔ مگر شاید نظام قائم رکھنے کی خواہش نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ مجھے ریٹائٹ کے پاس بھیجے تاکہ میں اس کی طرف سے دوسرے گروپ کے خلاف کچھ کروں۔ یہاں آنے کے بعد میں نے جو دیکھا تھا میں کسی صورت ریٹائٹ جیسے آدمی کے لیے کام نہیں کر سکتا تھا۔ اگر یہ بات برف والا سمجھتا تھا تب اس نے مجھے بیکار میں یہاں بھیجا تھا اور دیکھا جائے تو میری جان کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ ریٹائٹ مجھے سزائے موت سنا چکا تھا۔ دروازہ کھلا تو میں چونکا۔ آنے والا قید خانے کا ملازم تھا جو کھانا بھی لاتا تھا اس وقت وہ میرے لیے لباس لایا تھا۔ اس نے سلیقے سے تہ پہنایا اور لباس بستر پر رکھ دیا اور اشارے سے بولا کہ میں کپڑے بدل لوں۔

میں نے سوائے سوتی پاجامے اور آدمی آستین کی سوتی بنیان کے سب اتار دیا اور پھر اس پر کمر بنایا۔

لیا۔ اس کے بازو بظلوں سے کھلے ہوئے تھے اور یہ کہنیوں تک جا رہے تھے۔ اوپر سے نیچے تک یہ ایک جیسا سا سبز رکھتا تھا اور اس کے ڈھیلے پن کو قابو رکھنے کے لیے پٹکا لازمی تھا۔ یہ چوڑی سی بیلٹ تھی جسے کمر سے باندھا جاسکتا تھا۔ اس کے تسمے دائیں طرف لگے تھے۔ اسے پہن کر مجھے عجیب سا لگا تھا مگر یہ لباس آرام دہ اور گرم موسم کی مناسبت سے تھا۔ خادم کچھ دیر بعد آیا اور اس بار وہ میرے لیے مقامی طرز کے جوتے بھی لایا تھا مگر میں نے اسے منع کر دیا اور جب وہ میرا اتار لباس اٹھانے لگا تو میں نے پھر منع کر دیا اور اسے اشارے سے بتایا کہ میں واش روم جانا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے واش روم تک لے آیا۔ میں نے فارغ ہو کر اچھی طرح منہ ہاتھ دھویا۔ موقع نہیں تھا مگر جہاں تک ہو سکا بال بھی پانی سے صاف کر لیے۔

خادم مجھے واپس چھوڑ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ لوگ فطرت میں سادہ تھے۔ ورنہ ہماری دنیا میں قیدیوں پر اتنا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے اور ان کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے جب کہ یہاں مجھے سوائے اس خادم کے اور کوئی نظر نہیں آیا تھا اور وہ بھی مجھے سپاہی نہیں لگا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ میرے لیے مشروب لے آیا یہ کوئی سوپ نما چیز تھی مگر گرم نہیں تھی اور اس میں ہلکے سے کسی سبزی کے ٹکڑے بھی تیر رہے تھے۔ میں نے کچھ کر دیکھا تو اس کا ذائقہ اچھا لگا۔ یہ شاید یہاں کا لُچ تھا اس لیے میں نے پورا پیالہ پی لیا۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں فرار کی کوشش کروں تو شاید مجھے اتنی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ یہ عمارت ساخت کے لحاظ سے قید خانہ ضرور تھی، یعنی مضبوط اور آنے جانے کے راستے محدود تھے مگر یہاں پہرے کا خاص انتظام نہیں تھا صرف مرکزی دروازے پر دوسلخ سپاہی تھے اور ایک دو ہی مجھے اندر نظر آئے تھے۔

شاید ان لوگوں کو اطمینان تھا کہ اگر کوئی قید خانے سے فرار ہو بھی گیا تو وہ اس شہر سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔ میں نے فیصل پر سخت پہرہ دیکھا تھا اور اس پر ہر چند گز کے بعد ایک سپاہی نظر آ رہا تھا۔ شہر سے باہر آنے جانے والوں کی بھی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ میں کوشش کر کے یہاں سے نکل سکتا تھا اور فیصل کے دوسری طرف جانا بھی اتنا مسئلہ نہیں تھا۔ برف والے نے مجھے یہاں متحرک کر دیا اور کرنے کے لیے بھیجا تھا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کے لیے نہیں۔ اگر میں ایسا کرتا تو یہ میری بے وقوفی بھی ہو سکتی تھی۔ میں الجھن میں پڑ گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے فرار سے کوئی مشکل کھڑی ہو جائے اور برف والے نے جیسا چاہا ہو دیا نہ ہو۔ مگر کسی قدر غور و فکر کے بعد میں نے حرکت میں آنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرا لباس مقامی ہو گیا تھا اور بڑھ جانے والے بال بھی اب الگ سے نہیں لگ رہے تھے۔ پیروں میں جدید ترین جوگز تھے مگر یہ لمبے کرتے میں اتنے نمایاں نہیں ہوتے۔

یہاں سے نکلنے کا فیصلہ کر کے میں نے اٹھ کر دروازہ بجایا اور دیوار سے لگ گیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور بستر خالی دیکھ کر تیزی سے اندر آیا تھا کہ میں نے اس کی گردن اپنے بازو میں دبوجی لی اور دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا کہ وہ آواز نہ نکال سکے۔ وہ متوسط جسامت کا جوان آدمی تھا اور یقیناً طاقتور تھا مگر میری مہارت کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ گردن کے نازک حصے پر دباؤ نے اسے جلد شکست تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ دو منٹ میں میرے ہاتھوں میں جھول گیا۔ میں نے اسے بستر پر لٹا دیا۔ میں نے احتیاط کی تھی کہ اس کی گردن ایک حد سے زیادہ نہیں دباؤی، کیونکہ خطرہ تھا کہ اس کا سانس رک ہی نہ جائے۔ اس کی نبض دیکھی وہ سست تھی مگر باقاعدگی سے چل رہی تھی۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں باہر آیا۔ یہاں ایک راہداری میں دونوں طرف چار چار کوٹھریاں تھیں اور

اس کے آخری سرے پر واش روم تھا۔

باہر جانے کا راستہ دوسری طرف تھا۔ میں نے اس کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو مجھے ناکامی ہوئی۔ وہ باہر سے بند تھا۔ یہاں تالے نہیں ہوتے تھے میں نے کہیں تالا لگانے کی دیکھا البتہ کنڈی ہوتی تھی اور دروازہ باہر سے کنڈی کی مدد سے بند تھا۔ میں نے زور لگا کر دیکھا مگر پٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔ چند ناکام کوششوں کے بعد میں نے ہار مان لی کہ اسے کھولنا میرے بس سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ واش روم اور دوسرے کمرے موجود روشن دان اتنے بڑے نہیں تھے کہ میں ان سے نکلنے کا سوچتا۔ میں واپس کمرے میں آیا اور خادم کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگا۔ پانی چھڑکے اور منہ پر بار بار ہاتھ مارنے کے بعد وہ ہوش میں آگیا اور اس نے خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے اشاروں سے اسے سمجھایا کہ وہ میری بات کا جواب اپنی زبان میں دے میں اس کی بات سمجھ سکتا ہوں۔

میں نے اس سے پوچھا کہ یہاں سے باہر جانے کا طریقہ کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ ”میں آواز دیتا ہوں تو باہر موجود آدمی ایک چھوٹی کھڑکی کھول کر دیکھتا ہے اور اسے میں نظر آتا ہوں تو وہ دروازہ کھولتا ہے۔ اگر میں نظر نہ آؤں یا میرے ساتھ کئی اور بھی ہو تو وہ دروازہ نہیں کھولتا ہے۔“

میں نے اشارے سے پوچھا کہ کوئی چھپ کر جائے تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”وہ پوری طرح دیکھتا ہے اور راہداری میں کوئی جگہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی ہے۔“

میں مایوس ہوا کم بختوں نے بہت سادہ لیکن موثر نظام بنایا ہوا تھا۔ میں نے مزید تلی کی۔ ”اگر تمہیں ریغمال بنا کر لے جاؤں تب وہ دروازہ کھولے گا۔“

اس نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ ”میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر تم مجھے مار بھی دو تب بھی دروازہ نہیں کھلے گا۔“

وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اسے ریغمال بنانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور اسے جانے کی اجازت دی۔ وہ کسی قدر حیران ہوا لیکن پھر تیزی سے باہر نکل گیا اور اس نے دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔ اب میرے پاس دوسرا موقع یہ ہوتا کہ جب مجھے یہاں سے نکالا جاتا تب میں فرار کی کوشش کرتا۔ مگر میری اولین کوشش نے صیادوں کو ہوشیار کر دیا تھا اور جب مجھے باہر لے جانے کا وقت آیا تو وہ پوری تیاری سے آئے تھے۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور دو تیر انداز سپاہی تیر تانے ہوئے اندر آئے اور کمرے کے دونوں کونوں میں پوزیشن سنبھال لی۔ یہ اتنی تیزی سے ہوا کہ میں بستر سے اٹھ بھی نہیں سکا تھا۔ دروازے پر رائل کھڑا تھا اس نے حکم دیا۔ ”اٹلے منہ نیچے لیٹ جاؤ اور دونوں ہاتھ پشت پر کر لو۔“

”وہ کیوں؟“

”تمہیں ایک بار پھر شاہِ اعظم کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔“

”اگر میں تمہارا حکم نہ مانوں تو۔“

”تب یہ تیر انداز تمہارے پیروں کو نشانہ بنائیں گے۔“ اس نے جواب دیا۔ ”تمہیں بہر صورت شاہِ اعظم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اب تم فیصلہ کر لو کہ کیسے جاؤ گے اپنے پیروں پر چل کر یا کوئی تمہیں اٹھا کر لے

جائے۔“

ظاہر ہے میں نے پہلی صورت کو ترجیح دی اور فرش پر اوندھے منہ لیٹ کر دونوں ہاتھ پشت پر کر لیے۔ رائے کے پیچھے سے ایک سپاہی نکل کر آگے آیا اور اس نے میرے دونوں ہاتھ رسی سے باندھ دیئے اور اس کے بعد میرے دونوں پاؤں اس طرح باندھے گئے کہ درمیان میں کوئی فٹ بھری رسی موجود رہی تھی یعنی میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر چل سکتا تھا۔ مگر بھاگنا تو درکنار میں بڑے قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ جب اس سپاہی نے مجھے باندھ دیا تو ایک سپاہی اور اندر آیا اور اس نے باندھنے والے کے ساتھ مل کر مجھے اٹھا کر کھڑا کیا اور بدستور بازوؤں سے پکڑ کر چلاتے ہوئے کمرے سے باہر لائے۔ دونوں تیر انداز بھی بدستور تیر تانے ہوئے میرے پیچھے آئے تھے اور اس بار میں بالکل مختلف انداز میں ریٹائٹ کے دربار کی طرف جا رہا تھا۔ اب میں مجرم لگ رہا تھا جب کہ پہلے مجھے ملزم کی طرح لے جایا گیا تھا۔

یقیناً کوئی ایسی تبدیلی آئی تھی کہ ریٹائٹ دوبارہ مجھے اپنے دربار میں بلوانے پر مجبور ہوا تھا مگر یہ تبدیلی میرے حق میں نہیں تھی۔ شاید کسی کو مطمئن کرنے کے لیے کارروائی پھر سے ہوتی یا میری سزا میں کوئی تبدیلی کی جانی تھی۔ شاید سادہ پھانسی کے بجائے کوئی اور طریقہ اختیار کیا جاتا جس میں آدمی عبرتناک انداز موت سے ہمکنار ہوتا ہو۔ بہر حال جو بھی تھا جلد میرے سامنے آ جاتا۔ ہم دربار میں پہنچے تو مجھے اندازہ ہوا کہ آج دربار عام نہیں تھا کیونکہ دونوں طرف کرسیوں پر موجود عام درباری اس وقت موجود نہیں تھے۔ وزیر اعظم سر بان کے علاوہ وہاں صرف دو افراد اور تھے اور ان کے حلیے سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ بچاری تھے۔ ان میں سے ایک کسی قدر پستہ قد اور بھاری چہرے والا شخص تھا۔ اس کی متورم آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ بلا نوش ہے۔ دوسرا فرد جو اس کے ذرا پیچھے کھڑا تھا اس کے مقابلے میں طویل قامت اور خوش رو تھا۔ نقوش سے وہ کم عمر لگ رہا تھا مگر اس کی عمر تیس سے زیادہ ہی تھی۔ رائے نے مجھے ان کے سامنے پیش کیا اور بولا۔

”ریاست کا مجرم حاضر ہے۔“

”یہ وادی کا مجرم ہے۔“ بھاری چہرے والے نے سخت لہجے میں کہا۔ ”وادی کا مجرم اصل میں معبد کا مجرم ہوتا ہے اور اس کی قسمت کا فیصلہ صرف مہا بچاری کر سکتا ہے۔“

ریٹائٹ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے غصہ نظر آیا مگر دیر لمبے لمحے اس نے خود پر قابو پالیا اور عیاری سے بولا۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مہا بچاری، مگر میں نے اسے ذاتی توہین پر وہی سزا دی ہے جو آپ اسے وادی میں آنے کی صورت میں دیتے۔“

”اس کے باوجود یہ معبد کے معاملے میں کھلی مداخلت ہے۔“ بھاری چہرے والا بولا جو یقیناً مہا بچاری یا اس کا نمائندہ تھا۔ ”شاہ اعظم نہ بھولیں کہ اس وقت وہ بہت مشکل میں ہیں اور ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی مشکل میں اضافہ نہیں کریں گے۔“

ریٹائٹ کا چہرہ مرجھا گیا تھا اس نے کہا۔ ”کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ مہا بچاری میری عزت رکھ لیں کیونکہ میں اسے دربار عام میں موت کی سزا سنا چکا ہوں۔“

اس سے پہلے مہا بچاری کچھ کہتا اس کے عقب میں موجود خوش رو آدمی نے ذرا جھک کر اس کے کان میں

کچھ کہا اور اس نے چند لمحے سوچنے کے بعد نفی میں سر ہلایا۔ ”اگر شاہ اعظم کسی کارروائی سے پہلے معبد کو اعتبار میں لے لیتے تو شاید کوئی راستہ نکل آتا مگر اب یہ ممکن نہیں ہے۔ وادی کے مجرم کو فوری طور پر ہمارے حوالے کیا جائے تاکہ اس پر مقدمہ چلا کر اسے سزا دی جاسکے۔“

ریناٹ شاید اس کے لیے تیار نہیں تھا مگر وزیر اعظم سر بان نے جھک کر اس کے کان میں کچھ کہا اور یقیناً یہی مشورہ دیا کہ یہ وقت معبد سے انجھنے کا نہیں ہے۔ ریناٹ کو پہلے ان حریفوں پر توجہ دینی چاہیے جو اس کے اقتدار کے لیے براہ راست خطرہ ہیں۔ معبد کے پجاریوں اور برف والے سے بعد میں بھی نمٹا جاسکتا تھا۔ ریناٹ نے بادل نا خواستہ سر ہلایا اور رائل کو حکم دیا۔ ”قیدی کو مہا پجاری کے حوالے کر دیا جائے۔“

مہا پجاری کے چہرے پر جو فخرانہ تاثرات آئے تھے۔ مجھے لگا کہ وہ نہایت جاہ پسند اور اپنے اختیارات کے معاملے میں ضدی شخص تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے ریاست اور معبد میں اچھے تعلقات مشکل تھے دوسری طرف ریناٹ کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا تھا۔ مگر یہ دونوں اصل میں مفاد پرست تھے اگر ان کا مفاد ہوتا تو یہ جھکنے میں ایک لمحہ نہ لگاتے اور اگر مفاد نہ ہوتا تو آنکھیں پھیرنے میں دیر نہ کرتے۔ مگر فی الحال دونوں کی بن رہی تھی۔ یہ صورت حال میرے لیے غیر متوقع مگر میرے حق میں تھی۔ میری سزا کا فیصلہ کچھ دیر کے لیے ٹل گیا تھا۔ ریناٹ رائل کو حکم دے کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ اس دوران میں، نہیں بالکل خاموش رہا اور پھر رائل مجھے اسی حالت میں مہا پجاری اور اس کے ساتھی کے ہمراہ باہر لایا جہاں نیل گاڑیوں کے ساتھ مہا پجاری کا حفاظتی دستہ موجود تھا۔ چند ایک پجاری مزید تھے جو باہر ہی رہے تھے۔

ایسا لگ رہا تھا یہاں صرف پجاریوں کو سواری استعمال کرنے کی اجازت تھی ورنہ میں نے اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کو بھی پیدل چلتے دیکھا تھا۔ البتہ ریناٹ کا علم نہیں تھا کہ جب وہ باہر نکلتا ہوگا تو کوئی سواری استعمال کرتا ہے۔ رائل نے مجھے اسی حالت میں پجاریوں کے حوالے کر دیا اور انہوں نے مجھے ایک نیل گاڑی میں سوار کرایا۔ مجھے یاد آیا کہ معبد جو آ رنگون سے باہر تھا۔ وہاں تک جانے کے لیے ایک طویل سرنگ میں سفر کرنا پڑتا تھا اور اس سرنگ میں سفر نیل گاڑیوں کی مدد سے ہوتا تھا۔ نیل گاڑیاں شمال کی طرف روانہ ہوئیں اور کوئی دس منٹ بعد ہم سرنگ کے دہانے کے سامنے تھے۔ یہ خاصی چوڑی سرنگ تھی اور اس میں آنے جانے کے راستے الگ الگ تھے۔ یہاں رائٹ ہینڈ ڈرائیو تھی۔ مہا پجاری کا قافلہ تین نیل گاڑیوں پر مشتمل تھا اور ان پر سنہری رنگ کے پرچم نصب تھے اس لیے جہاں سے یہ گاڑیاں گزرتیں وہاں سب رک جاتے اور لوگ مہا پجاری کی نیل گاڑی کے آگے جھک جاتے تھے۔

مہا پجاری اور اس کا نائب پہلی نیل گاڑی میں تھے۔ دوسری نیل گاڑی میں عام پجاری تھے اور میں تیسری نیل گاڑی میں معبد کے سپاہیوں کے ساتھ تھا۔ مراتب کے لحاظ سے تینوں گاڑیوں میں فرق تھا۔ باہر ابھی دن تھا مگر سرنگ میں روشنی کے لیے مشعلیں جلا نا پڑ رہی تھیں اور ہر چند قدم کے بعد دیوار پر ایک مشعل لگی ہوئی تھی۔ سرنگ کوئی بیس فٹ چوڑی تھی۔ اس کی چھت کو لکڑی کے تختے لگا کر مضبوط کیا گیا تھا اور ان تختوں کو ترچھے ستون سہارا دے رہے تھے جو پتھروں کی مدد سے نصف دیوار تک میں نصب تھے۔ ہر سو گز کے بعد چھت میں سوراخ نظر آتا تھا جو یقیناً تازہ ہوا کی آمد و رفت کے لیے تھا۔ شہر اور یہ سرنگ دیکھنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ یہ بے شک

جدید میکینالوجی سے ناواقف تھے اور ان کے پاس کوئی کام کی دھات بھی نہیں تھی مگر ان کی ذہانت میں شبہ نہیں تھا کہ انہوں نے اس محدود جگہ رہتے ہوئے بھی ہر ممکن سہولت حاصل کر لی تھی۔ ورنہ ہماری دنیا میں کتنے ہی قبائل ایسے ہیں جو جدید دنیا سے واقف ہو چکے ہیں اس کے باوجود صدیوں پرانے اور بہت محدود انداز میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہوں نے ذرا بھی ترقی نہیں کی تھی۔

میرے جسم پر جو کپڑا تھا یہ کپاس یا لینن جیسے کسی ریشے کا بنا ہوا تھا اور اس کی نرمی اور صفائی ہماری اعلیٰ درجے کی لان یا کانٹن سے کم نہیں تھی۔ سردیوں میں یہ نہ جانے کون سا لباس پہنتے ہوں گے کیونکہ یہ کپڑا یقیناً سردی کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ شاید یہ جانوروں کے اون اور ان کی کھالوں سے سردیوں کے ملبوسات بناتے ہیں۔ چمڑے سے جو تے اور چمڑے بھی بہت صفائی سے تیار کرتے تھے اور میں نے یہاں لوگوں کے پیروں میں کئی طرح کے ڈیزائن کی چمڑیں اور جو تے دیکھے تھے۔ یہ لکڑی کے کام کے بھی ماہر تھے اور اپنے مکان، کچی اینٹ، پتھر اور لکڑی سے بناتے تھے۔ جب میں یہاں آ رہا تھا تو میں نے کھیتوں میں کئی طرح کی اجناس لگی دیکھی تھیں کیونکہ پودوں میں فرق تھا اسی طرح باغات میں کئی طرح کے درخت لگے ہوئے تھے۔ یہاں کے طویل موسم سرما کے پیش نظر امکان یہی تھا کہ یہاں زمین سے سال میں ایک فصل ہی حاصل کی جاسکتی ہوگی۔ مگر محدود آبادی کے سبب کم خوراک بھی ان لوگوں کو کافی تھی۔

میں نے دیکھا کہ یہاں لوگ صحت مند تھے اگرچہ شاید ہی کوئی شخص موٹا نظر آیا مگر وہ بے افراد کی تعداد بھی کم تھی اور بیشتر متناسب جسموں کے مالک تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ انہیں پوری خوراک مل رہی تھی۔ میں جس بیل گاڑی میں تھا اس میں میرے ساتھ تین سپاہی بیٹھے تھے اور چوتھا فرد جو سپاہی کی وردی میں تھا بیل گاڑی ہانک رہا تھا۔ گاڑی چلانے والے جانور بیل سے ضرور ملتے تھے مگر یہ بیل کی طرح سست نہیں تھے اور بغیر ہانکے خاصی تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے۔ میرے ساتھ بیٹھے سپاہی کچھ دیر تو خاموش رہے لیکن پھر انہوں نے دھیمی آواز میں آپس میں گفتگو شروع کر دی۔ وہ میری طرف سے مطمئن تھے کہ میں بندھا ہوا ہوں۔ اس لیے ان کا دھیان میری طرف نہیں تھا اور ان کے اسی اطمینان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے خود کو آزاد کرانے کی کوشش شروع کر دی۔ میں کلائی میں بندھی رسی کو حرکت دے کر ڈھیلا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”آج پھر خواری ہوگی۔“ ایک سپاہی نے کہا۔ ”یہ منحوس ساتھ ہے اب اس کی نگرانی کرنی ہوگی۔“

”مجھے تو آج رات نورینو سے ملنا تھا۔“ دوسرے سپاہی نے غنڈی سانس لی۔

”پتا نہیں یہ کون ہے اور مہا پجاری اسے کیوں لے جا رہے ہیں۔“ تیسرے نے کیونہ تو زنگیوں سے مجھے دیکھا۔ وہ معبد کے سپاہی تھے اور ظاہر ہے کہ بیشتر وقت آرام کرتے تھے۔ انہیں خطرہ تھا کہ میری آمد سے ان کا آرام مارا نہ جائے۔ جب وہ میری طرف دیکھتے تو میں ساکت ہو جاتا اور جب آپس میں بات کرتے تو ہاتھ کی رسی ڈھیلی کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ایک بار میرا ہاتھ کھل گیا تو پہلے میں ان سپاہیوں سے نمٹوں گا۔ ان کے پاس تیر مکان اور نیزے تھے۔ اس کے علاوہ کسی پتھر سے بنے گول اور نوکدار ہتھیار تھے جن کی لمبائی فٹ بھر تھی اور شاید انہیں خنجر کی طرح استعمال کیا جاتا ہوگا۔ سامنے سے وار کرنے کی صورت میں یہ مہلک ہتھیار ثابت ہو سکتے تھے۔ یہ ہتھیار انہوں نے دودو کر کے اپنے پگھوں میں اڑس رکھے تھے۔ مجھے اب تک ان

کے پاس کوئی دھار والا ہتھیار نظر نہیں آیا تھا۔ کیونکہ دھار والے آلات کے لیے دھات لازمی تھی اور یہ صرف سونے اور چاندی سے واقف تھے جن سے ہتھیار یا اوزار نہیں بن سکتے۔

راجا عمر دراز نے بتایا تھا کہ سرنگ کا سفر آدھے گھنٹے سے زیادہ کا نہیں تھا۔ اہرام نما معبد آرگون سے کوئی تین میل کی مسافت پر تھا یہ معبد بجائے خود ایک چھوٹا سا قلعہ تھا مگر اس کی تفصیل معبد کو چاروں طرف پائے جانے والے ہارن، اسار اور گوز سے محفوظ رکھنے کے لیے تھی۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے کوئی بیس منٹ ہونے کو آئے تھے اور میں نے مسلسل کوشش کر کے رسی کسی قدر ڈھیلی کر لی تھی مگر اب بھی اس میں سے ہاتھ نکالنا مشکل تھا۔ میں کوشش کرتا تو ہاتھ نکل آتا مگر اس میں زور لگانا پڑتا اور میں حرکت کرتا تو یہ چوکتا ہو جاتے۔ میں چاہتا تھا کہ انہیں آخری وقت تک پتہ نہ چلے۔ اس لیے رسی کو مزید ڈھیلا کرتا رہا۔ مگر عین اس وقت جب میں نے رسی اتنی ڈھیلی کر لی تھی کہ ہاتھ نکال سکوں۔ اچانک ہی سرنگ ختم ہو گئی اور ہم معبد کے احاطے میں نکل آئے۔ یہاں بے شمار لوگ تھے جو مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے۔

راستے کے دونوں طرف سبزہ زاروں میں پجاری حسین لڑکیوں کے ساتھ چہل قدمی اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ہر پجاری نے ویسا ہی سنہری رنگ کا لبادہ پہنا ہوا تھا جو ماہ پجاری اور اس کے نائب نے بھی پہن رکھا تھا۔ فرق صرف ان لبادوں پر پائے جانے والے نشانات تھے۔ جن سے پتا چلتا تھا کہ کون کس رتبے کا پجاری ہے۔ جو پجاری نہیں تھے انہوں نے سفید رنگ کے لباس پہن رکھے تھے اور ان میں لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ یہ خدام اور خادمائیں تھیں۔ یہاں بے شمار سیاہی بھی نظر آ رہے تھے۔ میں رک گیا کیونکہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں فرار کی کوشش احمقانہ حرکت ہی ہوتی میں چند منٹ میں پکڑا یا مارا جاتا۔ میں نے دیکھا معبد کے احاطے میں عام راستے بھی ان پتھروں سے بنے ہوئے تھے جن پتھروں سے آرگون میں امرا کے محلات بنے تھے۔ سبزہ زاروں کا معیار کی طرح بھی مغرب میں پائے جانے والے سبزہ زاروں سے کم نہیں تھا۔

میں نے کم سے کم وطن عزیز میں اس معیار کے سبزہ زار نہیں دیکھے۔ ان میں پھولدار پودوں کے تختے تھے۔ سلیقے سے تراشے ہوئے آرائشی درخت تھے اور جیسے شیبو کی ہوئی گھاس تھی۔ سفید پتھر اور سنہری لکڑی کی بنچیں تھیں۔ کہیں کہیں کرسیاں اور میزیں چھپروں تلے نظر آ رہی تھیں یہ شاید اعلیٰ پجاریوں کے لیے مخصوص تھیں۔ مگر یہ سب سلیقے اور نظم و ضبط سے زیادہ اس جبر کا نتیجہ تھا جو اوپر ہی طبقے نے نچلے طبقے پر نافذ کر رکھا تھا اور اس جبر کی مدد سے وہ ان سے سب کر رہے تھے۔ میں نے یہاں خادموں کے چہروں پر وہی بے رونق اور ردیوٹ جیسا تاثر دیکھا جو شہر کے لوگوں کے چہروں پر نظر آتے تھے۔ راجا عمر دراز ان لوگوں سے ملا ہوا تھا اور اس نے بتایا تھا کہ عام لوگ جذبات سے اس حد تک عاری تھے کہ وہ ہنسنا ہی نہیں جانتے تھے۔

نیل گاڑیاں پختہ راستوں سے گزرتی ہوئی اس اہرام نما عمارت کے پاس آ کر رکیں۔ نزدیک سے یہ عمارت بہت ہی بڑی اور ہیبت طاری کر دینے والی تھی۔ میں نے مصر کے اہرام کی وی اور تصویروں میں دیکھے ہیں اس لیے زندگی میں پہلی بار کوئی اہرام پاس سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ سب سے بڑا اہرام جسے خوفو کا اہرام بھی کہتے ہیں اس کی بلندی زمین سے کوئی چار سو پچاس فٹ ہے جب کہ یہ اہرام مجھے زیادہ بلند لگ رہا تھا اور اس کی بنیاد بھی زیادہ چوڑی تھی۔ یہی اہرام اصل میں معبد تھا۔ یہاں عبادت کی رسومات ادا کی جاتی تھیں اور

پجاری اجلاس کر کے اہم فیصلے کرتے ہوں گے۔ مہا پجاری اور اس کے قریبی ساتھی بھی اسی جگہ رہائش رکھتے تھے۔ دوسرے پجاریوں کی رہائش کے لیے یہاں دوسری عمارتیں بھی تھیں۔ یہاں چند ایک سپاہی تھے مگر زیادہ لوگ نظر نہیں آ رہے تھے۔ میرے خیال میں یہ موقع تھا اگر میں آزاد ہو جاتا اور کسی طرح مہا پجاری کو رنڈال بنالیتا تو میں یہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔ مہا پجاری اور اس کا نائب بیل گاڑی سے اتر آئے تھے۔ میں ہاتھ کھولنے جا رہا تھا کہ مہا پجاری نے اپنے نائب سے کہا۔ ”کیرٹ اسے اندر لے کر آؤ۔“

نیچے آنے کے بعد سے میں نے کئی بار اس شخص کے بارے میں سوچا تھا جس کا نام مجھے برف والے نے دیا تھا اور میں کسی حد تک اس کی کھوج میں بھی تھا مگر اب تک وہ مجھے نہیں ملا تھا۔ رائل کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ شاید وہی کیرٹ ہے اور کیرٹ مہا پجاری کا نائب نکلا تھا۔ اپنا نام لیے جانے پر کیرٹ نے مہا پجاری کے بجائے میری طرف دیکھا اور سر کو بہت خفیف سی جنبش دی۔ کسی دوسرے نے یہ بات نوٹ نہیں کی مگر میں نے دیکھ لیا تھا۔ میں نے اسی طرح جوابی جنبش دی۔ مہا پجاری میری طرف توجہ دیے بغیر اس چھوٹے سے سرنگ نما راستے سے اندر جا رہا تھا۔ جواہرام کے ایک طرف دیوار میں موجود تھا۔ راستے کے آغاز میں چوکور اور کسی قدر آگے نکلے ہوئی آرج تھی۔ کیرٹ نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ”اسے اندر لے کر آؤ۔“

وہ خود بھی مہا پجاری کے پیچھے چلا گیا تھا۔ اس نے وضاحت نہیں کی تھی کہ مجھے کہاں لانا تھا اس کا مطلب ہے سپاہی جانتے تھے کہ مجھے کہاں لے جانا ہے اور انہوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر مارچ شروع کر دی۔ سرنگ نما راستے میں داخل ہوئے تو یہ کچھ دور تک تو سیدھا رہا پھر اوپر جانے لگا۔ یعنی بلندی کی طرف جا رہا تھا۔ آگے جا کر یہ دو حصوں میں بٹ گیا اور مجھے بائیں طرف لے جایا گیا۔ اس بار راستہ نیچے جا رہا تھا اور ہم ایک چھوٹے ہال میں آ نکلے۔ یہاں دیوار کے ساتھ چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ جن کے آگے پتھر کے جالی والے دروازے تھے۔ ایک سپاہی نے دور دیوار پر لگا ہوا ایک لیور نیچے کھینچا تو ایک کمرے کے آگے موجود دروازہ فرش میں گھس گیا۔ مجھے جکڑے سپاہیوں نے کمرے میں دھکیل دیا اور فوراً ہی ننگی دروازہ اوپر ہو گیا۔ جب عمر دراز یہاں آیا تھا تو اسے ایک الگ عمارت میں قید کیا گیا تھا جو قید خانے کے لیے مخصوص تھی اور اسی عمارت کے نیچے تہ خانے میں ہارن والا کتواں تھا۔

مگر اب قیدیوں کو یہاں رکھا جاتا تھا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا جو اصل میں ذرا بڑے سائز کا ڈبہ تھا یہ چار فٹ لمبا اور تین فٹ چوڑا تھا جب کہ اس کی چھت چھ فٹ اونچی تھی اگر میں پورے قد سے کھڑا ہوتا تو میرا سر چھت سے ٹکراتا۔ فرش پر گھاس بچھی تھی مگر یہ بو اور سیلن سے پاک تھی اس لیے مجھے اس پر بیٹھنے ہوئے کر اہیت محسوس نہیں ہوئی۔ جب ہم اہرام میں داخل ہوئے تو شام ہو چکی تھی۔ کچھ دیر میں ماحول تاریک ہو جاتا اور اگر میرا فیصلہ اگلی صبح ہونا تھا تو تب تک مجھے اسی ڈر بے میں قید رہنا تھا جس میں انسان نہ ڈھنگ سے لیٹ سکتا تھا اور نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اگر میں دروازے کی مخالف سمت والی دیوار سے ٹیک لگا کر پاؤں سیدھا کرتا تو یہ دروازے کو چھوتے اور دوسری طرف بیٹھنے کی صورت میں، میں پاؤں بھی سیدھے نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے لگا کہ یہ جگہ معبد کے معنوتین کے لیے مخصوص تھی جن کے لیے قید بھی مسلسل آزار بنادی جائے۔ جیسا کہ انسانوں کو پنجروں میں بند کیا جاتا ہے اور وہ مستقل ایک ہی پوزیشن میں رہنے کی وجہ سے اپنی فطری حالت کھودیتے ہیں۔

کیرٹ کا نام سن کر میں نے مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور نہ جانے مجھے اس کا کیا صلہ ملتا۔ اب میرے پاس سوائے انتظار کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہاں بھی اندر مشعلیں جل رہی تھیں اور ان مشعلوں میں کوئی ایسا روغن یا کسی جانور کی چربی استعمال کی جاتی تھی کہ اس سے ہلکا سا دھواں اٹھتا تھا اور یہ دھواں شاید مجھ پر بھی اس قسم کے کیڑے مکوڑوں کو دور رکھتا تھا۔ کیونکہ میں نے یہاں اس قسم کی کوئی چیز نہیں دیکھی تھی جب کہ یہاں وادی میں جتنا سبزہ تھا ان کیڑے مکوڑوں کی موجودگی لازمی تھی۔ البتہ یہ دھواں ناگوار نہیں لگ رہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر یہاں گھٹن نہیں تھا جب کہ بہ ظاہر یہ جگہ بند تھی اور آمد و رفت کا ہی ایک راستہ نظر آ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وینٹیلیشن کا کوئی چھپا ہوا بندوبست تھا۔ مصری اہرام بنانے والے بتدریج اس مقام تک پہنچے تھے کہ بڑے اہرام بنا سکیں۔ یعنی انہوں نے پہلے چھوٹے اہرام بنائے اور پھر وہ اس قابل ہوئے کہ ان ہی نمونوں پر بڑے اہرام بنا سکیں۔

میں حیران تھا کہ یہاں کے لوگوں نے کس طرح ایک ہی بار میں اتنا بڑا اہرام بنا لیا تھا۔ اس کی تعمیر میں بھی پتھروں کی بڑی بڑی سلیں استعمال ہوئی تھی۔ بلندی پر ان سلوں کو کیسے پہنچایا گیا ہوگا جب کہ ہر ایک کا وزن کئی ٹن ہوگا۔ یہ راز ہے کہ اہرام کیسے تعمیر ہوئے تھے۔ ماہرین آج بھی درست طور پر نہیں بتا سکتے کہ مصریوں نے ناقابل یقین وزن کے پتھرا تکی بلندی تک کیسے پہنچائے۔ صرف مصر نہیں بلکہ دنیا میں اور بھی جگہوں پر پتھر کی بلندو بالا تعمیرات ہوئی ہیں اور ان میں بھی بے پناہ وزنی پتھروں کو جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ ماہرین کو آج بھی حیران کر دیتا ہے۔ شاید آغاز میں یہاں آنے والے اسی قدیم نسل سے تعلق رکھتے ہوں جس نے ساری دنیا میں اہرام بنائے تھے اور اس نسل سے اپنا تعلق واضح کرنے کے لیے انہوں نے یہاں بھی اہرام بنایا۔

کئی گھنٹے بعد مجھے باہر سپاہیوں کی نقل و حرکت محسوس ہوئی اور پھر سنگی دروازہ فرش میں دھنسن گیا۔ دو سپاہی باہر موجود تھے اور انہوں نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اٹھ کر باہر آیا۔ ہاتھ میں نے پہلے ہی کھول لیے تھے کیونکہ میں مستقل بندھے رہنے کی اذیت برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ سپاہی مجھے آزاد ہاتھ دیکھ کر چونکے مگر انہوں نے کچھ کہا نہیں اور میرے پاؤں بھی کھول دیے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ حالات میں تبدیلی آئی تھی اور اب میں اتنا معتبور نہیں رہا تھا کہ مجھے مستقل باندھ کر رکھا جاتا۔ آنے والے سپاہی دو تھے اور وہ مجھے لے کر روانہ ہوئے۔ دو راہے سے باہر کا رخ کیا گیا اور ہم باہر آئے تو آسمان تاریک تھا اور ہوا میں رات کی خوشبو آگئی تھی۔ سپاہی مجھے اپنے جلو میں لیے ایک چھوٹی اور خوب صورت عمارت کی طرف بڑھے۔ وہ بالکل خاموش تھے اس لیے میں اندازہ نہیں کر پایا تھا کہ مجھے بلانے والا کون تھا۔ میرا ذہن کیرٹ کی طرف گیا تھا اور کچھ دیر بعد اس عمارت کے ایک کمرے میں اسے موجود پایا۔ اس نے سپاہیوں کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور پھر مجھ سے بولا۔

”بیٹھ جاؤ شہباز۔“

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ”تم بھی مجھے جانتے ہو؟“

اس نے سر ہلایا۔ ”برف والے نے تمہیں میرا نام بتایا ہوگا۔“

میں تذبذب میں تھا ایک بار میں دھوکا کھاتے کھاتے رہ گیا تھا اور اب دوبارہ دھوکا کھا سکتا تھا۔ میرے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ وہی کیرٹ ہے جس کا نام برف والے نے لیا تھا۔ وہ بھانپ گیا کہ میں کس

تکشمش میں ہوں۔ اس نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ”ذرو مت میں ہی کیرٹ ہوں اور برف والے نے تمہیں میرا ہی نام یاد رکھنے کو کہا تھا۔“

اب مجھے کسی قدر اطمینان ہوا کیونکہ اس نے درست کہا تھا۔ اس کے باوجود میں نے کھل کر بات کرنے سے گریز کیا اور بولا۔ ”فرض کرو تم ہی وہ کیرٹ ہو جس کے بارے میں برف والے نے کہا تھا۔ تب بھی اس سے کیا ہوگا کیونکہ برف والے نے مجھے کچھ اور نہیں بتایا ہے۔“

”وہ تمہیں میں بتاؤں گا۔ لیکن تم بیٹھ جاؤ۔ اطمینان رکھو یہاں ہونے والی گفتگو از رہے گی۔“

میں جوتے اتار کے اس کے سامنے قالین پر بیٹھ گیا۔ ”مگر مہا پجاری تک یہ اطلاع پہنچ سکتی ہے کہ تم نے مجھ سے ملاقات ہے۔“

”یہ ملاقات اسی کی ہدایت پر ہو رہی ہے۔“

میں چونکا۔ ”کیا مہا پجاری بھی.....“

اس نے ہاتھ اوپر کیا۔ ”نتیجہ اخذ کرنے میں جلد بازی مت کرو۔ فیرون ایک عیاش اور جاہ پسند شخص ہے۔ رات ہوتے ہی وہ عیش و عشرت میں کھو جاتا ہے اور یہ اس کی ڈھیل ہے جو وادی میں انتشار پھیلا ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں کل سزا سے پہلے تم سے تفتیش کر لوں۔“

”لیکن وہ مجھے ریٹاٹ کے پاس لے آیا ہے؟“

”اس کے پیچھے بھی میرا ہاؤ تھا ورنہ وہ شاید اس کی پروا نہیں کرتا۔“

”ٹھیک ہے تم نے مجھے ریٹاٹ سے بچالیا ہے مگر فیرون تو مجھے سزائے موت ہی دے گا۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”تمہیں سزائے موت دی جائے گی اور تمہیں بارن کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔“

میرے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی۔ ”اتنی خوفناک سزا۔“

”معدہ کے مجرموں کو عام طور سے یہی سزا دی جاتی ہے۔“

”ٹھیک ہے مجھے یہ سزا دے دی جاتی ہے اس کے بعد کیا ہوگا؟“

”تمہیں سزائے موت دے دی جائے گی مگر تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔“ اس نے یوں سرسری سے انداز میں کہا جیسے اس کے لیے یہ معمولی بات ہو۔

”وہ کیسے؟“

”یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔“ اس نے اعتماد سے کہا۔ ”تم یہاں سے نکل کر سامیرا کے پاس جاؤ گے۔ تمہیں اس پلان پر عمل کرنا ہے جو سامیرا کے پاس ہے۔“

”کیسا پلان؟“

”یہی کہ کم سے کم خون بہائے بغیر آگ کو ریٹاٹ سے نجات دلائی جائے۔ وقت بہت کم ہے کیونکہ جلد ریٹاٹ خود اپنی فوج لے کر حریفوں کے خلاف لشکر کشی کرنے والا ہے اور وہ بھی کمزور نہیں ہیں تم سوچ سکتے ہو کہ دونوں طرف سے کتنا نقصان ہوگا۔“

”تب مجھے سامیرا کے پاس بھیج دیا جاتا یہاں کیوں بھیجا گیا ہے۔“

”اس کی وجہ ہے۔“ کیرٹ کسی قدر بے چینی سے بولا۔ ”میرے پاس وقت کم ہے، تمہیں صرف مجھ سے ملنے کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے۔ کیونکہ جو میں تمہیں بتا سکتا ہوں وہ کوئی اور نہیں بتا سکتا ہے۔“

”تم کیا بتا سکتے ہو؟“

”ڈیوڈ شا اور اس کے تین ساتھی نیچے آچکے ہیں اور وہ اس وقت ریناٹ کے خاص مہمان ہیں۔ تمہارے بارے میں ڈیوڈ شانے ہی ریناٹ کو بتایا اور اسی نے رائل کو اس قابل بنایا کہ وہ تم سے بات کر سکے۔“

میں دنگ رہ گیا تھا۔ ایک تو اس بات پر کہ ڈیوڈ شانے نیچے آچکا تھا دوسرے وہ برف والے جیسی صلاحیت بھی رکھتا تھا۔ میں نے خاصی دیر بعد پوچھا۔ ”وہ نیچے کیسے آیا؟..... عام راستہ تو برف والے کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔“

”میں نہیں جانتا مگر مجھے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ ڈیوڈ شا اور اس کے تین ساتھی اس وقت ریناٹ کے پاس ہیں۔“ کیرٹ نے نفی میں سر ہلایا۔

”تمہیں ڈیوڈ شا کے بارے میں کس نے بتایا ہے؟“

”برف والے نے۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔

”میرا مطلب ہے یہاں اس کی موجودگی کے بارے میں کیسے پتا چلا؟“

”ریناٹ کے گرد معبد کے جاسوس ہیں جو درحقیقت میرے جاسوس ہیں۔“

”برف والا ڈیوڈ شا کی نیچے آمد کے بارے میں پریقین نہیں تھا۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”وہ برف والے کے خلاف سازش کر رہا ہے؟“

”ہاں کیونکہ اسے برف والے اور تم سے ہی خطرہ ہے اس لیے وہ تم دونوں سے نجات چاہتا ہے۔“

یہ تو تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ پہلے ولیم شا اور اس کے ساتھی اور گان کے بھائی اور مہا پجاری موران کے مہمان بن گئے تھے اور انہوں نے اپنی مکاری سے کام لے کر اسے اپنا ہم نوا بنالیا تھا۔ اب ڈیوڈ شانے یہی کام آرگون کے حکمران کے ساتھ کیا تھا۔ ”کیا وادی کے دوسرے لوگ جانتے ہیں کہ باہر سے آئے کچھ لوگ ریناٹ کے مہمان ہیں؟“

”نہیں وہ خاموشی سے نیچے آئے اور ڈیوڈ شانے ریناٹ سے رابطہ کیا۔ میں نے اسے دیکھا نہیں ہے لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ اس شخص میں خوفناکی بہت زیادہ ہے۔“

”تم نے درست کہا، یہ اس ولیم شا کا رشتہ دار ہے جو برسوں پہلے اس وادی میں آیا تھا مگر یہ اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ مکار ہے اسے سازشوں کا وسیع تجربہ ہے۔ اس کی یہاں آمد بہت بڑے فتنے کا سبب بن سکتی ہے۔“

”برف والے نے مجھے ان سب باتوں سے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔“ کیرٹ نے کہا۔ ”یوں سمجھ لو کہ معبد کے سارے معاملات میں چلا رہا ہوں اور فیرون کا واسطہ بہت کم رہتا ہے۔ اس سے پہلے ہم غیر جانبدار تھے۔ مگر غیر ملکوں کی آمد کے بعد ہمارا غیر جانبدار رہنا ممکن نہیں ہے۔“

”فرض کرو کہ تمہارے بجائے یہ معاملہ فیرون کے علم میں آتا تو وہ کیا کرتا؟“

”میں نے کہانا اسی کی لا پرواہی کی وجہ سے حالات خراب ہوئے۔ ریٹائٹ معبد کی نگرانی سے بے نیاز ہوا تو اس نے پُر پُر زے نکالے اور لوگوں پر ظلم و ستم کرنے لگا۔ اس نے بغاوت کو جنم دیا اور اب وادی میں ہماری بقا خطرے میں پڑ گئی ہے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر ریٹائٹ سے نجات حاصل کر لی جائے تو وادی کے حالات سدھر جائیں گے؟“

”بہت زیادہ امکان ہے۔“

”کیا سامیرا سربراہ بن سکتی ہے؟“

”نہیں ہمارے قانون کے مطابق کوئی عورت نہ تو وادی کی سربراہ بن سکتی ہے اور نہ ہی وہ مہا پجاری بن سکتی ہے۔“

میں نے گہری سانس لی۔ ”ٹھیک ہے میں تمہارے کام آنے کے لیے تیار ہوں لیکن میں بتا دوں یہاں تبدیلی آکر رہے گی اور جلد تم لوگوں کو بیرونی دنیا سے رابطہ کرنا پڑے گا۔ ڈیوڈ شام صرف ایک آدمی ہے اس جیسے انسانوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن پہلے ہمیں اس مسئلے سے نمٹنا ہے۔“ وہ بولا اور اپنے پاس رکھے ایک لکڑی کے صندوق سے ایک رول کیا ہوا کاغذ نکالا۔ ان کا کاغذ ہمارے کاغذ کی نسبت موٹا اور خستہ تھا۔ اس نے رول کھولا اور اسے میرے سامنے بچھایا۔ یہ آرگون اور معبد کا بڑا نقشہ تھا۔ اس میں دونوں کو ملانے والی سرنگ بھی واضح تھی۔ کیرٹ نے نقشے پر بنے چھوٹے چھوٹے سرخ نشانات کے بارے میں بتایا۔ ”یہاں ہمارے لوگ موجود ہیں مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے پورے آرگون میں مشکل سے ایک درجن مقامات پر ہمارے خفیہ دستے ہیں اور یہ اسی صورت میں کچھ کر سکتے ہیں جب ریٹائٹ کی گرفت آرگون پر ڈھیلی ہو جائے۔“ پھر اس نے سرنگ پر ایک جگہ انگلی رکھی۔ ”یہاں سے اندر آنے کا راستہ ہے۔ میرے کچھ آدمی کوشش کر کے یہاں ایک چھوٹا راستہ بنا چکے ہیں اور اسے اندر آنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔“ پھر اس نے ایک اور جگہ انگلی رکھی۔ ”یہاں آرگون کی تفصیل میں ایک خفیہ راستہ ہے۔ مگر یہ صرف اندر سے کھل سکتا ہے اور یہاں ریٹائٹ کے انتہائی اعتماد کے لوگ موجود ہیں۔ اگر یہ راستہ کسی طرح کھل جائے تو براہ راست شاہی علاقے تک رسائی ہو سکتی ہے اور حملہ کرنے والی فوج کو شہری علاقوں سے نہیں گزرنا پڑے گا۔“

میں نقشے کو غور سے دیکھتے ہوئے کیرٹ کی گفتگو ذہن نشین کر رہا تھا۔ جب اس نے اپنی بات مکمل کر لی تو میں نے سوالات کا آغاز کیا۔ ”تمہارے پاس یہ معلومات ہیں تو تم نے براہ راست سامیرا سے رابطہ کیوں نہیں کیا اور اس معاملے میں میرا ہونا کیوں لازمی ہے۔“

”میں نے بتایا تاکہ میرے پاس وقت کم ہے۔“

”کم وقت سے کیا مراد ہے؟“

”جلد میں موت سے ہمکنار ہونے والا ہوں۔“ اس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ”یہ پیش گوئی برف والے نے کی ہے اور میرا علم بھی یہی کہتا ہے کہ میں اس کام کی تکمیل تک زندہ نہیں رہوں گا اور باہر سے آنے والا

ایک فرد اسے مکمل کرے گا۔“

”کیا لازمی ہے کہ وہ فرد میں ہی ہوں؟“

اس نے شانے اچکائے۔ ”کیا کہہ سکتے ہیں، میں تو اتنا جانتا ہوں کہ ہم انسان کچھ بھی نہیں جانتے۔ بس اوپر والا جو علم اور عقل دیتا ہے اس کی روشنی میں فیصلے کرتے ہیں۔ کبھی یہ فیصلے درست ہوتے ہیں اور کبھی غلط ثابت ہوتے ہیں۔“

”اب مجھے کیا کرنا ہے؟“

”اس کا فیصلہ تم خود کرو گے کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کیرٹ نے مجھے جو بتانا تھا وہ بتا دیا تھا اور اب اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ اس لیے میں نے اپنے بارے میں پوچھا۔

”میں یہاں سے کیسے نکلوں گا جب کہ مجھے ہارن کے سامنے پھینک دیا جائے گا۔“

”مزا سے پہلے تمہیں ایک مشروب دیا جائے گا اسے پینے سے جسم سے ایسی بو آتی جس سے ہارن بھڑکتا ہے اور جس کے پاس سے یہ بو آتی ہے وہ اس کے پاس نہیں آتا۔“

راجا عمر دراز نے بتایا تھا اور وہ ذاتی طور پر بھی یہ مشروب پی چکا تھا۔ اسی وجہ سے ہارن سے اس کی بچت ہوئی تھی۔ کیرٹ اسی مشروب کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ مگر جہاں تک میرے علم میں تھا یہاں ہارن ایک کنویں نما جگہ میں تھا اور اس میں سے نکلنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں نے کیرٹ سے کہا تو اس نے جواب دیا۔ ”نہیں جگہ ہے ہارن کو اس کنویں میں ایک خاص راستے سے ہی لایا جاتا ہے اور پھر اسے بند کر دیا جاتا ہے تم اسی راستے سے باہر جا سکو گے۔“

”وہ راستہ بند ہو گا؟“

”نہیں وہ ہارن کے لحاظ سے بند ہوتا ہے انسانوں کے لحاظ سے نہیں۔ تم اس سے نکل سکو گے۔“

”یہ راستہ کہاں نکلتا ہے؟“

”یہاں اس جنگل میں۔“ اس نے معبد کے نزدیک ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہاں نکلنے کے بعد تم اس قلعے تک جاؤ گے۔“ اس نے آرگون سے ذرا فاصلے پر جنوب میں واقع ایک گول دائرے پر انگلی رکھی۔

”سامیرا یہیں ہے۔“

”کیا وہ مجھے جانتی ہے؟“

”ہاں اور وہ تمہاری منتظر ہے۔“

میں نے چند سوالات اور کیے اور جوابات ذہن نشین کرتا رہا۔ کیرٹ کا انداز بتا رہا تھا اور خود میں بھی محسوس کر رہا تھا کہ اب شاید اس سے ملاقات نہ ہو سکے۔ وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا جیسے کوئی بات کہنا چاہ رہا ہو اور ہچکچار رہا ہو۔ مگر پھر اس نے کہہ دیا۔ ”شہباز میں جو کر رہا ہوں وہ بلا غرض نہیں کر رہا اس میں میری بھی ایک غرض ہے۔“

”کیسی غرض؟“

”میری ایک ہی بیٹی ہے۔ وہ دو سال کی تھی جب میری بیوی مر گئی اور پھر میں نے اسے ماں باپ دونوں

بن کر پالا ہے۔ ایک پجاری کی بیٹی کی حیثیت سے اس کی شادی کسی پجاری سے ہی ہو سکتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ ساری عمر جلتی کر دھتی رہے۔ اس وادی کے سب سے خود غرض، سفاک اور عیاش لوگ یہاں موجود پجاری ہیں۔ مجھے اپنی بیٹی سے دنیا میں سب سے زیادہ محبت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ خوش رہے۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ یہاں سے نکل جائے۔ وہ تم پر بوجھ نہیں ہوگی اس کے پاس بہت قیمتی جواہرات ہیں جو تمہاری دنیا میں بہت زیادہ قیمت رکھتے ہیں۔ شہباز میں تم سے وعدہ نہیں لے رہا لیکن اگر تم کامیاب رہو اور اس وادی کے معاملات تمہارے ہاتھ میں آئیں تو تم جاتے ہوئے ساشا کو یہاں سے لے جانا۔“

میں سوچ میں پڑ گیا پھر میں نے کہا۔ ”کیونکہ تم کوئی وعدہ نہیں لے رہے اس لیے میں بھی دعویٰ نہیں کروں گا، میں جس راستے سے آیا ہوں وہ بہت دشوار ہے اور اس پر اچھے جوان اور مضبوط افراد ہی سفر کر سکتے ہیں۔ پھر ذرا بچ بھی چاہئیں۔ اس لیے اگر ساشا اس سفر کے قابل ہوئی اور میرے پاس وسائل بھی ہوئے تو میں اسے لے جانے کی پوری کوشش کروں گا۔ جہاں تک بوجھ کی بات ہے تو میں نے اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو کبھی بوجھ نہیں سمجھا۔“

اس نے جیسے سکون کا سانس لیا۔ ”میں جانتا ہوں تم جو کہتے ہو وہی کرنے پر یقین رکھتے ہو۔“

”میری قسمت کا فیصلہ کب ہوگا؟“

”کل صبح اور دو پہر تک اس پر عمل درآمد کر دیا جائے گا۔“

”جب میں غائب ہو جاؤں گا تو کیا میری تلاش نہیں کی جائے گی ممکن ہے میں جب اس خفیہ راستے سے

نکلوں تو وہاں پہلے ہی ریٹائٹ یا فیرون کے آدمی میرے منتظر ہوں۔“

”نہیں اسے اتفاق سمجھا جائے گا۔“ اس نے جواب دیا۔ ”آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو ہارن کے

سامنے پھینکا گیا ہو اور وہ بچ گیا ہو کوئی ایک فرد بھی نہیں بچا ہے۔“

”یہ وہی مشروب ہے جو اورگان نے ایجاد کیا تھا؟“

کیرٹ نے سر ہلایا۔ ”ہاں ہم نے اسے مزید بہتر کر لیا ہے اب یہ ہارن کے ساتھ باقی خطرناک

جانوروں کو بھی پاس آنے سے روکتا ہے۔ اب تم جاؤ اور خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کرو۔ یاد رکھنا جہاں

سے تمہیں نیچے پھینکا جائے اس کے بائیں طرف چند قدم کے فاصلے پر وہ دروازہ ہے۔ اس پر لگے تختوں میں اتنی

گنجائش ہے کہ تم وہاں سے نکل سکو گے۔“

میں واپس آتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ بہ ظاہر کیئرٹ ٹھیک ٹھاک لگ رہا ہے یعنی کسی جان لیوا مرض کا

شکار نہیں لگتا ہے تو کیا اس کی ممکنہ موت غیر طبعی ہوگی؟ کیا اس کا راز افشا ہو جائے گا؟ وہی سپاہی مجھے واپس اسی

ڈبے میں بند کر گئے تھے۔ کچھ دیر بعد کھانے کے نام پر پتا نہیں کیا دیا گیا اور میں نے اسے کھانا مناسب نہیں سمجھا

کیونکہ ہنریوں کے ساتھ اس سوپ نما چیز میں گوشت کے ریشے بھی تیر رہے تھے اور یہ گوشت کسی حلال جانور کا

ہوتا تب بھی اسے حلال تو نہیں کیا گیا ہوگا۔ اس لیے میں صرف پانی پی کر رہ گیا۔ جب بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو لیٹ

گیا مگر یہاں لیٹنا بھی دشوار تھا آدمی گول مول ہو کر ہی لیٹ سکتا تھا اور مجھے ویسے ہی سیدھے اور چپتے سونے کی

عادت تھی میں بہت کم کروٹ لیٹتا ہوں اس لیے جلد میرے لیے یوں لیٹنا بھی عذاب بن گیا۔

پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ دنیا بھر میں معنوبین اور جنگی قیدیوں کو اس طرح چھوٹی جگہ میں کیوں قید کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی سزا ہے جو بہ ظاہر سزا نظر نہیں آتی ہے مگر جس پر گزر رہی ہوتی ہے اسے ہی پتا چلتا ہے۔ میں کبھی پاؤں سیدھے کرتا تھا اور کبھی کمر، مگر کسی پوز میں چین و قرار نہیں تھا۔ ہر آدھے گھنٹے بعد ایک نئی پوزیشن اختیار کرنا پڑتی تھی۔ کبھی کھڑا ہو جاتا مگر کتنی دیر کھڑا رہ سکتا تھا۔ بالآخر میں دونوں پاؤں پھیلا کر دیوار سے کمر کا کر بیٹھ گیا اور کچھ دیر اسی پوزیشن میں سویا بھی تھا۔ صبح تک میرا حشر ہو گیا تھا اور مجھے اپنے جسم کو کھولنے کے لیے اس محدود جگہ پر مختلف ورزشیں کرنا پڑی تھیں۔ یہ ورزشیں بھی میں نے اسی وقت ایجاد کی تھیں۔ ورنہ اس سے پہلے کبھی اس قسم کی ورزش نہیں کی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ صبح ہو گئی ہے کیونکہ باہر ابھی تک کوئی سرگرمی نہیں ہوئی تھی اور یہاں کوئی موجود بھی نہیں تھا۔ باقی ڈبے خالی تھے صرف ایک ڈبے میں، میں تھا۔ مجھے جس طرح رکھا گیا تھا اب مجھے ریٹا رحم دل نظر آنے لگا تھا اس کی قید میں، میں آرام سے تھا اور سوائے قید کے اور کوئی تکلیف نہیں تھی۔

معبد کی قید اتنی اذیت ناک تھی تو باقی معاملات میں سوچا جاسکتا تھا۔ یہ اپنے معنوبین کو ہارن کے سامنے ڈال دیتے تھے۔ میں سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ وادی والوں کو اصل میں ان سے نجات حاصل کرنی چاہیے تھی۔ مگر ریٹا اس جابرانہ نظام کے نمائندے کے طور پر ان کے سامنے تھا اس لیے سارا زور اسی پر تھا اور اصل نظام کے بارے میں کوئی سوچنے کو بھی تیار نہیں تھا بلکہ برف والا اور کیرٹ جیسے اچھے لوگ بھی اسے برقرار رکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور اسے وادی کی بقا کا ضامن قرار دے رہے تھے۔ مگر ساتھ ہی کیرٹ نے اپنی بیٹی کو یہاں سے لے جانے کی فرمائش بھی کر دی تھی۔ برف والا اکیلا تھا ورنہ شاید وہ بھی اپنی آل اولاد کو یہاں رکھنا پسند نہ کرتا۔ یہ ایسی منافقت تھی جو وہ جان بوجھ کر کر رہے تھے۔ میں تکلیف میں تھا شاید اس لیے ان کے خلاف بھی سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے میں سکون سے ہوتا تو یہ خیال ہی میرے ذہن میں نہ آتا۔ پتا نہیں کتنی دیر بعد مجھے آہٹ محسوس ہوئی اور میں بے ساختہ کھڑا ہو گیا اور چلا کر بولا۔

”مجھے یہاں سے نکالو۔“

آنے والا ایک ہی تھا اور اس نے میرے چلانے کا کوئی اثر نہیں لیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک ہی تھا اور معبد سے تعلق رکھنے والا پجاری تھا۔ اس نے نزدیک آ کر پہلے داخلی دروازے کی طرف دیکھا اور پھر منہ پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میں چپ ہی تھا پہلا جملہ بھی اضطرابی کہہ گیا تھا۔ پھر اس نے اپنے لباس سے ایک چھوٹی سی مٹی کی شیش نکالی اور آہستہ سے بولا۔ ”مجھے کیرٹ نے بھیجا ہے یہ رکھ لو اور جب دیکھو کہ تمہیں یہاں سے نکالا جا رہا ہے تو اسے پی لینا اور بوتل چھپا لینا۔ سمجھ گئے؟“

میں نے اثبات میں سر ہلا کر اسے بتایا کہ میں سمجھ گیا ہوں۔ اس نے ایک سوراخ سے بوتل اندر کی اور واپس چلا گیا۔ یہ مشکل سے چار انچ لمبی اور دو انچ موٹی مٹی کی بوتل تھی جس کے منہ پر کارک لگا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنے پاؤں سے لے لیا۔ اب میں ذہنی طور پر تیار تھا۔ پجاری کی آمد سے لگ رہا تھا کہ میری بلی اب زیادہ دیر کی بات نہیں تھی۔ رات کا کھانا پیالے میں ایسے ہی پڑا ہوا تھا۔ میں بھوکا تھا مگر یہ بھوک قابل برداشت تھی اور شاید میرے لیے بہتر تھی۔ اس نے مجھے ذہنی طور پر چوک کر دیا تھا۔ مگر میرا انتظار ایک بار پھر طویل ہونے لگا اور جب میں بیٹھے یا لیٹے ہوئے تھک جاتا تو کھڑے ہو کر سر نیچے کر کے بچوں

کے بل آہستہ آہستہ اچھلتا تھا۔ میں اپنا جسم وارم آپ رکھنا چاہتا تھا۔ شاید ڈیڑھ یا پونے دو گھنٹے بعد سپاہی ہال میں داخل ہوئے اور ان میں سے ایک دیوار پر لگی راڈ کی طرف گیا۔

ادھر اس نے اس پر ہاتھ رکھا اور ادھر میں نے مٹی کی بوتل منہ میں ڈال لی۔ جب تک سنگی دروازہ نیچے ہوتا میں بوتل خالی کر کے واپس پا جاوے کی جیب میں رکھ چکا تھا۔ سپاہیوں نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا اور میں باہر آ گیا۔ سپاہیوں کی تعداد چار تھی۔ مجھے بازوؤں سے پکڑ کر لے جایا جانے لگا۔ تاریخ ایک بار پھر خود کو دوہرا رہی تھی۔ جن مراحل سے راجا عمر دراز گزرا تھا میں بھی ان سے گزر رہا تھا۔ کچھ فرق تھا جیسے مجھے برف والا پہلے ملا تھا اور راجا عمر دراز کو وہ بعد میں ملا تھا۔ اسی طرح اسے بھی ہارن کے سامنے پھینکنے کی سزا ملی تھی اور میں بھی اسی مرحلے سے گزرنے والا تھا۔ اسے بھی بچا لیا گیا تھا اور مجھے بھی بچانے کا بندوبست ہوا تھا۔ میں نے جب مٹی کی بوتل کا مشروب حلق سے اتارا تو اس کا ذائقہ اچھا نہیں لگا تھا مگر اب میرے منہ میں خوشگوار سا ذائقہ آ رہا تھا۔ ساتھ ہی مجھے لگ رہا تھا کہ میرا جسم گرم ہو رہا ہے۔ شاید اس کی تاثیر تھی اور اس گرمی سے مجھے پسینہ آتا۔ پسینے میں دوا کی بو آتی اور اس سے ہارن بھاگتا تھا۔



سپاہی مجھے معبد سے باہر لائے جہاں نیا دن طلوع ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی اور مجھے معبد کے پاس ایک عمارت میں لایا گیا۔ اندر گھستے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ قید خانے کی پرانی عمارت تھی مگر اب اسے گودام کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ پرانی کوٹھریاں توڑ کر وسیع ہال بنائے گئے تھے۔ وہاں اجناس اور دوسرا سامان رکھا تھا۔ پہلی منزل کے بعد تہ خانے میں بھی ہال تھے اور جب ہم اس سے نیچے والے ہال میں آئے تب اندازہ ہوا کہ ہم کسی تعذیب گاہ میں ہیں۔ وہاں شدید قسم کی بدبو تھی۔ اس بدبو میں وحشت تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے حیوانوں اور سڑتے گوشت کی ملی جلی بدبو ہو۔ یہاں اسار بھی ہوتے تھے۔ جن کے سامنے زندہ معتوین کو پھینکا جاتا تھا۔ یہ طریقہ اور گان کے بھائی موران نے نکالا تھا۔ پھر اسی نے انسانوں کو ہارن کے سامنے پھینکنا شروع کیا۔ اس کے دور تک وادی میں باہر سے آنے والے ریاست کے مجرم شمار ہوتے تھے مگر اس نے انہیں معبد کا مجرم بنا دیا۔ اسی نے راجا عمر دراز کو مجرم قرار دیا تھا اور ولیم شا کو مہمان بنا دیا تھا۔

یہ قانون اب تک برقرار تھا۔ تبھی مجھے ہارن کے سامنے پھینکنے کی سزا ملنے والی تھی۔ تہ خانے میں فیرون کے ساتھ کیرٹ اور چند اعلیٰ پجاری تھے۔ تہ خانے کے وسط میں ایک کھلا ہوا کنواں تھا جس کا قطر شاید تیس فٹ تھا اور اس کے اندر سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے کوئی گھوڑا چہل قدمی کر رہا ہو۔ کیرٹ نے مجھے بچانے کی تدبیر پہلے ہی کر لی اور مجھے معلوم تھا ہارن میرے پاس نہیں آئے گا اس کے باوجود مجھے اپنے روٹنے کھڑے ہونے محسوس ہوئے تھے۔ ایک جلا دھا جب کہ نصف درجن سپاہی پہلے سے موجود تھے۔ مجھے جلا دے اپنے قبضے میں کر لیا۔ وہ تقریباً سات فٹ کا ایسا تو مخدش شخص تھا کہ اس نے میرا بازو پکڑا تو مجھے لگا کہ میرا بازو کسی ٹکڑے میں آ گیا ہے۔ میں اسے ذرا بھی جنبش نہیں دے سکتا تھا۔ فیرون نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ”تم اقرار کرتے ہو کہ تم اس وادی میں باہر سے آئے ہو؟“

”ہاں میں باہر سے آپا ہوں اگرچہ میں جان بوجھ کر نہیں آیا ہوں۔“ میں نے جواب دیا جس کا ترجمہ

کیرٹ نے کر کے فیرون تک پہنچایا۔

”بے شک تم جان بوجھ کر نہیں آئے ہو مگر یہاں آنے والا ہر فرد موت کا مستحق ہوتا ہے۔“ فیرون نے پُر غماز لہجے میں کہا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ دن میں بھی پیتا تھا۔ ”اس لیے تمہیں سزائے موت دی جاتی ہے۔“ سزائے موت سننے کے انداز میں بھی لا پرواہی تھی جیسے وہ جلد از جلد یہ معاملہ نٹا کر واپس اپنے عشرت کدے جانا چاہتا ہو۔ فیرون کی طرف سے سزا سنائے جاتے ہی کیرٹ نے جلاذ کو اشارہ کیا تھا کہ میں نے کہا۔ ”عام طور سے سزائے موت پانے والے کی آخری خواہش پوری کی جاتی ہے۔“

کیرٹ نے میری بات فیرون تک پہنچائی اور اس نے جواب دیا۔ ”یہاں ایسا کوئی رواج نہیں ہے۔“

”پھر بھی میں چاہوں گا کہ جلاذ مجھے نیچے نہ پھینکے میں خود نیچے چھلانگ لگانا چاہتا ہوں۔“

کیرٹ نے میری بات دوسروں تک پہنچائی تو فیرون اور اس کے ساتھیوں کے چہروں پر دلچسپی نظر آنے لگی۔ شاید اس سے پہلے کسی نے ایسی فرمائش نہیں کی تھی۔ فیرون نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سر ہلایا۔ ”ٹھیک تمہیں خود چھلانگ لگانے کی اجازت دی جاتی ہے۔“

ان کے لیے یہ حیرت انگیز تھا کہ کوئی فرد خود سے موت کے منہ میں چھلانگ لگانے جا رہا تھا اور نہ اس سے پہلے جسے ہارن کے سامنے ڈالنے کی سزا دی گئی اسے زبردستی پھینکا جاتا تھا اور یہ تو منہ جلاذ اسی کام کے لیے رکھا ہوا تھا۔ اگر میں کہوں کہ میں پُر سکون تھا تو یہ غلط ہوگا۔ میں اندر سے مضطرب تھا اور اوپر سے پُر سکون رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ راجا عمر دراز نے اس جگہ کے بارے میں بتایا تھا کہ یہ بند ہوتی تھی اور پہلے صرف ایک سوراخ ہوتا تھا جس سے معتب کو اندر پھینکا جاتا تھا مگر اب پورا کنواں کھلا ہوا تھا اور غالباً ایسا اس لیے کیا گیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ تماشا شائق اندر کا منظر دیکھ سکیں۔ فیرون کے اشارے پر جلاذ نے مجھے چھوڑ دیا اور میں نے تین قدموں سے کنویں کی طرف بڑھا۔ جیسے جیسے میں آگے جا رہا تھا بدبو شدید ہو رہی تھی اور اب بوائے کی آسانی سے قے کر سکتا تھا۔ میں نے سانس روکتے ہوئے اندر جھانکا۔

اب تک میں نے صرف اس مخلوق کے بارے میں سنا تھا۔ پہلے دو مالائی کہانیوں اور فلموں میں پڑھا اور دیکھا تھا اور پھر یہاں ایک مردہ ہارن دیکھا تھا جسے اسما رکھا رہے تھے مگر پہلی بار ایک زندہ ہارن دیکھ رہا تھا۔ نیچے نیم تاریکی تھی اور ایک تو منہ جانور پلکے قدموں سے دائرے میں چل رہا تھا۔ دائرے میں چلنا اس کی مجبوری تھی۔ یہاں اس کے لیے زیادہ جگہ نہیں تھی۔ اس کا اوپری دھڑ انسان سے مشابہ تھا۔ مگر یہ بالکل انسان جیسا نہیں تھا۔ اس کی گردن کے پیچھے ریڑھ کی ہڈی ابھری ہوئی تھی اور ہاتھوں میں انگلیوں کی مانند کھرپے سے دکھائی دے رہے تھے۔ کنواں تیس فٹ قطر کا اور اتنا ہی اونچا بھی تھا۔ تقریباً دس فٹ لمبا اور اتنا ہی اونچا ہارن میرے اندازے کے مطابق کم سے کم دو ٹن وزن تھا اس کا جسم بہت بڑا اور سر کے نیچے دو بیٹے نما ہاتھ دیوار ٹٹول رہے تھے۔ اس کے سر پر لمبے بال تھے جو چلنے کے دوران جھول رہے تھے۔ اس نے شاید انسانوں کی سرگرمی محسوس کر لی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور ایسی خوفناک غراہٹ نکالی کہ میں نے ایسی آواز اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ یہ دل میں خوف بھرنے والی آواز دی تھی۔ میں کچھ دیر انتظار کر رہا تھا کہ میرے جسم سے بو اتنا شروع ہو جائے مگر ابھی تک مجھے بو محسوس نہیں کی۔

”دیر مت کرو۔“ فیرون نے گونجتی آواز میں کہا۔ وہ اور دوسرے لوگ کنویں کے ایک سرے پر آگئے تھے اور اب وہ منتظر تھے کہ میں نیچے کودوں تو وہ ہارن کے ہاتھوں میرا انجام دیکھ سکیں۔ وہ زیادہ تھے اس لیے ہارن ان کی طرف متوجہ تھا اور رک کر اوپر دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک مجھے وہ گیٹ نظر نہیں آیا تھا کہ جہاں سے ہارن کو اس کنویں میں پہنچایا گیا تھا۔ میں جھک کر دیکھ رہا تھا کہ عقب سے جلاد نے میری کمر کھینچی دی اور میں گرتے گرتے بچا۔ میں نے مڑ کر خفگی سے اسے دیکھا۔ اس بار اس نے جیسے دھکا دینے کے لیے دونوں ہاتھ آگے کیے تھے۔ اس کے بعد جو ہوا وہ بے ساختہ تھا۔ میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے عقب میں اپنے دونوں پاؤں ہوا میں اچھالے اور کنویں کی منڈیر پر نکتے ہوئے اسے اپنی طرف کھینچا۔ اس کا جسم غیر متوازن تھا جب وہ اتنا آگے آیا کہ میں نیچے کود سکوں تو میں نے نیچے چھلانگ لگادی۔

جلاد کھنچا چلا آیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی تھی، یہ اضطراری چیخ تھی۔ اس کا نصف دھڑکنویں میں لٹک گیا تھا۔ میں اس کے ہاتھوں کو پکڑے جھول رہا تھا۔ میں نے دیوار پر پاؤں مار کر اسے مزید کھینچا اور وہ نیچے گرنے لگا۔ میں نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے اور نیچے گرتے ہوئے خود کو متوازن کرنے لگا۔ جیسے ہی میرے پاؤں زمین پر لگے میں نے بائیں طرف قلابازی کھائی اور اوپر سے گرتے جلاد کے نیچے آنے سے بال بال بچا تھا۔ اس کے حلق سے دوسری ذکراتی چیخ نکلی اس بار بھی اسے جوٹ نہیں لگی تھی اور وہ خوف سے چیخا تھا۔ یہ سب دوسینڈ میں ہو گیا تھا اور اس دوران ہارن ہماری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ غرایا اور ہماری طرف لپکا۔ اسے آتے دیکھ کر جلاد کے حلق سے طویل چیخ نکلی تھی اور اس چیخ نے اسے مرداد یا کیونکہ ہارن نے پہلے اسے اٹھالیا۔ جلاد پھر دھاڑا تھا اور اس کی چیخ پر ہارن نے ناپسندیدہ انداز میں غرا کر اچانک اسے دیوار پر دے مارا۔ یہ کام اس نے اتنی قوت اور وحشت سے کیا کہ جلاد شاید ایک لمحے میں مر گیا تھا۔

کنویں کی دیواریں پتھروں سے بنی ہوئی تھیں۔ اس دوران میں، میں بیٹھے بیٹھے زمین پر پیچھے سرک رہا تھا۔ میں نے موٹے لٹھوں سے بنا ہوا یہ گیٹ دیکھ لیا تھا۔ یہ گیٹ بھی نہیں تھا بلکہ ہارن کو یہاں لانے کے بعد ان لٹھوں سے یہ راستہ بند کر دیا گیا تھا اور اس میں کہیں کہیں خلا تھا۔ اوپر چیخ و پکار ہو رہی تھی اور سب ہی کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے۔ ہارن بدستور مردہ جلاد کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا اور جلد اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ مر چکا ہے اس نے جلاد کی لاش اوپر اچھال دی۔ اس نے ناقابل یقین قوت سے اسے پھینکا تھا اور وہ یقیناً کنویں سے خاصا دور جاگرا ہوگا۔ اب ہارن میری طرف متوجہ ہوا۔ اس نے ایک اور بھیا نک آواز نکالی اور میری طرف آیا۔ چند لمحے کو میری آنکھوں کے آگے موت ناچ گئی تھی۔ اب تک مجھے اپنے جسم سے یونیس آئی تھی۔ پتا نہیں دو انے اثر نہیں کیا تھا یا میرے جسم کے سسٹم نے اسے سُست کر دیا تھا۔ اس کا مجھے بار بار تجربہ ہو چکا تھا کہ مجھ پر غیر مانوس اشیا اور کیمیکلز اثر نہیں کرتے تھے۔ خاص طور سے ٹوکسن وغیرہ۔ پتا نہیں یہ دوا کس قسم کی تھی۔

میں گیٹ سے چند قدم کے فاصلے پر تھا اور میں نے حرکت کیے بغیر سر گھما کر گیٹ کی طرف دیکھا تھا اور مجھے اس کے نیچے خلا سامحوس ہوا لیکن اس سے پہلے میں اس کی طرف سرکتا یا کوئی بھی حرکت کرنا، ہارن کے دونوں کھرپے نما ہاتھ میرے شانوں اور ساتھ بازوؤں پر جمے اور اس نے کسی کھلونے کی طرح مجھے اٹھالیا تھا۔ میں نے زندگی میں کبھی اتنی بے بسی محسوس نہیں کی جتنی کہ اس وقت محسوس کی تھی اور نہ ہی موت کو خود سے اتنا

قریب پایا تھا۔ ہارن اٹھا کر مجھے اپنے چہرے کے سامنے لے آیا۔ جلاد کے برعکس میں نے کوئی آواز نہیں نکالی۔ اس لیے نہیں کہ ہارن کو انسانی آواز بھی ناپسند تھی۔ بلکہ اس لیے کہ میری گھگی بندھ گئی تھی۔ اس سے پہلے شاید کبھی خوف کے جذبے کو میں نے اتنا واضح محسوس نہیں کیا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ ابھی ہارن میرے دونوں شانوں پر زور دے گا اور میرے جسم سے الگ کر دے گا یا پھر جلاد کی طرح دیوار پر دے مارے گا۔

نیم تاریکی اور اس کے منہ سے نکلتی بھاپ نماسانس کی وجہ سے مجھے اس کا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر یہ ضرور تھا کہ مجھے اس کے بڑے سے چہرے پر موجود دردنگی محسوس ہو رہی تھی۔ خوف نے میرے دل کی دھڑکن کو بے انتہا تیز کیا اور دوران خون تیز ہونے کے ساتھ ہی میرے جسم نے جیسے پسینہ اگلنا شروع کر دیا اور تب ہارن ناپسندیدہ انداز میں غرایا۔ اس حالت میں بھی میرا ذہن کام کر رہا تھا اور مجھے لگا کہ میرے جسم سے بو آنے لگی ہے۔ اسی لیے ہارن نے ناپسندیدہ آواز نکالی تھی۔ اب وہ مجھے فوری ہلاک کرنے کی کوشش کرتا یا پھینک دیتا۔ امکان یہی تھا کہ وہ مجھے مارنے کی کوشش کرے گا اور اس کے لیے موزوں ترین طریقہ وہی تھا جو اس نے جلاد کو مارنے کے لیے اپنایا تھا۔ یعنی دیوار پر اتنی قوت سے دے مارے کی ہڈی پہلی سب برابر ہو جائے۔

ہارن نے یہی فیصلہ کیا اور اس نے اچانک میرا ایک شانہ چھوڑ دیا اور دوسرے ہاتھ سے یوں پیچھے کیا جیسے گھما کر دیوار پر دے مارنا چاہتا تھا۔ مگر ہارن دیوار سے دور تھا اور وہ مجھے پکڑے ہوئے نہیں مار سکتا تھا۔ وہ مجھے پھینک کر ہی مار سکتا تھا۔ میں نے بروقت اس کے بہت بڑے کسی موٹی شاخ جیسے ہاتھ پر اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت قائم کی اور شدید جھٹکے کے باوجود اسے نہیں چھوڑا تھا۔ اسے حیرت ہوئی اور جب اس نے مجھے جھلاتے ہوئے ہاتھ دوبارہ پیچھے کیا تا کہ جھٹک سکے تو میں نے اپنی گرفت ختم کر دی۔ میں اڑ کر زمین پر گرا۔ ہارن کے مسلسل دوڑنے اور بول و براز سے مٹی بہت نرم و نرم ہو گئی۔ اس لیے زور سے گرنے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ گرتے ہی میں مؤنٹم کو استعمال کرتے ہوئے گیٹ کے پاس چلا گیا اور ہارن کو ذرا دیر سے احساس ہوا کہ میں نے اس کے ساتھ کیا چالاک کی تھی۔ میں خلا کے پاس تھا جو میں نے دوسری طرف جانے کے لیے تازا تھا۔

ہارن پھر میری طرف لپکا اور مجھے پکڑنے کے لیے جھکا۔ میں خلا کے پاس تھا مگر اس میں داخل ہونے کا وقت نہیں تھا۔ ہارن کے نیچے نما ہاتھ مجھے اٹھانے کے لیے آگے آئے تھے کہ اچانک اس نے بھڑکی ہوئی آواز نکالی اور یوں پیچھے ہٹا جیسے اس نے میری جگہ کوئی زہریلا سانپ دیکھ لیا ہو۔ وہ ذرا دور ہو گیا اور اس بار مجھے اپنے پاس سے آتی بو خود بھی محسوس ہوئی تھی۔ اسی بو نے ہارن کو پیچھے ہٹا دیا تھا۔ مگر اس محدود جگہ اس سے بچنا مشکل تھا وہ دل کڑا کر کے مجھے ایک ہی ہاتھ مار دیتا تو میرا کچھ مر نکل جاتا۔ میرا اس جگہ سے نکلنا ضروری تھا۔ میں نے تیزی سے خلا میں گھسنے کی کوشش کی مگر یہ اتنا کشادہ نہیں تھا کہ میں آرام سے نکل جاتا۔ میں پھنس کر مشکل سے جا رہا تھا۔ ہارن نے مجھے پھر اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ مگر اس بار بھی وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اس کا شکار اس کے ہاتھ سے جا رہا ہے۔ مجھے اٹھانے کی کوشش میں اسے وہ بو برداشت کرنی پڑتی تھی جو اسے انتہائی ناپسند تھی۔

حیرت تھی کہ اس جیسے بدبودار اور اس بدبودار ترین جگہ رہنے والے جانور کو بھی کوئی بدبو ناپسند ہو سکتی تھی۔ شاید یہ اس کے اعصاب پر اثر ڈالتی تھی۔ راجا عمر دراز نے بتایا تھا کہ ایک بار کسی کے پاس سے بو آجائے تو ہارن

اس سے دور بھاگتا تھا۔ مگر یہاں دو قباحتیں تھیں ایک تو ہارن بھاگ نہیں سکتا تھا اور دوسرے وہ انسانوں کے ساتھ رہ کر کسی قدر ہوشیار ہو گیا تھا۔ پتا نہیں یہ وہی ہارن تھا جو راجا عمر دراز کے زمانے میں یہاں لایا گیا یا کوئی دوسرا تھا۔ اس نے ہوشیاری دکھائی اور میری طرف پشت کرنے لگا۔ میری چھٹی حس نے فوری خبردار کیا کہ وہ مجھے دھوکا دے رہا ہے۔ دھوکا دینے کے لیے اپنا منہ میرے پاس نہیں لانا پڑتا، یعنی میرے پاس سے آتی ہونیں سو گھنا پڑتی اور اس کی ہاتھی جیسی لات میرا خاتمہ کر دیتی۔ میں نے اپنی جدوجہد تیز کر دی۔ اب تک میرا پیٹ تک جسم دوسری طرف چاچکا تھا اور اب میں سینہ لے جا رہا تھا۔ سینہ نکل جاتا تو کام آسان ہو جاتا۔

جب میں ہارن سے بچنے کی جدوجہد کر رہا تھا تو اوپر والے دلچسپی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ جلاد کے مارے جانے پر کچھ دیر ہنگامہ ہوا تھا مگر جلدی پجاریوں کو احساس ہو گیا کہ جلاد کی موت اتنی اہم نہیں تھی۔ اہم وہ تماشہ تھا جو انہیں میری موت کی صورت میں دیکھنے کو مل رہا تھا۔ میری جدوجہد اور مزاحمت نے اس تماشے کو مزید دل چسپ بنا دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ میں ممکنہ حد تک ہارن سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ میں زیادہ دیر بچ نہیں سکوں گا۔ مگر جب میں نے گیٹ کے دوسری طرف جانے کی کوشش شروع کی اور اس میں خاصی حد تک کامیاب بھی رہا تھا تو فیرون اور اس کے ساتھی مضطرب ہو گئے اور پھر فیرون نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ مجھے تیر کا نشانہ بنائیں اور وہ غلٹ میں کوشش کرنے لگے۔ جس وقت ہارن مجھے دھوکا دینے کے لیے گھوما اسی وقت اوپر سے تیروں کی پہلی بو چھاڑ آئی اور تقریباً تمام ہی تیر ہارن کو نہایت غیر مناسب جگہ لگے تھے اور اس نے بے ہنگم سی آواز نکالی اور دھوکا دینا بھول گیا۔

صرف ایک تیر میری طرف آیا اور میرے سر کے بالکل پاس لٹھے میں پیوست ہو گیا۔ یہ دو انچ بھی ادھر ہوتا تو میرے سر میں اتر جاتا۔ میرا سینہ اُچھل رہا تھا اور میں سانس بالکل خارج کر کے اس خلا سے گزرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں دونوں ہاتھ اندر کر کے خود کو اندر کھینچ رہا تھا۔ تیر کا ہارن غضب ناک ہو گیا تھا اور وہ پھر میری طرف مڑا اور ایک بار پھر دھوکا دینے کے لیے پاس آنے لگا۔ سپاہیوں نے تیروں کی پہلی بو چھار کے بعد دو کوششیں اور کیں مگر دونوں بار ہارن کی حرکت کی وجہ سے وہ مجھے نشانہ بنانے میں ناکام رہے۔ ہارن کو تیر لگنے پر فیرون ان پر دھاڑ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اتنی تیزی سے نہیں نکل سکوں گا کہ ہارن کی دھوکا دینے سے بچ سکوں اور اگر وہ میرے سر کو نشانہ بناتا تو میری وفات یقینی تھی۔

میں نے سانس روک اور سر گھما کر ہارن کے پیروں کو دیکھا اور اپنا سینہ بائیں طرف سرکایا۔ پہلی کوشش کے بعد میں آرام سے بائیں طرف سرک گیا اور اسی لمحے ہارن نے دھوکا دیا۔ وہ گھوڑے کی تیزی سے دھوکا دینے میں مار پایا تھا اور اسی وجہ سے میں بال بال بچا، تیزی سے سر کئے کی وجہ سے میرا سر بچا اور اس کے کھر کا کچھ حصہ میرے شانے پر لگا اور اس کے ساتھ ہی میں جو دوسری طرف جانے کی کوشش کر رہا تھا ایک ہی بار میں دوسری طرف نکل گیا۔ دراصل اس نے دھوکا دیا مگر میرا پھنسا سینہ نکال دیا تھا۔ جیسے ہی میرا سر نکلا اس نے دوبارہ دھوکا دیا۔ مگر میں اس کی حد ضرب سے دور ہو چکا تھا۔ لٹھے صرف ایک قطار میں نہیں تھے بلکہ یہ قطار در قطار تھے۔ تبھی یہ قائم تھے ورنہ ہارن کی بے پناہ قوت انہیں توڑ دیتی اس نے یقیناً آزاد ہونے کی پوری کوشش کی ہو گی۔ مگر لٹھوں کی مضبوطی زیادہ تھی۔

میں کسی نہ کسی طرح ان سے نکل کر کھلی جگہ آ گیا مگر یہاں مکمل تاریکی تھی اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جدوجہد کے دوران تو احساس نہیں ہوا کہ ہارن کی مددگار لات میں بھی کتنی قوت تھی مگر جب میں کھڑا ہوا تو مجھے شانے میں شدید درد کا احساس ہوا۔ میں نے شانہ دیکھا۔ ہلکا سا درم تھا مگر کندھا اپنا کام کر رہا تھا۔ تاریکی میں کنویں کے اوپر سے چلانے کی آوازیں آرہی تھیں اور میں نے محسوس کیا کہ مجھے وقت ضائع کیے بغیر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ فیرون میرے پیچھے معبد کے سپاہی روانہ کر سکتا تھا اور وہ جانتے تھے کہ اس سرنگ کا راستہ کہاں نکلتا ہے۔ میں تیز قدموں سے اندھیری سرنگ کی دیوارنوں سے ٹکراتے ہوئے آگے چلنے لگا۔ کیرٹ نے جو نقشہ دکھایا تھا اس میں بیٹا نے نہیں تھے۔ مگر تناسب تھا اور یہ سرنگ آرگون اور معبد کو ملانے والے راستے کا ایک چوتھائی تھی۔ یعنی زیادہ سے زیادہ نصف میل لمبی ہو سکتی تھی۔

سرنگ مکمل طور پر کچی تھی اور اس کا زیادہ حصہ پتھر ملا تھا کہیں کہیں سخت مٹی آتی تھی۔ مجھے خوف گڑھوں کا تھا اچانک راستے میں کوئی گڑھا آجاتا تو میں اس میں جا گرتا۔ یا ٹھوکر کھا کر زخمی ہو جاتا۔ لٹھوں کے درمیان سے نکلنے ہوئے میرا کرتہ کئی جگہ سے پھٹ گیا تھا اور ایک طرف سے تو یہ شانے سے ہی اتر گیا تھا۔ دائیں کو لمبے سے بھی پھٹا تھا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ نیچے پا جامہ پہنا ہوا تھا۔ کرتا لمبا ہو کر بار بار پاؤں میں آ رہا تھا اور میری سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے سنبھالوں۔ کبھی اس قسم کا لباس پہنا ہی نہیں تھا۔ اس کے باوجود میں ہر ممکن تیزی دکھا رہا تھا۔ کوئی دس منٹ بعد سرنگ کا فرش اوپر کی طرف جانے لگا یعنی ڈھلان آگئی اور یہاں کئی جگہوں پر پانی کھڑا تھا جب اوپر بارش ہوتی ہوگی تو کچھ پانی یقیناً یہاں آجاتا ہوگا۔ کچھ دیر بعد سرنگ کا دہانہ آگیا اور یہ بھی لٹھوں سے بند تھا۔

یہاں لٹھوں کے درمیان فاصلہ کم تھا کہ اسمار اور گونز جیسے چھوٹے جانور بھی اندر نہ آسکیں اور ظاہر ہے میں بھی اس میں سے نہیں گزر سکتا مگر بند کرنے والوں نے کہیں نہ کہیں کوئی رخنہ چھوڑا ہوگا اور میں نے جلد اسے تلاش کر لیا یہ ایک چھوٹا تختہ تھا جسے بڑی مہارت سے ایک بڑے خلا میں فٹ کیا گیا تھا۔ میں نے اسے کھینچا اور با آسانی اسے نکال لیا۔ خلا کے دوسری طرف روشنی تھی میں لٹھوں سے نکلنے کے بعد جھاڑیاں اور گھاس پھونس ہناتا ہوا کھلے میں آیا۔ یہاں چاروں طرف اونچے گھنے درخت تھے اور ان کے نیچے چھوٹی موٹی بیلیں اور جھاڑی نما پودے اُگے ہوئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ دوپہر کا وقت قریب تھا کیونکہ روشنی میں تقریباً دھوپ جیسی کیفیت تھی حالانکہ سورج کی ذرا بھی جھلک نظر نہیں آرہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کس طرف جاؤں کہ ہڈی چننے جیسی آواز آئی اور ایک طرف سے ایک گونز نمودار ہوا۔

اس نے مجھے دیکھا اور سائلنسر آن کر کے میری طرف لپکا تھا کہ میرے سر کے پاس سے ایک تیر گزر کر اس کے پاؤں میں ران پر پیوست ہو گیا۔ اس نے دردناک آواز نکالی اور واپس ہو گیا۔ اس کا سائلنسر جواب دے گیا کیونکہ اس کے پاس سے ہڈیاں ٹوٹنے جیسی آواز پھر آنے لگی تھی۔ تیر کا نشانہ گونز نہیں بلکہ میں تھا۔ تیر گزرتے ہی میں بھڑک کر بھاگا اور ایک درخت کی آڑ میں ہوتے ہوئے اس سمت دیکھا جہاں سے تیر آیا تھا اور مجھے ایک چھوٹے ٹیلے پر سپاہیوں کے لباس کی جھلک دکھائی دی۔ میرا خدشہ درست نکلا۔ فیرون نے فوراً ہی میرے پیچھے آدمی بھیجے تھے۔ میں پھر بھاگا اور میری کوشش تھی کہ جھاڑیوں اور پودوں کی آڑ میں رہوں۔ تیر انداز

یقیناً ٹیلے تک نہ رہتے بلکہ میرا پیچھا کر کے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کرتے۔ ذرا دور نکلنے کے بعد میں اب ایسی جگہوں کو منتخب کر رہا تھا جہاں میں اپنے جو گرز آزماسکوں۔

بھاگنے سے مجھے دو فائدے ہوتے، ایک میں یہاں سے دور نکل جاتا جہاں میرے دشمن تھے اور دوسرے دوڑنے سے مجھے پسینہ آتا اور اس میں شامل دوا کی بو جانوروں کو مجھ سے دور رکھتی۔ ایک جگہ مجھے چھوٹا سا پانی کا چشمہ نظر آیا۔ میں نے اس کا شفاف پانی چکھا اور پینے کے قابل پا کر چند گھونٹ لیے اور پھر سے دوڑنے لگا۔ ایک جگہ میں غیر متوقع طور پر ایک اسار کے سامنے جا نکلا وہ پیٹ بھر کر قیلو لہ کر رہا تھا۔ مگر مجھے دیکھتے ہی اس نے شاید ڈر کے لیے منتخب کر لیا۔ وہ میری طرف لپکا اور جیسے ہی میرے پاس آیا یوں رخ پھیر کر بھاگا جیسے شیطان لاحول سے بھاگتا ہے۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور آگے بڑھ گیا۔ مجھے جنگل میں اور بھی جانور نظر آئے مگر یہ سب بے ضرر قسم کے چرنے والے تھے جو خود مجھے دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ مگر اب مجھے ہارن، اسار یا گوز کا خوف نہیں رہا تھا۔

وادی کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ معبد بالکل شمال میں تھا اور شمال مشرق میں اوپر سے نیچے آنے والا راستہ تھا۔ وادی کے مشرق اور جنوب میں باغات اور کھیت تھے۔ اس کے مغرب میں زیادہ تر جنگل تھے۔ ویسے جنگل ہر جگہ تھے مگر اصل جنگل یہی تھا جہاں سے میں گزر رہا تھا۔ کسی قدر شمال میں آرگون آباد تھا اور حریف قلعے اس کے بالکل سامنے جنوب میں تھے۔ گویا مجھے جنوب میں جانا تھا۔ یہ فاصلہ کسی طرح دس میل سے کم نہیں تھا۔ مجھے آرگون سے بھی دور رہنا تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس طرف کھیت اور باغات تھے یا نہیں مگر ہونے کی صورت میں آرگون والوں سے سامنا لازمی تھا۔ میں ان سے دور رہنا چاہتا تھا۔ مگر اس سفر کے دوران مجھے کوئی کھیت یا باغ نظر نہیں آیا حد یہ کہ یہاں انسانی آثار بھی نظر نہیں آئے تھے۔ راستے تھے مگر یہ جانوروں نے بنائے تھے۔

سپاہیوں کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ انہوں نے پہلے میل کے بعد ہارمان لی ہوگی۔ معبد کی طرف آتے ہوئے میں نے معبد کے سپاہیوں کی جو گفتگو سنی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ انہیں حرام خوری کی نہایت پختہ عادت ہو چکی تھی۔ انہوں نے میرے پیچھے زیادہ زحمت نہیں کی تھی۔ تیر اندازی میں بھی ان کا اتناڑی پن نمایاں تھا جب وہ تیس پینتیس فٹ کے فاصلے سے مجھے نشانہ نہیں بنا سکے تھے۔ البتہ دونوں باران کی تیر اندازی سے مجھے فائدہ ہوا تھا۔ ہارن کو لگنے والے تیر اس کے لیے کانٹوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے مگر اسے لگے غلط جگہ تھے۔ البتہ گوز اگر زندہ رہا تو ساری عمر اس تیر کو نہیں بھول سکے گا۔ آدھے گھنٹے بعد مجھے دائیں طرف آرگون کے آثار یعنی اس کی فصیل دکھائی دی۔ یہ اس جگہ سے کوئی ایک میل دور تھی اور یہاں بھی فصیل تک کوئی انسانی آثار نہیں تھے۔ مگر اب جنگل چھدر رہا تھا اور کٹے تنوں سے ظاہر تھا کہ یہاں سے ضرورت کی لکڑی حاصل کی جاتی ہوگی۔

سامنے کھیت اور باغ نظر آرہے تھے تو میں رکا اور سستانے لگا۔ میں نقشے کو ذہن میں رکھ رہا تھا۔ اس کے مطابق مجھے آرگون کے سامنے وسطی قلعے تک پہنچنا تھا یہ آرگون سے کوئی چھ سات میل کے فاصلے پر تھا۔ یہاں سے مجھے دائیں طرف مڑنا تھا اور ایک دائرے میں سفر کرتے ہوئے قلعے تک پہنچنا تھا۔ گویا مجھے اب بھی کوئی دس گیارہ میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے پاس سے بدستور بوا رہی تھی اور یہ بو خاصی دیر آتی

چاہیے تھی مگر کچھ کہا بھی نہیں جاسکتا کہ جلد میرا جسم پسینے میں اسے خارج کر دے۔ اس جنگل میں یہی میرا واحد ڈینس تھا۔ اس لیے میں نے کچھ دیر سستانے کے بعد دوبارہ دوڑنا شروع کر دیا۔ اس طرف بلندی سے وادی میں ایک زبردست آبشار گر رہا تھا۔ اصل میں اس میں پانی اتنا نہیں تھا بلندی سے گرنے کی وجہ سے اس میں جھاگ بہت زیادہ ہو گیا تھا اور یہ اپنے اصل حجم سے کئی گنا بڑا ہو کر دکھائی دے رہا تھا۔

کل صبح کے بعد سے مجھے کھانے میں صرف ایک مشروب نما چیز ملی تھی اور پھر گزشتہ ایک گھنٹے سے ہونے والی بھاگ دوڑ نے پیٹ کو بالکل خالی کر دیا تھا اور اب اس میں جو ہے تقریباً میری جتنی رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ مگر مجھے امید تھی کہ میں سامیرا والے قلعے تک پہنچ گیا تو مجھے وہاں کھانے کو مل جائے گا۔ شرط صحیح سلامت وہاں پہنچنے کی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد میں وادی کے جنوبی حصے میں داخل ہو چکا تھا یہاں چٹانیں تھیں اور چھوٹے چھوٹے جنگل تھے جن میں درخت بہت ہی اونچے اور گھنے تھے۔ وادی کی دیوار تک اونچے ہوتے یہ درخت کسی سبز ڈھلان کی طرح لگ رہے تھے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے ان پر سبز رنگ کے پروے تھے ہوں۔ بعد میں پتا چلا کہ یہ تہہ در تہہ بلین تھیں جو درختوں پر پردوں کی طرح تن گئی تھیں اور راجا عمر دراز اوپر سے گرتے ہوئے ایسی ہی بیلوں کی وجہ سے مرنے سے بچ گیا تھا کیونکہ انہوں نے اس کے گرنے کی رفتار کم کر دی تھی۔

کھیتوں اور بانگوں سے دور رہنے کے چکر میں، میں بڑے لمبے چکر میں پڑ گیا تھا۔ پہلے بھاگ بھاگ کر اور اب چل چل کر میرا حشر ہو گیا تھا۔ یہ دوسرا گھنٹہ تھا جو میں مسلسل سفر میں تھا۔ اب بھوک کے ساتھ پیاس بھی لگ رہی تھی مگر یہاں کہیں پانی نظر نہیں آ رہا تھا چند ایک جگہوں پر گڑھوں میں جو پانی دکھائی دیا وہ ناقابل استعمال تھا۔ اب مجھے گرمی لگ رہی تھی مگر پانی کی کمی سے مجھے پسینہ نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھ میں سے آنے والی مخصوص بو بھی کم ہو گئی تھی۔ میں جہاں سے گزر رہا تھا وہاں چٹانیں تھیں اور ان چٹانوں سے جیسے گرمائش آ رہی تھی۔ دھوپ تو تھی نہیں مگر یہ شاید صرف روشنی جذب کر کے بھی گرم ہو جاتی تھیں۔ چٹانوں اور کھیتوں و باغات کے درمیان جھاڑیوں کا ایک بفر زون تھا اور میں اسی کے پیچھے سے گزر رہا تھا۔ اگرچہ امکان تھا کہ یہاں کام کرنے والے اصل میں سامیرا کی رعایا تھے۔ لیکن اب میں کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا اور براہ راست قلعے تک پہنچنا چاہتا تھا۔



پیاس سے اب حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اور اب اگر مجھے کہیں کوئی جوہر نظر آ جاتا تو شاید میں اس میں موجود پانی بھی پینے کو تیار ہو جاتا۔ مگر کوئی جوہر بھی نہیں ملا اور بالآخر میں قلعے تک پہنچ گیا اس تک پہنچنے کے لیے مجھے ایک چھوٹے قلعے کے پیچھے سے گزرنا پڑا تھا۔ دن کا وقت تھا اور قلعے کا چھوٹا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ سپاہی موجود تھے مگر وہ زیادہ توجہ نہیں دے رہے تھے اس لیے میں آرام سے گزر کر قلعے کے اندر پہنچ گیا۔ آرگون کی نسبتاً یہ چھوٹا قلعہ تھا اور یہاں آبادی منظم نہیں تھی۔ گھر چھپوٹے اور گلیاں کسی قدر بے ترتیب تھیں۔ کچھ گلیاں پکی اور کچھ کچی تھیں۔ مگر یہاں لوگ خاصے زیادہ تھے۔ بچے کھیل رہے تھے اور عورتیں آ جا رہی تھیں۔ اگرچہ ان کا لباس اور جوتے اتنے اچھے نہیں تھے جتنے مجھے آرگون میں نظر آئے تھے۔ اسی طرح یہاں لوگوں کی صحت بھی اتنی اچھی نہیں تھی اور وہ کم خور کی کا شکار نظر آ رہے تھے۔ مگر ان کے چہروں پر مجھے انسانی

جذبات دکھائی دیے۔ وہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ ہنس رہے تھے اور کھیل رہے تھے۔ مجھے ایسا کوئی ردِ بوت نہیں دکھائی دیا جیسا کہ آرگون کی گلیوں میں چل پھر رہے تھے۔

ان کو دیکھ کر احساس ہو رہا تھا کہ یہ انسان ہیں اور آزاد ہیں۔ یہاں سپاہی بھی تھے مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ درحقیقت یہاں مجھے دفاعی انتظامات بھی بہت کم دکھائی دیئے تھے۔ یہ قلعہ جنگی سے زیادہ پناہ گزینوں کا کمپ لگ رہا تھا۔ قلعہ زیادہ بڑا نہیں تھا مشکل سے پانچ سو گز لمبا چوڑا ہو گا اور اس میں کوئی بھی عمارت بڑی نہیں تھی۔ چھوٹے چھوٹے مکانات تھے۔ ان میں سے بیشتر لکڑی کے بنے تھے۔ کچھ کچی مٹی اور پتھروں سے بنے تھے۔ اور کچھ پکی اینٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ تقریباً سارے ہی مکانات ایک منزلہ تھے اور مجھے چند ایک ہی مکانات پر دوسری منزل نظر آرہی تھی۔ مشکل سے آدھے گھنٹے میں ہمیں نے پورا قلعہ گھوم کر دیکھ لیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ سامیرا یہاں کہاں ہوگی؟ میں اسے کیسے تلاش کروں جب کہ یہاں کوئی میری زبان بھی نہیں سمجھتا۔

ایک جگہ پانی کا گھڑا نظر آیا جس کے ساتھ مٹی کے پیالے تھے۔ گھڑے سے پانی نکالنے کے لیے ایک گالگ سے تھا۔ میں نے جلدی سے اس سے پانی نکال کر پیالے پر مٹی کی کپڑی سے پانی نکال دیا۔ پانی کی کمی میری طبیعت خراب ہو سکتی تھی۔ پانی پانی کر مجھے سکون ملا تھا اور حلق میں جھپٹے کانٹوں سے سکون ملا تھا۔ ایک گلی میں چند بچے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک دوڑتا ہوا میری طرف آیا اور مجھ سے لکرا اور اچانک رک گیا۔ وہ مجھے گھور رہا تھا۔ چند لمحوں گھورنے کے بعد اس نے کہا۔ ”اسی گلی میں آگے چلے جاؤ سامیرا کا مکان بالکل آخر میں ہے۔“

میں دنگ رہ گیا کیونکہ اس پانچ چھ سال کے بچے کے حلق سے برف والے کی آواز برآمد ہوئی تھی۔ بچے نے جملہ ادا کیا اور دوڑتا ہوا واپس اپنے ساتھیوں کی طرف چلا گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ کیا اسرار تھا؟ برف والے کی پراسرار قوتیں رہ رہ کر سامنے آرہی تھیں۔ پھر میں شور پر چونکا۔ دو بچے اسی بچے کو نیچے گرا کر مار رہے تھے وہ چلاتے ہوئے ان سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں تیزی سے آگے آیا اور دونوں بچوں کو اس سے الگ کیا تو وہ سسکیاں بھرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اس نے ذہنی آمیز لہجے میں کہا۔ ”میں ابھی اپنی ماں کو بتاتا ہوں۔“

اس بار اس کے منہ سے معصوم بچے کی سی آواز نکلی تھی۔ بڑے بچے مجھے اس کا حمایتی پا کر بھاگ گئے تھے۔ بچہ ڈرامہ نہیں کر رہا تھا سچ مچ اس کے توسط سے برف والے نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں گلی کے آخری سرے کی طرف بڑھا جہاں ایک چھوٹا سا احاطہ تھا اور اس احاطے میں وہی چھوٹا سا مکان تھا جس کا نقشہ راجا عمر دراز نے اتنی تفصیل سے بتایا تھا کہ میرے ذہن میں بیٹھ گیا تھا۔ مکان کے برآمدے میں ایک جوان العز اور نہایت حسین عورت کھڑی تھی۔ اس کے نقوش شاہانہ اور دبے والے تھے۔ مجھے اس میں سامیرا کی جھلکی محسوس ہوئی۔ راجا عمر دراز نے سامیرا کا ناک نقشہ بھی وضاحت سے بتایا تھا۔ شاید وہ اس کی بیٹی تھی۔ اگر اس نے خاصی تاخیر سے شادی کی ہوگی تو اس کی بیٹی اب چالیس تک کی ہوگی۔ اگرچہ یہ عورت پینتیس کی بھی مشکل سے لگ رہی تھی۔ مگر اس وادی میں رہنے والوں کی عمریں دراز ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان کی جوانی کا عرصہ بھی طویل ہوتا ہوگا۔ میں احاطے کے کھلے دروازے پر کھڑا تو عورت نے کہا۔

”اندر آ جاؤ شہباز۔“

”ہاں میں راجا عمر دراز کے ساتھ تمہارا بھی انتظار کر رہی ہوں۔“

میں ایک بار پھر دنگ رہ گیا۔ ”آپ..... آپ سامیرا!.....؟“

”ہاں میں سامیرا ہوں۔“ وہ آگے آئی اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے اندر لے آئی۔ میں جیسے خواب کی سی کیفیت میں تھا میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک عورت جو کم سے کم اسی برس کی تھی اتنی جوان اور صحت نظر آسکتی ہے۔ برآمدے میں بید جیسی کسی لکڑی سے بنی کرسیاں رکھی تھیں اس نے مجھے ہٹھایا اور چھوٹی سی تپائی پر رکھا بڑا سا گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ اس میں مشروب تھا اور یہ ایسا تھا جیسے دودھ میں روح افزا ملا دیا جائے مگر اس کا ذائقہ کہیں لا جواب تھا۔ میں نے بڑا سا گلاس چند گھونٹ میں خالی کر دیا کیونکہ میں شدت سے بھوکا تھا اور اس نے خاصی حد تک میری بھوک کا مداوا کر دیا تھا۔ ایسا لگا جیسے وہ واقف ہو کہ میں بھوکا آؤں گا اور مجھے فوری خوراک کی ضرورت ہوگی۔ اس مشروب نے میری ضرورت پوری کر دی تھی۔ گلاس خالی کر کے میرے حواس ٹھکانے آئے۔ اس نے مجھ سے گلاس لے کر رکھ دیا اور بولی۔

”اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟“

”بہتر، لیکن آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں آنے والا ہوں۔“

”اسی نے اطلاع دی جس نے بچے کی مدد سے تمہاری رہنمائی کی تھی۔“ وہ سادگی سے بولی۔ میں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

”یہ کیا ہے ٹیلی پیتھی ہے یا ساحری جو وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے میری مدد کر رہا ہے؟“

”میں نہیں جانتی مگر برف والے کے لیے یہ کام مشکل نہیں ہیں۔“

”اس نے مجھے یہاں بھیجا مگر پہلے آرگون والوں کے حوالے کر دیا اور سمجھ لیں کہ میں موت کے منہ سے نکل کر یہاں آیا ہوں۔“

”مجھے معلوم ہے لیکن بچنا تمہارا مقدر ہے۔ کامیابی تمہارا مقدر ہے۔ تم یہاں آگئے ہو اب ہم آرگون اور اس وادی کو ان لوگوں سے آزاد کرالیں گے۔“

میں سوچ رہا تھا کہ بہ ظاہر تو برف والے نے آرگون والوں کی حمایت کی تھی مگر درحقیقت وہ سامیرا کے ساتھ تھا اور اسے معلوم تھا کہ سامیرا کامیاب رہی تو وادی کا صدیوں پرانا سسٹم ختم ہو جائے گا اور وہ اس سسٹم کو ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شاید اس کا کہنا بھی درست تھا کہ اسی سسٹم نے وادی میں انسانوں کی بقا کو ممکن بنایا تھا ورنہ ان کے آپس کے جھگڑے یہاں کی تباہی کا سبب بن جاتے۔ سامیرا مجھے دیکھ رہی تھی اس نے سر ہلایا۔ ”تم ٹھیک سوچ رہے ہو آزادی یہاں کی تباہی ہوگی۔ لیکن ہر بقا کو فنا ہے اور شاید فنا کا وقت قریب آ گیا ہے۔“

میرے جسم میں اس کے الفاظ نے سنسنی دوڑا تھی۔ ”آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔“

”کیونکہ مجھے لگ رہا ہے کہ صرف اس وادی کا ہی نہیں اس دنیا کا انجام بھی قریب ہے۔“

میں نے سر ہلایا۔ ”شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ بھی یہی کہتا ہے کہ دنیا کا انجام قریب ہے۔“

”اس لیے ہمیں ان لوگوں سے نجات حاصل کرنی ہے تاکہ اس انجام سے پہلے سب اپنا اپنا راستہ چن

”کیں۔“

میں اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”کون سے راستے؟“
 ”وہ راستے جو ناکامی اور کامیابی کی طرف جاتے ہیں۔“ اس نے کہا۔ ”خیر یہ بعد کی باتیں ہیں ابھی میں
 تم سے وہ بات کرنا چاہتی ہوں جس کے لیے تمہیں یہاں بھیجا گیا ہے۔“
 پہلے برف والے، پھر کیرٹ اور اب سامیرا کی باتوں سے مجھے لگ رہا تھا کہ ریٹا اور سامیرا کے
 درمیان ہونے والے معرکے میں مجھے کسی ایک طرف کی سپاہ کی کمان کرنی تھی۔ میں نے پوچھا۔ ”مجھے کس لیے
 بھیجا گیا ہے؟“

”تم جانتے ہو۔“ سامیرا نے اپنی فیسوں خیر آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک اور
 تازگی تھی کہ میں نے بہت کم آنکھیں ایسی دیکھی تھیں۔

”کسی حد تک جانتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن بہتر ہوگا کہ تم کھل کر بات کرو۔“
 اس نے گہری سانس لی۔ ”شہباز میں چاہتی ہوں کہ تم میری طرف سے اس جنگ میں حصہ لو اور میری
 فوج کی کمان کرو۔“

میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ”مگر مجھے فوجی کمان کا کوئی تجربہ نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہارے طریقہ جنگ
 سے واقف ہوں۔“

”تم کر لو گے۔“ اس نے اصرار کیا۔ ”برف والے کا کہنا ہے کہ تم کر سکتے ہو۔“
 میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ تو کام سر پر پڑ جانے والی بات تھی۔ اگر میں نہ کرتا تب بھی مارا جاتا۔ اگر ریٹا
 ان لوگوں پر قابو پالیتا تو سب سے پہلے میرا خاتمہ کرتا۔ اس لیے مجھے تو لڑنا ہی تھا مگر میں اتنی بڑی ذمہ داری
 لینے سے گھبر رہا تھا۔ ہزاروں لوگوں کی زندگی و موت میرے شانوں پر آ جاتی اور میں خود کو اتنا بڑا بوجھ اٹھانے
 سے معذور سمجھ رہا تھا۔ سامیرا نے میرے شانے پر اپنا نرم و نازک ہاتھ رکھا۔ ”مجھے معلوم ہے عمر دراز تمہیں بیٹے کی
 طرح سمجھتا ہے اس رشتے سے تم میرے بھی بیٹے ہوئے اور کوئی ماں اگر اپنے بیٹے سے توقع رکھے تو کیا وہ اسے
 پورا نہیں کرے گا۔“

”بہت بے حمیت بیٹا ہوگا جو ماں کی بات پوری نہیں کرے گا۔“
 ”تب سمجھ لو کہ ایک ماں تم سے توقع کر رہی ہے کہ اس کا بیٹا اسے اس کے دشمنوں سے بچائے گا اور اس
 کے دشمنوں کو ختم کر دے گا۔“

میں نے گہری سانس لی۔ ”آپ نے بات ایسی کر دی ہے کہ اب میں انکار کا سوچ بھی نہیں سکتا مگر
 میں کامیابی کا دعویٰ بھی نہیں کروں گا۔ بس یہ کہہ سکتا ہوں کہ اپنی جان لڑانے تک سب کر گزروں گا۔“
 وہ خوش ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ”مجھے معلوم تھا کہ تم انکار نہیں کرو گے۔ آؤ تم تھکے
 ہوئے ہو آرام کرو پھر میں تمہیں سب بتاؤں گی۔“ وہ مجھے مکان کے اندر لے آئی اور وہاں ایک سادہ مگر آرام دہ
 بستر تھا۔ نہ جانے کیوں یہ جگہ مجھے وہی لگی جہاں راجا عمر دراز رہا تھا۔ اس نے بستر پر بیٹھایا اور بولی۔ ”اس بستر کو
 سوائے عمر دراز کے کسی مرد نے نہیں چھوا ہے۔ مگر تم اس کے بیٹے جیسے ہو اور تم اس پر سونے کے حقدار ہو۔“

”آپ نے شادی نہیں کی؟“ میں نے آہستہ سے پوچھا۔

”نہیں، حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ عمر دراز نے شادی کر لی تھی اور اب اس کے بچوں کے بچوں کی بھی شادی ہو گئی ہے۔“

”جب آپ یہ جانتی ہیں تو یہ بھی جانتی ہوں کہ راجا صاحب کے دل میں جو مقام آپ کا ہے وہ کسی کا بھی نہیں ہے۔“

”میں جانتی ہوں۔“

میں سوچ رہا تھا کہ کیا وہ جانتی ہے کہ راجا عمر دراز بھی اس وادی میں آچکا ہے اور یہ کہ اپنی زندگی کے آخری دور میں ہے کیونکہ اس کے جسم میں پلٹے والا کینسر لا علاج ہو گیا ہے۔ سامیرا وہاں سے چلی گئی تھی۔ میں جو تے اتار کر بستر پر دراز ہو گیا۔ میرا لباس پھٹ گیا تھا مگر خاص فرق نہیں پڑا تھا کیونکہ اس کے نیچے آدھی آستین کی بنیان موجود تھی۔ میں لینا تھا مگر نیند نہیں آئی تھی بس ایک جھپکی سی آئی اور میں پھر ہوشیار ہو گیا۔ شاید اس ذمے داری کے خیال نے مجھے گہری نیند سے باز رکھا جو میرے شانوں پر ڈال دی گئی تھی۔ میں اٹھا تھا کہ سامیرا آگئی اس نے کہا۔ ”تمہارے غسل کے لیے پانی رکھ دیا ہے اور دوسرا لباس بھی ہے۔“

میں خوش ہو گیا کیونکہ شدت سے اس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ سفر کے دوران میرا جسم میل جمع کرتا رہا تھا اور رہی ابھی کسر آج کی در بدری نے پوری کر دی تھی۔ پردوں سے گھرے اس غسل خانے میں بڑے سے لکڑی کے ٹب میں پانی تھا اور اس سے ایسی خوشبو آرہی تھی جیسے اس میں اعلیٰ درجے کا کلون ملا ہو۔ بلکہ شاید کسی کلون کی بھی ایسی خوشبو نہیں ہوگی۔ ایک صابن نمائیکہ سی تھی اور جسم صاف کرنے کے لیے جالی دار کپڑا بھی تھا۔ میں دل سے نہایا اور خود کو بہت تر و تازہ محسوس کیا تھا۔ ایک طرف الگنی پر نیا پاجامہ اور نیا کرتہ لٹک رہا تھا۔ دونوں چیزیں میرے ناپ کے مطابق تھیں۔ صابن نمائیکہ نے حیرت انگیز صفائی کی تھی۔ اس نے میرے بال بھی ریشمی کر دیئے تھے۔ میں کپڑے پہن کر باہر آیا تو سامیرا نے برآمدے میں ہی چھوٹی سی میز پر کھانا لگایا ہوا تھا۔ تاریکی چھانے والی تھی اور گھر میں اور باہر شمعیں اور شعلیں روشن ہو گئی تھیں۔

کھانے میں سبز یوں اور اجناس سے بنی چیزیں تھیں اور سب خوب تھیں۔ بیٹھے میں شہد اور گندم سے بنی ہوئی نمکیاں تھیں جیسی کبھی کبھی ماں جی بھی بناتی تھیں۔ سامیرا اصرار کر کے کھلاتی رہی۔ ساتھ ہی وہ مجھ سے بات بھی کر رہی تھی۔ اس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا اور میں اسے بتاتا رہا۔ پھر وہ اپنے بارے میں بتانے لگی کہ اور گان کے بعد اس نے بہت مشکل وقت گزارا۔ نیکاٹ کا رویہ دوستانہ نہیں تھا کیونکہ اور گان نے راجا عمر دراز کے معاملے میں اسے دھوکا دیا تھا۔ صرف مہا پجاری ہونے کی وجہ سے وہ محفوظ رہا تھا۔ اور گان کی وفات کے بعد سامیرا اسے اس کا رویہ معاودانہ رہا اور اس نے سامیرا کے آگے آنے پر پابندی لگا دی تھی۔ شاید اس لیے بھی کہ سامیرا اس طرز حکمرانی اور اس نظام کے خلاف ہو گئی تھی جس کا مشاہدہ اس نے معبد میں قیام کے دوران کیا تھا۔ اب وہ اس کے خلاف عملی جدوجہد کر رہی تھی۔

عجیب بات تھی اس نے ساری باتیں کر لیں مگر اس نے راجا عمر دراز کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ وہ اس کے ماضی کے بارے میں ضرور بات کرتی رہی مگر اس کے حال کے بارے میں بات کرتے ہوئے گریز

کر رہی تھی۔ کھانے کے بعد اس نے خود برتن اٹھائے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس مکان میں اکیلی رہتی تھی اور اس کے پاس ایک ملازم تک نہیں تھا۔ اس کا گھر اور کوئی چیز بھی امتیازی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ جس سے پتا چلتا کہ وہ ریناٹ کی مخالف حکمران ہے اور اس کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے۔ جب وہ چائے جیسا مشروب لے کر آئی تو میں نے اس سے پوچھا۔ ”آپ یہاں اکیلی نظر آ رہی ہیں، آپ کے پاس جنگی قوت بھی اتنی نہیں لگ رہی ہے۔ یہاں کے برعکس میں نے آرگون میں بہت زیادہ فوجی قوت دیکھی ہے۔“

”یہ حقیقت ہے کہ ہم سپاہیوں کی تعداد اور اسلحے کے لحاظ سے ریناٹ کا مقابلہ نہیں کر سکتے مگر یہ جنگ ہمیں یہ سوچ کر لڑنی ہے کہ یہ ہماری بقا کی جنگ ہے۔ اگر ہم ہار گئے تو اپنی زندگی ہار جائیں گے اور وادی کے لیے ہمیشہ کے لیے غلام بن جائیں گے۔“

”وہ غلام ہیں۔“

”نہیں انہوں نے خود پر ایک خول چڑھا رکھا ہے۔ تم نے یہاں کے لوگوں کو نہیں دیکھا کیا وہ تمہیں عام انسان نہیں لگے۔“

میں نے اعتراف کیا اور بولا۔ ”مگر مجھے آپ کے پاس ذرائع کی بھی کمی نظر آئی ہے۔“

”یہ حقیقت ہے کیونکہ یہاں ہمیں ہر چیز کی کمی ہے۔ خوراک کی ضرورت بھی مشکل سے پوری ہوتی ہے۔ دوسری چیزیں بھی سب کو پوری نہیں ملتی ہیں۔ البتہ ہم نے اسلحہ خاصا بنا لیا ہے اور ہمارے پاس کل وقتی سپاہی کم ہیں مگر رضا کار بہت ہیں۔“

”ان کی جنگی مہارت کیا ہے؟“

”سپاہیوں جیسی تو نہیں ہے لیکن وہ ضرورت پڑنے پر جنگ لڑ سکتے ہیں۔“

”مجھے ان کو دیکھنا ہوگا۔“ میں نے کہا۔ ”آرگون میں آپ کے جاسوس ہیں؟“

”بالکل ہیں۔“

”ان کو پیغام بھیج دیں کہ ریناٹ کی فوجوں کی تیاری پر مسلسل نظر رکھیں اور ان کے بارے میں ہر ممکن معلومات یہاں بھیجیں۔“

وہ چونکی۔ ”تمہارے خیال میں خطرہ ہے؟“

”بالکل ریناٹ جلد ہم شروع کر دے گا اور اس میں شاید چند دن بھی باقی نہیں رہے ہیں۔“

”میرا خیال تھا کہ تم نے تصدیق کر دی۔“

”کیونکہ بھی اس معاملے میں بے چین تھا۔“

”میں ابھی اپنے اہم لوگوں کو بلائی ہوں اور جاسوسوں کے لیے پیغام بھیجتی ہوں۔“ سامیرا نے کہا اور اٹھ کر گھر سے نکل گئی۔ ایسا لگ رہا تھا اسے سب خود کرنا پڑتا تھا۔ جب کہ اسے لازمی اپنے ساتھ چند آدمی رکھنے چاہیے تھے جو بہ وقت ضرورت اس کے حکم کی تعمیل کر سکیں۔ ذاتی ملازم نہ سہی اسے اپنے کام کے لیے ملازم رکھنے چاہیے تھے تاکہ اس کا وقت بچتا اور وہ اہم کاموں پر توجہ دے سکتی۔ مگر شاید وہ مسادات کے چکر میں اس سے گریز کر رہی تھی۔ اس کی واپسی کچھ دیر بعد ہوئی اور اس نے ساتھ میں آدمی بھی لے کر سامیرا کے پاس پہنچا۔

تھا۔ سامیرا نے میرا تعارف کرایا اور برف والے کا حوالہ دیا تو وہ مجھ سے گرم جوشی سے ملے تھے۔ صرف سامیرا میری بات سمجھ سکتی تھی اور وہ ترجمان بنی ہوئی تھی اس نے ان پر واضح کر دیا کہ اب اس جنگ کا کمانڈر میں ہوں گا جو چند دن میں لڑی جانے والی ہے۔ میرے کمانڈر بننے پر انہوں نے کوئی مخالفانہ رد عمل نہیں دیا مگر وہ یہ سن کر متفکر ہو گئے تھے کہ جنگ چند دن میں ہونے والی تھی۔ سامیرا نے ان کا تعارف کرایا۔

”یہ سومرو ہے۔“ اس نے درمیانی عمر کے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ ”فوج کا سربراہ یہ ہے۔“ پھر دوسرے آدمی کی طرف اشارہ کیا جو سچا جوان تھا۔ ”یہ کانٹور ہے، تیرا انداز دستے کا سربراہ اور یہ میناٹ ہے نیزہ بردار دستے کا سربراہ۔“

میناٹ عمر رسیدہ اور سمارٹ جسم کا مالک تھا جیسا کہ ایک نیزہ باز کو ہونا چاہیے۔ تعارف کے بعد میں نے سومرو کی طرف دیکھا اور پہلا سوال کیا۔ ”تمہارے پاس تربیت یافتہ سپاہی کتنے ہیں؟“

”ایک ہزار کے قریب ہیں۔“ اس نے سامیرا کے توسط سے جواب دیا۔ ”ان میں چار سو نیزہ باز ہیں، چار سو تیرا انداز اور دو سو مختلف طریقوں سے لڑنے والے سپاہی ہیں۔“

”رضا کاروں کی تعداد کیا ہے؟“

”دو ہزار رضا کار ہیں۔“ اس نے بتایا۔ سامیرا نے اس کا جواب مجھ تک پہنچایا اور بولی۔ ”ہمارے ساتھ موجود افراد کی کل تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ یوں سمجھ لو کہ پندرہ سے ستر برس کی عمر کا ہر فرد لڑنے والوں میں شامل ہوگا۔“

میں فکرمند ہو گیا کیونکہ آرگون میں، ہمیں نے صرف ڈیوٹی پر اس سے زیادہ سپاہیوں کو دیکھا تھا۔ ایک ہزار سے زیادہ سپاہی تو باہر کام کرنے والوں کی حفاظت پر مامور تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ریناٹ کے پاس تربیت یافتہ فوج ہی اس سے زیادہ ہوگی۔ میں نے آرگون کی فصیلوں پر بھاری تیر پھینکنے والی مشینیں کمانیں دیکھی تھیں جب کہ یہاں مجھے ایسی کمانیں دکھائی نہیں دی تھیں۔ سامیرا نے تصدیق کی کہ ان کے پاس ایسی کمانیں نہیں تھیں۔ اس نے کہا۔ ”ان کو بنانے والے کچھ ماہر ہیں اور وہ سب آرگون میں ہیں۔“

اگر ماہر میسر بھی ہوتے تو اب ہتھیار سازی کا وقت نہیں تھا۔ میں نے سومرو سے کہا۔ ”کل صبح میں تمام لڑنے والوں کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں جیسے ہی روشنی ہو ان کو قلعے کے عقب میں واقع میدان میں جمع کر لیا جائے۔“

اس نے یقین دلایا کہ ایسا ہو جائے گا۔ میں نے مزید ہدایت کی تیرا انداز الگ ہوں، نیزے باز الگ اور دوسرے ہتھیار استعمال کرنے والے الگ ہوں۔ ساتھ ہی رضا کار اور پیشہ ور سپاہی بھی الگ الگ ہوں۔ اس کے ساتھ میں نے مزید کچھ ہدایات دیں۔ وہ تینوں رخصت ہوئے تو میں نے سامیرا سے کہا۔ ”کیا آپ کو ان تینوں پر مکمل اعتماد ہے؟“

”ہاں کیونکہ یہ میرے شروع کے ساتھیوں میں سے ہیں جب نیکاٹ نے مجھ پر آرگون آنے کی پابندی لگائی یہ تب سے ساتھ ہیں اور انہوں نے ہی اس تحریک مزاحمت کو منظم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ کیا تم ان پر شک کر رہے ہو؟“

”میرا تعلق جس دنیا سے ہے وہاں آنکھ بند کر کے کسی پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے۔“ میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ”خاص طور سے معاملہ بھی جب دنیا کا ہو۔“

وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں نے کبھی ان میں حکومت کا اقتدار کا لالچ محسوس نہیں کیا۔“

”کیا ان کے خاندان بھی یہاں ہیں؟“

”ہاں ان تینوں کے خاندان یہاں ہیں صرف میناٹ کی پہلی بیوی اور بچے آرگون میں ہوتے ہیں انہوں نے اس کے ساتھ آنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے یہاں آ کر دوسری شادی کر لی۔“

مجھے میناٹ کی دوسری یا تیسری شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے میں نے پوچھا۔ ”آپ یہاں کا نظام کس طرح چلاتی ہیں۔“

”تقریباً سب طے شدہ ہے ہر شعبے کے سربراہ ہیں جو اپنے اپنے شعبوں کے ذمے دار ہیں۔ ہاں کوئی مسئلہ ہو تو پھر میرے پاس آتے ہیں اور میرا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔“

”کسی بھی حکمران سے لوگ سو فیصد مطمئن نہیں ہوتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے یہاں موجود لوگ آپ سے کس حد تک مطمئن ہیں؟“

میرے اس سوال پر اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ”ایسا تو کبھی میں نے سوچا نہیں میرا خیال ہے میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ مجھ سے مطمئن نہ ہوں۔“

میں مسکرایا۔ ”آپ بہت ذہین ہیں مگر سیاسیات کا علم کچھ اور ہی کہتا ہے۔ بہترین طرز حکمرانی سے بھی سب لوگ مطمئن نہیں ہوتے۔ اگر حکمران رعایا کو اپنا گوشت نکال کر بھی کھلا دے تب بھی وہ سب کو مطمئن نہیں کر سکتا ہے۔“

سامیرا الجھن میں پڑ گئی۔ ”تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟“

”کبھی آپ نے جاننے کی کوشش کی کہ ریناٹ کے جاسوس یہاں موجود ہیں یا نہیں۔“

”نہیں کیونکہ یہاں سب لوگ دیکھے بھالے ہیں اور کئی عشروں سے یہاں رہ رہے ہیں۔“

”اس سے یہ نتیجہ بالکل نہیں نکلتا ہے کہ یہاں ریناٹ کے جاسوس موجود نہیں ہیں۔“

سامیرا اس بار پریشان ہو گئی اور اس نے اظہار بھی کر دیا۔ ”شہباز تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔“

”میں نے آپ کو خواب غفلت سے جگا دیا ہے۔ اب آپ اپنے ذہن آدمیوں کو اس پر لگائیں کہ وہ مشکوک سرگرمیاں کرنے والوں پر نظر رکھیں۔ جیسے آپ کے جاسوس آرگون میں ہیں بالکل اسی طرح ریناٹ کے جاسوس یہاں ہو سکتے ہیں۔“

”لوگ ریناٹ سے نفرت کرتے ہیں۔“

”ضروری نہیں ہے لوگ جس سے نفرت کرتے ہوں اس کے لیے کوئی کام کرنے کو آمادہ نہ ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”لالچ بہت بڑا عنصر ہے اسی طرح بہت سے لوگ ہوں گے جو پرانے نظام کو ہی وادی کی بقا کا ضامن سمجھتے ہوں گے اور وہ اسے برقرار رکھنا چاہتے ہوں گے چاہے انہیں ریناٹ کی حمایت کیوں نہ کرنی

پڑے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ریٹائٹ ایک شخص ہے جو بالآخر گزر جائے گا اور اس کے بعد وادی کے حکمران پھر سے معمول پر آجائیں گے۔ مطلب یہ کہ نظام برقرار رہنا چاہیے۔“

”ایسا نہیں ہے ریٹائٹ نے نظام کو مکمل طور پر اپنے مقاصد کے لیے تبدیل کر دیا ہے۔“

”صرف اپنے اور اپنے نونے کی حد تک عام لوگوں کے لیے پرانا نظام موجود ہے۔“

سامیرانے سر ہلایا۔ ”میں دیکھتی ہوں لیکن اس کے لیے آج رات مصروف رہنا پڑے گا۔ اب تم آرام کرو۔“

”میں زیادہ دیر آرام نہیں کروں گا کیونکہ وقت کم ہے اور رات کی تاریکی بہت سی سرگرمیوں کے لیے اچھی ہوتی ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے ایک رہنما دے دیں جو یہاں سے اچھی طرح واقف ہو اور لوگ بھی اسے جانتے ہوں۔“

”میں اس کا بندوبست بھی کرتی ہوں۔“ سامیرانے کہا اور پھر کھڑی ہو گئی۔ میرا اندازہ درست تھا وہ ہر کام خود کرتی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میں کرسی پر ہی آرام کرنے لگا۔ اگرچہ مجھے دو دن میں آرام کا موقع کم ملا تھا اور ایک رات میں آرام کے بجائے اذیت میں گزاری تھی۔ مگر میں سچ سچ اس وقت خود کو چاک و چوبند رکھنا چاہتا تھا۔ کرسی پر ہی اونگھتے ہوئے مجھے نیند آگئی۔ پھر کسی وقت سامیرانے مجھے جگایا۔ وہ آگئی تھی۔ ”تم یہاں کیوں لیٹے ہو اندر چلے جاتے۔“

”نہیں مجھے یہاں اچھا لگ رہا تھا۔“ میں نے کہا۔ ”آپ کب آئیں؟“

”ابھی آئی ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”ابھی نصف رات کا وقت ہے۔ مجھے دونوں قلعوں میں جانا پڑا اور ہاں میں تمہارے لیے ایک رہنما لائی ہوں۔ وہ یہاں ہر جگہ اور ہر چیز سے واقف ہے لوگ بھی اسے جانتے ہیں۔“

”اب میری باری ہے آپ آرام کریں اور میں باہر جاتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”اسے بلا لیں۔“

سامیرانے باہر موجود آدمی کو بلایا اور وہ آیا تو میں ذرا حیران ہوا۔ وہ لڑکی تھی۔ یہاں عمروں کا پتا نہیں چلتا ہے مگر وہ نوجوان ہی لگ رہی تھی۔ اس کے حسن میں کسی کی تروتازگی شامل تھی۔ اس نے شوخ سرخ رنگ کا کرتہ پہن رکھا تھا۔ سامیرانے تعارف کرایا۔ ”یہ رو میر ہے۔“

”کیا یہ میری بات سمجھ سکے گی؟“

”میں نے اسی لیے اسے منتخب کیا ہے۔“ سامیرا بولی اور لڑکی کو حکم دیا۔ ”ادھر آؤ۔“

وہ آگے آئی تو سامیرانے اسے کرسی پر بٹھا کر اس کی کن پٹی پر اپنا انگوٹھا رکھا اور پھر درمیانی انگلی اس کے ماتھے پر رکھ کر کن پٹی پر انگوٹھے کا داؤ ڈالا۔ روپور اسی طرح بے ہوش ہو گئی جیسے میں بے ہوش ہوا تھا۔ سامیرانے میری طرف دیکھا۔ ”اسے کچھ وقت لگے گا ہوش آنے میں۔“

میں حیران تھا۔ ”آپ یہ علم جانتی ہیں؟“

”ہاں مہا پجاری بننے کے لیے لازمی علوم میں ایک یہ بھی شامل ہے۔“

”مگر فیرون مہا پجاری ہوتے ہوئے بھی اس سے لاعلم ہے۔“

”وہ نشہ کرتا ہے اور اس کا اپنا دماغ اس قابل نہیں رہا ہے کہ اپنی اس صلاحیت کو استعمال کر سکے ہاں وہ

چاہے تو کسی دوسرے ایسے شخص کے دماغ کی صلاحیت بیدار کر سکتا ہے اس میں اولین شرط نشہ نہ کرنا ہے اسی لیے میں نے اس لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔“

اب میں سمجھا تھا شاید ڈیوڈ شاخو دہی یہ صلاحیت استعمال نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں نے اسے اکثر نشے کی حالت میں دیکھا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”یہ لڑکی ہے کیا اس کا میرے ساتھ رات کے وقت گھومنا مناسب ہوگا میرا مطلب ہے.....؟“

”میں سمجھ رہی ہوں لیکن تم فکر مت کرو کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔“

میں نے پوچھا۔ ”آپ کے پاس یہاں کا کوئی نقشہ ہے؟“

”ہاں میں لاتی ہوں۔“ وہ اندر گئی اور ایک چرمی نقشہ لے آئی یہ کسی جانور کی کھال پر بنا ہوا تھا اور اس میں سوادی اور یہاں کی زمین کا تفصیلی نقشہ موجود تھا۔ آرگون شہر اور تینوں قلعوں کی بھی مکمل وضاحت تھی۔ اسی طرح آرگون اور معبد کو ملانے والی سرنگ بھی اس میں نمایاں تھیں۔ البتہ وہ راستہ نہیں تھا جو معبد سے باہر آتا تھا اور جس سے میں نکلا تھا۔ میں نے سامیرا کو آرگون اور معبد والی سرنگ کا وہ حصہ دکھایا جہاں سے اندر جایا جاسکتا تھا۔ پھر اس خفیہ راستے کی نشان دہی کی جو تفصیل سے اندر جاتا تھا۔ ان جگہوں پر نشانات لگائے جہاں آرگون میں ہمارے حمایتیوں کے ٹھکانے تھے۔ آخر میں، میں نے اس راستے کی نشان دہی کی جو جنگل سے معبد کے اندر جاتا تھا۔ میں بالکل ٹھیک تو نہیں لیکن کسی حد تک درست نشان دہی کرنے میں کامیاب رہا تھا۔ مگر سامیرا نے کوئی رد عمل نہیں دیا تھا جب میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔ ”اس کا فائدہ..... اصل میں تو ہم نے اپنا دفاع کرنا ہے۔“

”یہ ایک تجویز ہو سکتی ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ جارحیت ہی بہترین دفاع ہے۔“

”میرا نہیں خیال کہ ہم حملہ کرنے والی حالت میں ہیں۔“

میں نے فی الحال سامیرا سے بحث سے گریز کیا۔ ابھی میں یہاں کے حالات دیکھ لینا چاہتا تھا اس کے بعد ہی میں حتمی فیصلہ کرتا کہ مجھے کیا کرنا ہے البتہ ایک بات میں نے سوچ لی تھی کہ اگر میرے فیصلے سے انحراف کیا گیا تو میں اس معاملے سے دست کش ہو جاؤں گا۔ رویہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوش میں آگئی اور سامیرا نے اسے ایک مشروب دیا۔ اسے پی کر وہ چاک و چوبند نظر آنے لگی۔ میں نے تجربے کے طور پر پوچھا۔ ”اب تم کیسا محسوس کر رہی ہو؟“

وہ ذرا حیران ہوئی اور پھر خوش ہو کر بولی۔ ”مجھے تمہاری زبان سمجھ میں آ رہی ہے۔ میں اب ٹھیک ہوں۔“

”سامیرا نے بتایا ہے کہ تم یہاں سے اچھی طرح واقف ہو؟“

”ہاں کیونکہ میں گھر گھر جا کر سامیرا کی طرف سے لوگوں کے مسائل کا پوچھتی ہوں۔ مجھے یہاں کی

جگہوں اور لوگوں کا اچھی طرح علم ہے۔“ اس نے کہا۔ ”میں سامیرا کے لیے کام کرتی ہوں۔“

میں نے دیکھا کہ یہاں براہ راست نام لینے کا رواج تھا۔ صرف بادشاہ اور مہا پجاری کے لیے مخصوص القاب تھے۔ باقی سب کے نام تھے اور ولدیت شامل کرنے کا تکلف بھی نہیں کیا جاتا تھا یعنی سب کے اکیلے نام تھے۔ میں نے سامیرا سے کہا۔ ”مجھے ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔“

”رویہ بہترین سپاہی بھی ہے۔“ سامیرا نے کہا۔

میں نے نرمی سے کہا۔ ”ضرور ہوگی لیکن میں اپنی حفاظت کا خود قائل ہوں۔“

سامیرا نے اندر سے ہنسنے لگا۔ تیر کمان کے استعمال میں مہارت درکار ہوتی ہے جو ظاہر ہے میرے پاس نہیں تھی۔ البتہ روبیر کے پاس تیر کمان تھے اور یہ سامیرا کے گھر کے دروازے پر رکھے تھے اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی لٹھی تھی۔ اس کے دونوں سروں پر کڑے جیسے پتھر تراش کر فٹ کیے گئے تھے اور اسے ایک مہلک ہتھیار کی صورت دے دی گئی تھی۔ میں روبیر کے ساتھ باہر آیا۔ یہ قلعہ تو میں نے سامیرا کی تلاش میں پورا دیکھ لیا تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ”مجھے باقی دو قلعے دیکھنے ہیں۔“

”آؤ لیکن محتاط رہنا رات کے وقت یہاں گونا گوارا سمار چلے آتے ہیں۔ ہمیں سپاہی ساتھ لینے ہوں گے۔“

باقی دو قلعوں کا درمیانی قلعے سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا ایک قلعہ دائیں طرف کوئی تین سو گز کے فاصلے پر تھا۔ روبیر نے تیز روشنی والی دو مشعلیں لے لیں ایک میں نے اٹھالی اور دوسری اس کے پاس تھی۔ پہلے ہم دائیں طرف والے قلعے تک آئے۔ روبیر نے احتیاطاً چار سپاہی ساتھ لے لیے جو رات کے پہرے پر تھے۔ سپاہیوں کی موجودگی سے مجھے بھی اطمینان ہوا تھا کیونکہ میں قلعوں کا باہر سے جائزہ لینا چاہتا تھا۔ یہ ہماری دفاعی لائن تھی اور اس میں کوئی رخ نہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ قلعوں کی فیصلوں پر تیز روشنی والی مشعلیں لگی ہوئی تھیں اور ان کی روشنی دور تک جا رہی تھی۔ مقصد دشمن کے اچانک حملے سے باخبر رہنا تھا۔ میں اور روبیر دو ڈھائی گھنٹے تک قلعوں کا جائزہ لیتے رہے۔ اس دوران میں مجھے چند کمزور پہلو نظر آئے اور میں نے روبیر کو نشان دہی کرادی۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ ذہین لڑکی تھی اور بات کو جلدی سمجھ جاتی تھی۔ اسی لیے سامیرا نے اسے میرے ہمراہ کیا تھا۔ اس کی دوسری بات مجھے یہ پسند آئی کہ اس نے صنفی جھگ یا بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کیا اور میرے ساتھ ایسے رہی جیسے کوئی مرد رہ سکتا تھا۔ جب تک ہم باہر رہے۔ اس دوران میں باہر صرف ایک بار اسار نے ہماری طرف آنے کی کوشش کی اور تیر اندازوں کی کارروائی شروع ہوتے ہی فرار ہو گیا تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ تیر کس قدر تکلیف دہ چیز ہیں۔ جب ہم واپس آئے تو کسی قدر روشنی نمودار ہو رہی تھی اور یہ تاروں والی رات تھی یعنی آسمان صاف تھا۔ روشنی کے ساتھ ہی دھند اٹھنا شروع ہو گئی۔ تینوں قلعوں میں سپاہ اور رضا کار تیار ہو رہے تھے اور قلعے سے نکل کر وسطی یعنی سامیرا والے قلعے کے عقب میں موجود میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ ان میں سپاہی اپنی وردیوں میں تھے اور رضا کار عام لباس میں تھے۔

میں اور روبیر سامیرا کے گھر پہنچے جہاں وہ اور اس کے تینوں خاص آدمی موجود تھے۔ سامیرا ان سے میٹنگ کر رہی تھی اور شاید انہیں میرے خدشات سے آگاہ کر رہی تھی۔ آرگون میں موجود جاسوس مینا کا شعبہ تھے اور وہی ان سے رابطہ کرتا اور معلومات حاصل کرتا تھا۔ سامیرا نے مجھے بتایا کہ جاسوسوں نے آرگون میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں دیکھی جس سے شبہ ہو کہ ریٹا فیصلہ کن حملہ کرنے والا ہے۔ مگر کیڑ کا کہنا تھا کہ فیصلہ ہو چکا ہے اور جلد اس پر عمل درآمد بھی کیا جائے والا تھا۔ مگر یہ وقت اس بحث میں الجھنے کا نہیں تھا ہمیں کسی بھی حملے سے دفاع کے لیے مکمل طور پر تیار رہنا تھا۔ میں نے سامیرا سے کہا۔ ”ہمیں کچھ امور طے کر لینے ہیں کہ کسی بھی حملے کی صورت میں ہمیں کیا کرنا ہوگا؟“

”اما کون سے امور؟“

”اول نیل کے وقت عورتیں، بچے اور بوڑھے کہاں ہوں گے؟“

”اپنے گھروں میں۔“

”میرا خیال ہے انہیں اس قلعے میں بلا لینا چاہیے تاکہ سپاہی ان کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ انہیں

اپنے گھر والوں کی طرف سے فکر ہوگی تو وہ ٹھیک سے نہیں لڑ سکیں گے۔ باقی دو قلعے زیادہ مضبوط نہیں ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ سامیرا مان گئی۔

”دوسرے کسی بھی صورت حال میں میرا حکم حتیٰ ہوگا۔“

اس پر وہ تینوں چونکے تھے مگر انہوں نے کچھ کہا نہیں اور سامیرا بولی۔ ”یہ تو برف والے نے طے کر دیا

ہے اس وقت تم یہاں کے حکمران ہو اور مجھ سمیت تمام لوگ تمہارے حکم کے پابند ہیں۔“

”میں چاہوں گا کہ فوج کے معائنے کے دوران اس کا اعلان بھی کر دیا جائے۔“

”میں ایسا ہی کروں گی۔“ سامیرا نے یقین دلایا۔

روشنی خاصی ہو گئی تھی اور وہ تمام لوگ جن کا معائنہ کرنا تھا قلعے کے عقبی میدان میں پہنچ گئے تھے۔ ہم بھی

باہر آئے۔ میدان میں ایک بے ہنگم سا جھوم موجود تھا۔ میں نے سومرو، میناٹ اور کاٹینور کی طرف دیکھا۔ ”ان

لوگوں کو منظم کرو جیسا کہ میں نے کہا تھا۔“

وہ اس کام میں لگ گئے اور انہیں یہ کام کرتے ہوئے جس طرح سے دشواری پیش آرہی تھی اس سے مجھے

اندازہ ہوا کہ تو سپاہ پر مکمل کنٹرول تھا اور نہ ہی سپاہ مکمل تربیت یافتہ تھی۔ یہ سپاہیوں کا حال تھا اور رضا کاروں

کے بارے میں سوچا جاسکتا تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح وہ تمام دستوں کو الگ الگ کرنے میں کامیاب رہے۔

اکثر سپاہی ہتھیاروں کے بغیر تھے۔ رضا کار تو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ مجھے کوفت ہوئی۔ میں نے واضح کہا تھا کہ

انہیں ہتھیاروں کے ساتھ آنا تھا۔ میں نے سومرو سے پوچھا تو اس نے خفت سے جواب دیا۔ ”میں نے کہا تھا مگر

شاہان لوگوں نے ٹھیک سے سمجھا نہیں۔“

”اگر حملے کے وقت یہ اسی طرح اٹھ کر میدان جنگ میں چلے آئے تو لڑائی کا انجام سوچا جاسکتا

ہے۔“ میں نے طنز یہ لہجہ میں کہا۔ ان لوگوں سے میری گفتگو اب روہیر کے توسط سے ہو رہی تھی۔ کاٹینور کا تیر

انداز دستہ سب سے منظم تھا اور وہ سب سے پہلے انہیں الگ اور قطاروں میں کھڑا کرنے میں کامیاب رہا۔ بیشتر

تیر انداز کمان لے کر آئے تھے مگر ان کے پاس ترش نہیں تھے۔ البتہ نیزہ بردار سب سے غیر منظم تھے اور ان میں

سے چند ایک ہی اپنے نیزے ساتھ لائے تھے۔ ان میں سے کچھ گوپھن یعنی رسی میں پتھر باندھ کر پھینک کر

مارنے کے ماہر تھے اور بعض لانیوں سے لڑتے تھے۔ پیشہ ور سپاہیوں کے بعد اب رضا کاروں کو الگ الگ

گروپ میں تقسیم کیا جا رہا تھا اور ان کو ایک قطار میں لانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ میں، سامیرا اور روہیر ذرا بلند

جگہ کھڑے تھے تاکہ سب کو آسانی سے دیکھ سکیں۔ میں نے سامیرا سے کہا۔

”فوج کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”میں جانتی ہوں مگر میں ان امور کی ماہر نہیں ہوں، کیا تم ان کو از سر نو منظم کر سکتے ہو۔“

”کر سکتا ہوں لیکن اس میں وقت لگے گا اور یہ کہنا مشکل ہے کہ ہمارے پاس کتنا وقت ہے۔“

بمشکل دو گھنٹے میں یہ تین ہزار افراد اس طرح کھڑے ہوئے کہ میں ان کا جائزہ لے سکوں۔ پہلے سامیرا نے اعلان کیا کہ اب میں فوج کا کمانڈر ہوں اور میرا ہر حکم ماننا لازمی تھا۔ سب نے گھنٹوں کے بل بیٹھ کر اور سینے پر ہاتھ کر مجھ سے تابعداری کا اظہار کیا۔ اس کے بعد میں نے سامیرا کے ساتھ ان کا معائنہ کیا۔ ہم ہر قطار سے گزرتے ہوئے انہیں دیکھنے لگے۔ پیشہ ورسپاہی پھر بھی بہتر حالت میں تھے مگر رضا کاروں میں اکثر کی صحت اچھی نہیں تھی اور ان کے نرم جسم بتا رہے تھے کہ وہ زیادہ محنت مشقت کے عادی نہیں تھے۔ ان میں سے کچھ اور ویٹ بھی تھے مگر اکثر انڈرویٹ تھے اور ان کو مزید مضبوطی اور پٹھوں کی ضرورت تھی۔ اگر وہ فٹ ہوتے تب ہی ہتھیار ٹھیک سے استعمال کر سکتے تھے۔ جیسے جیسے میں ان کا جائزہ لے رہا تھا یہ مجھے مسخروں کی فوج لگ رہی تھی۔ جب میں تصور میں آرگون اور ریناٹ کی سپاہ کو لاتا تو مجھے لگتا کہ یہ اس کے ایک دستے کا مقابلہ بھی نہیں کر سکیں گے۔ میں معائنہ کر کے واپس سامیرا کی طرف آیا اور اسے اپنے تاثرات سے آگاہ کیا۔ ”ان میں سے بہت کم کام کے آدمی ہیں اور ان کو بھی دیکھنا ہوگا کہ وہ لڑائی میں کتنی مہارت رکھتے ہیں؟“

”کیا اس میں بھی وقت لگے گا؟“

”بالکل، ویسے میرا اندازہ ہے کہ یہ لوگ ہی یہاں کے ہر کام کے ذمے دار ہیں جیسے کھیتوں میں کام کرنا وغیرہ۔“

”یہ درست ہے ہمارے پاس کل افرادی قوت یہی ہے۔“

میں نے رویہ کی مدد سے انہیں حکم دیا۔ ”آج سہ پہر تم سب کو پھر یہیں جمع ہونا ہے اور اس بار سب اپنا مکمل اسلحہ لے کر آئیں گے اور اسی طرح منظم ہو کر کھڑے ہوں گے۔“

وہ میری بات سن کر منتشر ہونے لگے۔ میں سامیرا کے ساتھ واپس قلعے کی طرف جانے لگا۔ کھیتوں کو دیکھ کر مجھے خیال آیا۔ ”یہاں خوراک کا کتنا ذخیرہ ہے؟“

”ابھی فصل درمیانی ہے سردی کے آغاز سے پہلے بکے گی۔“ اس نے جواب دیا۔ ”لیکن ہمارے پاس خوراک کا ذخیرہ ہے۔“

ہم قلعے کے گیٹ کے پاس تھے کہ آرگون کی طرف سے قرنا پھونکنے جانے کی آواز بلند ہوئی اور میں نے دیکھا سامیرا کا چہرہ زرد ہو گیا اس نے زیر لب کہا۔ ”اعلان جنگ.....“



”اعلان جنگ؟“ میں نے سامیرا کے الفاظ دہرائے۔

”ہاں یہ آرگون کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔“

میں نے دیکھا کہ وہاں کھلی سی مچ گئی تھی اور جو سپاہی اور رضا کار منہ اٹھائے خالی ہاتھ چلے آئے تھے اب وہ اپنے قلعوں اور گھروں کی طرف ہتھیار لینے جا رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بھی جانتے تھے کہ اس آواز کا مطلب اعلان جنگ ہے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے پہلے ہی گھروں میں تھے۔ ان کی بیرون گھر سرگرمیاں عام طور سے دن چڑھے ہوتی تھیں اس لیے قلعوں اور گھروں سے باہر صرف سپاہی تھے اور سرکاری حکام تھے۔

بہت سے لوگ دیکھنے بھی آئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا اس طرف سپاہ کی نقل و حرکت سے آرگون والے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوئے تھے اور انہوں نے اعلان جنگ کر دیا تھا۔ ممکن ہے ایسا نہ ہوتا اور اگر ہم جنگ کے لیے تیار ہو جاتے تو شاید ریٹا کو بہانہ مل جاتا۔ میں نے سامیرا سے کہا۔ ”مجھے ایک دستہ چاہیے۔“

”تم کیا کرو گے؟“

”میں قلعے کی طرف جاؤں گا۔“

اس نے بے ساختہ کہا۔ ”نہیں اس میں خطرہ ہے ہمیں قلعہ بند ہو کر مدافعت کرنی ہے۔“

”سامیرا۔“ میرا الجھ سخت ہو گیا۔ ”یہ میرا حکم ہے، اس پر فوری عمل کیا جائے۔“

اس کا چہرہ ایک لمحے کو متغیر ہوا۔ شاید اسے مجھ سے ایسے لہجے کی توقع نہیں تھی۔ مگر اس نے خود مجھے یہاں کا حکمران اور فوج کا سپاہ سالار بنایا تھا۔ اتفاق سے کانینور وہاں موجود تھا اور سامیرا نے اسے حکم دیا۔ اس نے فوری طور پر میرے لیے دو درجن سپاہیوں پر مشتمل ایک دستے کا بندوبست کر دیا۔ ان کے پاس تیر کمان اور ڈھالیں تھیں۔ میں نے سامیرا کے توسط سے فوج کے لیے حکم دیا کہ قلعوں میں حفاظتی پوزیشنیں لے لی جائیں اور تمام افراد قلعوں میں بلا لیا جائے۔ حکم دے کر میں دستے کے ساتھ آرگون کی طرف بڑھا۔ رویر میرے ساتھ تھی کیونکہ وہی میری ترجمان تھی۔ ان قلعوں اور آرگون کے درمیان کوئی چھ میل کا فاصلہ تھا۔ اتنی دوری سے قلعے تو دکھائی دیتے تھے مگر اس سے زیادہ اور کچھ واضح نہیں تھا۔ دوری کے باوجود میں نے محسوس کیا تھا کہ ریٹا کی فوج قلعے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ کیونکہ نہ تو کوئی شور سنائی دیتا تھا اور نہ ہی گرد مٹی اڑتی دکھائی دی تھی۔ جو بڑے پیمانے پر فوجی نقل و حرکت میں لازمی ہوتی ہے۔

لیکن یہ میرے محسوسات تھے جو غلط بھی ہو سکتے تھے۔ عین ممکن تھا کہ آرگون کی فوج قلعے سے باہر آ کر ہماری طرف پیش قدمی کر رہی ہو اور وہ خاموشی سے آ رہی ہو۔ اگرچہ اس صورت میں اعلان جنگ کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ میں کانینور ہو رہا تھا اس لیے میں نے نزدیک جا کر دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ قلعوں سے کچھ آگے نکل کر میں نے ایک جگہ رکتے ہوئے رویر کے توسط سے تیر اندازوں کو ہدایات دیں۔ ایک تو یہ کہ وہ ممکن حد تک چھپ کر چلیں گے۔ دوسرے آواز نہیں پیدا ہو اور نہ ہی وہ میرے حکم کے بغیر تیر چلائیں گے۔ بے شک ان پر حملہ بھی کیا جائے۔ تب بھی وہ جوابی کارروائی کے لیے میرے حکم کا انتظار کریں گے۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ باغات کے درمیان سے گزروں۔ اول مجھے خدشہ تھا کہ آرگون کے گشت کرنے والے دستے یہاں موجود ہو سکتے ہیں۔ دوسرے مجھے ہارن، اسار اور گونز جیسے جانوروں کی طرف سے بھی خدشہ تھا۔ ان سب خطرات سے بچنے کے لیے درختوں کی آڑ اور خاموشی بہترین دفاع ہوتی۔ ہم تیز لیکن چپ چاپ قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ درمیانی رفتار سے بھاگنے جیسی چال تھی۔ مجھے رویر کا خیال بھی تھا کہ وہ لڑکی تھی اور شاید ہماری جتنی رفتار سے نہیں بھاگ سکتی تھی۔ حفظ ماتقدم تیر اندازوں نے تیر کمانوں سے لگا رکھے تھے اور وہ ایک سیکنڈ میں تیر چلانے کو تیار تھے۔

آدھے گھنٹے بعد ہم قلعے کے سامنے کھلے کھیتوں تک پہنچ گئے تھے اور یہاں سے باغات کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا جو ہمیں آڑ مہیا کر رہا تھا۔ قلعہ اب بھی کوئی دو میل کی مسافت پر تھا۔ مگر اتنے فاصلے سے اس کی فصیل اور گیٹ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ گیٹ بند تھا، نہ صرف بڑا بلکہ چھوٹا گیٹ بھی بند تھا اور فصیلوں پر سپاہ نظر آ رہی تھی۔ گیٹ

کے ساتھ ہی فیصل پر چوڑی سی جگہ لوگ زیادہ جمع تھے اور ان کے رنگ برنگے ملبوسات مجھے اتنی دور سے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ ہم جس جگہ نکلے تھے یہ گیٹ سے خاصی دور تھی۔ یعنی ہم بائیں طرف نکل آئے تھے اور آدھار گون کے مغرب کی طرف تھے ہمیں گیٹ کے سامنے پہنچنے کے لیے مشرق کی طرف جانا تھا۔ ہم ایک بار پھر باغوں میں گئے اور اس طرف بڑھنے لگے۔ پہلی بار تقریباً کوئی ایک منٹ تک پھونکا گیا تھا مگر اس کے بعد خاموشی تھی۔

سوال یہ تھا کہ اگر کرنا اعلان جنگ کے لیے پھونکا گیا تھا تو ایک بار کے بعد دوبارہ کیوں نہیں پھونکا گیا اور یہاں جنگ کے بجائے مجھے دفاعی انتظامات نظر آرہے تھے یعنی قلعہ بند تھا اور فصولوں پر سپاہ لگی ہوئی تھی جو دفاع کے لیے لگائی جاتی ہے۔ دس منٹ بعد ہم قلعے کے گینٹ کے عین سامنے تھے اور یہاں سے فیصل کا پرجوم حصہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس جگہ سے قلعے کے دروازے تک کوئی فصل لگی ہوئی تھی اور اس کے پودے کوئی چار فٹ اونچے ہو چکے تھے۔ اگر ہم ان میں چھپ کر آگے بڑھتے تو شاید ہم قلعے والوں کی نظروں سے چھپ سکتے تھے۔ مگر زیادہ لوگ اس میں نہیں چھپ سکتے تھے۔ میں نے فصل کا معائنہ کیا اور روئیر سے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ ہمیں قلعے تک جانا ہے۔“

وہ خوفزدہ نہیں ہوئی مگر اس نے تجسس سے پوچھا۔ ”میں دج جان سکتی ہوں جناب اور ان کو بھی ساتھ رکھنا ہے۔“

”نہیں یہ یہیں رہیں گے۔“ میں نے حکم دیا۔ ”ان سے کہو اگر کوئی ہنگامی حالت دیکھیں تو ہماری مدد کو آئیں ورنہ اسی جگہ موجود رہیں اور چھپ کر رہیں سامنے آنے سے گریز کریں۔“

روئیر نے میرا حکم ان کے گوش گزار کیا اور ہم فصل میں آگے بڑھے۔ ایک چھوٹا سا خالی حصہ تھا جو ہم نے چاروں ہاتھوں پیروں سے طے کیا اور پھر فصل تک آئے۔ جیسے ہمارے ہاں گندم کی فصل میں راستے بنے ہوتے ہیں اسی طرح یہاں فصل میں راستے تھے۔ پودے کسی حد تک گندم سے مشابہہ تھے مگر ان پر اب تک بالیاں نہیں آئی تھی میں نے روئیر سے پوچھا۔ ”یہ کس چیز کی فصل ہے۔“

”اس پر بیج آتے ہیں۔“ اس نے بتایا۔ ”ہم ان بیجوں کو بالیوں سے نکال کر اور خشک کر کے ذخیرہ کر لیتے ہیں اور پھر انہیں پیس کر اور سالم بھی خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔“

اس نے دانوں کا جو رنگت اور ساز بتا دیا وہ بھی گندم سے ملتا جلتا تھا۔ شاید یہ گندم کی تبدیل شدہ شکل تھی۔ میں نے بہت بلندی پر اگے والی گندم بھی دیکھی ہے جسے بگ وائٹ کہتے ہیں۔ اس کا پودا پست قامت اور بالیاں ذرا مختلف انداز کی ہوتی ہیں۔ اس کا رنگ بھی سنہری کے بجائے سفید ہوتا ہے۔ مگر یہ پودا بلندی اور انداز میں ہماری دیسی گندم سے مشابہہ تھا۔ روئیر نے کہا۔ ”ہم چھپ کر جاسکتے ہیں۔“

”وہ کیسے؟“

”اس نے چند پودے توڑے اور ان کا گٹھا بنا کر اپنے سر کے سامنے کر لیا۔“ اگر ہم اسے یوں لے کر چلیں تو دور سے دیکھنے والا انہیں پودے ہی سمجھے گا۔“

”تم نے اچھی ترکیب بتائی ہے۔“ میں نے تعریفی انداز میں کہا تو وہ خوش ہو گئی۔ میں نے اپنے لیے بھی چند پودے توڑ کر ان کا گٹھا بنالیا اور اسے چہرے کے آگے کر لیا۔ اب ہم جھک کر اور پودے آگے کیے ہوئے چل

رہے تھے۔ جیسے جیسے فصیل نزدیک آرہی تھی ہم مزید جھکتے جا رہے تھے۔ اگرچہ یہ کام آسان نہیں تھا روپریاں نہیں معلوم مگر میری کردکھنے لگی تھی۔ کہیں کہیں فصل پانچ فٹ تک بھی اونچی ہوگئی تھی اور یہاں ہم سیدھے ہو کر چلتے تھے۔ فصیل نزدیک آنے سے دیکھ لیے جانے کا خطرہ بڑھ رہا تھا۔ اوپر سے ہمارے لباس بھی سفید تھے اور پودوں کی سبزی میں یہ رنگ نمایاں نظر آتا۔ خود کو کیو فلاج کرنے کے لیے ہم نے مزید پودے توڑ کر گٹھا بڑا کیا۔ اس کا وزن خاصا ہو گیا تھا اور روپریاں تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ نازک لڑکی تھی مگر ہمت کر کے میرا ساتھ دے رہی تھی۔ اب ہم قلعے سے کوئی نصف میل کے فاصلے پر تھے اور جلد ہی فصل کی حد ختم ہوگئی اور اس کے بعد ایک تہائی میل تک کھلا میدان تھا اگر ہم اس میں قدم رکھتے تو فوراً ہی نظروں میں آ جاتے۔

مگر آگے جانے کی ضرورت نہیں تھی قلعے کی فصیل پر ہونے والی سرگرمیاں یہاں سے بھی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ گیٹ کے پاس چوڑے حصے پر مسلح سپاہ کے بجائے سرکاری حکام اور معبد کے پجاریوں کے لباس میں ملبوس افراد زیادہ دکھائی دے رہے تھے۔ کیونکہ اکثر افراد نے سنہری اور سرخی مائل لباس پہن رکھے تھے۔ ایک کے بارے میں مجھے شبہ ہوا کہ وہ فیرون تھا کیونکہ وہ پستہ قد اور گول بھاری چہرے والا فرد تھا۔ وہ پجاریوں کے مجمع میں تھا۔ پھر اس مجمع میں ہلچل ہوئی اور ریٹا کی آمد ہوئی میں نے اسے اس کے مخصوص سرخ اور سنہری لباس سے پہچانا۔ ورنہ اتنے فاصلے سے چہروں کے نقوش واضح نہیں تھے۔ اب تک یہ واضح نہیں تھا کہ بیک وقت مہا پجاری اور ریٹا یہاں کیوں جمع ہوئے تھے۔ کیا وہ جنگ کا آغاز کرنے جا رہے تھے مگر کیڑ نے مجھے جو بتایا تھا اس کے مطابق فیرون کو سوائے عیاشی کے اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔ تب وہ یہاں ریٹا کے ساتھ کیوں آیا تھا؟

میں پودوں کے درمیان اس طرح چھپا ہوا تھا کہ صرف میری آنکھیں باہر دیکھ رہی تھیں۔ روپریاں میرے برابر میں بیٹھی تھی اور اس نے بھی خود کو پودوں کے درمیان چھپایا ہوا تھا۔ پودوں میں کیڑے کوڑے تھے مگر ان کی تعداد کم تھی اور دوسرے انہیں تبس کا مرض لاحق نہیں تھا جو عام طور سے کیڑوں کو ہوتا ہے اور وہ فوراً لباس میں گھس کر ممنوعہ حصوں کی سیاحت شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں کا لباس بھی ایسا تھا کہ کیڑوں کو پوری آزادی دیتا تھا کہ وہ گردن سے لے کر پاؤں تک جہاں چاہیں گھستے پھریں۔ اور اگر وہ گھستے تب بھی ہم سوائے صبر کے اور کیا کر سکتے تھے۔ میری توجہ ویسے بھی فصیل پر تھی۔ تب میں نے دیکھا کہ ایک لمبی سی لکڑی کی جلی لاکر اسے فصیل پر نصب کیا جانے لگا اور اس کے سر پر جو فصیل سے باہر نکلا ہوا تھا ایک پھندے والی رسی جھول رہی تھی۔ روپریاں نے اضطرابی انداز میں کہا۔ ”یہ کسی کو پھانسی دینے جا رہے ہیں۔“

میں حیران ہوا۔ ”صرف پھانسی دینے کے لیے انہوں نے اعلان جنگ والا قرنا پھونکا تھا۔“

”یہ حیران کن بات ہے کیونکہ آج تک ایسا ہوا نہیں ہے۔“ روپریاں نے کہا۔ وہ مقامی رسم و رواج اور سرکاری اور مذہبی طور طریقوں سے واقف لگ رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔

”کیا یہ قرنا اعلان جنگ کے علاوہ کسی اور موقع پر بھی پھونکا جاتا ہے؟“

روپریاں نے سر ہلایا۔ ”کسی بہت ہی اہم موقع پر جب معاملہ ایسا ہو جس کے بارے میں وادی کے سارے

لوگوں کو بتانا ہو۔“

”عام طور سے سورج نکلنے تک آرگون کے لوگ کام کرنے کے لیے باہر نکل آتے ہیں مگر اس وقت کوئی باہر نہیں آیا ہے بلکہ چھوٹا گیٹ بھی بند ہے۔“

”وہ لوگ اس وقت اندر میدان میں جمع ہوں گے۔ شاید کسی اہم اور بڑے فرد کو سزائے موت دی جا رہی ہے۔ اس لیے سب جمع ہوں گے۔“

روبیر کی بات سن کر میرے اندر سرسراہٹ سی ہوئی تھی۔ مگر میں نے اس وقت توجہ نہیں دی تھی میری توجہ فسیل پر ہونے والی سرگرمیوں پر تھی۔ ریٹا کی آمد ہو چکی تھی مگر اس کے علاوہ مکمل سکون تھا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گیا تھا جہاں سے وہ واضح دکھائی دے رہا تھا۔ مہا پجاری دوسری طرف پجاریوں کے جھرمٹ میں براجمان تھا۔ میں نے اس کے آس پاس کیرٹ کو دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ تھا تب بھی نظر نہیں آیا تھا۔ ریٹا کی آمد کے چند لمحوں بعد فسیل پر ایک بڑا سا بگل نما آلہ نمودار ہوا۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ اسے پھیوں والی گاڑی پر رکھا ہوا تھا اور اسے فسیل کے کنارے تک لایا گیا۔ بگل کا منہ باہر کی طرف تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”یہ اعلان کرنے والا قرنا ہے؟“

”ہاں یہی ہے۔ اسے دوبارہ بجایا.....“

ابھی روبیر کا جملہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ فضا میں اس آلے کی مہیب آواز گونجی۔ کسی انسان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ پھونک مار کر اس سے آواز برآمد کرنا اس کام کے لیے اس کے ساتھ ہی ہوا پھینکنے والا آلہ لگا ہوا تھا ایک آدمی اس کی چرخی گھما رہا تھا اور قرنے سے آواز برآمد ہو رہی تھی۔ میں نے روبیر سے پوچھا۔ ”اسے پھر کیوں بجایا جا رہا ہے۔“

اس کے چہرے پر تشویش تھی۔ ”میں نہیں جانتی لیکن شاید یہ ہم لوگوں کے لیے کوئی اشارہ ہے۔“

”ہمارے لیے اشارہ؟“

”ہاں کیونکہ آرگون کے سب لوگ قلعے میں جمع ہو گئے ہوں گے تو اب یہ ہمارے لیے اشارہ ہے۔“

”کیا ہمارے لیے اس پر عمل کرنا لازمی ہے۔“

اس نے ہچکچا کر کہا۔ ”شاید۔“

میں نے سوچا اور فوری فیصلہ کیا۔ ”ہمیں واپس جانا ہوگا۔“

مجھے خیال آیا تھا کہ کہیں سامیرا کو میری طرف سے حکم کی ضرورت نہ ہو اور وہ اس کے بغیر قدم نہ اٹھائے۔ اس لیے میرا جانا ضروری تھا۔ کیونکہ شاید وقت نہیں تھا اور اب جاتے ہوئے احتیاط بھی ممکن نہیں تھی اس لیے اب میں اور روبیر واپسی کے لیے دوڑنے لگے۔ عقب میں کچھ شور ہوا تھا۔ شاید ہمیں دیکھ لیا گیا تھا۔ مگر غنیمت رہا تھا کہ ہم پر تیر نہیں برسائے گئے۔ ورنہ ہم بہت زیادہ دور بھی نہیں تھے۔ کم سے کم مشینی تیروں کی زد میں تو تھے۔ ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہم نے دس منٹ میں طے کیا اور باغات تک پہنچ گئے تھے وہاں سے تیر انداز دستہ بھی ہمارے ساتھ ہولیا اور چار میل کا فاصلہ طے کر کے ہم آدھے گھنٹے بعد واپس سامیرا والے قلعے کے سامنے تھے۔ جب میں یہ تو قلعہ بند ہو رہا تھا مگر اس وقت نہ صرف سامیرا بلکہ بہت سے دوسرے لوگ بھی قلعے سے نکل آئے تھے۔ میں نے جاتے ہی سامیرا سے پوچھا۔ ”آپ لوگ باہر کیوں آئے ہو؟“

”آرگون کی طرف سے بلاوا ہے۔“ وہ بولی۔

سامیر انہیں آئی تھی مگر میں نے چار چار رضا کار سپاہیوں پر مشتمل کوئی ایک درجن دستے آگے روانہ کر دیئے کہ وہ جا کر آگوں کی فوج کی حرکت پر نظر رکھیں اور اگر ہمارے خلاف کہیں جال بچھایا جا رہا ہو تو پیشگی خبردار کریں۔ سامیر اگو گئے ہوئے ایک گھنٹہ ہونے کو آیا تھا۔ تینوں قلعوں کی ساری ہی آبادی باہر آچکی تھی۔ سامیر اکی آمد میں دیر ہو رہی تھی اور میں نے تینوں فوجوں کو حکم دیا کہ وہ بتدریج نیم دائرے میں پھیل کر آگے بڑھیں۔ حکم ملنے پر عام افراد فوج کے پیچھے جائیں گے۔ دوسری صورت میں وہ بھی واپس آکر قلعوں کی حفاظت کے فرائض سنبھال لیں۔ اسی اثنا میں سامیر اباہر آ گئی۔ مجھے اس کا چہرہ ستا ہوا لگا تھا۔ میں نے پوچھا۔

”رابطہ ہوا؟“

اس نے سر ہلایا۔ ”ہاں اور برف والے نے جانے کا مشورہ دیا ہے اور اس نے ایک بات اور کہی ہے کہ وہاں جو دیکھیں اسے صبر اور حوصلے سے برداشت کریں۔“

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ”شاید ایسا ہی کرنا پڑے۔ آؤ اب چلیں ورنہ وہ پھر قمرنا پھونکیں گے۔“

”جب تک سب جمع نہیں ہو جائیں گے، وقفے وقفے سے قمرنا پھونکا جاتا رہے گا۔“ سامیرا نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

”بس تو پھر چلنا چاہیے۔“ میں نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ سامیرا میرے ساتھ تھی۔ ہم روانہ ہوئے تو قلعے کے عام لوگ بھی ہمارے ساتھ چل پڑے تھے۔ میں نے روپیر کی مدد سے پہلے ہی انہیں سمجھا دیا تھا کہ وہ جھوم کی صورت میں سفر نہ کریں بلکہ ٹکڑیوں کی صورت میں پھیل کر چلیں اور ہر ٹکڑی کے ساتھ حفاظت کے لیے کچھ سپاہی بھی ہوں۔ آگوں کی طرف سے نہ سہی لیکن راستے میں جانوروں کا خطرہ بھی تھا۔ میں نے سامیرا سے پوچھا۔ ”اس وادی میں اتنے خطرناک جانور ہیں تو تم لوگوں نے انہیں ختم کیوں نہیں کر دیا۔“

”کیونکہ برف والے اس سے منع کرتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ ان جانوروں کو ختم کرنے کی بات کی گئی اور حکمران اور پجاری اس کے لیے راضی بھی ہو گئے تھے مگر برف والے کا حکم آ گیا اور کوئی اس سے انحراف نہیں کر سکا۔“

”مگر برف والے کی بات نہیں مانی جا رہی ہے اس کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔“

”میں نے کہا نا حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔“ سامیرا بولی۔ اس نے ایک لاشی تھام رکھی تھی اور اسے زمین پر رکھتی ہوئی چل رہی تھی۔ اگرچہ وہ پوری طرح صحت مند تھی اور اسے سہارے کی ضرورت نہیں تھی مگر شاید یہ اس کا اعصاب حکمرانی تھا۔ لوگ بہت تھے اور ان میں بہت سے ضعیف، بچے اور حاملہ عورتیں بھی تھیں اس لیے قلعے کی رفتار سست تھی۔ جو فاصلہ ہم نے جاتے ہوئے پون گھنٹے اور آتے ہوئے آدھے گھنٹے سے کچھ اوپر وقت میں طے کیا تھا وہی فاصلہ اس بار طے کرنے میں کوئی سوا گھنٹہ لگ گیا اور تب ہم قلعے کے سامنے پہنچے۔ سامیرا کی سپاہ پہلے ہی پہنچ گئی تھی اور قلعے سے کچھ دور پوزیشن لیے ہوئے تھے۔ شاید پہلی بار دونوں فوجیں آمنے سامنے آئی تھیں۔ سامیرا کے پہنچنے ہی اوپر کچھ ہلچل مچی تھی اور ایک فرد آگے آیا۔ اس نے بھونو نما چیز اٹھا رکھی تھی اور اسے اپنے منہ سے لگا کر اس نے چلا کر کہا۔

”شاہ اعظم اور مہا پجاری سامیرا اور اس کے ساتھیوں کو قلعے کی تفصیل کے پاس آنے کی دعوت دیتے ہیں

ایسے بھونپو اور گرجدار آواز والے سامیرا کے پاس بھی تھے اس نے اشارہ کیا تو ایک آدمی آگے آیا اور اس نے بھونپو منہ سے لگا کر سامیرا کا جواب اوپر تک پہنچایا۔ ”اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم لوگوں کی طرف سے کوئی حملہ یا کارروائی نہیں ہوگی۔“

دوسری طرف سے چند لمحے بعد جواب دیا گیا۔ ”مہا پجاری اور شاہِ اعظم ضمانت دیتے ہیں۔ یہ ضمانت سب سن رہے ہیں۔“

”ہمیں جانا ہوگا۔“ سامیرا بولی۔

”مجھے ان لوگوں پر اعتماد نہیں ہے۔“ میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ”ہمیں منہ اٹھا کر ہرگز نہیں جانا چاہیے۔“

”تب؟“

”ہمیں پورے حفاظتی انتظامات کے ساتھ جانا چاہیے تاکہ اگر فحشیل سے حملہ بھی ہو تو ہم اپنا دفاع کر سکیں۔“ میں نے کہا اور کاٹینور کو اشارہ کیا وہ آگے آیا۔ ”کاٹینو ہم اوپر سے آنے والے تیروں اور نیزوں سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں۔“

”میرے پاس سپاہی ہیں جن کے پاس بڑی اور بھاری ڈھالیں ہیں وہ مشینی تیر بھی روک سکتی ہیں۔“

”ان سپاہیوں کو بلا لو اور اپنے بہترین تیر اندازوں کو تیار کر لو اگر آگے گون کی طرف سے حملہ ہوا تو وہ فحشیل پر موجود رہنا۔ اور اس کے آدمیوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کریں۔“

کاٹینو ہنچکپایا۔ ”وہاں مہا پجاری اور دوسرے پجاری بھی ہیں۔“

میں اس کی ہنچکپاہٹ سمجھ رہا تھا۔ ”اپنے آدمیوں سے کہنا کہ انہیں بچاتے ہوئے حملہ کریں۔ اس کے ساتھ ہی وہ گیٹ کے آس پاس موجود پہریداروں کو نشانہ بنائیں۔“

کاٹینور نے سر ہلایا اور اپنے آدمیوں کو لے آیا۔ یہ دو درجن افراد تھے جنہوں نے بڑی ڈھالیں اٹھا رکھی تھیں اگرچہ یہ لکڑی کی بنی ہوئی تھیں لیکن ان پر پتھر کے ٹکڑے بھی نصب کیے گئے تھے جن سے ان کی مضبوطی میں اضافہ ہوا تھا۔ انہوں نے میرے، سامیرا اور دوسرے لوگوں کے گرد حصار بنالیا تھا اور ہم اس حصار میں آگے بڑھے۔ کچھ ہی دیر میں ہم فحشیل سے کوئی سو گز دور تھے۔ یہاں اب فحشیل کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے زیادہ آگے جانے کی صورت میں فحشیل کی بلندی کی وجہ سے اس کے اوپر کا منظر اتنا واضح نظر نہیں آتا۔ سامیرا نے خود اونچی آواز میں پوچھا۔ ”رینا تم نے مجھے اور سب لوگوں کو کیوں بلوایا ہے اور قرنا پھونکنا صرف معبد والوں کا حق ہے تم نے کب یہ حق حاصل کیا؟“

”قرنا معبد کی طرف سے ہی پھونکا گیا ہے۔“ بھونپو والے نے جواب دیا۔ ”معاملہ بھی معبد کا ہے۔ اسی لیے وادی کے ہر فرد کو یہاں جمع کیا گیا ہے۔“

”ایسا کون سا معاملہ ہے جس کے لیے سب کو یہاں بلایا گیا ہے۔“

اس بار مہا پجاری فیرون اٹھ کر آگے آیا اور اس نے اپنی مخصوص پُر خمار آواز میں کہا۔ ”اب تک تنازع وادی کے لوگوں کے درمیان تھا۔ اس لیے معبد اس جھگڑے میں غیر جانبدار تھا۔ مگر اب جھگڑے میں کچھ غیر وادی

والے بھی شامل ہو گئے ہیں اور ان میں سے ایک فرد اس وقت بھی سامیرا کے ساتھ ہے۔ یہ اوپر سے وادی میں آیا اور معبد کی طرف سے اسے سزائے موت سنائی گئی مگر یہ ہارن کے سامنے سے فرار میں کامیاب رہا۔ یہ سامیرا کے پاس ہے اور میری اطلاع کے مطابق یہ سامیرا کی فوج کا سربراہ بن گیا ہے۔ گویا معبد کا مجرم سامیرا کے ساتھ ہے اور اسی لیے اب معبد نے اس جنگ میں ریٹائر کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔“

”شہباز غیر ہے لیکن یہ از خود نیچے نہیں آیا ہے۔“ سامیرا نے بلند آواز سے کہا۔
 ”کیا میں بات کر سکتا ہوں؟“ میں نے سامیرا سے پوچھا۔ اگرچہ وہ مختار کل بنا چکی تھی مگر یہ موقع ایسا تھا کہ میں نے اس سے پوچھ لینا مناسب سمجھا۔ سامیرا نے سر ہلایا اور آہستہ سے بولی۔
 ”کیا تم ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں بات کرنا چاہ رہے ہو؟“
 ”ہاں میں ان لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ ریٹائر نے بھی غیر لوگوں کو پناہ دی ہے اور وہ اس جنگ میں اس کی مدد کر رہے ہیں۔“

”برف والے نے فی الحال اس سے منع کیا ہے۔“

میں حیران ہوا۔ ”مگر کیوں؟“

”برف والے کی باتیں وہ خود ہی جانے۔“

”مگر اس سے میری پوزیشن کمزور ہو جائے گی اور مجھے تمہارے لوگوں کی طرف سے بغاوت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مہاپجاری میرے خلاف ہو گیا ہے اس سے بہت اثر پڑے گا۔“

”مجھ سے جو برف والے نے کہا وہ میں نے تم کو بتا دیا ہے اب آگے تمہاری مرضی ہے کہ تم اس معاملے میں کیا کرتے ہو۔“ سامیرا بولی تو میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔

”ٹھیک ہے میں برف والے کی بات مانتا ہوں اب ان لوگوں سے پوچھو کہ انہوں نے کیوں بلایا ہے اور

یہ کسے سزا دینے جا رہے ہیں۔“

سامیرا نے بلند آواز سے پوچھا۔ ”مہاپجاری ہمیں کیوں بلایا گیا ہے؟“

فیرون نے سامیرا کی طرف دیکھا۔ ”معبد کے مفرد مجرم کی مدد کرنے والے کو یہاں سب کے سامنے سزا دی جائے گی۔ تاکہ آئندہ کوئی بھی معبد کے مجرم کی مدد کا سوچ بھی نہ سکے۔“

”کیرٹ۔“ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

سامیرا مغموں نظر آنے لگی۔ ”ہاں برف والے نے مجھے بتا دیا تھا کہ آج اس اچھے انسان کا آخری دن

ہے۔ اس نے اسی کی موت پر صبر کرنے کو کہا تھا۔“

مہاپجاری بات مکمل کر کے پیچھے اپنی جگہ بیٹھ گیا اور اب ایسا لگ رہا تھا کہ کیرٹ کو وہاں لایا جانے والا تھا۔ ایسا ہی تھا کیونکہ چند لمحے بعد وہ معبد کے سپاہیوں کے زرخے میں فیصل پر نمودار ہوا۔ پتا نہیں یہ راز کیسے کھلا کہ کیرٹ اصل میں ہمارا حامی تھا۔ شاید کسی پجاری نے اسے مجھ سے بات کرتے سن لیا تھا یا جس پجاری سے اس نے کام لیا تھا اس نے غداری کی اور اسے پڑوا دیا۔ مگر یہاں کے انتظامات دیکھ کر لگ رہا تھا کہ کیرٹ پر مقدمہ چلا کر اسے سزا سنائی گئی ہے اب صرف عمل ہونا باقی رہ گیا تھا۔ کیرٹ کو باہر نکلی ہوئی بلی کے پاس لایا گیا۔ یہ دیکھ

کر میرے اندر دکھ ابھرنے لگا کہ کل تک معبد کے مہا پجاری کے نائب کے عہدے پر فائز شخص کے جسم پر پورا لباس بھی نہیں تھا اس نے صرف پاجامہ پہن رکھا تھا اور اس کا جسم زخموں سے داغ داغ تھا۔ یقیناً اس پر بے پناہ تشدد ہوا تھا۔ اس سے نہ تو ٹھیک سے چلا جا رہا تھا اور نہ ہی سیدھا کھڑا ہوا جا رہا تھا۔ مگر کیرٹ کا چہرہ پُر سکون تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی چمک تھی اور چہرے پر استقلال تھا۔ حالانکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ شاید اس لیے بھی کہ اس نے آنے والی موت کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا اور برف والے نے بھی یہی پیش گوئی کی تھی۔ اس کے آتے ہی مہا پجاری فیرون اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور اس نے تقریر کرنے کے انداز میں کہنا شروع کیا۔

”یہ شخص جو کل تک میرا نائب اور عظیم معبد کے رازوں کا امین تھا۔ اس نے نہ صرف معبد سے بلکہ مجھ سے اور اس ساری وادی سے غداری کی۔ اس نے معبد کے مجرم کی فرار میں مدد کی۔ اسے ہارن اور دوسرے جانوروں سے بچانے والا شربت دیا جو معبد کے مقدس رازوں میں سے ایک ہے۔ یہی نہیں اس نے مجرم کو فرار کے لیے راستے بھی سمجھائے۔ اس کی وجہ سے معبد کا ایک اہم ترین خادم مارا گیا۔ باہر سے آنے والوں کی مدد کر کے یہ سزا کا مستحق ہو گیا ہے۔ میں اسے سزائے موت دینے کا حکم دیتا ہوں۔ سزا کے بعد اس کی لاش نامعلوم مقام پر دفن دی جائے۔“

یہ کہہ کر مہا پجاری واپس اپنی جگہ جا کر بیٹھ گیا اور کیرٹ کو پھانسی دینے کی تیاری کی جانے لگی۔ ایک جلا د سامنے آیا۔ سب دم بخود سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ جلا د نے رسی کا پھندہ کیرٹ کی گردن میں ڈالا۔ میں بے چین ہو گیا تھا میں نے سامیرا سے کہا۔ ”کیا ہم کچھ نہیں کر سکتے کیرٹ کو بچانے کے لیے؟“

”ہم کیا کر سکتے ہیں؟“ وہ مغموں لہجے میں بولی۔ ”اگر ہم حملہ بھی کر دیں تب بھی کیرٹ نہیں بچے گا۔ یہ اسے لازمی ماردیں گے۔“

”اس جیسے انسان کو اتنی جلدی نہیں مرنے چاہیے۔“

”موت چھوٹا بڑا اور اچھا برا نہیں دیکھتی ہے وہ اپنے وقت پر آتی ہے۔“ سامیرا نے وہی کہا جو ہمارا بھی عقیدہ ہے۔

”سنو میں فیرون سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیا بات کرو گے؟“

”آپ دیکھ لیں گی۔“ میں نے کہا اور ڈھالوں کے درمیان سے نکل کر کھلی جگہ آیا۔ مجھے دیکھتے ہی مہا پجاری اور ریناٹ اپنی جگہوں سے کھڑے ہو گئے تھے۔ مہا پجاری نے چلا کر کہا۔

”نیر ہا معبد کا مجرم۔“

”اگر میں معبد کا مجرم ہوں تو میں خود کو تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں اگر تم کیرٹ کی سزا معاف کر دو اور اسے واپس اپنا نائب بنالو۔“

رائل نے مترجم کے فرائض سنبھال لیے تھے۔ اس نے میری بات کا ترجمہ کر کے مہا پجاری اور دوسروں تک پہنچایا۔

”یہ نہیں ہو سکتا“ وہ سخت لہجے میں بولا۔ ”مہا پجاری کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے ہیں۔“

میں نے دیکھا کہ میری پیشکش نے ریٹا کو مضطرب کر دیا تھا اور اس نے اپنے برابر میں وزیر اعظم سر بان سے کچھ کہا۔ وہ اٹھ کر مہا پجاری کی طرف بڑھا تھا۔ میں نے کہا۔ ”ریٹا تم جانتے ہو جو الزام مجھ پر لگا ہے اس کے مرتکب کچھ لوگ اور بھی ہیں اور کیرٹ کو جس جرم کی سزا دی جا رہی ہے وہ یہاں کے کچھ اعلیٰ ترین لوگ کر چکے ہیں۔ تو کیا اکیلے کیرٹ کو سزا دینا قرین انصاف ہوگا۔“

اس کا جواب رائے نے دیا اور وہ آگے آیا۔ ”تم ایک مجرم ہو اور تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ شاہ اعظم سے سوال کرو یا ان سے مخاطب ہو۔“

کیرٹ جواب تک خاموش کھڑا تھا اس نے مجھ سے کہا۔ ”شہباز ان لوگوں سے بات کرنا بیکار ہے تم اپنی ساری توجہ اس کام پر لگاؤ جس کے لیے تم یہاں آئے ہو اور وادی کو ان ظالموں سے نجات دلاؤ۔“

”اس کی زبان بند کر دی جائے۔“ ریٹا نے غضب ناک لہجے میں حکم دیا۔ مگر جلد اسکت کھڑا رہا۔ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”شاہ اعظم بھول رہے ہیں معبد کے مجرم کو وہ نہ سزا دے سکتے ہیں اور نہ اس پر عمل کروا سکتے ہیں۔“

ریٹاٹ کھسیا گیا تھا اور فیرون کے چہرے پر فاتحانہ سا تاثر آیا اور اس نے بہت غرور سے جلد کو حکم دیا۔

”اسے لٹکا دیا جائے۔“

میں بے اختیار چند قدم آگے گیا کیونکہ جلد نے اچانک ہی کیرٹ کو دھکا دیا۔ وہ فاصل کے بالکل کنارے کھڑا تھا اس کا جسم خلا میں گیا اور اگلے ہی لمحے گردن کے بل پھندے کے سہارے جھولنے لگا۔ پھندہ سخت ہو گیا تھا اور یقیناً اس کی سانس رک گئی تھی۔ جھولنے کے ساتھ اس کا جسم کچھ دیر کے لیے کانپتا رہا اور پھر ساکت ہو گیا۔ میں نے شدت کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ لوگ بہت مختصر وقت کے لیے آپ کی زندگی میں آتے ہیں اور وہ آپ کی زندگی کا ایک اہم حصہ بن جاتے ہیں۔ کیرٹ بھی ایک ایسا ہی انسان تھا۔ میں نے اس کا نام سنا، اسے دیکھا، اس سے کچھ دیر کو ملا اور اب میرے سامنے اس کی لاش جھول رہی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور دل ہی دل میں کہا۔ ”میرے اللہ اگر میرے نصیب میں کامیابی ہے تو ان لوگوں پر مجھے قابو دینا جو کیرٹ کی موت کے ذمے دار ہیں میں خود ان سے اس موت کا حساب لوں گا۔“ پھر میں نے بلند آواز سے کہا۔ ”مہا پجاری کیرٹ کی لاش ہمارے حوالے کی جائے۔“

”اس کے بارے میں فیصلہ ہو گیا ہے کہ اسے نامعلوم قبرستان میں دفن دیا جائے گا۔“

”شہباز واپس آ جاؤ۔“ سامیرا نے مضطرب لہجے میں کہا۔ تب میں چونکا۔ فیصل پر بالکل ہو رہی تھی میں پیچھے ہٹا تھا کہ ایک تیراوپر سے آیا اور اس جگہ زمین میں لگا جہاں کچھ دیر پہلے میں تھا۔ تیرا کسی نے اوپر سے مارا تھا۔ میں بال بال بچا تھا مگر اس وقت مجھے خوف محسوس نہیں ہوا ایسا ہی کوئی دوسرا تیرا میرے جسم میں اتر جائے گا۔ میں نے زمین سے تیرا کھاڑا اور اسے بلند کر کے ریٹاٹ اور فیرون کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ ہے تم لوگوں کی زبان اور ضمانت۔“

چند سہاٹی ایک سپاہی کو قابو کر رہے تھے جس نے یہ تیر چلایا تھا۔ سامیرا چلائی۔ ”ریٹاٹ تم دعا باز انسان

ہو۔

”یہ اس شخص کا ذاتی فعل ہے۔“ رائل آگے آکر بولا۔ ”اسے سزا دی جائے گی۔“

”تم لوگ اپنی سازشوں پر ایک اور انسان کو قربان کرنے والے ہو۔“ میں نے کہا اور پیچھے آگیا۔ سامیرا نے مجھے ڈھالوں کے پیچھے گھسٹ لیا تھا۔

”یہ کیا حماقت کر رہے تھے وہیں کھڑے رہے اگر کوئی دوسرا تیر چلا دیتا تو؟“

”میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ ایک فرد کی حرکت ہے یا اس میں اور کوئی بھی شامل ہے۔“

”شہباز تمہاری جان بہت قیمتی ہے تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے۔“

”ابھی آپ کہہ رہی تھیں کہ موت کسی کو نہیں دیکھتی اور وہ اپنے وقت پر آتی ہے۔“

”ہاں مگر کوئی ماں اپنی اولاد کو خطرے میں نہیں دیکھ سکتی۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں تم میرے لیے بیٹے کی

طرح ہو۔“

میں نے سر ہلایا۔ ”یہ آپ کی مہربانی ہے اب ہمیں واپس چلنا چاہیے مگر آپ کی طرح میرا یقین بھی پختہ ہے کہ موت اپنے وقت پر ہی آتی ہے۔“

میں نے پہلے عام لوگوں کو واپسی کا حکم دیا اور ان سے کہا کہ وہ جس طرح ٹکڑیوں میں آئے تھے اسی طرح واپس جائیں۔ ان کے بعد فوجی دستوں کو پیچھے ہٹنے کو کہا۔ ان میں سے بہت سے دستے پہلے ہی لوگوں کی حفاظت کے لیے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ منظم انداز میں پسپا ہوتے ہوئے ہم ایک سوا گھنٹے میں واپس قلعے تک پہنچ گئے۔ کیرٹ کی موت نے دل بو جھل کر دیا تھا مگر ساتھ ہی مجھے اطمینان ہوا تھا کہ فی الحال ریٹائڈ فوج کشی کا ارادہ نہیں تھا اور شاید میرے پاس مہلت تھی کہ میں قلعے کی پیشہ در سپاہ اور رضا کاروں کو منظم اور جنگ کے لیے تیار کر سکوں۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے اس بلاوجہ کے سفر سے تھک گئے تھے واپس آنے پر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ سپاہی اور رضا کار بھی خوش تھے کہ آج کا دن وہ جنگ سے بچ کر آ گئے۔ اب آنے والے دن کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ سامیرا نے مجھ سے کہا۔

”تم رات سے مصروف ہو اب کچھ آرام کر لو۔“

”نہیں آج کے لیے میرے ذہن میں اور بھی کام ہیں آرام میں رات میں ہی کروں گا۔“

یہ باقی دن میں نے بہت مصروف گزارا۔ سب سے پہلے اسلحہ خانے کا معائنہ کیا۔ ان کے پاس ہتھیار تیلی بخش مقدار میں تھے۔ مگر میں نے اسلحہ خانے کے انچارج کو مزید ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دیا۔ پھر میں نے خوراک کے ذخیروں کا جائزہ لیا۔ یہ لوگ کئی طرح کے اجناس کھاتے تھے مگر مرکزی خوراک وہی گندم نما خج تھے۔ کچھ بنزریاں اور پھل ذخیرہ کیے جاسکتے تھے لیکن تازہ بنزریاں اور پھل روز کے روز اتنا کر لائے جاتے تھے۔ ان کی مقدار گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی۔ گوشت، دودھ، مکھن، دہی اور انڈوں کے لیے ان کے پاس جانور اور پرندے تھے۔ مگر ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی کہ اس پوری آبادی کی ضروریات پوری کی جاسکتیں۔ روشنی ختم ہونے سے پہلے میں نے قلعوں کے کمزور پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ جہاں جہاں مجھے کمزوری نظر آئی میں اسے ٹھیک کرنے کا حکم بھی دیتا رہا۔ قلعوں کے آس پاس زمین پر مٹی، کچرہ اور ملے ج جمع ہو گیا تھا جس سے فسیلوں کی اونچائی

کم ہوئی تھی۔ میں نے اسے بھی اٹھانے کا حکم دیا۔ میں جو حکم بھی دے رہا تھا اس کی فوری تعمیل کی جا رہی تھی۔ تمام شعبوں کے انچارج میرے ساتھ ہی ساتھ تھے۔

جس شعبے سے متعلق فرد کی ضرورت ہوتی میں روپیر کی مدد سے اس سے بات کر لیتا تھا۔ یوں رفتہ رفتہ میں یہاں کے لوگوں سے بھی واقف ہو رہا تھا۔ ان میں سے کچھ باصلاحیت نوجوان بھی تھے۔ میں نے ان میں سے نصف درجن نوجوان چن لیے اور انہیں اپنے لیے مخصوص کر لیا کہ جب میں کوئی کام کہوں یا کوئی حکم دوں تو ان کے توسط سے اس کی تعمیل ہو سکے۔ ایک طرح سے وہ میرے قاصد ہوتے۔ ان سب سے فارغ ہو کر میں نے سومرو، میناٹ اور کانٹور سے ایک میٹنگ کی اور ان سے کہا کہ کل اپنے اپنے دستوں کے بہترین آدمی قلعے کے عقب میں صبح سویرے جمع کریں۔ میں ان کی کارکردگی دیکھوں گا۔ ہر آدمی کم سے کم پچاس آدمی لائے۔ مجھے امید تھی کہ ہزار سپاہیوں کی فوج میں ڈیڑھ سو اعلیٰ درجے کے سپاہی ضرور ہوں گے۔ ساتھ ہی میں نے واضح کر دیا کہ میرے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل ہو اس میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی۔ جب میں نے یہ بات کہی تو سومرو کے چہرے پر کسی قدر سکد نظر آیا تھا۔ شاید اس لیے کہ اب تک وہ اپنے طور پر سپاہ سالار تھا اور اب اسے میری ماتحتی کرنا پڑ رہی تھی اور دوسرے میں یہاں کے مقامی فنون جنگ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ البتہ کانٹور اور میناٹ فرماں برداری سے مجھے یقین دلا رہے تھے کہ میرے حکم کی پوری طرح تعمیل کی جائے گی۔

میں جب رات گئے سامیرا کے مکان پر واپس آیا تو روپیر میرے ساتھ تھی اور سامیرا میرے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ ہم تینوں نے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ میں نے اس دوران میں سپاہ کو منظم کرنے اور جنگ کی تیاری کے لیے اپنا بنایا ہوا خاکہ سامیرا کے سامنے پیش کیا۔ سامیرا نے اس کی تائید کی۔ ”تم نے بہت اچھا پلان بنایا مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ تم میں قیادت کی صلاحیت ہے اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے۔“ میں نے اس سے کہا۔ ”لیکن مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت رہے گی۔“

”میرا پورا تعاون تمہارے ساتھ ہے۔“

کیونکہ روپیر کی خدمت میں نے چوبیس گھنٹے کے لیے حاصل کر لی تھی۔ اس لیے سامیرا نے فیصلہ کیا کہ اب وہ یہیں سامیرا کے مکان میں رہتی کہ میں جب چاہوں اسے طلب کر سکوں۔ سامیرا کے مکان میں کئی کمرے تھے۔ ان میں سے ایک روپیر کے سپرد کر دیا گیا۔ میں گزشتہ رات بلکہ اس سے بھی پہلے سے مصروف تھا اور سونے کا وقت بہت کم ملا تھا۔ اس لیے جب کھانے کے کچھ دیر بعد بستر پر لیٹا تو مجھے خبر بھی نہیں ہوئی اور میں سو گیا۔ اب تک مجھے کچھ سوچنے اور اپنے پیاروں کو یاد کرنے کا موقع بہت کم ملا تھا۔ مگر رات خواب میں، میں نے سویرا کو دیکھا۔ وہ میرے پاس آئی تھی اور میرے بستر کے کنارے بیٹھی تھی۔ اس نے جھک کر اپنا نرم و نازک ہاتھ میرے بالوں میں پھیرا اور پھر سٹ کر میرے پاس لیٹ گئی۔ میں نے اس کی طرف کروٹی لی اور سرگوشی میں پوچھا۔

”سویرا میں کب سے منتظر ہوں کہ تم اس طرح میرے پاس آؤ۔ مگر تم نہیں آئیں۔“

”میں تو ہوں ہی آپ کی۔“ اس نے تیز سانسوں کے درمیان کہا۔ ”اب آپ کے پاس ہوں۔“

اس کے قرب کی گرمی مجھے محسوس ہو رہی تھی۔ ”سویرا تم کبھی میرے اتنے پاس نہیں آئیں۔“

”اب آؤں گی۔“ اس نے کہا اور میری طرف جھکی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ سویرا میری طرف ہی جھکی ہوئی تھی اور اس کے نرم و نازک لبوں کا لمس میرے چہرے پر تھا۔ اچانک مجھے جھٹکا لگا۔ سویرا بھلا یہاں کہاں؟ میں اٹھا تھا کہ وہ ہڑبڑا کر پیچھے ہٹی۔ اس سے پہلے کہ وہ دور ہوتی میرا بازو اس کے گرد حائل ہو گیا تھا۔ کمرے میں تاریکی تھی مگر نرم و گداز جسم کی ساخت اور اس سے اشقی خوشبو نے مجھے بتا دیا کہ وہ روپیر تھی۔ میں ششدر رہ گیا تھا جوڑ کی سارے دن میرے ساتھ رہی اور اس نے ایک بار بھی مجھ پر اپنی نسوانیت نہیں جتائی اور نہ آزمائی تھی وہ رات کی اس تاریکی میں یوں چوری چھپے کیوں چلی آئی اور یہ سب کیوں کر رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ”روپیر تم.....“

”مجھے معاف کر دیں۔“ وہ سہمے لہجے میں بولی۔

میں اٹھ بیٹھا اس کے گرد سے اپنا بازو ہٹا لیا تھا مگر اس کی کلائی پکڑ لی۔ ”روپیر یہ کیا حرکت ہے تم رات کی تاریکی میں میرے پاس آئی ہو اس کا کیا مطلب ہے؟“

وہ کسمبائی۔ ”مجھے جانے دیں۔“

اب مجھے سمجھ میں آیا کہ میں خواب اور حقیقت کو ملا کر دیکھ رہا تھا۔ روپیر میرے پاس آئی اور جو خواب میں سویرا کر رہی تھی وہی سب حقیقت میں روپیر کر رہی تھی۔ میری آنکھ بروقت کھل گئی ورنہ شاید میں بہک جاتا اور گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا۔ ابتدائی جذبات تو روپیر کو محسوس کرتے ہی اڑ گئے تھے اور اب مجھے غصہ آ رہا تھا۔ مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ بات اس سے آگے جائے اور سامیرا کو علم ہو۔ اگر میں غصہ کرتا یا اس سے بات کرتا تو لازمی سامیرا کے علم میں بات آ جاتی۔ اگرچہ وہ میرے بارے میں اچھا گمان رکھتی تھی مگر آدمی کی فطرت ہے کہ اسے بدگمان ہونے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگتی ہے۔ روپیر سے میں بعد میں بھی بات کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی کلائی چھوڑ دی اور آہستہ سے کہا۔ ”ٹھیک ہے جاؤ لیکن کسی کو علم نہ ہو کہ تم رات کو یوں میرے پاس آئی تھیں۔“

وہ خاموشی سے لباس سمیٹ کر اٹھی تب مجھے پتا چلا کہ اس نے اپنے کرتے کا پٹکا بھی کھول دیا تھا۔ یہاں مرد اور عورت دونوں میں انڈر گارمنٹس پہننے کا رواج نہیں تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ اس سے نابلد تھے۔ میں نے اب تک یہاں صرف یہی ٹخنوں تک آتے کھلے کرتے اور پاجامے دیکھے تھے۔ اس کے علاوہ بھی کوئی لباس تھا تو ابھی تک میرے مشاہدے میں نہیں آیا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی اپنا پٹکا بند کرتی رہی پھر کمرے سے نکل گئی۔ ایک لمحے کو پردہ ہٹا تو باہر کہیں روشن مشعل کی روشنی اندر تک آئی تھی۔ یہاں گرمی تھی اور میٹھ نے سوتے وقت کرنہ اتار دیا تھا صرف پاجامے میں تھا۔ مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ جذبات کی گرمی اور پھر غصے نے میرا گلہ خشک کر دیا تھا۔ میں نے اٹھ کر پیاس رکھے جگ سے پانی پیا اور دوبارہ لیٹ گیا۔ شیطان نے اس حوالے سے دماغ خراب کرنے کی کوشش کی تو لاحول و پڑھی اور کچھ دیر بعد میں دوبارہ سو گیا تھا۔ اس کے بعد میری آنکھ خود بہ خود صبح کے قریب کھل گئی۔ ابھی باہر تاریکی تھی اور میرے پاس وقت جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا مگر میری چھٹی حس نے خبردار کیا کہ صبح قریب تھی۔



میں اٹھ کر باہر آیا تو سامیرا اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا وہاں تارے چمک رہے تھے۔ اگر چاند نکلا ہوتا تو پھر دھند چھا جاتی۔ میں نے نہانے دھونے کے لیے مخصوص مٹ کے پانی سے ہلکا پھلکا غسل کیا۔ یہاں گرد نہیں تھی اور نہ ہی گرمی ایسی تھی کہ پسینہ آئے لیکن کل میں نے خاصا سفر کیا تھا اور مجھے دونوں چیزوں سے واسطہ پڑا تھا اس لیے میں نے غسل کر لینا مناسب سمجھا۔ کپڑے صاف تھے میں نے نہا کر وہی پہن لیے۔ اس دوران میں آسمان پر روشنی نمودار ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی زمین سے بخارات اٹھنے لگے تھے۔ یعنی صبح ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی پرندوں کی چچا بہٹ شروع ہو گئی۔ وادی میں پائے جانے والے پرندے وہی تھے جو باقی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں میں نے چڑیا، مینا، کوئے اور دوسرے پرندے دیکھے جو آبادیوں میں بھی نظر آتے ہیں۔

جنگل میں نظر آنے والے پرندے الگ قسم کے تھے۔ میں باہر نکل آیا۔ البتہ یہ لوگ مرغی سے ملتے جلتے پرندے پالتے تھے اور ان کے انڈے اور گوشت ان کی خوراک کا ایک حصہ تھا۔ مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ شاید یہ ہماری مرغیوں کی طرح زود نسل نہیں تھیں۔ جیسے ایک زمانے میں ہماری دیسی مرغی کم انڈے دیتی تھی اور کڑک زیادہ رہتی تھی۔ انڈوں اور مرغی کے گوشت کی بہتات فارمی مرغی آنے کے بعد ہوئی تھی۔ میں نے روبیر کو نہیں جگایا تھا۔ اسے آواز دیتے اور جگاتے ہوئے مجھے جھک سی ہو رہی تھی۔ مگر اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا یہاں سامیرا کے بعد میری زبان صرف وہی سمجھتی تھی اور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ میری زبان تھی۔ ابھی میں واپس جا کر اسے بلانے کا سوچ رہا تھا کہ وہ خود باہر نکل آئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”آپ اٹھ گئے؟“..... مجھے کیوں نہیں آواز دی۔“

”میں اٹھانے والا تھا۔“ میں نے کہا۔

”میں آپ کے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔“ اس نے اپنے سنہری مائل بے پناہ گھنے بال سمیٹ کر ان کا جوڑا بناتے ہوئے کہا۔ اس کے بال بے زیادہ نہیں تھے مگر گھنے بہت تھے۔ اس وقت وہ سادگی و پُرکاری کی مثال نظر آئی اور میں کچھ دیر کے لیے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کا گلابی رنگ سرخ ہو گیا اور وہ جلدی سے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے لاحول پڑھی۔ اب تک میں نے اسے اس نظر سے دیکھا نہیں تھا وہ میرے لیے بس ایک ساتھی تھی مگر گزشتہ رات کے واقعے کے بعد میرے اندر تبدیلی آنا فطری بات تھی۔ اس کا مطلب یہ

نہیں ہے کہ وہ میرے لیے بس عورت بن کر رہ گئی تھی۔ مگر اب وہ پہلے جیسی ساتھی بھی نہیں رہی تھی۔ مجھے رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ اس نے رات میرے کمرے میں اور میرے پاس آنے کی کوشش کیوں کی؟

اگر اسے مجھ سے دلچسپی تھی تو یہ دلچسپی دن میں کیوں نظر نہیں آئی جب وہ سارا دن میرے ساتھ ہوتی تھی اور بہت سارے مواقعوں پر ہم بالکل اکیلے ہوتے تھے۔ تب بھی وہ کوشش کر سکتی تھی۔ مجھ پر اپنی پسند واضح کر سکتی تھی۔ مگر شاید یہاں اس کا رواج نہیں تھا۔ جیسا کہ ساری دنیا کا چلن ہو گیا ہے کہ اب محبت کا مطلب جسمانی تعلق ہوتا ہے تو شاید وہ بھی یہی سوچ کر رات کی تاریکی میں میرے پاس آئی تھی۔ لیکن اگر یہی اس کی عام سوچ ہوتی تو سامیرا نے بھی راجا عمر دراز سے محبت کی تھی مگر اس نے اس کے پاس آنے کی کوشش نہیں کی جب کہ راجا عمر دراز بہت دنوں تک اس کے ساتھ اسی گھر میں رہا اور بہت وقت اکیلا بھی رہا جب سامیرا کا باپ اور گان کسی کام سے باہر گیا ہوتا تھا۔ مگر اس کی محبت ایک روایتی مشرقی لڑکی کی محبت تھی جس میں جسمانی تعلق کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ صرف سامیرا ہی نہیں راجا عمر دراز بھی کنوارا کا پکا تھا۔ میں برآمدے میں ناشتے کا انتظار کر رہا تھا۔ بھوک تو نہیں تھی مگر میں نے سوچا کہ ایک بار نکلنے کے بعد نہ جانے کب فرصت نصیب ہو اس لیے ناشتہ کر لینا ہی مناسب تھا۔ کچھ دیر بعد روپیر نے ناشتہ تیار ہونے کی اطلاع دی۔ میں نے سر ہلایا۔ ”ٹھیک ہے لے آؤ لیکن جلدی، آج کام بہت زیادہ ہیں۔“

ناشتے میں وہی دلیہ نما چیز تھی جو میٹھی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ میٹھی نکلیاں اور ساتھ میں چائے تھی۔ رات کے برعکس روپیر نے میرے ساتھ ناشتہ نہیں کیا تھا۔ میں نے کہا لیکن وہ بولی کہ اسے بھوک نہیں ہے۔ رات اس نے کچھ زیادہ کھا لیا تھا۔ میں ناشتہ کر رہا تھا کہ سامیرا بھی اٹھ کر آگئی۔ اس نے پوچھا۔ ”شہباز کیسے ہو رات ٹھیک سے نیند آئی تھی؟“

میں نے بے ساختہ روپیر کی طرف دیکھا تو اس نے نظریں چرائی تھیں۔ میں نے جواب دیا۔ ”ہاں ٹھیک سے نیند آئی، لیکن آج آپ دیر سے اٹھی ہیں۔“

”میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔“ اس نے بتایا۔ ”لیکن اب ٹھیک ہے۔“

شاید اس نے کل بہت سفر کیا تھا اور پھر کیرٹ کا صدمہ بھی تھا۔ میں نے اسے مختصراً بتایا کہ آج میں کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور استدعا کی۔ ”میں نے کل قلعوں کی مرمت کے کام شروع کرائے تھے۔ آپ ان کا معائنہ کر لیں کہ وہ کام ٹھیک سے ہوئے ہیں یا مزید کام کرانے کی ضرورت ہے۔ میں نے حکم دیا تھا کہ کسی جگہ دیواری اونچائی دس ہاتھ سے کم نہ ہو اور ہر پانچ ہاتھ کے بعد فصیل پر برج بنائے جائیں جہاں سے حملہ آوروں پر تیر برسائے جاسکیں۔“

”میں دیکھ لوں گی۔“ سامیرا نے کہا۔ ”تم بہت تیزی سے سب کر رہے ہو۔ یہاں کے لوگوں کو اتنی غلٹ میں کام کی عادت نہیں ہے۔“

”کیونکہ وقت نہیں ہے۔“ میں نے چائے کا آخری سپ لیا اور کھڑا ہو گیا۔ ”ان لوگوں کو تیزی سے کام کرنے کی عادت ڈالنی ہوگی۔ مجھے بہر صورت جنگ سے پہلے فوج کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ کم سے کم آرگون کی فوج کا مقابلہ کر سکے۔ اب مجھے اجازت دیں۔“

”مجھے یقین ہے تم ایسا کر لو گے۔“ سامیرا ہمیں دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔ ”یہاں کے لوگوں میں یہ چیز نہیں ہے شاید تھیں برف والے نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔“

”آپ شاید مجھ سے بہت زیادہ توقع لگا رہی ہیں لیکن سچی بات ہے کہ میں صرف ایک انسان ہوں اور پہلی بار ایسا کوئی کام کرنے جا رہا ہوں۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ آپ کو مایوس نہ کروں۔ مگر کامیابی یا ناکامی اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔“

”مجھے تمہاری صلاحیت اور قسمت پر پورا یقین ہے کیونکہ تم اچھی نیت والے انسان ہو۔ اوپر والا ہمیشہ انسان کی نیت دیکھتا ہے۔“ سامیرا نے کہا اور مجھے رخصت کر کے اندر پلٹ گئی۔ روپیہ میرے ساتھ تھی۔ اب مجھے موقع ملا تھا۔ قلعے سے باہر جاتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا۔

”رات تم کیوں میرے کمرے میں میرے پاس آئی تھیں؟“

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے کسمسا کر کہا۔ ”میں نہیں بتا سکتی۔“

”کیوں؟“

”بس نہیں بتا سکتی۔“ اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ”آپ چاہیں تو مجھے سزا بھی دے سکتے ہیں۔ مجھ کو خود سے الگ کر سکتے ہیں۔“

”سامیرا نے مجھے تمام اختیارات دے دیئے ہیں مگر میں کسی کو سزا نہیں دے سکتا اور تم کو بھی نہیں دے سکتا۔ تھیک ہے اگر تم بتانا نہیں چاہتیں تو تم اس کی مجاز ہو۔ مگر میں بتا دوں مجھے یہ بات بالکل اچھی نہیں لگی ہے اور اگر تمہارے ذہن میں اس حرکت کا پھر سے ارادہ ہے تو اسے فوراً ذہن سے نکال دو۔“

اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ ”مجھے خود بھی یہ بات اچھی نہیں لگی اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اب آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔“

مجھے حیرت ہوئی کہ اس حرکت کے پیچھے کیا اسرار تھا جب کہ خود اسے بھی یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ ہم قلعے کے سامنے والے حصے میں پہنچ گئے تھے جہاں رات کو نگرانی اور حفاظت کرنے والے دستے موجود تھے۔ میں نے قلعوں کی حفاظت کرنے والے سپاہیوں کی تعداد بڑھا دی تھی تاکہ کسی غیر متوقع حملے کی صورت میں باقی فوج کے آنے تک وہ حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکیں۔ پہلے رات کے وقت کسی بھی قلعے پر ایک درجن سے زیادہ سپاہی نہیں ہوتے تھے۔ اب ان کی تعداد ہر قلعے میں کم سے کم سو تھی۔ قلعوں کے چاروں طرف فصیلوں پر تیز روشنی والی مشعلیں لگائی گئی تھیں تاکہ کوئی تاریکی میں چھپ کر ان کے نزدیک نہ آ سکے۔ جب ہم قلعے سے باہر آئے تو اسی وقت تینوں قلعوں سے سپاہیوں نے باہر نکلنا شروع کر دیا تھا۔ آج سب پوری طرح مسلح اور تیار ہو کر آرہے تھے۔ سب کو بڑے قلعے کے عقب میں واقع میدان تک جانا تھا اور میں ایسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں سے تینوں قلعوں سے نکلنے والوں کو دیکھ سکوں۔ وہ سب قطار بنائے بڑے قلعے کے عقب میں جا رہے تھے۔ جب سب نکل گئے تو میں اور روپیہ ان کے پیچھے قلعے کے عقبی حصے میں پہنچے جہاں تینوں فوجوں کے دستے الگ الگ کھڑے تھے۔ انہوں نے مکمل جنگی لباس، لکڑی سے بنی زرہ بکتر اور خود پہنے ہوئے تھے۔ کلائیوں اور پنڈلیوں پر لکڑی کے بی ٹکڑے بندھے تھے جو ہاتھوں اور پیروں کو لاکھی کی ضرب سے بچاتے۔ تقریباً سب ہی بہترین صحت کے مالک

تھے۔ اور اپنے انداز سے ہی پیشہ ور سپاہی نظر آتے تھے۔ ان کے ہتھیار تیار اور بہترین حالت میں تھے۔ اپنے اپنے آدمیوں کے سامنے سومرو، میناٹ اور کانینور کھڑے تھے۔

میں نے گھوم پھر کر ان کا معائنہ کیا۔ ہر دستے میں کم و بیش پچاس افراد تھے۔ یہ سب جسمانی طور پر مضبوط، چاک و چوبند اور اپنے انداز سے ہی تربیت یافتہ نظر آتے تھے۔ میں نے ان میں سے بھی انتخاب کیا اور ہر دستے سے دس بارہ افراد الگ کیے۔ میں جس کی طرف اشارہ کرتا وہ الگ ہو جاتا۔ وہ ایک طرف جا کر کھڑا ہو جاتا۔ اب سب ہی جان گئے تھے کہ اس جگہ کا حکمران یا منتظم میں تھا اور میرے ہر حکم کی تعمیل ان لوگوں پر لازمی تھی۔ کچھ دیر میں، میں نے کوئی تینتیس افراد الگ کر لیے تھے اور روہیر کی مدد سے ان سے کہا۔ ”میرا خیال ہے تم سب اچھے لڑاکے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دوسروں کو تربیت دو لیکن اس سے پہلے تمہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تم لوگ اس قابل ہو۔“

”ہم ہر امتحان سے گزرنے کو تیار ہیں۔“ انہوں نے جواب دیا۔

انہیں ان کی کیٹگری کے لحاظ سے الگ کیا گیا اور ان کا امتحان لیا جانے لگا۔ تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہنے والے اس امتحان میں انہوں نے ثابت کیا کہ وہ سب نہایت اہل اور ماہر لڑاکا تھے۔ مصنوعی لڑائی سے لے کر دست بستہ لڑائی میں انہوں نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں نے ان پر جو اعتماد کیا تھا وہ اس پر پورا اترنے کے اہل تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ ”اب تم لوگ براہ راست میری نگرانی میں اور میرے ماتحت ہو۔ تم میں سے ہر فرد رضا کاروں میں سے ہیں افراد اپنے اور آج ہی سے ان کی تربیت شروع کر دے جو تم کو آتا ہے وہ انہیں اپنے طور پر سکھادو اور اس کام میں جس سامان اور مدد کی ضرورت ہو تم مجھ سے کہو گے۔ یاد رہے سیکھنے اور سکھانے کا یہ کام کل وقتی ہوگا اور تم لوگ بس یہی کرو گے۔ تمہیں اپنے بیس ماتحتوں پر مکمل اختیار ہوگا۔ ان کی کارکردگی یا ناکامی کی ذمہ داری تم لوگوں پر ہوگی۔“

وہ پُر جوش نظر آنے لگے۔ اب تک وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے یا بس آپس میں ہی کچھ مشقیں کر لیتے تھے اب ان کو باقاعدہ ایک پروگرام ملا تھا اور ان سے کچھ کر گزرنے کو کہا گیا تھا۔ میں نے واضح کیا کہ وقت کم ہے اور انہیں آج کے دن ہی نہ صرف اپنے لیے افراد چن لینے ہیں بلکہ ان کی تربیت بھی شروع کر دینی ہے۔ چنے ہوئے افراد کو انکار کا حق نہیں ہوگا۔ اگر ایک فرد کو استاد منتخب کر لیں تو اسے حق ہوگا کہ وہ کس کے پاس تربیت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بہترین کارکردگی دکھانے والوں کو آگے فوج میں عہدے دیئے جائیں گے۔ میں نے کہا۔ ”شام کی تاریکی سے پہلے میں تم سب کو یہاں دیکھوں گا۔“

یہ لوگ چلے گئے تو میں نے سومرو، میناٹ اور کانینور سے کہا۔ ”اب اپنی باقی فوج کو بلاؤ۔ آج میں ان کی مشقیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر ان میں کوئی کمی ہے تو اسے دور کرنا تم تینوں کی ذمہ داری ہوگی۔ ہمیں فوج کو جلد از جلد اس قابل بنانا ہے کہ وہ ریناٹ کی فوج کے کسی ممکنہ حملے کا مقابلہ کر سکیں۔“

وہ میرے حکم کی تعمیل میں لگ گئے۔ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں باقی تمام فوج بھی میدان میں آچکی تھی اور ان کی ایک ایک سپاہی کی بنیاد پر جانچ ہونے لگی۔ سومرو، میناٹ اور کانینور خود اپنے سپاہیوں کی عملی استعداد کا جائزہ لے رہے تھے اور مجھے لگ رہا تھا کہ شاید انہوں نے پہلی بار یہ کام کیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے فوج

بس لگے بندھے انداز میں مشقیں کرتی تھی اور از خود تربیتی پروگرام پر عمل پیرا تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جب انہیں گروپ کی صورت میں مشقیں کرائی جا رہی تھیں۔ فوج میں بنیادی یونٹ نہیں تھے۔ بس سوسو افراد پر مشتمل ایک بڑا گروپ ہوتا تھا جن کے سربراہ براہ راست سومرو، میناٹ اور کاینڈر کے ماتحت ہوتے تھے۔ گویا افسران کی تعداد کم تھی۔ میں نے ان تینوں کو ٹاسک دیا کہ بیس سے پچیس افراد پر مشتمل گروپ تیار کریں ان کا سربراہ ایک فرد ہو۔ ہر چار گروپ پر ایک بڑا افسر ہو اور وہ افسران کو جواب دہ ہو۔

میں چاہتا تھا کہ ہمارے پاس کم سے کم سترہ سوا افراد پر مشتمل اور مکمل تربیت یافتہ فوج ہو۔ جسے معلوم ہو کہ کن حالات میں اسے کیا کرنا ہے۔ جنگ کے لحاظ سے کوئی پہلو اس کی حکمت عملی سے باہر نہ ہو۔ یہ آسان کام نہیں تھا۔ اول تو اتنی بڑی فوج کو تیار کرنا کہ وہ ایک منظم جتھے کی صورت اختیار کرے۔ مہینوں کا کام تھا اور ہمارے پاس بالکل بھی اتنا وقت نہیں تھا۔ ریٹائز لازمی جنگ کا منصوبہ بنائے ہوئے تھا مگر کسی وجہ سے وہ اب تک جنگ مالتا آیا تھا۔ مگر جب اسے اطلاع ملتی (جو لازمی ملتی، مجھے یقین تھا کہ یہاں ریٹائز کے جاسوس موجود تھے اور اس تک یہاں کی رپورٹس پہنچائی جا رہی تھیں) کہ سامیرا کی فوج کو تیزی سے بڑھایا اور منظم کیا جا رہا ہے تو وہ یقیناً حرکت میں آتا اور تب ہمیں قبل از وقت جنگ کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔

میں نے سب سے زیادہ ترجیح تیر اندازوں کو دی تھی۔ یہ شعبہ جتنا مؤثر ہوتا دشمن کو اتنا ہی نقصان پہنچاتا۔ سترہ سو کی فوج میں سات سو تیر انداز ہوتے، پانچ سو لاکھ بردار اور پانچ سو دوسرے طریقوں سے جنگ لڑنے والے ہوتے۔ رضا کاروں کے بارے میں، بیس نے ابھی نہیں سوچا تھا مگر موقع ملتا تو میں انہیں دوسرے شعبوں میں استعمال کرتا۔ فوج کو لڑنے کے لیے عقب سے مسلسل رسد کی ضرورت ہوتی ہے اور فی الحال اس کا بھی کوئی باقاعدہ نظام نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے اس پر کام کرنا تھا مگر پہلے دن میں سب نہیں کر سکتا تھا۔ یہ سارا دن اسی میں گزرا تھا۔ بمشکل مجھے دو پہر کا کھانا کھانے کا موقع ملا۔ عملی طور پر میں ان کے طریقہ جنگ میں حصہ لینے کے قابل نہیں تھا کیونکہ مجھے نیزہ، تیر کمان اور لاکھی میں سے کچھ بھی چلانا نہیں آتا تھا۔ مگر میں یہ جان سکتا تھا کہ ان ہتھیاروں کو استعمال کرنے والوں کی کارکردگی جانچ سکوں۔ میں یہی کام کر رہا تھا۔

باقاعدہ سپاہ میں جن سپاہیوں کی کارکردگی مطلوبہ معیار سے کم تھی۔ ان کے لیے الگ سے تربیتی گروپ بنائے گئے اور انہیں دوسرے تمام کاموں سے ہٹا کر صرف تربیت حاصل کرنے اور اپنی جنگی استعداد بڑھانے پر لگا دیا گیا۔ ان کی بڑی تعداد پہریداروں پر مشتمل تھی۔ میں نے باقاعدہ سپاہ کو فی الحال پہرے سے ہٹا لیا اور یہ کام رضا کاروں کے سپرد کر دیا۔ تین سو رضا کاروں پر مشتمل ایک دستہ تشکیل دیا۔ جو دن رات چوبیس گھنٹے قلعے اور اس کے آس پاس کی نگرانی کرتا۔ تینوں قلعوں میں نگرانی کے لیے ٹاورز تھے مگر ان کی اونچائی چالیس فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ میں نے ان کی بلندی ستر فٹ تک کرنے کا حکم دیا۔ لکڑی سے بنے ان ٹاورز کی بلندی بڑھانا اتنا مشکل کام نہیں تھا اور دو دن میں یہ کام ہو سکتا تھا۔ بڑھتی اس کام میں لگ گئے۔

اگلے دن میں نے سامان رسد کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہاں خوراک کا انچارج سیبوٹ نامی شخص تھا۔ اجناس، بھل، ہنریاں اور کھانے پینے کا دوسرا سامان جیسے گوشت، دودھ، انڈے، مکھن، شہد اور دوسری اشیاء اس کے پاس آتی تھیں وہی ان کو ذخیرہ کر کے سامان رسد کے قریب لے جاتا تھا۔ یہ بہت اہم ذمہ داری

تھی اور سیبوت بہت طویل عرصے سے اسے خوش اسلوبی سے ادا کر رہا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ سپاہیوں کے لیے خوراک کا الگ کونہ ہے۔ اس نے بتایا کہ ایسے کسی کونے کا وجود نہیں ہے۔ میں نے اس کے ذمے لگایا کہ سپاہیوں کے لیے الگ سے کونہ مخصوص کیا جائے اور ان کے لیے تینوں وقت کا کھانا بنا کر مہیا کیا جائے۔ کھانے کا معیار اور مقدار سپاہیوں کے حساب سے رکھی جائے۔ قوت بخش غذا کی ترجیحی بنیاد پر پہلے سپاہیوں کو دی جائیں اور اس کے بعد دوسرے افراد کو یہ چیزیں دی جائیں۔

اب تک سپاہی ڈیوٹی دیتے اور گھر چلے جاتے تھے میں نے ان پر پابندی لگادی کہ وہ ڈیوٹی کے بعد گھر نہیں جائیں گے بلکہ اپنی یونٹ کے ساتھ رہیں گے۔ ان کو صرف محدود مدت کے لیے گھر جانے کی اجازت ہوگی اور وہ بھی انہیں پیشگی اجازت لینا ہوگی۔ بتائے بغیر یونٹ سے جانے والوں کو متحدہ بی کارروائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ بھی میں نے کچھ قوانین و اصول بنائے اور ان کی پابندی لازمی قرار دے دی۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ سپاہی کسی عام جھگڑے میں ملوث نہیں ہوں گے اور کسی عام آدمی کے خلاف اپنی جنگی تربیت یا ہتھیار استعمال نہیں کریں گے۔ ایسا کرنے والے کو سخت سزا دی جائے گی۔ کیونکہ فوج کی بنیادی ذمہ داری عوام کی ان خطرات سے حفاظت کرنا ہوتا ہے جن سے عوام خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے عوام سے پیسہ لے کر فوج پر خرچ کیا جاتا ہے اور انہیں دنیا جہان کی سہولتیں دی جاتی ہیں۔ اس لیے عوام کا خیال رکھنا ان کا فرض ہے۔

ان لوگوں کو منظم اور مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ میں کسی ایسے ہتھیار یا جنگی تدبیر کے بارے میں سوچ رہا تھا جو ان میں رائج نہ ہو اور آرگون والے اس سے سر پرانز ہو جائیں۔ مگر فی الحال میرے ذہن میں ایسا کوئی ہتھیار نہیں آ رہا تھا جو یہاں مہیا کیا جاسکے اور ہم اس سے کام لے سکیں۔ یہاں دھاتیں نہیں تھیں اور تقریباً ہر چیز لکڑی یا پتھر سے بنائی جاتی تھی۔ یہاں گوبھن کے ماہر بھی تھے۔ یعنی رسی کے سرے پر پتھر باندھ کر اور اسے گھما کر مارنے کے ماہر تھے۔ محدود فاصلے کی جنگ میں یہ مہلک ہتھیار تھا اور اس کی درست ضرب آدمی کا کام تمام کر سکتی تھی۔ اس طرح سخت لکڑی کے دو طویل ٹکڑے رسی کی مدد سے آپس میں جوڑ کر اس سے لڑنے کے ماہر بھی تھے۔ یہ ہمارے ہاں چینی مارشل آرٹ کے ہتھیار رن چکو سے ملتا جلتا ہتھیار تھا۔ مگر اسے اس طرح استعمال نہیں کیا جاتا تھا جیسے ن چکو استعمال کیا جاتا ہے۔

میں اس قسم کی جنگوں کے بارے میں اپنی محدود معلومات سے کام لے رہا تھا جو میں نے مطالعے سے حاصل کی تھیں یا فلموں میں دیکھا تھا۔ میرے بنائے تربیتی دستے نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اپنے اپنے زیر تربیت افراد انہوں نے پہلے دن ہی جن لیے تھے۔ تینتیس افراد نے کوئی سات سو افراد کو تربیت کے لیے چنا تھا۔ یہ سب تقریباً نو جوان یا جوان تھے۔ ان کی عمریں سولہ سے چالیس کے درمیان تھیں۔ تقریباً سب کی صحت بہت اچھی تھی۔ مگر میں نے پھر بھی ان کا معائنہ کیا اور جو مجھے ٹھیک نہیں لگا اسے خارج کر دیا اور اس دستے کے سربراہ کو دوسرا فرد چننے کو کہا۔ ساتھ ہی انہیں گائیڈ لائن دے دی۔ ”تم جسے چنو اس کی صحت اچھی ہونی چاہیے تاکہ وہ مسلسل تربیت کے عمل سے گزر سکے۔ یوں سمجھ لو کہ اب صبح سے شام تک تم لوگوں کا کام یہی ہوگا۔“

میں صبح کا جاتا اور رات گئے واپس آتا تھا۔ کھانا کھا کر میں کچھ دیر سامیرا سے تبادلہ خیال کرتا۔ اسے رپورٹ دیتا اور اس کے ذمے کوئی کام لگایا ہوتا تو اس کی رپورٹ لیتا تھا۔ سامیرا نے اپنے چند ماتحت رکھ لیے

تھے ان سے معمولی کام لیتی تھی جن کے لیے پہلے اسے خود جانا پڑتا تھا۔ میں نے جن چھ افراد کو منتخب کیا تھا وہ یا تو میرے ساتھ ہوتے تھے یا میں جس کام میں لگتا وہ کام کرتے تھے۔ ابتدائی چند دن میں، میں نے کم سے کم اپنے بنائے خاکے کے مطابق پروگرام پر عمل شروع کر دیا تھا۔ میری سب سے زیادہ توجہ فوج پر مرکوز تھی کہ اسے جلد از جلد بہترین حالت میں لے آؤں۔ اس کے ساتھ میں اپنے لیے کچھ لوگ منتخب کر رہا تھا اس وقت میں نے سوچا نہیں تھا کہ میں ان سے کیا کام لوں گا۔ مگر میں پھر بھی چن رہا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ کون با صلاحیت اور مخلص ہے۔ میں ایسے ہی لوگوں کو ترجیح دے رہا تھا اور یہ تقریباً سارے ہی بیس بائیس برس کے نوجوان تھے۔ میں نے خاص خیال رکھا تھا کہ وہ سب لڑنے کے باہر ہوں۔

روہر دیسے تو ترجمان کے طور پر میرے ساتھ تھی مگر میں نے اسے کہا کہ وہ فارغ وقت میں تربیتی مشقوں میں حصہ لیا کرے۔ خود میں بھی مشقوں میں حصہ لے رہا تھا۔ لاشی چلانا مجھے آتا تھا اس لیے میں تیر اندازی کی مشقیں کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جسمانی مقابلوں میں حصہ لیتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں مقامی لوگوں کو ٹرینڈ کرتا تھا جب میں کسی سے نمائشی مقابلہ کرتا تو دیکھنے والے خاصے جمع ہو جاتے تھے۔ بہت سے داؤ بیج ان کے لیے نئے اور انوکھے ہوتے تھے۔ میں ان سے کہتا کہ وہ دیکھیں سیکھیں اور اپنی جسمانی مشقوں میں یہ داؤ بیج شامل کریں۔ ایک ہفتے سے بھی کم وقت میں وہاں کا ماحول بدل کر رہ گیا تھا۔ سپاہیوں اور سیکھنے والوں میں ایک جوش و خروش آ گیا تھا۔ وہ دل و جان سے سب کر رہے تھے۔ ان کی وجہ سے قلعوں کا ماحول بھی بدل گیا تھا۔ بچے اور عورتیں تک ان تربیتی سیشن میں دلچسپی لینے لگے تھے۔

میں اس رات میں واپس آیا تو گزشتہ روز سے زیادہ تھکن تھی کیونکہ آج میں نے جسمانی مقابلوں میں بیک وقت تین افراد سے لڑ کر انہیں زیر کرنے کا مظاہرہ کیا تھا۔ مجھے خاصی چوٹیں بھی لگی تھیں اور تھکن بھی ہو رہی تھی۔ مگر مجھے سامیرا سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔ ایک تو میں جاننا چاہتا تھا کہ اس کے جاسوسوں نے آرگون سے کیا رپورٹ بھیجی ہے اور اس نے جو بتایا۔ وہ مایوس کن تھا۔ اس سے کہیں زیادہ تو میں دیکھ کر آیا تھا۔ بقول جاسوسوں کے آرگون میں امن و سکون تھا۔ میں نے کہا۔ ”مجھے لگ رہا ہے وہاں آپ کے جاسوس شاید گوشہ نشین قسم کے لوگ ہیں جن کو علم ہی نہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟“

سامیرا نے میری تائید کی۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو جاسوس بالکل بھی ٹھیک اطلاع نہیں بھیج رہے ہیں۔“ سامیرا نے بتایا تھا کہ شہر میں موجود جاسوس اصل میں میناٹ کا شعبہ تھے اور وہی ان سے رابطہ کرتا تھا۔ مجھے خیال آیا۔ ”کیئرٹ نے مجھ سے کہا تھا کہ شہر میں ایک درجن گروہ ہیں جو بیرونی حملے کی صورت میں اندر سے ہماری مدد کریں گے۔ اس نے مجھے نقشے پر ان کی نشان دہی بھی کی تھی کہ یہ کہاں کہاں ہیں۔“ سامیرا نے نفی میں سر ہلایا۔ ”ہم ان کے بارے میں مکمل نہیں جانتے ہیں۔ میناٹ نے کبھی مجھ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔“

میناٹ ذرا سست الوجود اور دماغی لحاظ سے بھی سست آدمی لگتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے اتنی اہم ذمے داریاں کیوں لی ہوئی تھیں۔ جب کہ وہ ٹھیک سے انہیں پورا بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس سے خود بات کروں گا اور موضوع بدل دیا۔ ”میں نے فوج کی تنظیم و شروع کر دی ہے۔ مستقل سپاہیوں کی تعداد بڑھا

رہا ہوں اور رضا کاروں کی تعداد کم کر دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ فارغ رہنے والے لوگ میرے سپرد کیے جائیں میں ان سے کچھ کام لینا چاہتا ہوں۔“

”تم جیسے چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔“ سامیرا نے جواب دیا۔

”دوسرے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے لوگوں کو حریت کے لحاظ سے متحرک کریں۔ ان سے بات کریں بلکہ ہر دوسرے تیسرے دن سب کو جمع کر کے انہیں بتائیں کہ آرگون میں ان کو پھر سے غلام بنانے کی سازشیں ہو رہی ہیں اور اگر انہوں نے ان سازشوں کو ناکام نہ بنایا تو ان کی آنے والی نسلیں ان کی بدترین غلامی کریں گی۔“

”میں کروں گی۔“



میں رات سونے کے لیے لیٹا تو مجھے کئی دن کے بعد روپیر کی حرکت کا خیال آیا تھا۔ بہت زیادہ مصروفیت میں اس کے بارے میں سوچنے کا موقع کم ملتا تھا۔ سچ تو یہ ہے میں نے روپیر میں کردار کی کوئی غلطی نوٹ نہیں کی تھی۔ وہ اس رات کے بعد بالکل ویسی رہی جیسے اس رات سے پہلے تھی۔ پھر اس نے یہ حرکت کیوں کی؟ جب میں نے اس سے پوچھا تو اس نے بہت بے بسی سے جواب دینے سے انکار کیا تھا اور اس انکار کے بدلے ہر سزا بھگتنے کو بھی تیار ہو گئی تھی۔ کیا اسے کسی نے بھیجا تھا؟ کوئی چاہتا تھا کہ میں اس سے غلط تعلق قائم کروں؟ مگر یہاں ایسا کون ہو سکتا تھا؟ ان ہی سوچوں کے درمیان مجھے نیند آ گئی اور تھکن زیادہ تھی اس لیے بے خبر سو یا کہ صبح کا پتا نہیں چلا۔ مجھے سامیرا نے اٹھایا تو باہر روشنی نمودار ہو رہی تھی اور سامیرا میرے لیے دوسرا صاف ستھرا لباس لائی تھی۔ یہاں کپڑے گندے نہیں ہوتے تھے مگر وہ ہر دوسرے دن مجھے صاف لباس مہیا کرتی تھی۔ اس نے کہا۔

”تم نہالو تب تک میں ناشتہ بناتی ہوں۔“

”مجھے شرمندگی ہوتی ہے آپ اس طرح میرے لیے سب کرتی ہیں۔ آپ کا رتبہ اس سے کہیں بلند

ہے۔“

وہ مسکرائی۔ ”ایک ماں کے لیے سب سے بلند رتبہ اپنی اولاد کے لیے کچھ کرنا ہے اس لیے میں جو کر رہی

ہوں وہی میرا مقام ہے۔“

”آپ یہاں کی حکمران بھی ہیں۔“

”ہاں مگر یہ عارضی ہے کیونکہ وادی کے قانون کے مطابق کوئی عورت نہ تو حکمران بن سکتی ہے اور نہ مہا بیجاری اس لیے میں نے یہاں بھی حکمران بننے کی کوشش نہیں کی۔ میں صرف ایک منتظم ہوں۔ میں نے بارہا یہاں کے لوگوں سے کہا کہ وہ کسی شخص کو حکمران چن لیں مگر وہ اس کے لیے راضی نہیں ہیں۔“

”مجھے آپ کے علاوہ کوئی ایسا فرد نظر بھی نہیں آیا جو یہاں کے معاملات دیکھ سکے۔“

”تب تک مجبوری تھی مگر اب تم آ گئے ہو۔“

میں ناشتہ کر کے روپیر کے ساتھ باہر آیا۔ ہوا میں نمی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ بارش ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔ میرے یہاں آنے کے بعد جو ایک دو بار بارش ہوئی وہ بھی رات میں ہوئی اور ہلکی سی تھی۔ یہ خاصی تیز اور دیر تک برسنے والی بارش تھی۔ جب میں مشفق دیکھ رہا تھا تو بارش شروع ہو گئی۔ سیاہی اور سیکنے والے رضا کار اس بارش

میں ہی مشقیں کرتے رہے۔ روبیر نے مجھ سے کہا۔ ”بارش ہو رہی ہے آپ اندر چلے جائیں۔“
 ”تمہارا کیا خیال ہے بارش میرا کچھ بگاڑ لے گی۔“ میں نے کہا۔ ”میں یہیں رہوں گا۔“

خود روبیر بھی بیگ رہی تھی اور اس کا کرتہ اس کے جسم سے چپک گیا تھا اور وہ کچھ عجوب ہو رہی تھی کیونکہ اس کا بدن نمایاں ہو رہا تھا۔ اگرچہ یہاں کوئی اس کی طرف توجہ نہیں دے رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں بارش سے محفوظ رہ سکے مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ مشقوں کے دوران میں سپاہیوں اور رضا کاروں کو گھوم پھر کر دیکھتا رہا تھا۔ سومرو، میناٹ اور کاٹینور بھی وہیں موجود تھے اور اپنے اپنے دستوں کی مشقوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ آج فل اسکیل مشقیں تھیں جن میں قلعے کی ساری پیشہ ور سپاہ اور نئے تربیت پانے والے رضا کار شامل تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ رضا کاروں کی کارکردگی اور صحت پہلے سے بہت بہتر ہوئی تھی۔ ان کے نرم جسموں پر سخت پٹھے نمودار ہو رہے تھے۔ جو اور ویت تھے ان کا اضافی وزن چھٹ گیا تھا اور جو انڈرویت تھے ان کا وزن بڑھا تھا۔

میں روزانہ کی بنیادوں پر گزشتہ روز دیئے جانے والے احکامات کی رپورٹ لیتا تھا اور اگر مجھے تسلی بخش جواب نہیں ملتا تو آگے کے لیے مزید احکامات دیتا۔ سپاہیوں کے لیے الگ سے میس قائم کر دیا گیا تھا جہاں انہیں تین وقت کا کھانا مہیا کیا جاتا۔ فوجی یونٹوں کے لیے الگ سے رہائش گاہیں فراہم کی گئی تھیں جہاں سپاہی چوبیس گھنٹے یونٹ کے ساتھ رہتے تھے۔ چند گھنٹے بعد بارش رک گئی۔ اس دوران میں تربیت گاہ کیچڑ آلود ہو گئی تھی مگر سپاہی اسی میں مصروف تھے۔ یہاں کپڑے کی رسد محدود تھی اس لیے سپاہی اب صرف لنگوٹ میں مشقیں کر رہے تھے تاکہ لباس ضائع نہ ہوں۔ وہ لنگوٹ سے ناواقف تھے۔ میں نے ان کو بتایا کہ لنگوٹ کیا ہوتا ہے اور کیسے باندھا جاتا ہے۔ اس سے انہیں بہت آسانی ہو گئی تھی۔ وہ خوش تھے کہ پہلے انہیں لڑائی اور مشقوں کے دوران لباس کا خیال رکھنا پڑتا تھا اور اب وہ بے فکری سے سب کرتے تھے۔

بارش کئی گھنٹے جاری رہی تھی اور ہر طرف پانی نظر آرہا تھا مگر بارش رکنے کے چند گھنٹے کے اندر ہی زمین نے سارا پانی چوس لیا اور اب زمین تقریباً خشک تھی یہ بھی اس وادی کا کوئی نظام تھا ورنہ دھوپ کے بغیر پانی کا اتنی جلدی خشک ہونا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ بارش سے پہلے موسم خاصا گرم ہو چلا تھا مگر بارش کے بعد موسم خوشگوار ہو گیا تھا۔ گھریلو استعمال کے لیے پانی کنوؤں سے لیا جاتا تھا اور یہ بہت اچھی قسم کا ہلکا پانی تھا جو نہ صرف پینے بلکہ نہانے دھونے، صفائی اور کھانا بنانے کے لیے بھی بہترین تھا۔ شاید اس وادی میں کوئی مصنوعی چیز یا کیمیکل استعمال نہیں ہوتا تھا اس لیے یہاں ہوا، پانی اور ماحول میں آلودگی بھی نہیں آئی تھی۔ یہ لوگ جہاں زمین کھودتے پندرہ بیس فٹ بعد پانی نکل آتا تھا۔ مگر یہ ہر جگہ کنواں نہیں کھودتے تھے اور جہاں کنواں کھودتے اس جگہ کو مکمل طور پر ڈھک کر رکھتے تھے کہ اوپر سے پانی میں کوئی آلاش یا چیز نہ جائے۔

پانی نکالنے کے لیے رہٹ کا نظام تھا۔ جسے مقامی نسل کے بیل چلاتے تھے۔ پانی مسلسل نکلتا رہتا تھا اور اضافی پانی نالیوں کی مدد سے باہر باغوں تک پہنچایا جاتا تھا۔ سامیرانے مجھے بتایا کہ آرگون کا سسٹم اس سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ وہاں نہ صرف پانی مٹی کے بنے پائپوں کی مدد سے گھروں میں پہنچایا جاتا تھا بلکہ گندے پانی کے نکاس کے لیے زیر زمین سیوریج لائنیں تھیں۔ سختہ و سختہ نکول برجنے والے بارش اور دوسرے پانی کے نکاس

کا بھی خاص انتظام تھا۔ وسائل کی کمی اور ہنگامی حالات کی وجہ سے وہ ان قلعوں میں یہ انتظام نہیں کر سکتی تھی۔ مگر لوگوں کو گندگی اور بیماریوں سے بچانے کے لیے یہاں بھی سیوریج کا زیر زمین نظام موجود تھا۔ جو گندے پانی کو عقب میں واقع جنگل تک پہنچاتا تھا اور کیونکہ اس میں کوئی کیمیائی چیز شامل نہیں ہوتی تھی اس لیے جنگل کے درختوں کے لیے یہ پانی بھی بہترین تھا کہ اس میں کھاد پہلے سے شامل ہوتی۔

اب تک کوئی تین ہزار کے قریب افراد جنگ کے لیے تیار کیے جا رہے تھے۔ میں نے ان میں سے ہزار مکمل فارغ کر دیے اور سترہ سو کی فوج کے ساتھ باقی بچنے والے تین سو افراد کو فوج کے لیے ہی ضروری دوسرے کاموں کے لیے رکھ لیا تھا۔ جیسے میس چلانا یا سپاہیوں کے کام کرنا۔ یوں سمجھ لیں کہ یہ فوج کا حصہ تھے اور سروس کرتے تھے۔ اگلے مرحلے میں ان کو بھی جنگی تربیت دینے کا اہتمام کیا جاتا۔ اگر یہ تربیت نہ بھی پاتے تب بھی سپاہ کے ساتھ رہ کر یہ بہت کچھ سیکھتے اور مسلسل اسی ماحول میں وقت گزار کر ان کا مزاج بھی جنگجوانہ ہو جاتا اس کے بعد انہیں تربیت دینا زیادہ مشکل نہ ہوتا۔ اس ایک ہفتے میں، میں یہ کامیابی حاصل کر سکا تھا کہ ایک سسٹم بنا دیا تھا جس میں ہر فرد کو علم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس پر چیک رکھی تھی اور اس کی کارکردگی جانچی جا رہی تھی۔

اب مجھے دوسرے لوگوں کا خیال آیا جو دیگر کام کرتے تھے۔ جو لوگ اب تک رضا کاروں میں شامل تھے اور دوسرے کام بھی کرتے تھے میں نے ان کو فارغ کر دیا۔ اب وہ کھیتوں اور باغات میں کام کر رہے تھے۔ ہزار افراد پر مشتمل لیبر فورس تھی جو میلوں پر پھیلے باغات اور کھیتوں کی مکمل دیکھ بھال کرتی تھی۔ فصل درمیانی مرحلے میں تھی اور اسی طرح باغوں میں پھل پک رہے تھے۔ اس لیے ان میں سے بھی بہت سے اصل میں بیکار تھے۔ میں نے فارغ لوگوں سے کام لینے کا سوچا تھا۔ مگر ان سے کیا کام لینا تھا یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پیداواری اشیاء کے ماہرین تھے اور وہ اپنا کام کر رہے تھے ان کا کام ہر کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اب تک قلعوں میں صفائی کا خاص نظام نہیں تھا میں نے سامیرا کی مدد سے عورتوں اور لڑکیوں کو جو کوئی کام نہیں کرتی تھیں یا ان پر معمر افراد اور بچوں کی ذمہ داری نہیں تھی۔ انہیں گلیوں اور قلعوں کی صفائی پر مامور کر دیا۔

میں غور کرتا رہا تھا کہ آرگن کی طرف سے حملے کی صورت میں کون سی آسان حفاظتی تدبیر ہو سکتی ہے جس سے یہاں کے لوگ ناواقف ہوں اور اگر اسے بروئے کار لایا جائے تو یہ حملہ آوروں کے لیے سر پرانز ہو۔ مجھے خیال آیا کہ پرانے زمانے میں قلعوں کو حملہ آور فوج سے بچانے کے لیے خندقوں اور آگ کا سہارا لیا جاتا تھا۔ یعنی خندق کھود کر اسے پانی سے بھر دیتے تھے یا پھر قلعے کے چاروں طرف آگ لگا دیتے جسے حملہ آور فوج پار نہیں کر پاتی۔ یہاں خندق کھودنا ممکن نہیں تھا کیونکہ تینوں قلعے بڑے رقبے پر تھے اور یہاں اتنی افرادی قوت نہیں تھی مگر آگ لگائی جاسکتی تھی۔ میں نے اس تدبیر پر جتنا سوچا مجھے یہ اتنی آسان لگی تھی۔ یہاں لکڑی، جھاڑیوں اور موٹی گھاس کی کمی نہیں تھی۔ میں نے اسے آزمانے کا فیصلہ کیا مگر ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی کیا کہ یہ تدبیر کسی کو بتانی نہیں ہے۔

بارش کے دوران میں نے روپیر سے کہا کہ وہ فارغ رضا کاروں میں سے سو افراد کو لے آئے اور ان کے پاس گھاس اور چھوٹی لکڑی کاٹنے کے اوزار ہوں۔ بارش رکنے کے بعد روپیر ان لوگوں کو جمع کر کے لے آئی اور میں انہیں لے کر جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ ان سو افراد کی حفاظت کے لیے ایک درجن سپاہیوں کا ایک دستہ بھی

ساتھ لیا تھا۔ وادی کے بڑے جنگل آرگون شہر اور معبد کے آس پاس اور عقب میں تھے۔ وادی کے اس حصے میں گھنے جنگلوں کی کمی تھی۔ کیونکہ یہاں جا بے جا چٹانیں تھیں۔ ان میں کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ تھے۔ بیشتر جگہوں پر چھوٹے جھاڑیاں یا درخت تھے اور موٹی گھاس تو تقریباً ہر جگہ لگی ہوئی تھی۔ میں نے رضا کاروں سے کہا کہ وہ جنگل سے خشک لکڑیاں اور گھاس کے بنڈل جمع کریں۔ لکڑیوں اور گھاس کو ایک خاص انداز میں بنڈل بنائیں۔ میں نے عملی طور پر چند بنڈل بنا کر بھی دکھائے۔ ان میں گھاس زیادہ تھی اور بنڈل کی ساخت برقرار رکھنے کے لیے اندر لکڑیاں بھی شامل کیں مگر اس طرح کہ بنڈل کا وزن ایک خاص حد سے زیادہ نہ ہو۔ رضا کاروں نے سمجھ لیا اور اس کے بعد انہوں نے کام شروع کر دیا۔ روبیر متحس تھی۔

”یہ آپ کیوں بنوار ہے ہیں۔“

”قلعوں کا دفاع کرنے کے لیے۔“ میں نے کہا۔

روبیر حیران ہوئی۔ ”قلعوں کا دفاع اور گھاس سے؟“

میں مسکرایا۔ ”تم کیا سمجھتی ہو حملہ آور فوج کو روکنے کے لیے یہ بڑا موثر ہتھیار ہے۔“

میں نے ہر بندے کو ایک دن میں دس گٹھے تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ انہیں صبح سے شام تک یہی کام کرنا تھا۔ سو بندے ایک دن میں ہزار گٹھے تیار کر سکتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ جنگل میں خام مال کی کوئی کمی نہیں تھی۔ سوکھی جھاڑیاں اور اونچی موٹی گھاس بہت زیادہ مقدار میں تھی۔ یہاں مویشی اور چرنے والے جانور کم تھے اس لیے سبزہ زیادہ تھا۔ سردیوں میں جلانے کے لیے یہ لوگ لکڑی درختوں سے لیتے تھے اور اس کی بھی کمی نہیں تھی۔ شاید یہاں درخت اور پودے تیزی سے بڑھتے ہوں گے اس لیے وادی کی ضرورت آسانی سے پوری ہو جاتی ہو گی۔ تیار ہونے والے ایک گٹھے کا سائز چار بائی دو بائی دو تھا اور ہر گٹھے کا وزن تقریباً ایک من بن رہا تھا۔ ان لوگوں کو اس کام پر لگا کر میں قلعوں کے گرد گھومنے لگا اور زمین پر پتھروں سے نشان لگانے لگا۔

”یہ پتھر کیوں رکھ رہے ہیں؟“ روبیر نے سوال کیا۔

”نشانی کے لیے، بنائے جانے والے گٹھے یہیں رکھے جائیں گے۔“

روبیر اب بھی نہیں سمجھی تھی کہ میں گٹھے کیوں رکھواتا اور وہ متحس تھی۔ میں نے جن سوا افراد کو اس کام پر لگایا تھا ان کو دس دس کے گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر گروپ کا ایک ذمے دار بنادیا تھا۔ ان میں سے ایک جو کام میں سب سے مستعد اور آگے آگے تھا اسے میں نے اس کام کا سربراہ بنادیا۔ رائیس نامی یہ شخص تیس کے آس پاس تھا۔ مضبوط جسم کے ساتھ اس میں ایک خاص نوع کی چستی اور تیزی بھی تھی۔ تینوں قلعوں کے گرد پتھروں سے نشان بنانے کے بعد میں نے ان دس ذمے داروں کو تیار ہونے والے گٹھوں سمیت بلوایا اور انہیں سمجھایا کہ گٹھے کس طرح رکھنے ہیں۔ یہ کام زیادہ مشکل نہیں تھا وہ آسانی سے سمجھ گئے اور اس شام تک انہوں نے گٹھے پتھروں کے نشانات پر مخصوص ترتیب سے لگانے شروع کر دیئے تھے۔

سومرو، کانینور اور میناٹ سے لے کر سب متحس تھے کہ میں یہ کیا کر رہا تھا۔ چند ایک نے براہ راست پوچھ لیا مگر میں نے واضح جواب نہیں دیا صرف یہ بتایا کہ یہ قلعوں کے دفاع کے لیے ہے۔ جب رضا کار گٹھے لاکر میرے لگائے نشانات پر رکھ رہے تھے تو بہت سے لوگ صرف دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ کئی ایک نے پیشکش کی

کہ وہ بھی یہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں اس رائیس کے سپرد کر دیا کہ وہ ان سے کام لے۔ جتنی جلدی یہ کام ہو تا ہمارے لیے اتنا ہی بہتر ہوتا۔ جب تک روشنی رہی یہ کام جاری رہا اور شام تک گٹھے بنانے والوں نے قلعوں کے سامنے والے حصے میں ایک لائن تیار کر دی تھی۔ مگر ابھی ہزار بارہ سو گٹھوں سے قلعوں کے گرد ایک لائن بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ یقیناً یہ خاصا طویل کام تھا مگر یہ سوچے بغیر کرنا تھا کہ آرگون والے کب یہاں حملہ کریں گے۔

جب تار کی چھا گئی تو کام ختم کر دیا گیا۔ سب قلعوں میں چلے گئے۔ مشعلیں روشن ہو گئی تھیں اور رات کے پہریدار اپنی ڈیوٹی پر آ گئے تھے۔ مجھے اسی سے متعلق ایک کام تھا مگر وہ میں سب کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں دوسرے کام نمٹاتا رہا۔ ذمے داروں سے رپورٹ لیتا اور اگلے دن کے لیے احکامات دیتا رہا۔ جب رات کو سامیرا کے مکان پر آیا تو میں نے روہیر کو بھیج کر سیبوت کو طلب کیا۔ وہ رات گئے طلحی پر حیران ہوا تھا۔ وہ روہیر کے ساتھ آیا۔ ”حکم فرمائیں جناب۔“

مجھے معلوم تھا کہ یہ لوگ دیئے اور مشعلیں جلانے کے لیے جانوروں کے دودھ سے نکلنے والے روغن کے ساتھ کچھ اور بھی استعمال کرتے ہیں۔ گھروں میں عام طور سے حیوانی چربی اور مکھن سے روشنی کی جاتی تھی۔ باہر جلنے والی تیز روشنی کی مشعلوں پر کوئی خاص روغن ڈالا جاتا تھا۔ جو لکڑی میں جذب ہو جاتا اور نہ صرف اسے بہت دیر تک جلاتا تھا بلکہ اس کی روشنی بھی خاصی تیز ہوتی تھی۔ میں اسی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”تم لوگ تیزی سے آگ لگانے کے لیے کیا چیز استعمال کرتے ہو؟“

اس نے جواب دیا۔ ”ہمارے پاس آگ لگانے کے لیے دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک چربی اور مکھن اور دوسرا ایک قسم کی رال۔“

”یہ رال کہاں سے ملتی ہے؟“

سیبوت نے سوچا اور بولا۔ ”جناب آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو سب چیزیں دکھاتا ہوں۔“ میں، روہیر اور سیبوت سرکاری گودام تک آئے۔ سیبوت نے مجھے ایک رال نما چیز لا کر دکھائی اور بتایا۔ ”یہ درختوں سے نکلتی ہے۔“

یہ بالکل ویسی ہی رال تھی جیسی درختوں سے نکلتی ہے اور عام طور سے جم کر شفاف اور کسی قدر گدے لکڑے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہاں اس کے مٹی سے بنے مٹکے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ”کیا یہ اسی صورت میں آگ پکڑتی ہے؟“

”نہیں جناب، اس میں ایک اور چیز ملائیں تو یہ اس شکل میں آ جاتی ہے۔“ اس نے کہا اور دوسرے مرتبان میں موجود سیاہی مال سیال دکھایا۔ ”یہ بھی ایک پودے سے حاصل ہوتا ہے۔ ان کو دو اور ایک کے تناسب سے ملائیں تو یہ بہت تیزی سے آگ پکڑنے والا روغن بن جاتا ہے۔“

”آگ کتنی تیزی سے پکڑتی ہے؟“

اس نے مجھے مظاہرہ کر کے دکھایا۔ اس نے ایک ہری شاخ تیار روغن میں ڈبوئی اور اسے آگ دکھائی اور بالکل ہری شاخ نے خشک لکڑی کی طرح آگ پکڑ لی اور دھڑا دھڑھٹلنے لگی۔ اس روغن کی آگ پکڑنے کی

صلاحیت تقریباً مٹی کے تیل جیسی تھی۔ میں مطمئن ہو گیا کہ جو چیز مجھے درکار تھی وہ یہاں موجود تھی۔ ”اس کی کتنی مقدار ہے تمہارے پاس؟“

اس نے مجھے پورا گودام گھما پھرا کر دکھایا۔ مٹی کے بڑے بڑے اونچے منکے اس سے بھرے رکھے تھے اور بہ ظاہر یہ مقدار کافی تھی مگر ہمیں آنے والی جنگ کا سامنا تھا جس کے لیے اس قسم کی چیزیں بہت زیادہ مقدار میں درکار تھیں۔ میں نے کہا۔ ”اگر مزید جمع کرنا چاہو تو کیا اسے ذخیرہ کرنے کا بندوبست ہے؟“

”ہاں مگر بہت زیادہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے پاس منکوں کی کمی ہے۔“

”گنجائش بڑھاؤ آنے والے دنوں میں اس کی بہت زیادہ ضرورت ہوگی۔ ان منکوں کو تیار کرو اور جہاں سے یہ روغن ملتا ہے وہاں سے حاصل کرلو۔ یہ کام ہنگامی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔ صبح سے لے کر شام تک کام ہو۔ کل کا وقت بھی نہیں ہے ابھی سب متعلقہ افراد کو خبردار کر دو تا کہ کل صبح سے اس پر کام شروع ہو جائے اور ہاں ایک بات یاد رکھنا یہ نہایت خفیہ معاملہ ہے کسی تیسرے فرد کو بالکل بھی علم نہ ہو کہ ہم آگ لگانے والے روغن کی مقدار بڑھا رہے ہیں۔ یوں سمجھ لو یہ ہماری سلامتی کا معاملہ ہے۔“

سیبوت حیران ہوا تھا مگر اس نے یقین دلایا کہ اس کی زبان بند رہے گی اور حکم کی فوری تعمیل کی جائے گی۔ روغن حاصل کرنے والے مخصوص افراد تھے اسی طرح جو ان کو ذخیرہ کرنے والے منکے تیار کرتے تھے وہ بھی ماہر لوگ تھے۔ دوسرے ساز و سامان کے ساتھ اسلحہ سازی میں بھی تیزی لائی گئی تھی۔ تیرکمان اور لٹاشیاں بن رہی تھیں۔ اگلے روز میں نے ان کی ورکشاپوں کا دورہ کیا اور وہاں کام کرنے والے کاریگروں سے بات کی۔ میں نے ان کو کچھ بڑی کمائیں اور بھاری تیر بنانے کا کام بھی دیا۔ یہاں قلعے میں کچھ شاندار صحت اور قوت والے تیر انداز بھی تھے اور وہ اس قابل تھے کہ بھاری کمان اور تیر استعمال کر سکیں۔ یہ تیرکمان میں ان کے لیے تیار کروا رہا تھا۔ ان کی مدد سے دور فاصلے پر موجود دشمن کو بھی نشانہ بنایا جاسکتا تھا۔

یہاں پتھر تراشنے والے کاریگر بھی تھے۔ یہ پتھر سے اوزار بناتے تھے۔ میں نے انہیں کچھ چیزوں کے ڈیزائن دیئے کہ اس کے مطابق پتھر تراش کر دیں۔ ان کے لیے یہ مشکل کام نہیں تھا۔ ان کے تراشنے پتھروں کو لکڑی کے دستوں پر نصب کیا گیا تو پتھر کے بنے تھوڑے اور کلہاڑیاں وجود میں آگئیں۔ قریبی جنگ کے لیے یہ بہترین ہتھیار تھے اگرچہ تلوار کا خنجر کا متبادل نہیں تھے مگر یہ لٹاشی اور گوپھن کے مقابلے میں کہیں مؤثر ثابت ہو سکتے تھے۔ میں نے یہ ہتھیار سپاہیوں کو دلوائے اور استعمال کے حوالے سے ان کی رائے طلب کی۔ نئے تربیت پانے والے تقریباً دو سو سپاہیوں نے ان ہتھیاروں کو پسند کیا اور میں نے ان کا ایک الگ دستہ بنا کر انہیں ان ہتھیاروں کے لڑنے کے لیے مخصوص کر دیا۔ کاریگران کے لیے ہتھیار سازی کرنے لگے۔

اس دوران میں قلعوں کی دیواروں کی مرمت کا کام بھی آخری مراحل میں تھا۔ بہت سی جگہوں پر دیوار خستہ حال ہو گئی تھی اور کچھ جگہوں پر اس کی اونچائی کم تھی۔ مرمت کا کام تسلی بخش ہوا تھا اور سامیر اخوداس کی نگرانی کر رہی تھی۔ فصیلوں کے آس پاس کچرے اور لمبے کی صفائی کی جارہی تھی اور اسے اٹھا کر دور پھینکا جا رہا تھا۔ آس پاس کی جھاڑیاں اور چھوٹے درخت بھی کاٹے جا رہے تھے تاکہ قلعوں سے دور تک صاف نظر آئے۔ میں نے کہا تھا کہ قلعوں کے ہر طرف دو سو گز تک زمین بالکل صاف ہو۔ کاٹے جانے والے درختوں اور

جھاڑیوں کی لکڑی بھی لکھنے بنانے میں استعمال کی جا رہی تھی میں نے کہا تھا کہ تازہ اور ہری لکڑی بھی استعمال کی جاسکتی تھی اگر یہ خشک نہ بھی ہوتی تو آگ پکڑنے کی صورت میں بہت زیادہ دھواں دیتی اور یہ بھی حملہ آوروں کو دور رکھنے میں معاون ثابت ہوتا۔

سامیرا نے میرے کہنے پر اپنے لوگوں کے حوصلے بلند کرنے کے لیے ان سے ملنا اور ان کو ابھارنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ہر دوسرے دن شام کے وقت مرکزی قلعے کے سامنے میدان میں لوگوں سے خطاب کرتی اور اسے تقریر کا فن آتا تھا۔ اسے نکات میں دیتا اور کچھ وہ اپنی طرف سے شامل کرتی۔ اس کا مثبت اثر ہوا جو لوگ پہلے کسی قدر خوفزدہ اور آنے والے وقت سے پریشان تھے۔ اب ان میں جوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ ہر عزم تھے کہ آرگون کی طرف سے کی جانے والی کسی بھی جارحیت کا بھرپور مقابلہ کریں گے۔ سامیرا نے ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ آرگون پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وادی میں صدیوں سے رائج اس نظام کے استحصالی حصوں کو ختم کر دیا جائے گا۔ سب کی ایک سی حیثیت ہوگی اور مادی لحاظ سے کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوگا۔ فرد کو اپنی زندگی کے تمام فیصلے خود کرنے کی آزادی حاصل ہوگی۔

اگرچہ عملی طور پر یہ سب وعدے پورے کرنا بہت دشوار کام تھا مگر ساری دنیا کے لیڈر اپنی قوم سے کوئی کام کرانے کے لیے اس سے ایسے ہی وعدے وعید کرتے ہیں اور جب لوگ قربانیاں دے کر وہ مقصد حاصل کر لیتے ہیں تب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ عملی طور پر ان وعدوں کا حصول ممکن نہیں ہے۔ مگر وہ مستقبل کے بڑے نقصانات سے بچ جاتے ہیں۔ یہی صورت حال یہاں بھی تھی۔ وادی کے لوگوں کو شاید وہ سب نہ ملتا جو سامیرا ان سے کہتی تھی مگر ان کی نسلیں آنے والی غلامی سے بچ جاتیں اور ممکن ہے کہ وادی کے دروازے باہر کی دنیا کے لیے کھل جاتے اور یہاں کے لوگ بھی اس جدید پینا اور اس کی ایجادات سے مستفید ہو سکتے جن سے وہ اب تک نا آشنا تھے۔ ان کے پاس تعلیم نہیں تھی کیونکہ تعلیم صرف اعلیٰ طبقے اور خاص طور سے پجاریوں کے لیے مخصوص تھی۔ ان پر تعلیم کے دروازے کھل جاتے تو انہیں باقی دنیا کے برابر آنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ اگرچہ اس میں خطرات بھی بہت تھے۔ ایک بار دنیا ان کے وجود سے واقف ہو جاتی تو آس پاس کے طاقتور ممالک اس وادی پر قبضے کی کوشش کر سکتے تھے۔ کئی ایک بار میری سامیرا سے اس بارے میں بات ہوئی مگر وہ شاید اس حق میں نہیں تھی کہ اس وادی کا راز دنیا پر کھلے۔

مجھے یہاں آئے ہوئے نو دس دن ہو چکے تھے اور عجیب بات تھی کہ ہر طرف خاموشی اور ٹھنڈ تھی۔ پہلے مجھے لگا تھا کہ آرگون اور ریٹا کی طرف سے شاید ایک دو دن میں ہی حملہ کر دیا جائے۔ مگر اب لگ رہا تھا کہ ان کا حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ صرف کیرٹ کو سزا دی گئی تھی اور اس کے بعد سب اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے تھے۔ مگر جب مجھے ڈیوڈ شا کا خیال آتا تو میں جیسے خواب غفلت سے جوقم جاتا۔ ڈیوڈ شا کے ہوتے ہوئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی فتنے فساد والا کام نہ ہو۔ وہ یقیناً ریٹا کو پٹیاں پڑھا رہا تھا اور اس کی پوری کوشش ہوگی کہ کسی طرح وادی کے دونوں گروہوں کے درمیان بھرپور جنگ ہو جائے۔ یہ لوگ آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں تو اس کے بعد وہ یہاں اپنا سکھ چلا سکے۔ ڈیوڈ شا مخصوص برٹش ذہنیت کا مظاہرہ کر رہا تھا یعنی لڑاؤ اور حکومت کرو۔ وادی میں تیس ہزار سے زیادہ لوگ نہیں تھے اگر خانہ جنگی میں ان کی بڑی تعداد ماری جاتی تو پیچھے بچ جانے

والوں میں اکثریت بوڑھے، بچوں اور عورتوں کی رہ جاتی جن پر قابو پانا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ ڈیوڈ شاکی موجودگی کے باوجود آرگون کی طرف سے جنگ کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ دوسری طرف برف والا بھی مجھے یہاں بھیج کر بالکل ہوش تھا۔ اس نے ایک بار مجھ سے رابطہ کیا تھا اور ایک بار سامیرا نے اس سے رابطہ کیا تھا۔ جب ہم نے قرنہ کی آواز پر آرگون کی طرف جانے یا نہ جانے کا فیصلہ کرنا تھا۔ اس کے بعد برف والے نے ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ فی الحال اسے رابطہ کرنے یا ہمیں ہدایت دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی یا پھر اس نے سب ہم پر چھوڑ دیا تھا اور اب اوپر بیٹھ کر دیکھ رہا تھا کہ آگے کیا ہوتا ہے؟ اس شام میں مرکزی قلعے میں گھوم پھر کر دیکھ رہا تھا۔ جب سے اندر کی صفائی کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا۔ راستے اور گلیاں صاف رہنے لگے تھے اور جو گلیاں کچی تھیں انہیں بھی پختہ کر دیا گیا تھا۔ بچے کھیل رہے تھے اور لوگ آ جا رہے تھے۔ میں بچوں کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ایک بچے نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ اس نے کہا۔

”شہباز، شام کے بعد قلعے سے باہر جانے سے گریز کرنا۔“

آواز برف والے کی تھی اس بار میں اتنا حیران نہیں ہوا۔ میں نے سوال کیا۔ ”کیوں؟“

بچے یا برف والے نے میرا سوال نظر انداز کیا اور پھر کہا۔ ”اگر چلے جاؤ اور نہ آسکو تب بھی کوشش کرنا اگلی صبح روشنی ہونے سے پہلے واپس آ جاؤ۔“

”میری بات سنیں۔“ میں نے کہنا چاہا لیکن بچہ میرا ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ میں اس کی طرف لپکا اور اس کا بازو پکڑ لیا۔ ”میری بات سنیں۔“

بچہ سہم گیا اور اس نے معصومانہ لہجے میں کہا۔ ”میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔“

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اپنی بات کر کے برف والا چکا تھا۔ اس کی ہدایت یقیناً میرے لیے خاص اشارہ تھی اور مجھے اس کا خاص خیال رکھنا تھا۔ جیسے اس نے وادی میں بھیجنے سے پہلے مجھے کیڑ کا نام یاد رکھنے کو کہا تھا۔ یہ اس واقعے کے اگلے دن کی بات تھی۔ جاری کاموں کے ساتھ میں گھومنے پھرنے کے دوران دیکھتا رہتا تھا کہ کہیں کوئی کام کی چیز ہو جس سے یہ ناواقف ہوں مگر میں اسے کام میں لاسکوں۔ میں نے بتایا کہ وادی میں ذرائع کی کمی تھی اور یہ تقریباً تمام ہی اشیاء بہت سادہ بناتے تھے۔ پتھر، مٹی، لکڑی، کھالیں اور جانوروں کی ہڈیاں ان کے لیے خام مال تھا۔ یہاں مجھے سوائے سونے و چاندی کے کوئی دھات نظر نہیں آئی تھی۔ سونا اور چاندی عام طور سے دوسری دھاتوں کے ساتھ ملتے تھے مگر یہاں شاید ایسا نہیں تھا اس لیے ان کے پاس صرف یہی دودھاتیں تھیں۔ ان سے بھی کام نہیں لیا جاسکتا تھا اور یہ صرف اظہارِ تعیش کے لیے استعمال کی جاسکتی تھیں۔ کبھی کبھی شام کے وقت عقبی جنگل تک بھی چلا جاتا تھا اور وہاں چیزیں کھوجتا تھا۔ اس شام بھی میں نکلا اور میرا ارادہ زیادہ دور جانے کا نہیں تھا اس لیے میں نے صرف رویر کو ساتھ لیا۔

”میرے ساتھ چلو۔“

اس نے حکم کی تعمیل کی اور میرے ساتھ ہوئی۔ قلعے کے عقب میں جنگل زیادہ گھنا نہیں تھا اور یہاں چند ایک مقامات پر درختوں کے جھنڈے در نہ بیشتر جگہوں پر جھاڑیاں، گھاس پھوس اور چھوٹے پودے تھے جہاں یہ

سب نہیں تھا وہاں چٹائیں تھیں۔ ٹوٹ پھوٹ کا شکار یہ چٹائیں بہت سخت پتھر کی تھیں اور مقامی کارمگر ان سے ہی اوزار بنانے کے لیے پتھر لے جاتے تھے۔ میا لے رنگ کی یہ چٹائیں کہیں کہیں سے نیلے سرمئی رنگ کی تھیں۔ میں ان چٹانوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ ان سے ٹوٹ کر الگ ہونے والے پتھر جاہ جاکھرے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض تلوار کی طرح لمبے سے تھے ان کو کاٹ کر گھس کر چاقو کی شکل دی جاسکتی تھی یہاں چاقو اور تیز دھار والے اوزار اسی طرح کے پتھر سے بنے تھے۔ کہیں گول اور آلو سے لے کر تر بوڑے ساز تک کے پتھر پڑے تھے۔ ان سے چکی کے پاٹ اور دوسرے اوزار تیار کیے جاتے تھے۔

ایک جگہ چھوٹے سنگریزوں کے ساز کے پتھروں کا بہت بڑا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ یہ کئی طرف سے نوکوں والے پتھر تھے اور ان کی نوکیں کانٹوں کی طرح تیز تھیں۔ میں نے اٹھا کر دیکھا یہ گوکھر ویسے پتھر تھے۔ گوکھر ایک گول نابی چیز ہوتی ہے جس پر چاروں طرف کانٹے لٹکے ہوتے ہیں۔ پہلے زمانے میں جنگوں کے دوران دفاع کرنے والے حملہ آور فوج کو مشکل میں ڈالنے کے لیے ان کے راستے میں گوکھر دو بچھا دیتے تھے۔ جب دھات کا زمانہ آیا تو دھات سے گوکھر تیار کیے جانے لگے جو کہیں زیادہ موثر ہوتے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر انہیں قلعوں کے آس پاس میدانوں میں بچھا دیا جائے تو شاید یہ بھی اسی کام آسکیں۔ ان سے حملہ آوروں کی پیش قدمی سست کی جاسکتی تھی۔ میں نے روہیر سے پوچھا۔ ”آس پاس یہ سنگریزے بڑی مقدار میں دستیاب ہیں؟“ وہ سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے چٹانوں کے ذرا دور ایک سلسلے کی طرف اشارہ کیا۔ ”شاید اس طرف ہیں۔“

چٹائیں دور تھیں مگر ابھی روشنی باقی تھی اور آس پاس کوئی خطرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ اس لیے میں نے کوئی حرج نہیں سمجھا۔ یہ چٹائیں قلعوں سے کوئی پون میل کے فاصلے پر تھیں۔ میرے پاس لاشی تھی اور روہیر کے پاس لاشی کے ساتھ تیر کمان بھی تھے۔ یعنی ہم مناسب حد تک مسلح تھے۔ وادی کی دیوار نزدیک ہونے کی وجہ سے یہاں چٹائیں بلند اور زیادہ نامور تھیں۔ ان میں ٹوٹ پھوٹ کہیں زیادہ تھی۔ شاید اسی لیے روہیر نے سنگریزوں کے لیے یہاں آنے کو کہا تھا۔ جیسے جیسے ہم چٹانوں میں آگے جا رہے تھے کئی مقامات پر سنگریزوں کا ڈھیر نظر آیا تھا۔ یہ خاصی مقدار میں تھے۔ عام طور سے چٹانوں کو توڑنے اور تراشنے کا کام درجہ حرارت کے ساتھ تیز ہوا کرتی ہے لیکن یہاں ہوا بہت معمولی سی چلتی تھی اور بارش زیادہ ہوتی تھی اس لیے چٹانوں کی توڑ پھوٹ میں مرکزی کردار حرارت کے ساتھ پانی کا تھا۔

یہاں چھوٹے جنگل تھے مگر ان میں درخت بہت بلند تھے۔ جہاں پتھر پٹی زمین نہیں تھی وہاں جھاڑیاں، پودے اور گھاس پھوس اگ آتی تھی۔ آبادی سے دور ہونے کے بعد چھوٹے موٹے جانور اور حشرات الارض نظر آنے لگے تھے۔ یہاں سانپ نہیں تھے۔ کم سے کم میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی تھی جسے سانپ قرار دیا جاسکتا۔ البتہ چھپکلی اور گرگٹ جیسے ریگٹے والے جانور بہت سارے تھے۔ اس طرف شہد کی مکھیاں تھیں کیونکہ بلند درختوں پر جاہ جان کے چھتے نظر آرہے تھے۔ یہ لوگ شہد حاصل کرنے کے لیے چھتوں کے نیچے کٹ لگا کر مکھی نما برتن رکھ یا لٹکا دیتے تھے اور شہد رس کر اس میں گرتا رہتا تھا۔ جو چھتے مکھیاں ترک کر دیتی تھیں انہیں اتار کر یہ ان سے موم حاصل کرتے تھے۔ ہم قلعوں سے دور نکل آئے تھے اس لیے اب روہیر چونکا تھی اور اس نے کمان

ہاتھ میں پکڑ کر اس میں تیر لگا لیا تھا میں نے اس کی طرف دیکھا۔

”کیا یہاں کوئی خطرہ ہے؟“

”آبادی سے باہر یہاں کہیں بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔“ اس نے آس پاس دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”اگرچہ اس طرف ہارن، اسار یا گونز نہیں آتے ہیں مگر وہ آ بھی سکتے ہیں۔“

مگر فی الحال ایسا کوئی خطرہ نظر نہیں آیا تھا۔ ہم چٹانوں کے ایک سلسلے کے پاس پہنچے۔ یہ کئی پھٹی چٹانیں تھیں جن میں بھول بھلیوں جیسے راستے تھے۔ ظاہر ہے میرا ان میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اب تک مجھے سنگرزے جیسے پتھراتی مقدار میں ضرور نظر آ گئے تھے کہ ہم انہیں قلعوں کے چاروں طرف زمین پر بچھا سکیں۔ یہ حملہ آور فوج کو مشکل میں ڈال سکتے تھے جب کہ وہ ان سے نمٹنے کے لیے تیار بھی نہیں ہوگی۔ روہیر کے پاس ایک تھیلا تھا میں اس میں ہر جگہ سے کچھ نمونے لے کر ڈالتا جا رہا تھا۔ تھیلا خاصا بھر گیا تھا اور وزنی ہو گیا تھا اس لیے میں نے اسے شانے پر لا دلیا۔ روہیر تیار نہیں تھی اس کا اصرار تھا کہ میں تھیلا اسے تھما دوں۔ مگر میں نے اس سے کہا۔ ”تم صرف اپنے کام پر توجہ دو اور آس پاس نظر رکھو۔ ویسے بھی یہ خاصا وزنی ہو گیا ہے۔“

وہ مجبوراً راضی ہوئی۔ ”میں اٹھا سکتی ہوں لیکن جیسے آپ کہیں۔“

اس سے بے نیاز ہو کر کہ میں کیا کر رہا ہوں وہ چوک ہو کر ہر طرف دیکھتی رہی اور اس کا نظر رکھنا ہی کام آ گیا کیونکہ اچانک اس نے ایک طرف اشارہ کیا اور مجھے آہستہ سے خبردار کیا۔ ”اسار..... دو ہیں۔“

میں نے آہستہ سے سر گھما کر دیکھا۔ وہ کوئی سو گزر کے فاصلے پر تھے اور شانہ بشانہ سُست قدموں سے ہماری طرف بڑھ رہے تھے۔ روہیر نے تیر کا رخ ان کی طرف کر دیا اور میں نے لاٹھی سونت لی تھی۔ میں نے بتایا ہے کہ یہ بھیڑیے کی شکل و صورت کے، جسامت میں اس سے خاصے بڑے اور ہیبت ناک قسم کے درندے تھے۔ اسے آپ اس وادی کا شیر سمجھ لیں۔ ان تھیلاؤں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل تھا اور غار ہماری واحد بچت تھی۔ ان سے بچنے کے لیے ہمیں کسی ایسی جگہ پناہ لینی تھی جہاں یہ نہ پہنچ سکیں۔ بد قسمتی سے آس پاس کوئی بلند درخت نہیں تھا جس پر ہم چڑھ کر ان کی پہنچ سے دور چلے جاتے۔ ذرا دور چٹانیں تھیں میں نے ان چٹانوں کا جائزہ لیا اور روہیر سے کہا۔ ”پیچھے ہٹنا ہے مگر آہستہ آہستہ انہیں تاثر نہ ملے کہ ہم فرار ہو رہے ہیں۔“

وہ فکر مند ہو گئی۔ ”چٹانوں میں ہم گھر نہ جائیں؟“

”دیکھتے ہیں کھلی جگہ ہم ان کے لیے آسان شکار ہوں گے۔ محدود جگہ اپنا دفاع کرنا آسان ہوگا۔“

ہم ایسی چٹان کی طرف سرکنے لگے جس میں اندر جانے کا راستہ نظر آ رہا تھا۔ اسار شاید کچھ دیر سے ہمارے پیچھے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ بے خبری میں ہمیں آلیں مگر روہیر نے بروقت انہیں دکھ لیا۔ اگرچہ یہ بروقت دیکھنا بھی زیادہ کارآمد نہیں تھا کیونکہ ہم خطرے میں تو تھے۔ اسار کے شیر جیسے پھیلے ہوئے پنچے جن میں تیز ناخن تھے اور بھیڑیوں جیسے لیکن ان سے بڑے پورے جڑے میں پھیلے ہوئے دانت دور سے نمایاں تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ ہم ان کی موجودگی سے باخبر ہو گئے ہیں اس لیے انہوں نے اب ہلکے ہلکے غرانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ شاید پہلے بھی غرار ہے تھے مگر ان کی آوازیں اتنی بلند نہیں تھیں کہ ہم تک آ جاتیں۔ جیسے جیسے وہ

زدیک آرہے تھے ان کی غراہٹوں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ پیچھے ہٹتے ہوئے روبیر نے لرزتی آواز میں کہا۔
”جناب ان سے بچیں، ہمارے ہتھیار ان کا کچھ نہیں لگاڑ سکتے۔“

میرا بھی یہی خیال تھا۔ تیرکمان اور لانچی ان تین ساڑھے تین سو پونڈ وزنی درندوں کا کچھ نہیں لگاڑ سکتے تھے۔ ہم چٹان کے سوراخ کے پاس آگئے تھے اور میں نے پہلے روبیر کو اندر جانے کو کہا۔ وہ میرے عقب میں آگئی اور ہم اگلے قدموں چلتے ہوئے چٹانوں کے درمیان آئے۔ یہ صحن جیسی کھلی جگہ تھی اور یہ ظاہر یہاں بچنے کی کوئی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ ابھی اسار ہماری نظروں میں تھے اور جیسے جیسے وہ زدیک آرہے تھے میرے دل کی دھڑکن بڑھ رہی تھی۔ میری نظر ان پر تھی مگر روبیر نے دیکھ لیا کہ چٹانوں میں اندر کی طرف جاتا ایک تنگ سارا ستہ تھا۔ اس نے اشارہ کیا۔ ”یہ اس میں ہم ان سے بچ سکتے ہیں۔“

میں نے ایک نظر خلا کو دیکھا اور مجھے روبیر کی بات درست لگی میں نے پہلے اسے اندر جانے کو کہا۔ وہ چھریے جسم کی تھی آسانی سے اس خلا میں چلی گئی۔ جب وہ کئی گز اندر چلی گئی تو میں بھی اندر داخل ہوا اور مجھے جانے میں مشکل پیش آئی تھی۔ ذرا سا آگے جانے کے بعد خلا اتنا چوڑا بھی نہیں تھا کہ میں اس میں سیدھا جا سکتا۔ اس لیے ترچھا ہوا اور کسی نہ کسی طرح اس خلا میں گھس کر آگے پہنچ گیا۔ ایک جگہ پہنچ کر روبیر رک گئی کیونکہ اس سے آگے وہ بھی نہیں جا سکتی تھی اور اس کے بعد میں رک گیا۔ مجھے ذرا اطمینان ہوا کہ جب ہم اتنی مشکل سے اندر آئے ہیں تو اسار اس دراڑ میں گھس نہیں سکتے تھے۔ جب تک ہم اندر گھسنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ اسار وہاں آن پہنچے۔ ان کی ہلکی غراہٹیں بتا رہی تھیں کہ وہ چٹانوں کے اندر گھس آئے ہیں اور اب ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔ ان کو تلاش کرنے میں دیر بھی نہیں لگتی کیونکہ اس کھلی جگہ صرف ایک راستہ تھا جو چٹانوں کے باہر جاتا تھا۔ دوسری یہ دراڑ تھی۔ اندر گھسنے کی کوشش میں ہمارے لباس اور جسم رگڑ کھا گئے تھے۔ لباس پھٹ گئے تھے اور جسموں پر خراشیں آئی تھیں۔

”یہاں سے نکلنے کی جگہ نہیں ہے۔“ روبیر نے کسماکسم کہا۔ ”ہم پھنس گئے ہیں۔“

”ہاں لیکن اسار یہاں نہیں آ سکتے ہیں۔“ میں نے اسے تسلی دی۔ ”مدد آنے یا ان کے یہاں سے جانے

تک ہم زندہ رہ سکیں گے۔ فکر مت کرو ہم یہاں محفوظ ہیں۔“

”یہ اندر نہ آ جائیں۔“ روبیر اب بھی خوفزدہ تھی۔

”میرا نہیں خیال کہ یہ اندر آ سکیں گے۔“ میں نے جواب دیا اور اسی لمحے ایک اسار دراڑ کے دوسری

طرف نمودار ہوا۔ اس نے غرا کر دیکھا اور اندر آنے کی کوشش کی مگر کچھ آگے آ کر اس کا چوڑا سینہ دراڑ میں پھنس

گیا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ ان کا سینہ چوڑا ہے اور میں ترچھا ہونے کے باوجود پھنس کر آیا تھا اس لیے مجھے امید

تھی کہ وہ نہیں آ سکیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ اسار نے خوفناک سی آواز نکالی اور زور لگایا۔ وہ آگے آیا تھا۔ مگر اس بار

وہ زیادہ پھنس گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ آگے جانا مشکل ہے اور اسے واپس جانا چاہیے۔ اس نے اب

واپس جانے کی کوشش شروع کی۔ میں نے سوچا کہ ایک درندہ نشانے پر آ گیا ہے اس لیے اسے واپس جانے نہ دیا

جائے اور روبیر سے پوچھا۔ ”کیا تم اسے تیر کا نشانہ بنا سکتی ہو؟“

”کوشش کرنا ہے۔“ روبیر نے میرے پیچھے سے بلند ہو کر تیر کا رخ اسار کی طرف کیا اور میں ممکن حد

تک نیچے ہو گیا۔ اسار نے تیر دیکھ لیا اور اب وہ تیزی سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا عین اس وقت جب وہ اپنی کوشش میں کامیاب رہا تھا رو بیر نے تیر سامنے سے اس کے سینے میں اتار دیا۔ رو بیر نے پوری قوت سے تیر مارا تھا اور فاصلہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ تیر گردن کے عین نیچے خاصی گہرائی تک گیا تھا۔ اسار نے بھیا تک سی آواز نکالی اور دراڑ سے باہر نکل کر زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ شاید اس طرح وہ جسم میں اترا ہوا تیر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بد قسمتی سے اس کوشش میں اس نے تیر جسم میں مزید اتار لیا اور پھر چیتا ہوا دہاں سے بھاگ نکلا۔ رو بیر خوش ہوئی۔ ”یہ گیا۔“

میر انہیں خیال کہ اسار کو جان لیوا زخم لگا تھا مگر یہ زخم بہت دردناک ضرور تھا اور وہ اب ہمارے بجائے اپنی تکلیف کی فکر میں تھا۔ شاید اس نے بہتر سمجھا ہو گا کہ بھاگ جائے کہیں ایسا نہ ہو اسے کمزور سمجھ کر اس کا ساتھی ہی اس پر حملہ نہ کر دے جیسا کہ بھیڑیوں کا وطیرہ ہوتا ہے۔ یہ اپنے کمزور، معذور اور بوڑھے ہو جانے والے ساتھیوں کو مار کر کھا جاتے ہیں۔ اب وہاں ایک رہ گیا تھا۔ اس کی جھلک بھی فوری نظر آگئی۔ وہ دراڑ کے پاس تھا مگر اس نے پہلے والے کے انجام سے عبرت پکڑ لی تھی اور سامنے آنے سے گریز کیا تھا۔ اسار کم سے کم تیر سے واقف تھے۔ میں نے رو بیر کو شاباش دی۔ ”تم نے شاندار نشانہ لگایا ہے۔ میرا خیال ہے وہ تو یہاں سے بھاگ گیا ہو گا۔ اب ایک ہی رہ گیا ہے۔“

رو بیر نے کہا۔ ”مجھے آگے آنے دیں میں اسے بھی نشانہ بنانے کی کوشش کرتی ہوں۔“ میرا بھی یہی خیال تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ میرے پاس سے گزر کر وہ کسی صورت نہیں جاسکتی تھی۔ یہاں قطعی جگہ نہیں تھی اور اگر ہم آگے پیچھے ہونے کے لیے دراڑ کے شروع کے حصے میں جاتے تو وہاں اسار کا خطرہ تھا۔ اگر ہم احتیاط کرتے اور تیزی سے آگے جا کر پوزیشن بدل کر واپس آتے۔ یہ کام اتنی تیزی سے کرتے کہ اسار کو حملہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ مگر میں نے غور کیا تو یہ صورت مجھے عملی طور پر ممکن نظر نہیں آئی۔ رو بیر نے بھی اسے مسترد کر دیا۔ اس نے کہا۔ ”اس میں بہت خطرہ ہے۔ اسار بہت خوفناک جانور ہے یہ لہجوں میں انسان کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اس کے بچوں اور دانتوں کے زخم بہت گہرے ہوتے ہیں۔ میں نے آج تک اس کا نشانہ بننے والے کسی فرد کو زندہ بچتے نہیں دیکھا۔“

میں نے گہری سانس لی۔ ”تب ایک ہی طریقہ تھا کہ تم میرے اوپر چڑھ کر دوسری طرف اتر جاؤ۔“ کام تو یہ بھی آسان نہیں تھا مگر کیا جاسکتا تھا۔ اس نے کہا۔ ”میں کوشش کرتی ہوں۔“ میں نے سمجھایا۔ ”تم میرے ہاتھ پر پاؤں رکھو اور میرا نشانہ پکڑ کر اوپر ہو اور پھر میرے کندھے پر ایک پاؤں رکھتے ہوئے دوسرے شانے پر دوسرا پاؤں رکھو اور پھر میرے ہاتھ پر پاؤں رکھتے ہوئے دوسری طرف اتر جاؤ۔“

وہ ہچکچائی۔ شاید اسے یہ سوائے ادب لگ رہا تھا مگر میرے زور دینے پر وہ مان گئی۔ اس نے اپنا ترکش الگ کر کے نیچے رکھا اور پھر جوتے اتارتے ہوئے خالی پاؤں میرے ہاتھ پر رکھا میں نے اس کا پاؤں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے شانے کو تھام کر خود کو اوپر اٹھایا اور پھر دیواروں کا سہارا لیتے ہوئے میرے شانے پر ایک پاؤں رکھا اور دوسرے پر دوسرا پاؤں رکھا اور اس پر سے ہوتی ہوئی با آسانی دوسری

طرف اتر گئی۔ اس نے جتنی آسانی سے یہ کام کیا تھا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ جسمانی طور پر پرفٹ تھی۔ وہ چھریری سی تھی مگر اس کے جسم میں مضبوطی اور طاقت موجود تھی۔ تبھی اس نے اتنی تنگ جگہ یہ مشکل کام اتنی آسانی سے کر لیا۔ میں نے اس کا سامان اٹھا کر اسے دینا چاہا مگر اس نے صرف تیر کمان لیا اور باقی چیزیں میرے سپرد کر دیں۔

”جب میں مانگوں تو مجھے تیر دیجئے گا۔“

میں نے ترکش سے تیر نکال کر پکڑ لیے۔ وہ آگے سرکنے لگی۔ ترچھا ہونے کی وجہ سے وہ قدرتی طور پر تیر چلانے والی پوزیشن میں تھی۔ میں پیچھے ہی رہا تھا کہ اگر اسے تیزی سے پیچھے آنا پڑے تو میری وجہ سے دشواری نہ ہو۔ وہ مجھ سے کوئی دو گز آگے اس جگہ تک چلی گئی جہاں تک پہلا اسار آ کر پھنس گیا تھا۔ یہ خطرناک جگہ تھی۔ اگر ایک اسار یہاں تک آ سکتا تھا تو پھر دوسرا بھی آ سکتا تھا۔ اب تک ہماری توجہ اسار کی طرف نہیں گئی کیونکہ اس کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ رو بیر مزید آگے جا رہی تھی۔ میں نے کہا۔ ”احتیاط سے آگے مت جاؤ۔“

”وہ یہاں سے نظر نہیں آ رہا ہے۔“ اس نے کہا۔ رو بیر درست کہہ رہی تھی۔ اسار کی اب جھلک بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ شاید اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اب نظر آنا اس کے لیے خطرناک ہو گا اس لیے وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔

”وہ چالاکی سے کام لے رہا ہے تم اس حد تک آگے جاؤ گی تو وہ اچانک حملہ کر دے گا اور ایک تیر اسے روک نہیں سکے گا۔ صبر سے کام لو اور اس کے سامنے آنے انتظار کرو۔“

مضروب اسار کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ وہ مر گیا تھا یا پھر یہاں سے چلا گیا تھا۔ مجھے دوسری صورت قرین قیاس لگ رہی تھی۔ تیر کے زخم نے اسے ہلاک نہیں کیا تھا بلکہ فرار پر مجبور کر دیا تھا۔ البتہ دوسرا موجود تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر ہم مل کر حملہ کریں تو اس دوسرے اسار کو بھی فرار پر مجبور کر سکتے تھے لیکن اگر وہ فرار نہ ہوتا تو ہماری جان خطرے میں پڑ جاتی۔ شیر کی طرح اکیلا اسار بھی اتنا ہی خطرناک تھا جتنا کہ دو ہو سکتے تھے۔ اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا جو میں بغیر سپاہیوں کے یہاں تک چلا آیا تھا۔ اگر میں نصف درجن سپاہی بھی ساتھ لے لیتا تو ہم آرام سے اساروں سے نمٹ سکتے تھے۔

میرے منع کرنے پر رو بیر اپنی جگہ رک گئی تھی اور تیر چلانے کے لیے تیار تھی مگر دوسری طرف اسار بھی کم مکار نہیں تھا۔ وہ غرا کر اور جھلک دکھا کر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا مگر سامنے آنے سے گریز کر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہم تیر سے مسلح تھے اور وہ اس کی ہلاکت خیزی دیکھ چکا تھا۔ اس دوران میں اندھیرا تیزی سے چھا رہا تھا۔ کچھ دیر میں مکمل تاریکی چھا جاتی۔ تاریکی سے ہمیں یا اسار کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مسئلہ یہ تھا کہ اسار کے ہوتے ہوئے ہم یہاں سے باہر جانیں سکتے تھے اور وہ اندر نہیں آ سکتا تھا۔ اس لحاظ سے ہماری پوزیشن بہتر تھی کہ ہم یہاں انتظار کر سکتے تھے۔ جب کہ اسار زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جلد یا بدیر یہاں سے جانے پر مجبور ہو جاتا۔ لیکن اگر ہمیں ایک دو دن بھی اس تنگ دراڑ میں رہنا پڑ جاتا تو بھوک پیاس کے ساتھ کچھ اور مسائل بھی سامنے آتے۔ جن سے ہم شاید بمشکل ہی گزر پاتے۔ بہر حال ہمیں جان کا فوری خطرہ نہیں تھا۔

میں نے سوچا کہ اگر ہم چلائیں تو اس کا کیا اثر ہو گا؟ ہم جس جگہ تھے یہ قلعوں سے کوئی پون میل کے

فاصلے پر تھی اور ہم ایک بند جگہ تھے۔ لیکن اگر ہم کھلی جگہ ہوتے جہاں سے قلعوں تک درمیان میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتی تب بھی ہماری آواز وہاں تک نہ جاتی۔ میں نے روہیر سے پوچھا۔ ”تم کتنی بلند آواز میں چلا سکتی ہو؟“ وہ مسکرائی۔ ”بہت اونچی آواز میں، جب میں بچپن میں کسی بات پر چلاتی تھی تو میرے آس پاس موجود لوگ کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔“

”میں بھی اچھی خاصی آواز نکال سکتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”اگر رات تک ہم یہاں سے نہ نکل سکتے اور کوئی تلاش کرنے نہ آیا تو کل صبح ہم چیخ کر مدد طلب کریں گے۔“ وہ متفکر ہو گئی۔ ”صبح تک؟..... یعنی رات یہاں بھی گزر سکتی ہے؟“

”بالکل تم دیکھ رہی ہو یہ کتنی ثابت قدمی سے باہر موجود ہے۔“ میں نے اسار کی طرف اشارہ کیا۔ ”اے امید ہے کہ ہم جلد یا بدیر باہر آئیں گے۔“

”جب تک یہ باہر ہے میں کسی صورت باہر نہیں جاؤں گی بے شک یہاں بھوک پیاس سے مر جاؤں۔“ ”اللہ نے چاہا تو ایسا نہیں ہوگا۔ رات نہ سہی صبح لوگ ہماری تلاش میں ضرور نکلیں گے۔“ میں نے اسے تسلی دی۔

میں سوچ رہا تھا کہ کیا سامیرا یا دوسروں نے ہماری گمشدگی محسوس نہیں کی ہوگی اور اگر کی ہوگی تو ہمیں تلاش کیا جا رہا ہوگا۔ مگر اس کا امکان بہت زیادہ نہیں تھا کہ تلاش کرنے والے اس سمت آئیں۔ ہم نہ تو کسی کو بتا کر آئے تھے اور نہ ہی کسی نے ہمیں اس طرف آتے دیکھا تھا۔ فی الحال ہمیں قلعوں کے آس پاس اور خاص طور سے سامنے والی سمت تلاش کیا جا رہا ہوگا۔ سامیرا کے ذہن میں میری گمشدگی کے حوالے سے پہلا شک ریٹاٹ پر جائے گا کہ اس نے کوئی سازش کی ہے اور وہ اسی حوالے سے مجھے تلاش کرائے گی۔ اپنے آدمی آس پاس بھیجے گی اور آگروں میں اپنے جاسوسوں کو استعمال کرے گی۔ اس سے بے خبر کہ میں اور روہیر قلعوں کے پیچھے چٹانوں میں محبوس ہیں۔

ہم جس دراڑ میں تھے اس کے اوپر چھت تھی اور صرف سامنے کا حصہ کھلا ہوا تھا۔ اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ اسار اوپر چڑھ کر ہم پر حملہ کر سکے۔ اول تو دراڑ اوپر سے بھی اتنی ہی تنگ تھی۔ اگر چھت کھلی ہوتی تب بھی اسار اوپر سے حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں جس جگہ تھا یہاں تاریکی چھا گئی تھی۔ البتہ جہاں روہیر تھی وہاں کسی قدر روشنی تھی۔ اس سے آگے زیادہ روشنی تھی۔ شاید اسار تاریکی کا انتظار کر رہا تھا کہ پھر حملہ کرے۔ پھر ایک اور خیال مجھے مضطرب کرنے لگا۔ ٹھیک ہے دراڑ بہت تنگ تھی لیکن اور اسار آجاتے جن میں کوئی چھری بے جسم والا ہوتا تو وہ اس جگہ ٹکس سکتا تھا۔ تاریکی میں ہم اس کے خلاف ٹھیک سے مزاحمت نہیں کر سکتے تھے اور اس کا امکان تھا کہ وہ ہمیں زخمی ضرور کر دیتا۔ ایک بار زخمی ہونے کے بعد ہم نہ تو مدافعت کے قابل رہتے اور نہ ہی پھر زیادہ دیر اس جگہ رہ سکتے تھے۔ یہی خیال روہیر کے ذہن میں بھی آیا تھا۔ اس نے کہا۔

”اگر بھاگنے والا اسار دوسروں کو لے آیا تو.....؟“

”مجھے بھی یہی خیال آیا ہے۔“ میں نے اعتراف کیا۔ ”ہم تاریکی میں ان جانوروں کی طرح نہیں دیکھ سکتے۔ مگر ہم کیا کر سکتے ہیں یہاں بے بس ہیں۔“

روشنی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ اچانک باہر موجود اسار نے عجیب سی آواز نکالی۔ اس سے پہلے وہ صرف غرا رہا تھا اور جیسے ہمیں چیلنج کر رہا تھا کہ ہم باہر آئیں۔ مگر یہ آواز سہمی ہوئی تھی۔ پھر اچانک وہ بھاگا۔ اس کا رخ چٹانوں سے باہر والے حصے کی طرف تھا۔ دراڑ کے سامنے سے وہ لمحے میں گزر گیا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ہم بس ایک جھلک دیکھ سکے اور پوری طرح تیار ہونے کے باوجود روپیر اسے تیرے نشانہ نہیں بنا سکی تھی۔ اسار کے اس طرح فرار پر ایک لمحے کو مجھے خیال آیا کہ شاید ہمیں تلاش کرنے والے یہاں تک آگئے تھے۔ مگر اگلے ہی لمحے اسار کی وحشت زدہ اور خوف میں ڈوبی چیخ نے میرے خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ وہ انسانوں سے اس طرح ڈر کرنے تو بھاگ سکتا تھا اور نہ ہی ڈر سکتا تھا۔ یہ کوئی اور ہی معاملہ تھا۔ اسار کسی اور چیز سے ڈر کر بھاگا تھا۔

اس چیخ نے بتایا تھا کہ اسار کے ساتھ کچھ برا ہوا ہے وہ شاید مارا گیا تھا یا بری طرح زخمی ہوا تھا۔ سچی بات ہے کہ اسار کی چیخ نے مجھے فکر مند کر دیا تھا اور مجھے خوف سا محسوس ہوا تھا۔ روپیر بھی ڈر گئی تھی اور بے ساختہ پیچھے آنے لگی۔ اسار کی طرف سے پہلی چیخ کے بعد خاموشی چھا گئی تھی پھر اس خاموشی میں ایسی آواز آئی جیسے کوئی زمین کو تھپتھپارہا ہو اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں پہلے بھی یہ آواز سن چکا تھا اور یہ ہارن کے قدموں کی آواز تھی۔ اس کے چوڑے کھر نما پاؤں زمین پر لگتے تو ایسی ہی آواز آتی تھی۔ اسار کے فرار سے پہلے اس کے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دی تھی۔ شاید وہ یہاں تک بہت خاموشی سے آیا تھا۔ اسار جیسے زود حس درندے کو بھی اس کی آمد کا پتا نہیں چلا اور جب پتا چلا تو بہت دیر ہو گئی تھی۔ میں نے بے ساختہ روپیر کو بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ ہم دراڑ میں زیادہ سے زیادہ اندر جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اچانک کوئی چیز بہت تیزی سے آئی اور دراڑ کے سرے سے ٹکرا کر وہیں ڈھیر ہو گئی۔ روپیر نے چیخ ماری تھی اور فوراً ہی باہر سے خوفناک غراہٹ سنائی دی۔ چیز مارنے والا ہارن تھا اور جو چیز اس نے ماری تھی وہ مردہ اسار تھا جو فرار کی کوشش میں ہارن کے ہاتھ لگ گیا تھا اور اس نے اسے ایک لمحے میں گردن توڑ کر مار دیا تھا اور پھر اس کی لاش دراڑ کے ساتھ والی چٹان پر پھینچ ماری تھی۔ شاید ہارن ہماری موجودگی سے واقف نہیں تھا مگر روپیر کی چیخ نے اسے متوجہ کر لیا تھا۔ اسے کچھ کہنا بیکار تھا۔ میں نے دل ہی دل میں انا اللہ پڑھی۔ یہاں ایک نہ شد و شد مصیبتیں آگئی تھیں۔ پہلے اسار آئے اور اب ہارن آ گیا تھا۔ جب کہ یہ جگہ ان دونوں کے مسکن سے خاصے فاصلے پر تھی۔ روپیر اندر گھس رہی تھی اور میں بھی پیچھے ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد دراڑ کے سر پر ہارن کا دیو قامت جسم نمودار ہوا۔ اس کا سر اس کی بلندی سے باہر تھا اس لیے اسے ذرا پیچھے ہو کر اور سر جھکا کر اندر جھانکنا پڑا تھا۔ اندر روشنی بہت کم ہو گئی تھی مگر ہارن کے لیے کافی تھی کہ وہ ہمیں دیکھ سکے۔

اس نے ہمیں دیکھ کر آواز نکالی اور پھر گھوم کر اپنا اگلا حصہ دراڑ میں داخل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اس کی جسامت کے لحاظ سے دراڑ آغاز میں ہی بہت تنگ تھی۔ اس کے پیچھے نہا تھ ہی کچھ آگے تک آئے تھے۔ مگر یہ ہاتھ بھی ہم سے کوئی چار گز کی دوری پر تھے۔ وہ یوں زور لگا رہا تھا جیسے اپنی بے پناہ قوت کے بل بوتے پر دراڑ کو کشادہ کر دے گا اور ہم تک پہنچ جائے گا۔ روپیر نے اسے تیر مار دیا مگر وہ اس کے جسم میں پیوست ہونے کے بجائے پہلو سے ٹکرایا اور وہیں گر گیا۔ ہارن کو شاید اس کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ مجھے بھی علم نہیں ہوا تھا ورنہ میں اسے روک دیتا۔ روپیر مجھ سے پلٹ کر دوسرا تیر لینے لگی تھی کہ میں نے اسے روک دیا۔ ”نہیں اگر اسے زخم لگا تو

اس کا کچھ نہیں بگڑے گا مگر اس کے بعد یہ پکا دشمن بن جائے گا۔ ہمیں مارے بغیر یہاں سے نہیں جائے گا۔“ بات رویہ کی سمجھ میں آگئی اور اس نے تیر لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ مجھ میں گھسی جا رہی تھی اور اس کا بدن کانپ رہا تھا۔ تیر بھی اس نے اضطرابی طور پر چلایا تھا۔ ورنہ اسے بھی معلوم تھا کہ یہ معمولی تیر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔ ہارن ایسی ہی ہلاتی کہ اچھے اچھے بہادر مرد اس سے ڈرتے تھے رویہ تو پھر بھی نازکی لڑکی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی۔ ”فکرمات کرو یہ اندر نہیں آ سکتا ہے۔“

مگر رویہ کا لرزہ کم نہیں ہوا تھا۔ ”یہ چٹانیں تو ڈرے گا۔“

”بے شک یہ بہت قوت رکھتا ہے مگر ان چٹانوں کو توڑنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔“

اس نے رو دینے والے انداز میں کہا۔ ”یہ چٹانیں اندر سے کھوکھلی ہیں اور ان میں سوراخ ہیں اگر ان کو زور سے مارا جائے تو یہ ٹوٹ جاتی ہیں۔ ہم اوزار بنانے کے لیے پھر ان ہی چٹانوں سے نکالتے۔“

میں متفکر ہو گیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی ہزاروں سال سے ہونے والی بارشوں اور سردی گرمی کے تغیر نے ان چٹانوں کو اندر سے پرتوں میں بدل دیا تھا اور بہت سخت ہونے کی وجہ سے یہ کھیل کھیل ہو رہی تھیں کیونکہ ان میں لچک ہوتی تو یہ اتنی آسانی سے نہ ٹوٹ جاتیں۔ ہارن نے ابھی تک ہم تک آنے کی معمول کی سی کوشش کی تھی۔ اگر وہ پوری طرح جارحیت پر اتر آتا تو بقول رویہ کے یہ چٹانیں توڑ سکتا تھا۔ جو کام انسان کر سکتا تھا وہ یہی کام زیادہ آسانی سے کر سکتا تھا۔ مگر شاید ہارن اس بات سے بے خبر تھا کہ چٹانیں اندر سے کھوکھلی ہیں اور وہ کوشش کرے تو انہیں توڑ سکتا ہے۔ ہماری غافیت اسی میں تھی کہ وہ بے خبر رہے۔ ابتدائی ناکامی کے بعد وہ پیچھے ہٹ گیا تھا اور اب کھلی جگہ ٹھل رہا تھا۔ اس کا پتا اس کے قدموں کی چاپ سے ہو رہا تھا۔ وہ جس جگہ تھا وہ اس کے لحاظ سے بہت چھوٹی تھی۔ اس لیے کبھی کبھی ٹہلتے ہوئے وہ چٹانوں سے باہر بھی چلا جاتا تھا۔ کچھ ہی دیر میں باہر اندھیرا چھا گیا۔ میں نے رویہ سے کہا۔

”تم پیچھے آ جاؤ۔“

”نہیں میں تیر اندازی کر سکتی ہوں۔“

”اتنے فاصلے سے یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ کچھ پھینک کر نہ

مارے۔“

”ہارن چیزیں نہیں مارتا ہے۔“ رویہ نے کہا مگر اس نے میری بات مان لی اور اسی طرح سے مجھ پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گئی۔ اب اس نے تیر کمان مجھے تھما دیا۔ یہاں بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی اور ہمیں جب تک یہاں رہنا تھا کھڑے رہنا تھا۔ ہم سرگوشی میں بات کر رہے تھے اور کم سے کم بول رہے تھے۔ میری خواہش تھی کہ ہارن جلد از جلد یہاں سے دفع ہو جائے۔ آخر اسے بھوک لگ سکتی تھی اور کوئی دوسری حاجت بھی پیش آ سکتی تھی۔ وہ گوشت نہیں کھاتا تھا اس لیے صرف ہمیں کھانے کے چکر میں یہاں رک بھی نہیں سکتا تھا۔ جب اسے بھوک لگتی تو اسے یہاں سے جانا ہی تھا۔ کیونکہ اس کی خوراک والی جھاڑیاں اور پودے شاید یہاں نہیں تھے۔ میں نے رویہ سے پوچھا تو اس نے تصدیق کی۔ ”یہ صرف مخصوص درختوں کے پتے اور بعض پودوں کی جڑیں کھاتا ہے۔ یہ کبھی ہماری فصلوں اور باغات میں کھانے پینے نہیں آتا ہے۔ میں نے یہاں وہ درخت اور پودے نہیں دیکھے جو

اس کی خوراک ہیں۔“

روہیر نے اپنے خوف پر قابو پالیا تھا اور اب کسی قدر نارمل تھی۔ میں نے کہا۔ ”یعنی ہم امید کر سکتے ہیں کہ

جلد یا بدیر یہ یہاں سے چلا جائے گا۔“

مگر روہیر کے ذہن میں کوئی اور خیال بھی تھا۔ اس نے کہا۔ ”یہ یہاں ہے اور اگر اس دوران میں ہمیں

تلاش کرنے والے یہاں آگئے تو یہ ان پر حملہ کر دے گا۔“

میں بھی فکر مند ہو گیا۔ اگر ہارن تلاش کرنے والوں پر بے خبری میں حملہ کرتا تو اس کا امکان تھا کہ کئی افراد

مارے جائیں گے۔ یہ بہت تیزی سے بنا مہلت کے انسانوں اور دوسرے جانوروں کو موت کے گھاٹ اتار سکتا

تھا۔ میں اس کا عینی گواہ تھا اس نے معبد کے جلا کو کیسے لمحے میں مار دیا تھا اور اسار کا حشر بھی سامنے تھا۔ انسان

سے زیادہ طاقتور اس درندے کو ہارن نے ایک چیخ مارنے جتنی مہلت دی تھی۔ رات کی تاریکی میں ہمیں تلاش

کرنے والے دور سے اسے نہ دیکھ پاتے اور بے خبری میں اس کے پاس آ جاتے تو پھر ان کا بچنا محال ہو جاتا۔

اس لیے ان کارات کے وقت اس طرف نہ آنا ہی بہتر تھا۔ مگر یہ تو ہماری سوچ تھی۔ تقدیر کو کیا منظور تھا ہم اس سے

بے خبر تھے۔

اس روز موسم بہتر تھا اور جب ہم روانہ ہو رہے تھے تو پانی بھی پیا تھا مگر اس بات کو اب کئی گھنٹے گزر چکے

تھے۔ خوف، پریشانی اور اندیشوں نے ہمارا گلا خشک کر دیا تھا اور ہمارے پاس اسے ترک کرنے کے لیے پانی نہیں

تھا۔ مگر پیاس قابو میں تھی۔ البتہ جیسے جیسے وقت گزرتا تو پھر پیاس بڑھتی۔ بہر حال صبح تک کا وقت گزارنا کوئی بہت

مشکل کام نہیں تھا۔ البتہ اس حال میں وقت گزارنا بہت مشکل کام تھا اور صبح تک پتہ نہیں ہمارا کیا حال ہوتا۔ اندر

گھستے ہوئے جہاں جہاں خراشیں اور کھر و بچے آئے تھے اب وہ جگہیں دکھ رہی تھیں۔ میں دیوار سے ٹک کر آرام

کرنے لگا۔ روہیر نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔ ”میں تھک گئی ہوں۔“

”جسم ڈھیلا چھوڑ دو۔“ میں نے مشورہ دیا۔ ”دیواروں پر چھوڑ دو۔ اس طرح تھکن کم ہوگی۔“

اس نے ایسا ہی کیا۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یوں آرام مل رہا ہے۔“

”کم سے کم بولو۔ جب ہم بات کرتے ہیں اور ہارن سنتا ہے تو ہماری طرف متوجہ رہتا ہے اگر ہم چپ

رہے تو شاید اس کا دھیان کسی اور طرف چلا جائے اور وہ خود بھی یہاں سے چلا جائے۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ اس نے کہا اور خاموش ہو گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ کیسی لڑکی ہے؟ اتنے

دنوں سے میرے ساتھ ہے۔ ایکلی ہر جگہ میرے ساتھ گھومتی ہے مگر کبھی اس نے مجھ سے بے تکلف ہونے کی

کوشش نہیں کی۔ اس وقت بھی اتنے پاس تھی کہ ہمارے جسم دو جان ایک قالب ہو رہے تھے مگر اس وقت بھی اس

کے انداز میں کوئی ایسی بات نہیں آئی جسے میں محسوس کر سکتا۔ اس کا انداز قطعی نارمل تھا۔ وہ ڈر رہی تھی اور مجھ سے

لپٹی جا رہی تھی۔ یہی روہیر چند دن پہلے رات کی تاریکی میں میرے پاس آئی تھی اور اپنے جذبات کا اظہار کر رہی

تھی۔ میں اسے سویرا سمجھ کر اس کا اظہار محبت قبول کر رہا تھا۔ پھر جب میں چونکا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے مجھ

سے معذرت کی حالانکہ وہ جس حد تک آگے آچکی تھی یہاں کوئی عورت معذرت نہیں کرتی ہے۔ وہ آگے بڑھتی

ہے اور مرد کو بھی مجبور کر دیتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا تو اس نے

جواب دینے سے انکار کیا تھا۔ میں نے اس سے دوبارہ پوچھنے کا سوچا مگر پھر خیال آیا کہ میں خود اسے بولنے سے منع کر چکا ہوں۔

کچھ دیر آرام کے بعد جسم کے وہ حصے دکھنے لگے جو پتھروں سے نکلے ہوئے تھے اور مجھے دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا پڑا۔ باہر سے وقفے وقفے سے ہارن کے قدموں کی چاپ اور کبھی کبھی اس کے غرانے کے انداز میں سانس لینے کی آواز آرہی تھی۔ مگر کچھ دیر سے اس کی طرف سے خاموشی تھی۔ میں نے آہستہ سے روپیر سے کہا کہ میں ذرا باہر کا جائزہ لینے جا رہا ہوں۔ وہ مضطرب ہوگئی اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ”نہیں باہر خطرہ ہے۔ مجھے یقین ہے وہ موجود ہے اور خاموش رہ کر ایسا تاثر دے رہا ہے جیسے یہاں سے چلا گیا ہو۔“

”میں بالکل باہر نہیں جاؤں گا بلکہ دراڑ کے سرے تک جاؤں گا۔“

روپیر میرے لہجے سے سمجھ گئی کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ ”ٹھیک ہے مگر خیال سے جائیے گا۔“

میں نے تیر کمان سے لگا کر آگے کیا اور آہستہ سے بنا آواز کیے سر کرنے لگا۔ بالکل خاموشی تو ناممکن تھی کیونکہ پتھروں سے رگڑ کی آواز تو پیدا ہو رہی تھی۔ جب ایسا موقع آتا تو میری کوشش ہوتی کہ میں اپنے جسم پر برداشت کر لوں مگر آواز نہ پیدا ہونے دوں۔ اس کے باوجود کچھ نہ کچھ آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ہارن کے کان کتنے تیز ہوتے ہیں۔ عام طور سے گھوڑے کے کان بہت تیز ہوتے ہیں اور وہ ایسی آوازیں بھی سن لیتا ہے جو انسان نہیں سن پاتا۔ ہارن گھوڑے جیسا ہی تھا۔ مگر اس کے کان گھوڑے کے کانوں سے مختلف اور چھوٹے تھے اس لیے یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ تیز سنتا ہے یا نارمل سماعت رکھتا ہے۔ جیسے جیسے دراڑ کے آغاز کی طرف بڑھ رہا تھا میری کوشش تھی کہ آواز کم سے کم ہو۔ چند منٹ بعد میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں تک ہارن کے ہاتھ آئے تھے۔ یہ دراڑ کا تقریباً آخری حصہ تھا اور ایک گز بعد کھلی جگہ آ جاتی۔

میں نے رک کر سن گن لینا شروع کی۔ ہارن اگر پاس موجود تھا تو اس کی بھاری سانسوں کی آواز آنی چاہیے تھی۔ مگر وہاں اس لحاظ سے خاموشی تھی۔ اگر ہارن چٹانوں کے درمیان اس صحن میں ہوتا تو لازمی اس کی سانس کی آواز آتی۔ کیونکہ اس وقت مکمل خاموشی تھی اور اس میں سوئی گرنے کی آواز بھی سنائی دیتی۔ ابتدائی مکمل تاریکی کے بعد اب کسی قدر روشنی تھی۔ میں نے احتیاط سے سر آگے کر کے اوپر کی طرف دیکھا تو مجھے ستارے دکھائی دیے۔ یہ ستاروں کی روشنی تھی۔ اس میں کم سے کم چٹانوں اور چیزوں کے ہولے دکھائی دے رہے تھے۔ میرے پیروں سے چند فٹ دور اسار کی لاش پڑی تھی اور وہ بالوں کا ایک ڈھیر لگ رہا تھا۔ چٹان سے ٹکرا کر اس کی لاش کا مزید حشر ہوا تھا۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ ہارن کم سے کم صحن میں نہیں ہے میں دبے قدموں آگے آیا اور اب پورا صحن واضح تھا۔ ہارن وہاں کہیں بھی نہیں تھا۔

میں نے پلٹ کر اشارے سے روپیر کو آگے آنے کو کہا۔ وہ میری نسبت آسانی سے باہر آگئی۔ اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ یہاں ہارن نہیں ہے ورنہ میں اتنا آگے نہ جاتا اور نہ ہی اسے یوں آگے آنے کا اشارہ کرتا۔ وہ نزدیک آئی تو میں نے سرگوشی میں کہا۔ ”میں باہر تک جا رہا ہوں تم اندر ہی رہو گی مگر بالکل اندر مت جانا۔ ہاں اگر کوئی ہنگامی صورت حال ہو تو بالکل اندر چلی جانا اور جب تک میری یا کسی اور طرف سے مدد نہ آئے باہر مت آنا۔“

”آپ کہاں جا رہے ہیں؟“

”میں دیکھ رہا ہوں کہ آس پاس ہارن ہے یا چلا گیا ہے اگر وہ چلا گیا ہے تو ہمارے پاس موقع ہے کہ یہاں سے نکل جائیں۔“

”ہاں اگر وہ چلا گیا ہو تو“ روہیر خوش ہو کر بولی اور دراڑ میں ذرا پیچھے چلی گئی۔ میں دبے قدموں چٹانوں سے باہر کی طرف بڑھا۔ تیرکمان سامنے کیا ہوا تھا اور ایک سینکڑے نوٹس پر تیر چلانے کے لیے تیار تھا۔ کھلی جگہ کے پاس آکر میں نے ایک طرف چٹان سے لگ گیا اور اس کے ساتھ سرکتے ہوئے باہر جا رہا تھا۔ میری کوشش تھی کہ میرا جسم چٹان کا ایک حصہ نظر آئے۔ مجھے کھلے میں ایک طرف کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا اور اس جگہ ہارن موجود نہیں تھا۔ دوسری طرف اگر وہ موجود تھا تو مجھے نظر نہیں آیا تھا مگر میں بھی اسے نظر نہیں آتا۔ بالآخر میں اس پوزیشن میں آیا کہ اب دوسری طرف بھی دیکھ سکتا تھا اور ہارن مجھے فوراً ہی نظر آ گیا۔ وہ کوئی بیس بائیس گز کی دوری پر ایک درخت کے ساتھ کھڑا ہوا اس سے پتے توڑ کر کھا رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے اندر اب تک جو امید جاگتی تھی وہ مرجھا گئی۔ ہارن نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اس کی پیٹ پوجا بتا رہی تھی کہ وہ یہاں مزید قیام کا ارادہ رکھتا ہے۔ تاوقت کہ ہم پرقابو پالے یا کسی وجہ سے یہاں سے جانے پر تیار ہو جائے۔

ہارن بہت دیوقامت تھا۔ اس کا سر زمین سے کم سے کم بھی دس فٹ اونچا تھا۔ جسم کسی تنومند گھوڑے کے مقابلے میں بھی دوگنا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کا وزن ایک ٹن سے خاصا اوپر تھا اور یہ معبد کے کنویں میں قید ہارن سے زیادہ وزنی تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ کھلی فضا میں اور کھلی خوراک کے ساتھ رہ رہا تھا۔ جب کہ معبد والے ہارن کو بند جگہ اور نپئی تلی خوراک ملتی ہوگی۔ اسے دیکھ لینے کے بعد بھی میں نے واپس جانے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہارن اتنا پھرتیلان نہیں ہے اگر وہ مجھے دیکھ لے اور میرے پیچھے آئے تب بھی میں باآسانی دراڑ میں گھس کر محفوظ دوری تک پہنچ سکتا تھا۔ عقب سے مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا جس خطرے نے بھی آنا تھا اسی راستے سے گزر کر آنا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کچھ دیر رکتا ہوں اگر ہارن یہاں سے کہیں اور جاتا ہے تو میں اور روہیر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسری صورت میں واپس اسی دراڑ میں گھس جائیں گے۔ وہ جگہ ہمیں ہارن اور دوسرے جانوروں سے محفوظ رکھ سکتی تھی۔ مجھے روہیر کا خیال بھی آرہا تھا کہ میری مسلسل غیر حاضری سے پریشان ہو کر وہ باہر نہ آجائے۔ اس صورت میں ہم مشکل میں پڑ سکتے تھے۔ یہاں ہوا ساکت تھی۔ اس وادی میں، میں نے ہوا ساکت ہی دیکھی اور بہت کم ایسا ہوا کہ ہوا کا کوئی جھونکا آیا ہو۔ مگر مجھے ایسا لگا جیسے ہوا سرسرا رہی ہو۔ حالانکہ ہوا ساکن تھی۔ مگر یہ آواز ایسی تھی جیسے دور کہیں ہوا کے چلنے سے پتے اڑ رہے ہوں۔ میں نے غور سے سنا تو مجھے یہ سماعت کا وہم محسوس ہوا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد آواز بڑھ گئی اور اس بار مجھے یہ مانوس بھی لگی تھی۔ جیسے میں نے پہلے بھی یہ آواز سنی ہو۔ آواز واضح تھی اور اس بار میں اسے اپنا وہم قرار نہیں دے سکتا تھا۔ آواز بڑھتے ہوئے ایک واضح شور بن گئی تھی اور یہ مسلسل آرہی تھی۔ مگر میں یہ نہیں جان سکا تھا کہ آواز کس طرف سے آرہی ہے۔

غالباً ہارن نے بھی آواز سن لی تھی کیونکہ اس نے پتے کھانا ترک کر کے اپنا سر گھما کر آواز کی سمت کا اندازہ کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ وہ کبھی سر ایک طرف کرتا اور کبھی دوسری طرف۔ میری طرح وہ بھی اس کی سمت کا اندازہ کرنے سے قاصر تھا۔ معاً میں چونکا کیونکہ مسلسل شور میں اب ایک آواز الگ سے نمایاں تھی اور یہ

چٹنے کی مکروہ آواز تھی جس سے میں اچھی طرح آشنا تھا۔ یہ ان ہی بندر نما جانوروں کی آواز تھی جو وادی کی دیواروں میں بھیرا کرتے ہیں۔ جب یہ بولتے ہیں تو ایسی آواز آتی ہے جیسے خشک ٹہنیاں چٹ رہی ہوں۔ میں واپس سرکنے لگا۔ میں ایسی پوزیشن میں تھا کہ اگر میں چٹان سے الگ ہو کر حرکت کرتا تو ہارن کی نظروں میں آ جاتا۔ وہ اب اسی سمت میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے آوازوں کا ماخذ تلاش کر لیا تھا۔ یہ آوازیں اوپر سے آرہی تھیں۔

تقریباً ریگنے کی رفتار سے سرکتے ہوئے میری نظر ہارن پر بھی تھی اگر وہ تاریکی اور چٹان سے چٹے ہونے کے باوجود مجھے دیکھ لیتا تو بہت تیزی سے حرکت میں آتا اور اس کے ساتھ ہی مجھے بھی حرکت میں آنا پڑتا۔ میں اب بھی پُر اعتماد تھا کہ میں ہارن کی آمد سے پہلے دراڑ میں پہنچ سکتا تھا۔ اس کے باوجود میری کوشش تھی کہ ہارن یہاں میری موجودگی سے واقف نہ ہو۔ بندر نما جانوروں کا شور بتا رہا تھا کہ وہ ان چٹانوں کے آس پاس پہنچ گئے تھے اور جب میں سرکتا ہوا اس حد تک اندر گیا کہ صحن میں دیکھ سکوں تو یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ بندر نما جانوروں نے اسمار کی لاش کو گھیر لیا تھا اور وہ اس پر پلے پڑ رہے تھے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ درجنوں نہیں سو سے اوپر تھے۔ انہوں نے دراڑ میں جانے والا راستہ روک لیا تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں اور اسی لمحے مجھے ہارن کے قدموں کی ٹاپ سنائی دی۔ وہ اس طرف آ رہا تھا۔ میں جس دیوار کے ساتھ لگا کھڑا ہوا تھا یہ اوپر سے ذرا آگے نکلی ہوئی تھی اور اس کے نیچے کچھ خلا تھا۔ میں نے پاؤں اندر کر کے دیکھا تو یہ ڈیڑھ فٹ تک کا خلا تھا۔ میں نے سوچا اور بنا آہٹ کے زمین پر لیٹ کر اس قدر ترقی چھپے تلے سرک گیا۔ میرا جسم چٹان کی جڑ سے لگا اور میں اس سے چمٹ گیا۔ تیرکمان میں نے سینے سے لگا لیے تھے۔ خوش قسمتی سے بندر نما جانوروں نے اب تک مجھے نہیں دیکھا تھا ورنہ ان کی آنکھیں بہت تیز تھیں اور یہ یقیناً تاریکی میں بھی دیکھ سکتے تھے۔ مکروہ پوری طرح اسمار کی لاش کی طرف متوجہ تھے اور یقیناً وہ اسی لاش کے لیے آئے تھے۔ ان کی کسی حس نے ان کو اطلاع دی تھی کہ یہاں ان کے کھانے پینے کے لیے کچھ موجود ہے۔ میں نے ان کو ایک برفانی آدمی کی لاش صفا چٹ کرتے دیکھا تھا۔ یہ یقیناً ہڈیوں کا گودا تک نکال کر کھا جاتے ہوں گے۔

مجھے روبیر کی فکرت تھی۔ وہ ان بندر نما جانوروں سے زیادہ دور نہیں تھی اور اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو لازمی حملہ کرتے۔ بد قسمتی سے اس کا ہتھیار یعنی تیرکمان میرے پاس تھے اس کے پاس ترکش اور میری لاٹھی تھی۔ لاٹھی وہ صرف نزدیک آنے والے جانوروں پر ہی استعمال کر سکتی تھی۔ مگر بندر نما جانور ابھی تک اس کی موجودگی کا احساس نہیں کر پائے تھے۔ یقیناً میری طرح روبیر بھی دم سادھے بیٹھی تھی۔ ذرا سی آواز یا آہٹ ان جانوروں کو متوجہ کر سکتی تھی۔ میں ان سے زیادہ فاصلے پر تھا۔ مجھے ان کے بجائے ہارن کی فکر تھی۔ ان کا کسی نہ کسی طرح مقابلہ کیا جاسکتا تھا مگر ہارن کا مقابلہ تقریباً ناممکن تھا۔ میرے کان اور آنکھیں چٹانوں سے باہر کی طرف لگے تھے جس طرف سے ہارن کو آنا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ آن پہنچا۔

بندر نما جانوروں کے شور کے باوجود ہارن کی ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ نزدیک آ گیا تھا۔ پھر میں نے اس کے پاؤں چٹان کے بیرونی طرف نمودار ہوتے دیکھے۔ اس کے کھر بہت بڑے اور زمین پر پنچوں کی

طرح پھیلے ہوئے تھے۔ اس کا بے پناہ وزن اٹھانے کے لیے ایسے ہی کھر ہونے چاہیے تھے۔ وہ ایک لمحے کو رکا اور ہلکے سے غرایا۔ بندر نما جانوروں نے اپنے شور اور پھر اسما رکھانے کے چکر میں اس کی آواز شاید سنی ہی نہیں تھی۔ اس لیے اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے بھیا نک آواز میں غرانا پڑا تھا۔ اس کی غراہٹ ایسی تھی کہ نیچے لیٹے ہوئے میں کانپ گیا تھا۔ بندروں کا جھنڈا آواز پر یوں تتر بتر ہوا جیسے چڑیاں آواز پر اڑ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے وہ پرندے نہیں تھے اس لیے اڑنے کے بجائے بکھر گئے اور ان میں سے کچھ دراڑ میں بھی گھسے تھے۔ مگر بیشتر چٹانوں پر چڑھ گئے اور کچھ چٹانوں کی جڑوں کے ساتھ چپک گئے۔

ہارن کچھ دیر کھڑا ہوا غرانے کے انداز میں سانس لیتا رہا۔ پھر وہ آگے آیا۔ کچھ بندر نما جانور ابھی نیچے ہی تھے۔ اپنی مخصوص چختی آواز میں چلاتے ہوئے چٹانوں پر چڑھنے لگے۔ ہارن نے ان میں سے ایک پر ہاتھ مارا اور وہ چٹان اور ہارن کے جناتی ہاتھ کے درمیان پس کر رہ گیا۔ اسے آخری آواز نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ اس خون ناحق پر بندر نما جانوروں نے حسب معمول بے پناہ شور شروع کر دیا۔ ایسا لگا جیسے آسمان سر پر اٹھا رہے ہوں۔ ہارن اس وقت مجھ سے چند گز دور کھڑا ہوا تھا اور اس کا جسم دھڑک دھڑک رہا تھا اور باقی جسم میری نظروں سے اوجھل تھا۔ وہ جیسے گہرے سانس کھینچ رہا تھا ایسا لگا جیسے وہ کچھ سوگھ رہا ہو۔ میرا دل دھڑک اٹھا کیا اسے میری بو آرہی تھی۔ مگر بندر نما جانوروں کی موجودگی میں وہ کچھ کنفیوز تھا کہ بو کہاں سے آرہی ہے؟

اچانک مجھے لگا کہ میرے سر کے پاس کوئی چیز ہے۔ دوسری چیز نے بھی مجھے محسوس کر لیا۔ اس نے بھڑک کر چختی آواز نکالی اور پیچھے ہٹا۔ اسی لمحے ہارن غرایا اور وہ نیچے جھکا۔ اس کا سر اس حد تک نیچے نہیں آسکتا تھا مگر اس کے ہاتھ خلا کے سامنے نمودار ہوئے۔ میں ان پہنچنے نما ہاتھوں سے کچھ ہی دور تھا اور وہ ہاتھ ذرا آگے کرتا تو مجھے پکڑ لیتا۔ بھڑکنے والا بندر نما جانور اب ہارن کو بالکل نزدیک پا کر دم سادھے بیٹھا تھا۔ حالانکہ اسی نے آواز نکال کر اس مصیبت کو متوجہ کیا تھا۔ پہنچنے نما ہاتھ میری طرف بڑھے تو اس وقت مجھے پہنچنے کی ایک ہی ترکیب سوچھی تھی اور میں نے اس پر فوری عمل کیا۔ میں نے سر کے اوپر ہاتھ مارا اور بندر نما جانور کو پکڑ لیا۔ اس نے آواز نکالی اور اپنے پنچوں سے میرے ہاتھ کو نوچنے کھسوٹنے لگا۔ میں نے اس کی پروا کیے بغیر اسے کھینچا اور ہارن کے ہاتھ سے لگا دیا۔

ہارن نے فوراً ہی بندر نما جانور کو دو بوجھ اور اسے لے کر اس کے ہاتھ باہر چلے گئے۔ بندر نما جانور کی آخری چیخ بہت کرب ناک تھی۔ چند لمحے بعد اس کی کچلی مسلی ہوئی لاش میرے سامنے ہی گر گئی تھی اور میں نے دل ہی دل میں اس سے معذرت کی کہ اس کی قربانی دے کر میں نے اپنی جان بچالی تھی۔ مگر دیکھا جائے تو غلطی بھی اس کی تھی۔ اس نے آواز نکال کر ہارن کو پیچھے کے نیچے کی طرف متوجہ کیا تھا۔ اس دوسرے خون پر بھی بندر نما جانوروں نے بہت واویلا مچایا تھا۔ ہارن جس طرح صحن میں گھوم رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ انہیں پکڑنے یا مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر اب وہ سب اس کی پہنچ سے دور تھے۔ البتہ انہوں نے یہاں سے جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ چٹانوں پر چڑھے ہوئے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ ہارن یہاں سے جائے تو وہ باقی ماندہ اسما اور اپنے مارے جانے والے ساتھیوں کو کھال پی کر اوپر کا رخ کریں۔

بندر نما جانوروں کے برعکس میری جان پر بنی ہوئی تھی کیونکہ ہارن بالکل پاس موجود تھا اور اگر وہ میرے

بارے میں جان جاتا تو مجھے بھاگنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ ہارن کے قدموں سے اڑتی دھول مجھ تک آرہی تھی اور اس کے کچھ ذرات نے میری ناک تک رسائی حاصل کی تھی۔ اس کے ردِ عمل میں ناک میں سرسراہٹ ہونے لگی۔ اس وقت اگر میں چھینک مار دیتا تو میری وجہ وفات یقیناً چھینک قرار دی جاتی۔ جو نہایت غلط موقع پر ماری گئی تھی۔ اس لیے میں چھینک روکنے کی از حد کوشش کرنے لگا۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ عشق، مشک اور چھینک چھپائے نہیں جھپتی ہے تو ایسا ہی ہوا تھا۔ پورا زور لگانے پر چھینک کے سسٹم نے اندر سے جوابی زور لگایا اور جو آواز برآمد ہوئی اس نے صرف بندر نما جانوروں کو ہی نہیں بلکہ ہارن کو بھی اچھلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بندر نما جانوروں کا شور تھم رہا تھا مگر اس نئی آواز پر انہوں نے آسمان ایک بار پھر سر پر اٹھا لیا۔

ہارن شاید پھر کفیوز تھا کہ آواز کہاں سے آئی ہے۔ مگر وہ زیادہ دیر کفیوز نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے پاؤں چھبے کی طرف آئے اور پھر اس کے مہیب ہاتھ نمودار ہوئے۔ اس بار میں نے سچ مچ خود کو فوت شدہ محسوس کیا اور دل ہی دل میں کلمہ شریف پڑھ لیا۔ کوئی لمحہ جاتا تھا ہارن مجھے تلاش کر کے باہر کھینچ لیتا اور اس کے فوراً بعد میرا کام تمام ہو جاتا۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ مجھے پکڑتا اچانک دراڑ کی طرف سے رو بیر نمودار ہوئی اور اس نے چلا کر کہا۔ ”اے..... ادھر آؤ۔“

ہارن کے ہاتھ رک گئے اور پھر غائب ہو گئے۔ اس کا رخ رو بیر کی طرف ہوا تھا کہ وہ پلٹ کر بھاگی اور ہارن اس کے پیچھے لپکا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ رو بیر نے حماقت کی تھی وہ دراڑ سے باہر آ گئی تھی۔ وہ پلٹ کر بھاگی مگر اس کا پاؤں زمین پر پھیلے اسار کے خون سے پھسلا اور وہ نیچے گر گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ہارن کی پہلی جھپٹ سے محفوظ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ گھمایا تھا جو اگر رو بیر کو لگ جاتا تو وہیں اس کا کام ہو جاتا۔ جس دوران میں ہارن اس کی طرف لپک رہا تھا میں مشینیں انداز میں حرکت میں آیا اور جس وقت رو بیر پھسل کر گری میں تیر کمان پر چڑھا کر اس کا رخ ہارن کی طرف کر چکا تھا۔ نیچے گر گئی ہوئی رو بیر کو اٹھانے کے لیے اسے بہت جھکنا پڑتا اور شاید اس کے لیے اتنا جھکنا ممکن نہیں تھا۔ وہ خاصا اونچا ہارن تھا۔ اس نے بھی یہ بات محسوس کر لی کہ وہ نیچے گر گئی اور پیچھے سرکتی رو بیر کو اٹھا نہیں سکتا ہے۔

اس لیے اس نے اس پر اپنے اگلے پاؤں آزمانے کا فیصلہ کیا اور اپنے دونوں اگلے پاؤں گھوڑے کی طرح بلند کیے۔ اسی لمحے میں نے تیر چھوڑا جو عقب میں اسے ایک نہایت نامعقول لیکن بالکل درست جگہ لگا۔ ہارن نے تکلیف کی شدت سے بھیا تک سی آواز نکالی اور اس کی ٹاپیں آگے گرنے کے بجائے نیچے گر گئیں۔ رو بیر بال بال بچی تھی اور پھر وہ دراڑ میں داخل ہو گئی۔ اب بھی وہ لیٹ کر کھسک رہی تھی کیونکہ اسے خوف تھا کہ اگر وہ ذرا بھی اوپر ہوئی تو ہارن اسے اچک لے گا۔ مگر ہارن کو اب اس کے بجائے میری فکر تھی جس نے اس کی تشریف میں تیر مارا تھا۔ حالانکہ منطقی لحاظ سے یہ ہارن کی تشریف نہیں تھی کیونکہ وہ اس کے بل نہیں بیٹھتا ہوگا۔ وہ میری طرف گھوم رہا تھا۔ اب چھبے تلے رہنا حماقت ہوتی۔ میرے ذہن میں چٹانوں کے باہر ایک حصہ تھا۔

میں اٹھ کر تیزی سے اس طرف دوڑا۔ ہارن نے مجھے دیکھ لیا تھا اس نے غضب ناک آواز نکالی اور میرے پیچھے لپکا۔ مگر جب تک وہ چٹانوں سے باہر آنے والے راستے پر آتا میں باہر نکل چکا تھا۔ میں چٹان ٹوٹا ہوا اس جگہ آیا جہاں اس میں چند رخنے تھے اور تیزی سے ان میں پاؤں لپکا کر اوپر چڑھنے لگا۔ چٹان چندرہ فٹ

سے زیادہ بلند تھی اور اگر میں اس پر چڑھ جاتا تو امید تھی کہ ہارن سے بچ سکون گا۔ جب تک ہارن باہر آیا میں دس فٹ اوپر جا چکا تھا اور ابھی اس کی پہنچ میں تھا۔ اگر وہ باہر آتے ہی مجھے دیکھ لیتا تو میں پکڑا جاتا مگر اس نے کچھ وقت ضائع کیا۔ وہ مجھے زمین پر تلاش کر رہا تھا اور میں اوپر چڑھ چکا تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو میں چٹان کے آخری حصے میں تھا۔ اس نے جھپٹنے ہوئے ہاتھ مارا اور اس کا ہاتھ میرے جوتے کو چھو گیا تھا۔ اسی لمحے میں نے خود کو اوپر کھینچ لیا۔

غضب ناک ہو کر ہارن نے ایسی آواز نکالی جو شاید میل دور تک گئی ہو اور اتنے قریب سے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں مزید پیچھے ہٹا کیونکہ ہارن چٹان پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا جسم اس کام کے لیے نہیں تھا۔ اپنے بھاری وجود اور کھروں والے پیروں کی وجہ سے معمولی سی چٹان پر بھی بمشکل چڑھ سکتا ہوگا بشرطیکہ اوپر اس کے ٹھہرنے کے لیے مناسب جگہ ہو یہاں چٹانوں پر کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ اوپر چڑھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا اور اس کی کوشش کے نتیجے میں چٹان لرز رہی تھی۔ اس کا جنون برحق تھا کیونکہ میں نے اسے تیر مار کر زخمی کیا تھا۔ وہ ویسے ہی انسانوں سے نالاں رہتا تھا۔ میں محفوظ جگہ ہونے کے باوجود اس سے ممکن حد تک دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا اور اسی کوشش میں چٹان کے دوسری طرف گرتے گرتے پچا۔

یہ چٹانیں تہہ در تہہ تھیں۔ شاید کبھی یہ ایک بڑی چٹان کا حصہ رہا ہو مگر موسمی حالات اور وقت نے اسے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ چٹان میں خلا تھا اور میں اسی میں گرتے گرتے پچا تھا۔ میں جس طرح روانی سے یہ سب بیان کر رہا ہوں درحقیقت اس وقت میری ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں اور مجھے آس پاس کا نہ تو کچھ دکھائی دے رہا تھا اور نہ سنائی دے رہا تھا۔ میرا سانس دھونکی کی طرح چل رہا تھا اور غالباً میرے ماتھے تک سے پسینہ جاری تھا۔ خلا آیا تو میں نے سنبھل کر اس کے دوسری طرف دیکھا اور پھر چھلانگ لگا کر اس طرف آ گیا۔ تب مجھے ذرا اطمینان ہوا کہ میں ہارن کی پہنچ سے دور ہوں۔ مگر یہاں آتے ہی دوسری مصیبت نازل ہوئی۔ یہ بندر نما جانور تھے جنہوں نے میری آمد کو بالکل پسند نہیں کیا اور جھنڈے کی مکروہ آوازیں نکالتے ہوئے مجھے دھمکانے لگے۔

میرے پاس سوائے کمان کے اور کچھ نہیں تھا میں اسی کی مدد سے انہیں ہشکانے لگا۔ وہ میرے پاس آنے کی کوشش بھی کر رہے تھے اور مجھے ان کے ناخنوں کی تیزی کا اندازہ ہو گیا تھا میرے ایک ہاتھ پر خاصی گہری خراشیں تھیں جن سے خون ریس رہا تھا مگر مجھے اس وقت اس کا احساس نہیں تھا۔ بندر نما جانوروں نے محسوس کر لیا کہ میں جسامت اور طاقت میں ان سے زیادہ ہوں اور زندہ بھی ہوں اس لیے وہ میرا کچھ لگا نہیں سکتے تھے۔ وہ پسپا ہونے لگے۔ بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ واپس جانے لگے۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ وہ اس مارکی لاش کھانے دوڑے گئے تھے کیونکہ ہارن میرے چکر میں وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ اب ان کے لیے موقع تھا کہ وہ اپنی ضیافت وہیں سے شروع کر سکیں جہاں سے چھوٹی تھی۔ اسی وجہ سے میری جان بھی چھوٹی تھی۔

اب میرا سانس اور دماغ قابو میں آ رہا تھا اور ہارن کا جوش و خروش بھی یہی محسوس کر کے دھیمبا ہو گیا تھا کہ وہ اس چٹان پر کسی صورت نہیں چڑھ سکتا تھا۔ مگر وہ اب بھی آس پاس ہی منڈلا رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ روہیر کہاں تھی۔ میں نے چٹانوں کے اوپر سے دیکھا کہ وہ جگہ کہاں ہو سکتی تھی جس کے نیچے دراڑ تھی اور دراڑ میں روہیر تھی۔ یہ اصل میں ایک ہی چٹان کے مختلف حصے تھے۔ میں مختار قدموں سے آگے بڑھا۔ دو جگہ چٹانوں کو

پھلانگ کر میں آگے بڑھا اور ایک جگہ تو گرتے گرتے بچا۔ بالآخر میں اس چٹان کے اوپر پہنچ گیا جس کے نیچے دراڑ تھی اور بندر نما جانور اسی کے نیچے مصروف عمل تھے۔ مگر یہاں کوئی جانور نہیں تھا سب نیچے جا چکے تھے۔ میں نے جھک کر رویہ کو پکارا۔ بندر نما جانور آوازیں نہیں نکال رہے تھے اس لیے رویہ نے میری آواز سن لی۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“

”ہاں اور تم؟“

”میں بھی ٹھیک ہوں بس ان جانوروں نے کچھ نیچے مارے تھے۔“

میں فکر مند ہو گیا۔ ”کیا وہ اندر گھسے تھے؟“

”ہاں مگر میں نے لاٹھی سے چند ایک کوٹھکانے لگایا تو باقی بھاگ گئے۔“

”کیا تم باہر آ سکتی ہو؟“

”نہیں کیونکہ انہوں نے پورا راستہ بند کیا ہوا ہے۔ میں ان کے درمیان سے نہیں گزر سکتی۔“

”سنو اچھا موقع ہے۔ اگر تم باہر آ سکو تو چٹان کے اوپر چڑھ سکتی ہو۔ ابھی ہارن باہر ہے۔“

”کہاں سے چڑھ سکتی ہوں مجھے تو کوئی جگہ نظر نہیں آئی ہے۔“

”میں دیکھتا ہوں۔ یہ جانور زیادہ دیر یہاں نہیں رہیں گے۔“ میں نے کہا اور چٹانوں کے درمیان صحن میں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جس سے اوپر چڑھا جاسکے۔ یہاں چڑھنے کے لیے کئی جگہیں تھیں مگر ان پر آسانی اور تیزی سے نہیں چڑھا جاسکتا تھا۔ جب کہ یہاں معاملہ ہی تیزی کا تھا اگر رفتار تیز نہ ہوتی تو ہارن آلیتا اور اس کے بعد حضرت عزرائیل آکر اس کے نیچے سے چھڑاتے۔ مگر ساتھ ہی وہ اپنے ساتھ بھی لے جاتے۔ پھر تاریکی بھی تھی اور اندھیرے میں ذرا سی غلطی ناکامی اور موت کا سبب بن سکتی تھی۔ میں نے دراڑ پر آکر رویہ سے کہا۔ ”مجھے ابھی ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی ہے جہاں سے تم آسانی سے اوپر آ سکو۔ اس لیے ابھی تمہارا یہیں رہنا ٹھیک ہوگا۔“

”میں بھی یہاں ٹھیک ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”اب یہ بھی تنگ نہیں کر رہے ہیں۔“

بندر نما جانور بہت تیزی سے لاشوں کا صفایا کر رہے تھے۔ اسار کے ساتھ وہ اپنے مارے جانے والے ساتھیوں کو بھی کھا رہے تھے۔ ایک بار ان کا پیٹ بھر جاتا تو وہ لازمی اپنے ٹھکانے کا رخ کرتے۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ نہ صرف وادی کے اوپر تک چلے جاتے تھے۔ بلکہ یہاں نیچے وادی تک بھی آ جاتے تھے۔ وادی کی تہہ سے اوپر تک کا فاصلہ کوئی نو ہزار فٹ کے لگ بھگ بنتا تھا۔ اسے آپ تین کلومیٹر زیا پونے دو میل سمجھ لیں اور یہ اتنا فاصلہ عودی طے کر کے اوپر نیچے آتے جاتے تھے۔ جب کہ دیواروں پر چڑھنا بھی آسان نہیں تھا۔ مگر صدیوں سے یہ مشق کر کے اب ان کے لیے چڑھنا اور اترنا اتنا ہی آسان ہو گیا ہوگا جتنا کہ ہمارے لیے کسی ہموار اور صاف ستھری سڑک پر سفر کرنا۔



نہ جانے کیا وقت ہوا تھا۔ شاید نصف رات ہو گئی تھی کیونکہ گرما کے دن تھے اور سورج ڈوبتے ڈوبتے بھی ساڑھے سات کا وقت ہو جاتا تھا۔ فرض کریں کہ یہاں ساڑھے سات تک روشنی ختم ہو جاتی تھی تب بھی اس کو

خاصی دیر گزر چکی تھی۔ تھکن کے ساتھ اب پیاس کا احساس بہت واضح تھا۔ البتہ بھوک اتنی نہیں تھی۔ بس یہ دل کر رہا تھا کہ کہیں سے ڈھیر سا راتھنڈا پانی مل جائے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ حال میں بارش ہوئی تھی اور ممکن ہے چٹان کی کسی دراڑ میں پانی جمع ہو۔ میں ایسی دراڑوں کو ٹٹول کر دیکھنے لگا۔ مگر یا تو ان میں پانی نہیں تھا یا پھر ایسا تھا کہ میں بس انگلیاں گیلی کر سکتا تھا اس پانی کو پی نہیں سکتا تھا۔ میں نے انگلیاں ہی گیلی کر کے اپنے خشک لبوں پر پھیر لیں۔ اس سے کسی قدر تسکین ہوئی تھی۔ نارمل حالات میں اگر اتنی دیر پانی نہ ملتا تو شاید مجھے محسوس بھی نہ ہوتا مگر ہنگامی حالات اور بھاگ دوڑ نے پیاس کی کیفیت کو بہت بڑھا دیا تھا۔

میں چٹانوں کو ٹٹولنے ہوئے آگے جا رہا تھا عقب میں یہ چٹانیں بہت دور تک بلکہ شاید وادی کی دیوار تک پھیلی ہوئی تھیں۔ کچھ جگہوں پر خلا تھے مگر بیشتر جگہوں پر اوپر سے ہموار چٹانیں تھیں۔ ایک جگہ مجھے پیالہ نما جگہ محسوس ہوئی۔ شاید اس جگہ پانی تھا کیونکہ گڑھے والی جگہ کچھ چمک سی محسوس ہوئی تھی۔ میں اس تک پہنچا اور ٹٹول کر دیکھا تو واقعی گڑھے میں کچھ پانی تھا۔ میں نے ہتھیلی میں لے کر پہلے اسے سونگھا مگر اس سے سوائے مٹی اور پانی کی مہک کے کوئی تیسری بو نہیں آئی۔ میں نے احتیاط سے تھوڑا سا منہ میں لے کر چکھا اور حلق سے اتارنے کے بجائے کچھ دیر پانی کو منہ میں ہی رکھا۔ پھر اللہ کا نام لے کر اسے حلق سے اتار لیا پانی بہت زیادہ نہیں تھا مگر میری پیاس بجھا سکتا تھا۔ اس کے باوجود میں کچھ دیر انتظار کرتا رہا اگر پانی میں کوئی مضر چیز شامل تھی تو ابھی اس کا اثر ہوگا۔ مگر جب خاصی دیر گزرنے کے بعد بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔

میں نے رک کر کئی بار میں پانی پیا اور ہر بار پانی پینے کے بعد تھوڑی دیر انتظار کرتا تھا۔ یہ اس لحاظ سے بھی بہتر تھا کہ میں خالی پیٹ تھا۔ آج اتفاق سے ناشتے کے بعد دوپہر میں کچھ کھانے کو موقع نہیں ملا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ رات واپس جا کر ہی کھاؤں گا۔ مگر یہاں سے جانے کا موقع نہیں ملا اور بھاگ دوڑ میں پیٹ بالکل ہی خالی ہو گیا۔ پیاس بجھانے کے بعد مجھے دوسرا مسئلہ درپیش ہوا یہ بھی پانی سے ہی متعلق تھا اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں اس وقت اس دراڑ میں قید نہیں تھا۔ اکیلا ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی مگر رویر کے ساتھ یہ مسئلہ بہت زیادہ ہو جاتا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو میں ہارن کا شکر گزار تھا کہ اس کی آمد سے مجھے دراڑ سے نکلنے کا موقع ملا۔ ورنہ اسرار کے ہوتے ہوئے باہر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مسئلہ تو خاصا پہلے سے تھا مگر حالات کے تحت میں اسے دبائے ہوئے تھا۔ اب حالات بہتر ہوئے تو میں نے اسے بھی حل کر لینا مناسب سمجھا اور یہاں مناسب جگہوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔

میں واپس دراڑ کے اوپر آیا تو نیچے بندر نما جانور بہت کم رہ گئے تھے۔ بیشتر کھاپی کر اوپر کا رخ کر چکے تھے۔ باقی رہ جانے والے بچا کھچا کھانے میں مصروف تھے۔ یقیناً اسرار اور مارے جانے والے بندر نما جانوروں کی ہڈیاں باقی رہ گئی ہوں گی۔ ہارن باہر اسی چٹان کے آس پاس ٹھل رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اسی جگہ سے واپس اتروں گا۔ میں نے رویر کو آہستہ سے پکارا۔ ”تم کہاں ہو؟“

”یہیں ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”آپ کہاں چلے گئے تھے۔“

”میں اوپر ہی گھوم پھر رہا ہوں۔ یہاں کچھ پانی ملا ہے۔ اگر تم اوپر آ سکو تو تم بھی پی سکو گی۔“

”پانی۔“ وہ بے تاب ہو گئی۔ ”لیکن اوپر کیسے آؤں؟“

دراڑ کی چھت زمین سے کوئی بیس فٹ اوپر تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اسے کیسے اوپر لاؤں۔ معاً مجھے خیال آیا۔ میں نے کہا۔ ”روئیر کیا تم دراڑ کی دیواروں کا سہارا لے کر اوپر آ سکتی ہو؟“ اسے بھی یہ آئیڈیا اچھا لگا۔ ”میں کوشش کر سکتی ہوں۔“

”کرو، چھت کے پاس آ جاؤ تو میں تمہیں اوپر کھینچ لوں گا۔“

”لیکن یہ ترکش اور لاشی۔“

”انہیں اوپر اچھال دو۔“ میں نے کہا مگر پھر مجھے خیال آیا۔ ”نہیں اگر یہ واپس نیچے گرے تو آواز ہوگی اور ہارن سن کر آ جائے گا۔ تم لاشی چھوڑ دو اور اگر ترکش کے ساتھ خود اوپر آ سکتی ہو تو آ جاؤ ورنہ اسے بھی چھوڑ دو۔“

”میں کوشش کرتی ہوں۔“ اس نے ترکش شانے پر لا دا اور اس کی رسی اس کے سینے سے گزرتی کمر کے پیچھے چلی گئی تھی۔ اس نے رسی کو بل دے کر ترکش کو تختی سے باندھ لیا اور پھر دونوں ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت میں دیواروں سے لگاتے ہوئے اوپر چڑھنے لگی۔ وہ سپر فٹ تھی اور یہ کام اس کے لیے زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا۔ وہ اس جگہ سے چڑھی جہاں چھت اس کے اوپر تھی مگر اوپر جاتے ہوئے وہ باہر کی سمت نکلی اور جب چٹان کے اوپر ہی جھے تک تو بالکل درست جگہ تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے آرام سے اوپر کھینچ لیا۔ اس نے اوپر آتے ہی بے تاب سے پوچھا۔ ”پانی کہاں ہے؟“

”میرے ساتھ آؤ۔“ میں اسے چٹانوں پر سے لیتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں پیالے نما جگہ پانی تھا۔ میں نے ہاتھ روک کر پیا تھا اس لیے کچھ پانی تھا جو روئیر نے بے تاب سے پیا۔ اس نے چند گھونٹ لیے تھے کہ میں نے اسے روک دیا۔ ”اب رک جاؤ، کچھ دیر بعد دوبارہ پینا۔“

وہ سمجھتی تھی اس لیے رک گئی اور وہیں بیٹھ گئی۔ میں نے کہا۔ ”یہ تم نے کیا حماقت کی تھی۔“

”جب آپ کو ہارن نے گھیرا تو مجھ سے برداشت نہیں ہوا اور میں باہر نکل آئی۔“

”تم بال بال بچی ہو۔“

”ہاں مگر آپ بچ گئے میرے لیے یہ زیادہ خوشی کی بات ہے۔“

”میں پتا نہیں کیسے بچا، تقریباً تاریکی میں، میں اس چٹان پر چڑھا اور آخری وقت میں میرا پاؤں ہارن کے ہاتھ میں آتے آتے رہ گیا۔ وہ اب بھی اس چٹان کے نیچے ہے۔“

”شکر ہے وہ یہاں نہیں آ سکتا۔“ روئیر نے گہرا سانس لے کر کہا۔

میرا بھی یہی خیال تھا مگر ہارن نے کچھ دیر بعد یہ خیال غلط ثابت کر دیا۔ وقفہ دے کر روئیر نے باقی ماندہ پانی پیا اور جب پانی اتنا نہیں رہا کہ ہاتھ سے پیا جاسکے تو اس نے جھک کر ہونٹ چٹان سے لگا کر بچ جانے والا پانی چوس لیا۔ یقیناً اس کی تشنگی بھی مٹ گئی تھی۔ ہم جس جگہ تھے یہاں سے ایک قلعہ اور اس کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ درمیان میں درختوں کے کئی جھنڈے تھے اس لیے باقی دو قلعے نظر نہیں آ رہے تھے۔ یہ مشرقی قلعہ تھا جو باقی دو کی نسبت سب سے چھوٹا تھا۔ روئیر نے کہا۔ ”گلٹا ہے ہماری تلاش شروع نہیں ہوئی ہے۔“

”ممکن ہے اسے روشنی ہونے تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہو۔“

”اگر کوئی عام فرد ہوتا تو یہی کیا جاتا مگر آپ عام آدمی نہیں ہیں آپ کو ہر قیمت پر تلاش کیا جانا چاہیے تھا۔“

”مگر یہاں تو ایسا لگ رہا ہے حالات معمول کے مطابق ہیں اور شاید کسی نے ہماری گمشدگی کو محسوس ہی نہیں کیا ہے۔“ میں نے قلعے کی طرف دیکھا۔ وہاں سوائے روشنیوں کے اور کوئی سرگرمی نظر نہیں آرہی تھی۔

”ممکن ہے بات ابھی سامیر اور کچھ خاص لوگوں کے علم میں ہو اور ہمیں خاموشی سے تلاش کیا جا رہا ہو۔“

”خاموشی سے کیوں؟“

”کیونکہ شاید یہ بات پھیل جائے تو دشمنوں کے حوصلے بلند ہوں اور وہ ہم پر حملہ کر سکتا ہے۔“

”انہوں نے بہر صورت حملہ کرنا ہے۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا اور میرے ذہن میں خیال آیا کہ وہ کس بات کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک روہیر نے میرا شانہ دبوچ لیا اور پھر دھکا دے کر نیچے گرا دیا۔ وہ خود بھی یوں لیٹ گئی تھی جیسے کسی کی نظروں سے بچنا چاہ رہی ہو ساتھ ہی اس نے میرے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ میں نے ناک سے ہلکی سی آواز نکال کر استفسار کیا تو اس نے ایک سمت اشارہ کیا اور جب میں نے اس سمت دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ چٹانوں کے اوپر ہارن کا انسان نما سر دکھائی دے رہا تھا اور وہ سر گھما کر ہمیں تلاش کر رہا تھا۔ نہ جانے وہ کیسے اوپر آیا اس راستے سے آنا تو ناممکن تھا جس راستے سے ہم آئے تھے۔ شاید اس نے کوئی اور راستہ تلاش کر لیا تھا جس سے وہ اوپر آ سکتا تھا۔ وہ ہم سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر تھا اور درمیان میں کوئی ایسی رکاوٹ نہیں تھی جو اسے ہم تک آنے سے روک سکتی۔ ہم اس چٹان کی طرف بھی نہیں جاسکتے تھے جس میں دراڑ تھی۔ اترنے کا ایک وہی راستہ علم میں تھا۔ ورنہ اب تک میں نے چٹانوں کا جو سروے کیا تھا اس میں نیچے اترنے کا کوئی اور راستہ دکھائی نہیں دیا تھا۔

میں نے آس پاس دیکھا، پیالہ نما چٹان کے پیچھے والی چٹان ذرا نیچی تھی۔ میں نے اشارے سے روہیر کو سمجھایا کہ وہ اس طرف جائے اور نیچے اترے۔ وہ سمجھ گئی اور لیٹے لیٹے سرکنے لگی۔ میں ساکت لیٹا ہوا تھا کہ وہ میری آڑ میں تھی اور ہارن اس کی حرکت نہیں دیکھ سکتا۔ پھر اس نے قدم بڑھایا اور اس کا مہیب وجود پوری طرح سامنے آ گیا۔ وہ اتنا چالاک ضرور تھا کہ ہمیں بے خبر رکھنے کے لیے دے قدموں چل رہا تھا۔ روہیر سرکتی ہوئی اس چٹان سے نیچے اتر گئی۔ اب میری باری تھی مگر میں زیادہ خطرے میں تھا۔ ہارن اب چالیس گز کے فاصلے پر تھا اور مزید نزدیک آ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اب اس طرح پڑے رہنا بے وقوفی ہوئی اور میں اپنے ساتھ روہیر کو بھی خطرے میں ڈال دیتا۔ میرے ذہن میں دراڑ تک پہنچنے کا خیال تھا۔

میں اچانک اٹھا اور دراڑ کی طرف بھاگا۔ اس کے لیے مجھے ہارن کے کسی قدر نزدیک سے گزرنا پڑتا اور اس میں ایک یہ خطرہ تھا کہ راستہ نہ روک لے۔ دوسرا خطرہ تھا کہ تاریکی میں میرا پاؤں کسی غلط جگہ جائے اور میں گروں تو اس کے بعد اٹھنے کا موقع نہیں ملے گا۔ مگر مجھے پہلا فائدہ یہ ہوا کہ ہارن اس وقت مخالف سمت میں دیکھ رہا تھا اور جب میرے قدموں کی چاپ سے وہ چونکا تو میں تقریباً اس کے نزدیک ترین جگہ پہنچ گیا تھا۔ جب تک وہ رخ بدل کر میری طرف مڑتا تب تک میں اس جگہ سے گزر کر دراڑ کی طرف جا چکا تھا۔ ہارن غراتا ہوا میرے پیچھے لپکا اور میں نے دوڑتے ہوئے کہا۔ ”روہیر اپنی جگہ رہنا وہاں سے نکلنا مت۔“

مجھے خدشہ تھا کہ ہارن کو میرا پیچھا کرتے دیکھ کر کہیں وہ اپنی کہیں گاہ سے نکل آئے۔ اس لیے میں نے اسے خبردار کر دیا تھا۔ میرے مقابلے میں ہارن کی رفتار تیز تھی۔ میں دراڑ کے قریب پہنچا تھا کہ وہ میرے سر پہنچ

گیا۔ میرے پاس موقع نہیں تھا کہ میں رکتا اور دراڑ میں اترتا۔ اس لیے میں نے بے دھڑک دراڑ میں چھلانگ لگا دی۔ میں سیدھا گیا تھا اور میرا جسم دونوں طرف چٹانوں سے ٹکرایا مگر میں نے خود کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اب بھی میں ہارن کی حد میں تھا اور وہ جھک کر مجھے پکڑ سکتا تھا۔ چٹانوں سے ٹکرانے اور رگڑ کھانے سے میری رفتار از خود کم ہوئی تھی پھر میں نے محسوس کیا کہ میں خطرے کی حد سے نیچے آ گیا ہوں تو میں نے پاؤں مار کر اپنی رفتار گھٹانے کی کوشش کی اور فرش تک پہنچتے پہنچتے رفتار اتنی کم ہوئی تھی کہ میں آرام سے گرا تھا۔ البتہ ہاتھوں اور پیروں کا کیا حال ہوا تھا اس کا بعد میں پتا چلا۔

مجھے ہاتھ سے نکلنے دیکھ کر ہارن اتنا دیوانہ ہوا کہ بے دھڑک صحن میں کود گیا۔ وہ تقریباً بائیس فٹ کی بلندی سے کودا تھا اور یہ بلندی خاص نہیں تھی مگر اس کے بے پناہ وزن نے اسے مروا دیا۔ وہ اگلے پیروں کے بل نیچے گرا اور بہت سخت لکڑی چٹخنے جیسی آواز آئی تھی۔ ہارن کے حلق سے کر بناک غراہٹ نکلی اور اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو پچھلے پیروں پر کھڑا ہوا مگر جیسے ہی اس نے اگلے پیروں پر زور دینا چاہا وہ پھر نیچے گرا تھا اور اس بار اس کی غرائیں بہت بلند تھیں۔ اس کے گرتے ہی میں تیزی سے دراڑ میں ہوا تھا۔ تاکہ اس کی دست برد سے نکل جاؤں مگر جب اس کا حال دیکھا اور محسوس کیا تو میں آگے آیا۔ ہارن بار بار اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا اور ہر بار گر رہا تھا۔ اس کے دونوں اگلے پاؤں ٹوٹ گئے تھے۔ وہ ناکارہ ہو گیا تھا اور اب خطرناک نہیں رہا تھا۔

مگر اس حد تک کہ اب وہ میرا پیچھا نہیں کر سکتا تھا اگر میں یہاں سے نکل جاتا۔ مسئلہ یہاں سے نکلنے کا تھا۔ دراڑ کے عین سامنے وہ موجود تھا اور ہرگز مجھے یہاں سے زندہ سلامت جانے کی اجازت نہ دیتا۔ نیچے گرتے ہوئے مجھے خاصی چوٹیں آئی تھیں۔ رگڑنے اور ٹکرانے سے جسم کوئی نصف درجن مقامات سے بری طرح دکھ رہا تھا۔ کپٹی پر گرم گرم احساس ہوا تو میں نے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ کپٹی سے خون بہہ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے گرتے ہوئے میرا سر بھی کہیں ٹکرایا تھا اگرچہ اس وقت مجھے احساس نہیں ہوا۔ روبیر میرے منع کرنے کے باوجود اپنی پناہ گاہ سے جھانک کر دیکھ رہی تھی اور جب اس نے ہارن کو بھی نیچے کودتے دیکھا تو بھاگی آئی تھی اس نے دراڑ کے اوپر سے نیچے جھانکا۔ ”شہباز آپ کہاں ہیں؟..... آپ ٹھیک ہیں نا؟“

”ہاں میں ٹھیک ہوں کچھ چوٹیں آئی ہیں مگر کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوا ہے۔“

روبیر نے ہارن کو دیکھ لیا تھا جو بار بار اٹھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ”اسے کیا ہوا ہے؟“

”میرا خیال ہے اس کے اگلے دونوں پاؤں ٹوٹ گئے ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”یہ ناکارہ ہو گیا ہے۔“

”مگر آپ اس کے پاس نہیں جائیں گے۔“ روبیر جلدی سے بولی۔ ”یہ اس حالت میں بھی بہت خطرناک

ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”مجھے چوٹیں آئی ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ اوپر آ سکتا ہوں یا نہیں۔“

روبیر سے بات کرنے کے دوران میں اپنی جسمانی حالت کا جائزہ لے رہا تھا۔ میرے دائیں گھٹنے پر آنے والی چوٹیں شدید تھیں اور میں اس پر زور دیتا تو درد کی لہریں اٹھتی تھیں۔ ہارن اب بیٹھ گیا تھا۔ شاید اس نے جان لیا تھا کہ اس حالت میں وہ کھڑا نہیں ہو سکے گا اور اگر بیچ آج کے پاؤں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں تو وہ پھر کبھی کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے کھڑے ہونے کی کوشش میں جو دھما چوڑی مچائی تھی اس میں اسما کی باقی رہ

جانے والی ہڈیاں چمکنا پور ہو گئی تھیں۔ مجھے لگ رہا تھا کہ صبح قریب ہے کیونکہ آسمان پر نظر آنے والے ستارے غائب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ماحول ایک بار پھر مکمل تاریک ہو رہا تھا۔ اچانک چٹانوں کے باہر سے غرانے کی آواز آئی اور ہارن جواب خاموش تھا ایک دم چوکنا ہو گیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور ناکامی پر پھر غرایا تھا۔ پہلی غراہٹ واضح نہیں تھی مگر جب دوبارہ غراہٹ اور نسبتاً قریب سے آئی تو میں مضطرب ہو گیا۔ میں نے رویہر سے کہا۔ ”اسمار آگئے ہیں۔ تم چوکنا رہو وہ بھی اوپر چڑھ سکتے ہیں۔“

”اسمار۔“ رویہر نے سہم کر کہا۔

”پیچھے ہو جاؤ اور کوئی آواز مت نکالنا۔“ میں نے کہا۔ میں بھی خطرے کی حد سے پیچھے آ گیا تھا۔ اسمار اندر آ رہے تھے اور ان کی غرانے کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ کئی تھے۔ شاید ان کی حیوانی حس نے انہیں بتا دیا تھا کہ یہاں ایک لاچار ہو جانے والا ہارن موجود ہے اور وہ ان کے لیے بڑی خوراک بن سکتا ہے۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مگر ہارن اور اسمار یقیناً ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور آنے والے آدھے گھنٹے میں وہاں شدید قسم کی جنگ ہوئی۔ جس میں شور تھا، غراہٹیں تھیں اور موت کا کرب بھی تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اسمار بار بار ہارن پر حملے کر رہے ہوں اور وہ اپنی مدافعت کر رہا تھا۔ اس حالت میں بھی وہ کم خطرناک نہیں تھا۔ کچھ دیر میں روشنی نمودار ہونے لگی اور منظر سامنے آیا۔ سر سے پاؤں تک خون میں ڈوبے ہارن کے آس پاس کم سے کم تین مردہ اسمار پڑے تھے۔

مگر ان کی تعداد یقیناً اس سے زیادہ تھی۔ نئے اور پرانے زخموں سے نڈھال ہارن اپنی مزاحمت جاری رکھے ہوئے تھا۔ مگر اسماروں نے تین قربانیاں دے کر اسے مرنے کی حد تک زخمی کر دیا تھا۔ خاص طور سے اس کے سینے پر گہرے زخم نظر آ رہے تھے جن سے بہت تیزی سے خون بہہ رہا تھا اور یہ خون زمین پر پھیلتا جا رہا تھا۔ اسمار پیچھے ہٹ گئے تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ وہ مرے یا پھر اتنا بے دم ہو جائے کہ مزاحمت نہ کر سکے تو وہ پھر حملہ کریں۔ میں نے محسوس کیا کہ یہی وقت تھا کہ میں دوبارہ چٹان پر جانے کی کوشش کروں۔

اسمار ابھی کسی قدر باہر تھے اور میں ان کی نظروں میں نہیں آیا تھا۔ جسمانی تکالیف بھی بہتر تھیں۔ میں خاموشی سے اوپر چڑھنے لگا۔ احتیاطاً میں نے رویہر کو بھی آواز نہیں دی تھی کہ اسمار ہماری موجودگی سے واقف ہو جاتے۔ انسانوں سے ان کو بھی کم دشمنی نہیں تھی۔ جب میں وادی میں آیا اور پہلی بار اسمار دیکھے تو وہ ایک مردہ ہارن کھا رہے تھے اور کھانے کے لحاظ سے کوئی کمی نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ ہم پر حملہ کرنے کے لیے دوڑے آئے تھے۔ اپنے خیال کے برعکس میں آسانی سے واپس اوپر پہنچ گیا۔ جہاں رویہر ہوشیار بیٹھی تھی مجھے دیکھ کر اس کے منہ سے چیخ نکلتی والی تھی مگر اس نے بروقت اپنی چیخ پر قابو پالیا اور لپک کر میرے پاس آئی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اوپر کھینچا اور سرگوشی میں بولی۔ ”آپ ٹھیک وقت پر اوپر آ گئے۔ روشنی ہو گئی ہے اور اسمار بھی اندر آنے والے ہیں۔“

وہ اوپر سے سب دیکھ رہی تھی۔ نیچے سے غراہٹیں بلند ہونے لگی تھیں۔ اسمار فیصلہ کن حملے کے لیے اندر آ رہے تھے۔ میں نے احتیاط سے جھانک کر دیکھا تو چار عدد اسمار صحن میں موجود تھے اور وہ ہارن کو گھیر رہے تھے۔ ان میں جو سب سے تو مند تھا وہ ہارن کے سامنے آیا۔ ہارن مدافعت کے لیے تیار تھا مگر اسمار کا حملہ اتنا تیز تھا کہ وہ اسے روک نہیں سکا اور اسمار نے ہوا میں اڑتے ہوئے چہرے سے نیچے اس کا گلا اپنے بھیاںک جبڑے میں دبوچ

لیا اور اس کے گلے سے ہی لٹک گیا تھا۔ ہارن نے ہاتھوں سے زور لگا کر اسے الگ کرنا چاہا تو وہ اس کا زرخرہ ادھیڑتا ہوا الگ ہوا تھا۔ ہارن نے اسار کو چھوڑ کر اپنا گلا تھام لیا جس سے خون فواروں کی صورت میں نکل رہا تھا۔ اس کا آخری وقت آ گیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھماکے سے زمین پر گر اور زرع کے عالم میں لرزے لگا۔ اسار نے اس کے مرنے کا انتظار نہیں کیا تھا وہ اس پر ایسے ہی ٹوٹ پڑے تھے۔ ان کی غرائشیں کانوں کا انتہا ن لے رہی تھیں۔ روبیر نے میرے کان میں کہا۔

”بس اب چلیں، یہی موقع ہے یہاں سے نکلنے کا۔“

ہم پیچھے ہٹے اور پھر اس جگہ تک آئے جہاں سے میں ہارن سے بچنے کے لیے اوپر چڑھا تھا۔ روشنی خاصی ہو چکی تھی اور آس پاس کے مناظر صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ان مناظر میں کہیں بھی کوئی اسار نہیں تھا۔ وہ سب چٹانوں میں ضیافت اڑانے میں مصروف تھے۔ ہم اترے اور پودوں اور درختوں کی آڑ لیتے ہوئے اس جگہ سے دور جانے لگے۔ ہمیں خوف تھا کہ اگر اسار ہماری موجودگی سے واقف ہو گئے تو وہ ہارن کو چھوڑ کر ہمارے پیچھے لگ جائیں گے۔ شکر ہے ایسا ہوا نہیں اور ہم کسی قدر گھوم کر قلعوں کے پاس پہنچ گئے تھے۔ محفوظ مقام تک پہنچ کر روبیر نے کہا۔ ”مجھے یقین نہیں آرہا کہ ہم بچ کر آ گئے ہیں۔“

اس وقت قلعوں کی آبادی گھروں میں تھی یا محو خواب تھی۔ صرف پہریدار تھے۔ جو فیصلوں پر موجود تھے۔ ہم مشرقی قلعے کے پاس سے ہوتے ہوئے مرکزی قلعے تک آئے۔ ہمیں دیکھتے ہی پہریداروں نے دروازے کھول دیے تھے۔ ہم نے سامیرا کے مکان کا رخ کیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہمیں دیکھ کر سپاہیوں میں کچھ کھلبلی سی مچی تھی مگر کسی نے سوال نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں روکا تھا۔ سامیرا اپنے مکان کے صحن میں تھی اور پریشانی سے ٹہل رہی تھی ہمیں دیکھتے ہی وہ ہماری طرف لپکی۔ اس نے میرے ہاتھ تھام لیے۔ ”شہباز کہاں تھے تم؟“

”میں اور روبیر عقب میں موجود چٹانوں میں پھنس گئے تھے وہاں ہمیں پہلے اسار اور پھر ہارن نے گھیر لیا تھا۔ بہت مشکل سے بچ کر واپس آئے ہیں۔“

”بہت برا ہوا..... بہت برا ہوا۔“ وہ اضطرابی لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ”کاش تم دونوں صبح ہونے سے پہلے آ جاتے..... اب نہ جانے کیا ہوگا؟“

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ”کیا برا ہوا ہے..... آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟“

اسی لمحے دروازہ کھلا اور سومرو چند سپاہیوں کے ہمراہ اندر آیا۔ اس کا انداز جارحانہ تھا اس سے پہلے میں کچھ کہتا آنے والے سپاہیوں نے مجھے جکڑ لیا تھا اور سومرو نے سرد لہجے میں ان سے کہا۔ ”اسے لے جا کر قید کر دو۔ اس کا فیصلہ بعد میں کریں گے۔“



مجھے جکڑنے والے تین سپاہی تھے اور میں چاہتا تو خود کو چھڑا سکتا تھا مگر میں نے ایسی کسی کوشش سے گریز کیا اور سومرو کی طرف دیکھا۔ ”یہ کیا ہے؟“

”اسے چھوڑ دو۔“ سامیرا نے کہا مگر اس کا انداز تحکمانہ نہیں بلکہ التجا آمیز تھا۔ سومرو نے سامیرا کی طرف دیکھا۔ میری اس سے گفتگو روبیر کے توسط سے ہو رہی تھی۔

”آپ جانتی ہیں یہ دونوں قانون شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ان کا فیصلہ اب عدالت کرے گی۔“

”کیسی قانون شکنی؟“ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ”لگتا ہے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہم مصیبت سے بچ کر آرہے ہیں۔ تم نے کل سے ہمیں تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی اور جب ہم آئے تو قانون شکن کہہ رہے ہو۔“

”تم دونوں پوری رات غائب رہے۔“ سومرونے میری اور رویہ کی طرف اشارہ کیا۔ ”ہمارے قانون میں یہ جرم ہے کہ ایسے مرد و عورت جن کا آپس میں کوئی رشتہ نہ ہو رات بھر غائب رہیں۔ ان کو سزا دی جاتی ہے۔“

میرے علم میں پہلی بار یہ قانون آیا تھا اور بہ ظاہر ٹھیک ہی تھا مگر ہم اس کے غلط شکار تھے۔ میں نے جلدی سے وضاحت کی۔ ”ہم جنوبی سمت پائی جانے والی چٹانوں میں پھنس گئے تھے۔ وہاں اسار نے ہمیں گھیر لیا تھا اور پھر ہارن بھی آگیا۔ ان کی آپس کی لڑائی سے فائدہ اٹھا کر ہم وہاں سے نکل بھاگے۔“

”یہ اگر سچی کہانی ہے تب بھی تم عدالت میں سنانا۔“ سومرونے کہا اور سپاہیوں کو بولا۔ ”انہیں لے جاؤ۔“

”میری بات سنو۔“ میں نے پھر کر خود کو جھکے سے ان تینوں سے چھڑا لیا۔ ”تم یوں مجھ پر اپنا قانون نہیں ٹھونس سکتے۔ میں یہاں کا باشندہ نہیں ہوں۔“

پیچھے ہٹتے ہی سپاہیوں نے اپنے نیزے مجھ پر تان لیے تھے۔ سومرونے کہا۔ ”تم نے یہاں کے حکمران کا عہدہ قبول کیا اس لیے اب تم پر یہاں کا قانون لاگو ہوتا ہے۔“

میرا دماغ ایسا گھوما کہ میں سپاہیوں کی پروا کیے بغیر سومرو کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ سامیرا نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ آنکھوں میں مجھے منع کر رہی تھی کہ میں کوئی جذباتی قدم نہ اٹھاؤں۔ میں نے سومرو کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس کی کیا حیثیت ہے جو یہ مجھے قید کرنے کا حکم دے رہا ہے۔“

”تم قانون شکن ہونے کی وجہ اب یہاں کے حکمران نہیں رہے ہو۔“ سومرونے واضح کیا۔ ”تمہارے نائب کی حیثیت سے میں یہاں کا سربراہ ہوں۔ اب جب تک تم اپنی بے گناہی ثابت نہیں کر دیتے یا یہاں کے لوگ کسی دوسرے فرد کو حکمران نہیں چن لیتے میں ہی یہاں کا سربراہ سمجھا جاؤں گا۔ البتہ تم بے گناہ ثابت ہوئے تو اپنے عہدے پر بحال ہو جاؤ گے۔“

میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یہاں بھی عدالت اور قانون میرے ہی پیچھے تھے اور جو صحیح معنوں میں قانون شکنی کر رہے تھے ان کو پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ”ٹھیک ہے اگر یہ قانون ہے تو میں اس کی پاسداری کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میرے ساتھ نا انصافی نہیں ہوگی۔“

”یہاں کسی کے ساتھ نا انصافی نہیں ہوتی ہے۔“ سامیرا نے یوں کہا جیسے مجھے اطمینان دلا رہی ہو کہ میرے ساتھ نا انصافی نہیں ہوگی۔ کچھ دیر بعد میں اور رویہ سپاہیوں کے زرخے میں قلعے کے قید خانے کی طرف جا رہے تھے۔ حالات یوں پلٹا کھائیں گے میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ قید خانہ زیادہ بڑا نہیں تھا اور فی الحال یہاں کوئی اور قیدی بھی نہیں تھا۔ مجھے اور رویہ کو الگ الگ کوٹھریوں میں بند کر دیا گیا اور یہ آٹھ سائے تھیں۔ اب بھی مجھے لگ رہا تھا کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ سپاہیوں کے جانے کے بعد میں نے رویہ سے کہا۔

”تم نے مجھے خبردار نہیں کیا کہ یہاں ایسا بھی کوئی قانون ہے۔“

”ہم تو مشکل میں پھنسے ہوئے تھے۔“ وہ معصومیت سے بولی۔ ”مجھے خیال نہیں آیا کہ یہ ہم پر اس کا الزام لگا سکتے ہیں۔“

”یہ ساری رات غائب رہنے سے کیا مراد ہے؟“
 ”اگر مرد عورت رات سے پہلے غائب ہو جائیں اور صبح روشنی ہونے تک نہ ملیں تو ان کو گرفتار کر لیا جاتا ہے اور پھر انہیں اپنی بے گناہی ثابت کرنی پڑتی ہے۔“

میں چونکا۔ مجھے برف والے کا پیغام یاد آیا جو اس نے بچے کے توسط سے دیا تھا۔ اس نے مجھے شام کے بعد قلعے سے باہر نہ جانے کا مشورہ دیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اگر گز میں کسی وجہ سے نہ آسکوں تب بھی صبح روشنی ہونے سے پہلے لازمی واپس آجاؤں۔ اس نے مجھے ایسی ہی کسی صورت حال سے بچنے کے لیے یہ پیغام دیا تھا؟ یقیناً یہی بات تھی۔ برف والا مستقبل میں جہاں تک لیتا تھا اور شاید اسے علم تھا کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ مگر یہاں کیا ہوا تھا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میرے ساتھ ایسا ہوگا۔ سومرو نے قانون کو بے چلک انداز میں استعمال کیا تھا اس نے مجھے اپنے یا سامیرا کے سامنے صفائی کا موقع دیئے بغیر مجھے عدالت کے سامنے کر دیا تھا۔ اب مجھے وہاں اپنی صفائی پیش کرنی تھی۔ مجھے خیال آیا اور میں نے رویہ سے پوچھا۔ ”اس طرح سے غائب ہونے والے مرد اور عورت اگر اپنی صفائی نہ پیش کر سکیں تو انہیں کیا سزا دی جاتی ہے؟“
 ”اگر ان میں سے کوئی شادی شدہ ہے تو اسے سزائے موت دی جاتی ہے اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اسے آبادی سے نکال دیا جاتا ہے۔“

میں حیران ہوا۔ ”تمہارا مطلب ہے قلعوں سے نکال دیا جاتا ہے۔“
 اس نے سر ہلایا۔ ”وہ باہر رہتا ہے۔ اسے نہ کھانا دیا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی اور چیز، اگر کوئی اس سے تعلق رکھے تو اسے بھی یہی سزا دی جاتی ہے۔ نکالتے ہوئے اس سے ہر چیز لے لی جاتی ہے۔“
 حرام کاری کی یہ درست سزا تھی مگر ہمارے لیے غلط تھی کیونکہ ہم نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ ”یہ کیسے طے کیا جاتا ہے کہ رات بھر باہر رہنے والے مرد و عورت نے آپس میں گناہ کا ارتکاب کیا ہے؟“
 ”انہیں ثابت کرنا پڑتا ہے۔“ وہ بولی۔ ”مجھے اس بارے میں صحیح سے علم نہیں ہے۔“

ہم نے رات بہت سخت وقت گزارا تھا۔ ہمارے جسم تھکن سے ہی نہیں زخموں سے بھی پُور تھے۔ رویہ مر جھائی ہوئی تھی میں نے اسے آرام کرنے کا کہا اور خود بھی قید خانے میں موجود بستر پر لیٹ گیا۔ بستر مٹی کے بنے جو ترے پر بچھا ہوا تھا۔ یہاں ایک مٹی کی مٹکی اور ایک کنور تھا۔ مٹکی میں پانی تھا۔ اب تک میں ششدر تھا۔ مگر جیسے جیسے مجھے یقین آ رہا تھا مجھے لگ رہا تھا کہ معاملہ صرف قانون کے نفاذ کا نہیں ہے اس کے پیچھے کچھ اور بھی تھا۔ سومرو کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کے اندر میرے لیے ہمدردی نہیں ہے۔ وہ شروع سے مجھ سے کھینچا ہوا تھا۔ کیونکہ فوج کی سربراہی اس سے لے کر میرے سپرد کی گئی تھی۔ وہ میرے خلاف کینہ دل میں دبائے بیٹھا ہوا تھا اور شاید اب اسے موقع ملا تھا کہ وہ کہنہ نکال سکے۔ اس نے سارا کام قانون کے دائرے میں رہ کر کیا تھا اس لیے سامیرا ابھی میری ایک حد سے زیادہ حمایت نہیں کر سکتی تھی۔ سوال یہ تھا کہ اگر سومرو میں بد نیتی تھی تو وہ مجھے سزا دلوانے کی پوری کوشش کرے گا اور اس نے اس کے لیے یقیناً پہلے سے پلان سوچ رکھا ہوگا۔ وہ صرف قانون پر

یہ معاملہ نہیں چھوڑے گا کہ وہ مجھے سزا دے۔

رات جب ہم اسرار اور پھر ہارن کے نرغے میں تھے اور موت کا سامنا کر رہے تھے تب بھی مجھے اتنی ٹینشن نہیں ہوئی تھی جتنی کہ اس وقت ہو رہی تھی۔ میں تھکن اور تکلیفوں سے چورتھا۔ میرا خیال تھا کہ میں سامیرا کے گھر پہنچ کر بس ناشتہ کروں گا اور اس کے بعد سو جاؤں گا مگر میں یہاں قید خانے میں پڑا ہوا تھا۔ ناشتہ بھی نہیں ملا تھا اور آرام دہ بستر پر بھی آرام نہیں تھا۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا جب مجھے غیر متوقع حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو لیکن اس موقع پر میں نے اس بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ کچھ زیادہ ہی غیر متوقع ہو گیا تھا میرے ساتھ۔ قید خانے کا دروازہ کھلا تو میں چونکا۔ ایک نوجوان لڑکا ناشتے کی ٹرے اٹھائے اندر آیا اور اس نے ادب سے ٹرے بستر کے کنارے رکھی۔ ناشتے میں حسب معمول میٹھی کھیر نما چیز اور چائے تھی۔ لڑکے نے مٹکی اور پیالہ اٹھایا اور باہر چلا گیا۔ میں نے سوچا کہ اس سے سامیرا کو پیغام بھجواؤں کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

کچھ دیر بعد وہ آیا تو دونوں چیزیں دھو کر ان میں تازہ پانی بھر لایا تھا۔ میں نے سامیرا کا نام لے کر اسے اشاروں میں سمجھایا کہ میں سامیرا سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس نے سر ہلایا کر اشارہ دیا کہ وہ اسے بتا دے گا۔ جب تک لڑکا یہاں رہا دو مسلح سپاہی باہر مستعد رہے تھے۔ اس کے جاتے ہی دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔ میں تن بہ تقدیر ہو کر ناشتہ کرنے لگا کہ بھوکے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ کھیر خاصی مقدار میں تھی میرا پیٹ تقریباً بھر گیا۔ رفع حاجت والے کام میں باہر ہی نمٹا چکا تھا اس لیے ناشتہ کر کے لیٹ گیا۔ تھکن حاوی آئی تو سو گیا۔ لیکن زیادہ دیر نہیں سو سکا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز نے مجھے چونکا یا۔ اندر آنے والی سامیرا تھی۔ میں نے اٹھتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ”یہ سب کیا ہے؟ کیا سومرو دشمنوں سے مل گیا ہے؟“

اس نے گہری سانس لی۔ ”سچی بات ہے کہ میرا دل نہیں مان رہا۔ اسے تم سے بغض ہو سکتا ہے کہ تم نے اس کی پوزیشن حاصل کر لی.....“

”میں نے اپنی مرضی سے حاصل نہیں کی۔“ میں نے سامیرا کی بات کاٹ کر کہا۔ ”یہ پوزیشن آپ نے مجھے دی تھی۔“

”ہاں لیکن سومرو سے لے کر تم کو دی۔ وہ میرے بہت پرانے ساتھیوں میں سے ہے۔“

”ممکن ہے اس پرانے ساتھی کا دماغ اس ”قدر دانی“ پر پھر گیا ہو جو میرے آنے کے بعد آپ نے اس کے ساتھ کی۔“

”ہو سکتا ہے۔“ سامیرا بولی۔ ”مگر تم اطمینان رکھو۔ تمہارے ساتھ نا انصافی نہیں ہوگی اور جلد تم اپنے عہدے پر بحال ہو جاؤ گے۔“

”ہمارے غائب ہونے کے بعد کیا ہوا تھا؟“

”جب کل شام تک تم نظر نہیں آئے تو سیبوٹ نے مجھ سے رابطہ کیا۔ تم نے اس کے ذمے کوئی کام لگایا تھا وہ تمہیں اس کی رپورٹ دینا چاہتا تھا۔ مجھے فکر ہوئی اور میں نے تینوں قلعوں میں دکھوایا مگر تم اور روہیر کہیں نہیں تھے۔ پھر میں نے سپاہیوں کو آس پاس دیکھنے کو کہا۔ وہ زیادہ تر سامنے کھیتوں اور باغات میں دیکھتے رہے۔ اس وقت مجھے لگا کہ ریٹائٹ کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔“

کرتے رہے اور تم دونوں کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ رات کو جب سومرو کو پتا چلا تو اس نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ تم دونوں قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔“

”چٹانوں کی طرف کوئی نہیں گیا تھا؟“

”اتنی دور کا کسی کے ذہن میں نہیں آیا۔ سب کو معلوم ہے کہ اتنی دور جانا خطرناک ہو سکتا ہے۔“

”میری عقل پر پتھر پڑے تھے جو پتھروں کے چکر میں اتنی دور چلا گیا۔“

وہ چونکی۔ ”کیا مطلب؟“

میں نے اسے بتایا کہ میں کس چکر میں چٹانوں تک چلا گیا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ”تم فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”اور اگر ایسا نہ ہو سکا۔“ میں نے غور سے اسے دیکھا۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونکی۔

”میں نے سنا ہے یہاں آدمی کو اپنی بے گناہی خود ثابت کرنی پڑتی ہے اور میری بے گناہی کا ثبوت چٹانوں میں پائی جانے والی ہارن اور اسمار کی لاشیں ہوں گی۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”میں نے ایک دستہ وہاں روانہ کیا تھا انہوں نے بھی یہی بتایا کہ وہاں ایک ادھ کھایا ہوا ہارن اور کچھ اسماروں کی لاشیں موجود ہیں۔“

میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ”اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میری کہانی سچی ہے۔ میں اور روبر بد قسمتی سے وہاں پھنس گئے تھے اور ہم نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔“

”مجھے یقین ہے میرے بیٹے۔“ سامیرا نے محبت سے کہا۔ ”میں تمہیں جانتی ہوں۔“

”اگر میرے خلاف سازش ہوئی ہے تو دشمنوں نے مجھے سزا دلانے کا کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیا ہوگا۔“

”ایسا نہیں ہوگا۔“ اس نے مجھے اطمینان دلایا اور پھر ایک چھوٹی سی تنکوں سے بنی ٹوکری میری طرف

بڑھائی۔ ”اس میں تمہارے لیے کچھ چیزیں لائی ہوں۔“

ٹوکری میں میٹھی نکلیاں اور کچھ پھل تھے۔ چند دنوں سے پھل بھی اترنا شروع ہو گئے تھے اور وہ انصاف سے تمام لوگوں میں بانٹ دیئے جاتے تھے۔ میں نے سامیرا کا شکریہ ادا کیا۔ ”مجھے برف والے نے خبردار کیا تھا کہ شام کے بعد قلعے سے باہر نہ جاؤں اور اگر کسی وجہ سے چلا جاؤں تو اگلی صبح روشنی ہونے سے پہلے واپس آ جاؤں۔“

سامیرا تشویش زدہ ہو گئی۔ ”برف والے نے خبردار کیا تھا۔“

”اس سے آپ اندازہ کر لیں کہ معاملہ گھمبیر ہے۔ یہ صرف قانون شکنی کا الزام نہیں ہے۔ اس کے پیچھے میرے دشمن ہیں اور آپ جانتی ہیں میرے دشمن کون ہیں۔ اس سازش کے سرے یہاں سے آرگون تک پھیلے ہوئے ہیں۔“

سامیرا سوچتی رہی پھر اس نے سر ہلایا۔ ”میں دیکھوں گی۔ اگر کوئی سازش بھی ہوئی تو میں اس کا مقابلہ کروں گی۔“

”ہمیں عدالت میں کب پیش کیا جائے گا؟“

”کل تک۔“ اس نے جواب دیا۔

سامیرا کے جانے کے بعد میں دوبارہ لیٹ گیا۔ کچھ دیر پھلوں سے دل بہلاتا رہا پھر سونے کی کوشش کی اور مجھے اونگھ بھی آگئی۔ اسی دوران میں روبیر کی کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ میں نے توجہ نہیں دی ممکن ہے اسے کوئی ضرورت ہو جس کی وجہ سے اسے کوٹھری سے نکالا گیا ہو۔ میں سو گیا تھا۔ دوسری بار میری آنکھ کھلی تو شام قریب تھی کیونکہ باہر روشنی کم ہو گئی تھی۔ کوٹھری میں ایک طرف روشن دان تھا جس سے باہر کا پتا چلتا رہتا تھا۔ کسی قدر آسان (دھند) بھی نظر آتی تھی۔ میری آنکھ کھلی تو روبیر اپنی کوٹھری میں تھی اور مجھے واش روم جانے کی حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اٹھ کر کوٹھری کا دروازہ بجایا۔ وہی لڑکا آیا جو صبح ناشتہ لے کر آیا تھا۔ میں نے روبیر کے توسط سے اسے بتایا کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ وہ گیا اور دو سپاہیوں کو لے آیا۔ ان کی معیت میں، میں قید خانے کے گزرارے لائق واش روم گیا۔

فارغ ہو کر میں نے منہ ہاتھ دھویا۔ جہاں جہاں چوٹوں پر خون جم گیا تھا وہ جگہیں صاف کیں۔ زخم بھرنے والی پوزیشن میں آگئے تھے اس لیے میں نے ان کو دھونے میں حرج نہیں سمجھا۔ جہاں صبح بڑے نیل تھے اب وہاں معمولی نشانات رہ گئے تھے۔ مہینوں گزر گئے مگر حکیم قادس کی دی ہوئی دواؤں کا اثر اب بھی برقرار تھا اور میرے زخم اور چوٹیں بہت جلد ٹھیک ہو جاتے تھے، اس کی بنیادی وجہ وہ پتھر نما سیاہ چیز تھی جس کا سفوف دواؤں میں استعمال ہوتا تھا۔ اور کان نے راجا عمر دراز کو بتایا تھا کہ یہ سیاہ پتھر نما چیز وادی کی بعض ندیوں میں ملتی تھی اور کیا ب تھی۔ ذیوڈا اس سیاہ پتھر نما چیز کے چکر میں بھی آیا تھا۔ بیرونی دنیا میں اس کی کیا قیمت ہوتی اس کا اندازہ لگانا بھی محال تھا۔ میں واپس آیا تو روبیر کوٹھری کے دروازے کے ساتھ کھڑی تھی۔ میں اس کے پاس رکا۔

”تم کہیں گئی تھیں؟“

اس نے انکار کیا۔ ”نہیں۔“

”لیکن تمہاری کوٹھری کا دروازہ کھلا تھا۔“

اس نے نظریں چرا لیں۔ ”آپ کو لگا ہو گا ورنہ میری کوٹھری کا دروازہ بھی نہیں کھلا۔“

میں نے دیکھا نہیں تھا صرف سنا تھا۔ یہ کوئی خاص بات نہیں تھی مجھے غلط فہمی ہو سکتی تھی۔ مگر روبیر نے جس طرح سے نظریں چرا لیں اس سے میں کھٹکا تھا۔ کیا اس نے جھوٹ بولا تھا کہ اسے کہیں لے جایا نہیں گیا تھا؟ میں سوچتے ہوئے واپس اپنی کوٹھری میں آ گیا۔ دروازہ ٹھوس لکڑی کا بنا ہوا تھا صرف اس کے اوپری حصے میں ایک پانچ انچ چوڑا اور کوئی دس انچ لمبا سوراخ تھا۔ اس سے جھانک کر باہر دیکھا جاسکتا تھا۔ میں نے پانی پیا اور ہلکی پھلکی ایکسر سائز کرنے لگا۔ چوٹوں کا درد کم تھا اور مجھے حرکت کرنے میں خاص دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ ایک اجنبی جو باہر سے آیا تھا جس طرح اس جگہ کا حکمران بنا تھا اسی طرح اچانک وہ مجرم اور قیدی بن گیا تھا۔ مگر میں اس کا پالٹ کا عادی ہو گیا تھا اور کسی بھی نئی صورت حال کا مجھ پر زیادہ اثر نہیں ہوتا تھا۔ البتہ کل ہونے والے مقدمے کی فکر تھی۔ جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ میرے دشمنوں نے میرے لیے کوئی سر پرانز تیار رکھا ہو گا۔

رات کا کھانا تاریکی چھاتے ہی پیش کر دیا گیا تھا۔ گویا یہاں قیدیوں کو دو وقت ہی کھانا ملتا تھا۔ سامیرا میرے لیے جو ٹوکری لائی تھی اس سے میرا گزرا ہو گیا۔ پھلوں میں ایک سیب سے ملتا جلتا تھا اور ایک انگور نما تھا مگر یہ شکل میں آم جیسے تھے یوں لگ رہا تھا کہ آم کوئی ایچر کر دیا گیا ہو۔ سیب نما پھل کا ذائقہ بھی سیب جیسا تھا۔ تیسرا پھل نامانوس تھا۔ اس کے اوپر ٹماٹر کی طرح کا چھلکا تھا اور اندر شہد جیسا میٹھا گودا بھرا ہوا تھا۔ مجھے سب سے اچھا یہی لگا تھا۔ کچھ پھل بیچ گئے جو میں نے رات کے کھانے کے بعد بطور سویٹ ڈش استعمال کیے۔ صبح میری اور رویر کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ ہماری دنیا میں اب اس کا فیصلہ بہت آسانی سے ہو جاتا ہے کہ مرد و عورت غلط کاری کے مرتکب ہوئے ہیں یا نہیں۔ ان کا میڈیکل چیک اپ ہو جاتا ہے مگر یہاں اس قسم کا کوئی تصور نہیں تھا۔ صبح میری آنکھ جلد کھل گئی تھی۔ باہر ابھی تاریکی تھی۔ یہاں آنے کے بعد سے بہت کم ایسا ہوا تھا کہ میں روشنی ہونے تک سوتا رہا ہوں عام طور سے اس سے پہلے اٹھ جاتا تھا۔ روز صبح اٹھتا تھا مگر اللہ یاد نہیں آتا تھا۔ اب مشکل پڑی تو اللہ یاد آیا اور میں نے منگی کے پانی سے وضو کر کے اندازے سے قبلہ رُہ کو فجر کی نماز ادا کی اور دعا کی کہ بہت مہربان پروردگار مجھے اس آزمائش سے بھی محفوظ رکھے اور مجھے دشمنوں کے سامنے سرخرو کرے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ میں نے خاص طور سے دعا کی اور میرے اندر کا بوجھل پن ہلکا نہ ہوا ہو۔ اس بار بھی میں نے خود کو ہلکا محسوس کیا اور اٹھ کر ہلکی ورزش کی۔ روشنی ہوتے ہی ناشتے اور دوسرے لوازمات کا مرحلہ آ گیا۔ اس سے فارغ ہوا تو سپاہی آ گئے۔ انہوں نے مجھے اور رویر کو کوٹھڑیوں سے نکالا اور ہمیں لے کر روانہ ہوئے۔ رویر نے مجھ سے بات نہیں کی اور نہ ہی وہ مجھ سے نظریں ملاتا ہی تھی۔ اس کا انداز مجھے کھٹکا ضرور تھا مگر اس وقت میں نے اتنی توجہ نہیں دی تھی۔ قید خانے سے باہر آئے تو لوگوں کا ایک جم غفیر منتظر تھا اور وہ ہمارے ساتھ ہی روانہ ہوا۔



ہمارے ساتھ چلنے والے لوگوں کے انداز میں کوئی مخالفت یا موافقت نہیں تھی ان کا انداز بے نیازانہ تھا۔ بہت کم لوگ تھے جن میں مجھے جذبات کی آمیزش نظر آئی۔ اس جلوس کے ساتھ ہم قلعے کے دروازے کے قریب ایک کھلی جگہ پہنچے جو شاید اسی کام کے لیے مخصوص تھی۔ وہاں عدالت بھی ہوئی تھی۔ سومرو، بیناٹ اور کاٹینور کے ساتھ قلعے کے تمام اہم عہدیداران اور سامیرا بھی وہاں موجود تھے۔ ساعت دیکھنے کے لیے تینوں قلعوں کی تقریباً ساری آبادی بھی یہاں موجود تھی۔ مجھے اور رویر کو الگ الگ جگہ کھڑا کر دیا گیا اور سومرو نے سرکاری وکیل کا کردار ادا کرتے ہوئے ہم پر فوجدرم عائد کی کہ ہم نے غیر قانونی جسمانی تعلق قائم کر کے اس وادی کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لیے ہمیں سزا دی جائے۔ اس نے لمبی تقریر کرنے کے بجائے مختصر بات کی۔

اس کے بعد جج رائون جسے میں جانتا تھا اور وہ اس جگہ کے معزز لوگوں میں شمار ہوتا تھا اس نے مجھ سے اپنی صفائی دینے کو کہا۔ میرے ترجمان کے طور پر سامیرا کھڑی ہو گئی کیونکہ رویر تو خود ملزم تھی۔ وہ میری ترجمان نہیں بن سکتی تھی۔ میں نے گزشتہ شام سے پیش آنے والے واقعات اپنی صفائی میں پیش کرنا شروع کیے اور تفصیل سے بیان کیا کہ میں اور رویر کن کن مراحل سے گزرے۔ ہمیں چوٹیں لگیں اور درندوں سے موت کے خطرے کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم محصور ہو گئے اور اس وجہ سے ہم قلعے کی طرف واپس نہیں آ سکے۔ سامیرا میرے بیان کو منظم انداز میں ترجمہ کر رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ رائون اور عدالت میں موجود دوسرے لوگ میری صفائی

سے متاثر ہوئے تھے۔ سومر دسپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔ مگر باقیوں کے چہروں پر میرے لیے ہمدردی واضح تھی۔ مجھے امید ہوئی کہ عدالت مزید تفتیش کا حکم دے گی کہ میرے بیان کی تصدیق کی جاسکے۔ اس صورت میں ہمارے بری ہونے کا امکان بڑھ جاتا۔ میرا بیان مکمل ہوا اور جج رائون نے رویہ سے پوچھا۔

”کیا تم شہباز کے بیان کی تائید کرتی ہو؟“

رویہ جو اس دوران میں سر جھکائے خاموش کھڑی رہی تھی اس نے چند لمحے بعد کہا۔ ”نہیں، میں ان کے بیان کی تائید نہیں کرتی۔“

عدالت میں ہلکا سا شور بلند ہوا تھا۔ مگر رائون نے ہاتھ بلند کیا تو خاموشی چھا گئی۔ اس نے پوچھا۔ ”تب تم اپنا بیان دے سکتی ہو۔“

”ہم کل قلعے کے پیچھے والی چٹانوں کی طرف گئے اور ہم رات وہیں رہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ.....“ کہتے ہوئے رویہ کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ ”ہم جسمانی طور پر ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔“ میں دنگ رہ گیا تھا۔ اگے چہ رویہ کا انداز پہلے ہی بتا رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے مگر وہ اتنا بڑا جھوٹ بولے گی اس کا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں ہی نہیں عدالت میں موجود تمام ہی افراد رویہ کی بات پر دم بہ خود رہ گئے تھے۔ مجھے سومر کے چہرے پر بھی حیرت نظر آئی جیسے اسے توقع نہیں تھی کہ رویہ یہ بات کہہ دے گی۔ میں نے تڑپ کر کہا۔ ”یہ غلط ہے..... رویہ جھوٹ کہہ رہی ہے۔“

سامیرا نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میری بات کا ترجمہ کر دیا۔ رائون نے جواب دیا۔ ”شہباز اپنی بات کر چکا ہے اس لیے رویہ کو اپنی بات کرنے دی جائے۔“

یہاں وکیل کا کوئی رواج نہیں تھا۔ آدمی براہ راست اپنا مقدمہ خود دلڑتا تھا۔ رویہ نے کہا۔ ”ہم چٹانوں کے اندر تھے۔ اس لیے ہمیں علم نہیں تھا کہ باہر اسرار آگئے اور پھر ہارن بھی آ گیا۔ ان سے بچنے کے لیے ہم بھاگتے رہے اور صبح ہو گئی۔“

”رویہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔“ اس بار میں نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔ ”جو بات ہوئی ہی نہیں تم اس کا اقرار کیسے کر رہی ہو۔“

سومر آگے آیا۔ ”جناب ملزمہ نے اقرار کر لیا ہے جو دونوں کے اقرار کے برابر ہے اس لیے انہیں سزا سنائی جائے۔“

سامیرا جو عدالت میں آتے ہوئے بُرا اعتماد تھی۔ اس وقت وہ شاک کی کیفیت میں دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ”آپ مجھے جانتی ہیں کہ میں کیسا آدمی ہوں۔ یہ سازش ہے جو آرگون والوں کی طرف سے کی جا رہی ہے۔ یہ سب سازش کے مہرے بنے ہوئے ہیں ان میں رویہ بھی شامل ہے۔“

”میں تمہیں جانتی ہوں۔“ سامیرا نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”لیکن میں رویہ کو بھی جانتی ہوں یہ جھوٹ نہیں بولتی۔“

”ابھی اس نے جھوٹ ہی بولا ہے۔“

اپنا بیان دے کر رویہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کے بیان نے لوگوں کے تاثرات ہی بدل دیئے تھے

اور جواب تک اس معاملے میں غیر جانب دار تھے ان کی نظروں میں اب میرے لیے حقارت اور نفرت تھی۔ وہ آپس میں میرے خلاف بول رہے تھے۔ شاید برا بھلا کہہ رہے تھے۔ رانئون نے اپنا ہاتھ بلند کیا تو پھر خاموشی چھا گئی۔ رانئون نے کہا۔ ”ایک ملزمہ کے اعترافی بیان کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں نے رات کی تاریکی میں غلط کاری کا ارتکاب کیا ہے۔ دونوں مجرم ثابت ہوتے ہیں۔ اگر یہ شادی شدہ ہوتے تو ان کو موت کی سزا دی جاتی لیکن یہ غیر شادی شدہ ہیں اس لیے ان کو قلعے سے نکالنے کی سزا دی جاتی ہے۔ اس سزا پر فوری عمل کیا جائے۔“

روبر کے بیان کے بعد میری کسی قسم کی صفائی بیکار تھی۔ معاملہ ایسا تھا کہ ایک فریق بھی اقرار جرم کر لے تو دوسرا خود بخود ملوث ہو جاتا تھا۔ اگر یہ سازش تھی تو روبر اس میں برابر کی شامل تھی۔ سزا اسے بھی ملتی مگر اسے سزا نہیں ملتی کیونکہ وہ آرگون جاسکتی تھی جہاں اس کا شاندار استقبال ہوتا۔ میں مارا جاتا کیونکہ آرگون میں پہلے ہی میرے دشمن تھے وہ پہلی فرصت میں مجھے ہارن کے سامنے پھینک دیتے۔ اب یہاں بھی میرے دوست نہیں رہے تھے۔ اس واقعے نے جیسے مجھے سن کر دیا تھا۔ ایسی ذلت اور خود کو حقیر میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ سزا سنتے ہی سامیر اعدالت سے نکل گئی تھی۔ وہ شاید مجھے سزا پاتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کیونکہ سزا پر فوری عمل درآمد کا حکم دیا گیا تھا۔ سپاہی مجھے جلوس کے ساتھ قلعے کے دروازے تک لائے اور اس سے باہر دھکیل دیا۔ میرے جسم پر سوائے لباس اور پیروں میں جوتوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ مجھے کوئی ہتھیار نہیں دیا گیا تھا اور نہ ہی کوئی دوسرا سامان تھا۔ سومر وہی آیا تھا اور اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم ہماری زبان سمجھتے ہو لیکن بول نہیں سکتے۔ تمہیں صرف قلعے سے ہی نہیں نکالا گیا ہے۔ بلکہ وہ تمام جگہیں جو ہمارے استعمال میں ہیں وہاں تمہارا داخلہ منع ہے۔ نظر آنے کی صورت میں سپاہی تمہیں گرفتار کر لیں گے اور دوسری بار تمہیں سزائے موت ملے گی۔“

”خواہش تو تمہاری یہی ہو گی مجھے سزائے موت ملے۔“ میں نے تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ میں جانتا تھا کہ وہ میری بات نہیں سمجھ رہا ہے مگر میں دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ ”زندگی میں پہلی بار مجھے چھپتا ہوا رہا ہے کہ میں کن لوگوں کے کام آ رہا تھا۔“

سومر اور سپاہیوں کے ساتھ وہاں عام پبلک کا ایک چھوٹا سا جھوم بھی تھا۔ مجھے اس میں مختصر بالوں والے ایک نو جوان کی جھلک نظر آئی۔ میں نے اکثر اسے سامیرا کے پاس دیکھا تھا۔ میری نظر اس پر گئی تو اس نے سر سے قلعے کے پیچھے والی سمت اشارہ کیا۔ کیا وہ مجھے اس طرف جانے کا کہہ رہا تھا؟ سومر نے کہا۔ ”تم نہ جانے کیا کہہ رہے ہو لیکن اب یہاں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے اور تم جا سکتے ہو اپنے انجام کی طرف۔“



زبان سے کہتا تو سمجھ میں نہ آتا میں نے اس سے اشارے سے تیر کمان یا لانچی دینے کو کہا۔ میں بالکل نہبتا تھا اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”تمہارے ساتھ رعایت ہو رہی ہے ورنہ اس سزا میں باہر نکالے جانے والوں کا لباس تک اتار لیا جاتا ہے۔ اب جاؤ تمہاری مہلت ختم ہو رہی ہے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے قلعوں اور ہماری زمین سے دور نکل جاؤ۔ اس کے بعد یہاں نظر آئے تو گرفتار کر لیے جاؤ گے۔“

روپہر ابھی تک نہیں لائی گئی تھی۔ شاید اسے بعد میں نکالا جاتا۔ میں مغرب کی طرف چل پڑا۔ بے اختیار غالب کا شعر ذہن میں گونجا تھا۔

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن

بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

یہ شعر اس وقت میری حالت پر بالکل صادق آ رہا تھا۔ کل تک میں جن لوگوں کے لیے دن رات ایک کر رہا تھا انہوں نے مجھے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکنے میں ایک لمحہ نہیں لگایا تھا۔ میں سوچتا رہا اور خون جلاتا ہوا چلتا رہا۔ دوسرے قلعے کو پار کر کے میں جھاڑیوں والی جگہ پہنچا اور وہاں سے جنوب کی طرف مڑ گیا۔ کوئی ایک کلومیٹر چلنے کے بعد میں دوبارہ مشرق کی طرف مڑا اور مرکزی قلعے کے عقبی سمت جانے لگا۔ مجھے اس نوجوان کا نام یاد نہیں آ رہا تھا۔ شاید ریک یا ایسی قسم کا کوئی نام تھا۔ میں قلعے کے عقب میں ایک ایسی جگہ پہنچا کہ قلعے سے تو مجھے نہیں دیکھا جاسکتا تھا مگر کوئی اس طرف آتا تو میں اسے فوراً نظر آ جاتا۔ میری نگاہیں قلعے کی طرف تھیں۔ مگر ریک عقب سے نکلا تھا۔ اس نے شش کر کے مجھے پکارا تو میں اچھل پڑا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ پہلے ہی یہاں پہنچا ہوا ہوگا۔

وہ ایک درخت کے پیچھے تھا۔ میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے ایک بڑا سا تھیلا، مضبوط قسم کا نیزہ، کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترش اٹھا رکھا تھا۔ اس نے یہ سب میرے حوالے کر دیا۔ میں نے تھیلا کھول کر دیکھا اس میں کھانے پینے کا خاصا سامان اور ایک نیا لباس بھی تھا۔ مگر سب سے اہم چیز مٹی کی ایک بوتل میں وہ محلول تھا جسے پینے کے بعد ہارن، اسرار اور گوز جیسے درندے آپ کے پاس پھٹکنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب مجھے سامیرا نے بھیجا تھا۔ ریک نے سامیرا کا پیغام دیا۔ اس نے کہا۔ ”میرے بیٹے، مجھے معلوم ہے تم بے گناہ ہو لیکن میں کھل کر تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔ آرگون والے یہاں جو فتنہ پھیلا رہے ہیں اس سے نمٹنے کے لیے ضروری ہے کہ میں اپنی جگہ موجود رہوں۔ تم سمجھ لو کہ اوپر والے کی طرف سے یہ تمہاری آزمائش ہے۔ جلد تم اس میں سرخرو ہو گے اور تمہارے دشمن ناکام ہو جائیں گے۔ ریک میرا اعتماد ہے۔ یہ تیسرے دن تمہارے پاس آئے گا تم چاہو تو اس سے مجھے کوئی پیغام بھیج سکتے ہو۔ یہ تمہارے لیے کھانے پینے کا سامان لے کر آئے گا۔ ابھی یہ تم کو ایک خفیہ جگہ دکھائے گا جہاں تم رہ سکتے ہو اور تمہیں وہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوگا۔“

میں نے سر ہلایا تو اس نے مجھے ساتھ چلنے کو کہا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے جنوب کی طرف لے جائے گا مگر اس نے مغرب کا رخ کیا۔ ہم قلعوں کے عقب سے ہوتے ہوئے مغرب میں واقع گھنے جنگلوں کی طرف جانے لگے۔ اس طرف بھی چٹانیں تھیں مگر جنگل زیادہ تھے۔ ریک مجھے زیادہ اندر نہیں لے گیا۔ ہم کچھ دور گئے ہوں گے کہ ایک ٹیلا نما چٹان آگئی۔ ریک مجھے لے کر اس کے عقب میں آیا۔ یہاں چٹان کے ساتھ گھنی جھاڑیاں تھیں اور ان کے ساتھ بیلبلں بھی چڑھ رہی تھیں۔ ان ہی بیلبلوں کے درمیان لکڑی کی سیڑھی چھپی ہوئی تھی۔ یہ سیڑھی کوئی پچیس فٹ کی بلندی تک سیدھی گئی۔ ریک پہلے چڑھا اور میں اس کے پیچھے تھا۔ ٹیلا اوپر سے بھی سرسبز تھا۔ اس پر مٹی جمع ہوئی تھی اور بارش کے پانی نے اس میں سبزہ اگا دیا تھا۔ تیلے کے عقبی حصے میں لکڑی سے ہی ایک چھوٹا سا ساہٹ بنا ہوا تھا۔ اس کا سائز آٹھ فٹ تھا اور چھت کی اونچائی سات فٹ سے زیادہ نہیں

تھی۔ یہاں فرش پر نرم بستر بچھا ہوا تھا۔ پانی کے لیے یہاں ایک چھوٹا مٹکا، ایک ڈول جس میں پانی بھر کر لایا جاسکتا۔ ایک عدد پیالہ اور کچھ برتن تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں کبھی کوئی رہتا تھا۔ سامنے کی طرف دروازہ تھا اور عقب میں کھڑکی تھی جسے کھول کر ٹیلے کے نیچے بھی دیکھا جاسکتا تھا۔ ریک نے کہا۔

”یہ آپ کی رہائش ہے یہاں ہارن، اسمار یا گونز نہیں آسکتے۔ نیچے اترتے ہوئے آپ کو محتاط رہنا ہوگا۔ پانی یہاں سے کچھ دور ہے۔“ اس نے ہاتھ سے ٹیلے کے مغرب کی طرف اشارہ کیا۔ ”صبح اور شام کے اوقات میں وہاں جانے سے گریز کریں کیونکہ جانور پانی پینے آتے ہیں۔ میں تین دن بعد پھر آؤں گا۔“

اگرچہ اس وقت میرے ذہن میں خیال آیا کہ مجھے کب تک یہاں رہنا ہوگا؟ مگر سوال قبل از وقت تھا۔ ظاہر ہے مجھے ہمیشہ یہاں نہیں رہنا تھا۔ جیسے ہی حالات میرے لیے موافق ہوتے اور مجھے موقع ملتا میں یہاں سے نکل جاتا۔ میں نے سر ہلایا۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور میزھی سے نیچے اتر گیا۔ وہ ٹیلے سے گھوم کر قلعوں کی طرف روانہ ہوا تھا۔ میزھی مضبوط لکڑی کی تھی اور خاصی پرانی تھی۔ مگر وقت نے اس کی مضبوطی پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ میں نے تھملا اور دوسری چیزیں کیمن میں رکھیں اور باہر آیا۔ سامنے چھوٹا سا قدرتی باغ تھا جس میں گھاس کے ساتھ رنگا رنگ اور خوشبودار پھولوں والے پودے اک آئے تھے۔ یہاں کچھ گول اور چپٹی تراش والے پتھر نشست کے طور پر رکھے ہوئے تھے۔ آدمی ان پر آرام سے بیٹھ سکتا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے لگا کہ اس جگہ کا سامیرا سے کوئی تعلق رہا ہے۔



ابھی دن اپنے عروج پر تھا اور دوپہر کا وقت ہو گیا تھا۔ مسلسل چلنے سے صبح کا ناشتہ ہضم ہو گیا تھا میں نے تھیلے کا جائزہ لیا اور اس میں موجود تازہ پھل پہلے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ اتنی مقدار میں تھے کہ دو دن آرام سے گزارا ہو جاتا۔ مجھے سامیرا کی اس مدد سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ وہ میری بے گناہی کی قائل تھی۔ وہ جس طرح سے میرا ساتھ دے رہی تھی اس سے ظاہر تھا کہ وہ ناامید نہیں ہے۔ مجھے رویہ کار خیال آیا اور میں نے بیزار سے اسے ذہن سے جھٹک دیا۔ بہ ظاہر معصوم نظر آنے والی اس لڑکی نے وہی کیا تھا جو کوئی خوب صورت ناگن کر سکتی تھی۔ اس نے مجھے اس وقت ڈسا جب میں اس کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ پھر مجھے برف والے کا خیال آیا کیا اسے میری حالت اور مجھ پر گزرنے والے واقعات کی خبر تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اسے خبر ہو اور ہو سکتا تھا کہ اسے خبر نہ ہو۔ وہ بہر حال ایک انسان تھا جو اپنی حدوں سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

برف والے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اب میں کیا کروں تو مجھے پانی کا منبع دیکھنے کا خیال آیا۔ ریک نے صبح اور شام کے اوقات وہاں جانے سے منع کیا تھا اور ابھی دن تھا۔ میں نے مٹکا چیک کیا۔ اس میں پرانا پانی تھا۔ اسے پھینک کر میں نے مٹکا اور ڈول لیا اور ٹیلے سے نیچے اتر آیا۔ ڈول میں نے بے دھڑک پھینک دیا کہ وہ مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا البتہ مٹکا احتیاط سے پکڑ کر نیچے اترتا تھا۔ کیونکہ وہ مٹی کو پکا کر بنایا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ یہاں پکانے والی مٹی بہت اعلیٰ درجے کی تھی اور یہ لوگ اس سے بہت نفیس برتن اور دوسری چیزیں بناتے تھے۔ شفاف پانی کی ندی چند گز دور ہی پودوں کے عقب میں بہہ رہی تھی اور اس کی چوڑائی دس فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ پتھروں اور جمی ہوئی کالی پر اس کا شفاف پانی روانی سے پھسلتا ہوا آگے جا رہا تھا۔ کچھ نیچے جا کر ندی ایک

تالاب میں گر رہی تھی اور یہاں اتنی جگہ تھی کہ ایک آدمی آرام سے نہا سکتا تھا۔ میں نے ممکنہ خطرات کو بالائے طاق رکھا اور لباس اتار کر پانی میں گھس گیا۔

یہاں دیکھنے والا کوئی نہیں تھا اس لیے مجھے جھج نہیں ہوئی۔ کئی دن سے نہانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ پھر بہتی ندی میں نہانے کا اپنا ہی الگ مزہ ہے جو انسان کو کم ہی ملتا ہے۔ دل بھر کر نہانے کے بعد میں نے مڈکا اور ڈول دھوئے اور ان میں تازہ پانی بھر کر ٹیلے کے اوپر لے گیا۔ پہلے مڈکا لے کر گیا۔ یہ کام خاصا مشکل ثابت ہوا البتہ ڈول سے پانی لے جانا اتنا مشکل نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اب ڈول سے ہی پانی لے جاؤں گا۔ میں نے اتارا ہوا لباس بھی دھو لیا تھا۔ یہ کچھ جگہوں سے پھٹ گیا تھا اور کہیں کہیں خون کے داغ بھی آئے تھے مگر پہننے کے قابل تھا۔ اسے دھو کر سوکھنے کے لیے پھیلا دیا اور سامیرا کا دیا ہوا لباس پہن لیا۔ کیمن میں جلانے کے لیے مشعلیں اور آگ لگانے والی تیلیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ ہماری طرح ماچس سازی کا فن جانتے تھے۔ مسالہ بنا کر تیلیوں پر لگایا جاتا جو معمولی سی رگڑ سے جل اٹھتا تھا۔ کئی انچ لمبی یہ تیلیاں خاصی مقدار میں پہلے سے یہاں موجود تھیں۔

ابھی روشنی تھی اس لیے مشعل جلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیمن کی دیوار میں مشعل لگانے کی جگہ بھی تھی۔ اب تک میں خود کو بہلا رہا تھا مگر میرے اندر انتشار برپا تھا۔ میں یہاں اپنی مرضی سے نہیں آیا تھا۔ زبردستی لایا گیا تھا اور پھر وادی میں بھی اپنی مرضی سے نہیں اتر اٹھا۔ دیکھا جائے تو برف والے نے یہاں ڈیوڈ شا کا کردار ادا کیا تھا جیسے وہ مجھے زبردستی وادی تک لے آیا تھا اسی طرح برف والے نے زبردستی مجھے وادی میں اتار دیا۔ پہلے ریٹائٹ کے حوالے کیا اور وہاں سے ایک جان لیوا مرحلے سے گزر کر میں سامیرا کے پاس پہنچا۔ وہاں پہلے تو یہ عزت ملی کہ مجھے مختار کل بنادیا اور پھر بے عزت کر کے ایک گھٹیا سے الزام کے تحت گھٹیا مجرم کی طرح سزا دے کر شہر بدر کر دیا۔ میں اس دیرانے میں بیٹھا ہوا تھا اور فی الحال یہ فیصلہ کرنے سے بھی قاصر تھا کہ کہاں کا رخ کروں؟ ندی میں نہاتے ہوئے مجھے خیال آیا تھا کہ میں وادی سے نکلنے کی کوشش کروں۔ میں نے وہ راستہ دیکھا تھا جہاں سے آرگون کے سپاہی مجھے نیچے لائے تھے۔ میں چاہتا تو اسی راستے سے واپس اوپر جا سکتا تھا۔ مگر مجھے یہ خیال اچھا نہیں لگا۔ ٹھیک ہے میرے ساتھ اچھا نہیں ہوا تھا مگر میں برف والے اور سامیرا جیسے لوگوں کو ان سازشیوں پر چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ جو وادی کا اسن و سکون تباہ کرنے کے درپے تھے۔ ان میں سے کچھ سازشی اندر کے تھے اور کچھ سازشی باہر سے آئے تھے۔ ڈیوڈ شا وہ شخص تھا جو مجھے یہاں لایا تھا اور اس کا ایک مقصد تھا۔ میں اس کے مقصد کو نام نہانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے کو تیار تھا۔ اس کے لیے یہاں رکنا ضروری تھا۔ نہانے سے میرے اندر ابلتا ہوا احساس ٹھنڈا ہوا تھا اور اب میں بہتر طور پر سوچ سکتا تھا۔ یہاں مجھے پہلا خیال اس معلومات کا آیا جو کیرٹ نے مجھے دی تھیں اور میں نے ان کو اپنی حد تک محدود رکھا تھا۔

یہ بھی خدا کی قدرت تھی کہ شاید وہ ان معلومات کو بچانا چاہتا تھا۔ ورنہ میں سومر اور دوسرے لوگوں سے اس کا ذکر کر چکا ہوتا۔ میں نے صرف سامیرا سے بات کی تھی اور اس نے ان معلومات میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی اس کے خیال میں ہماری طرف سے آرگون پر حملے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ہمیں تو ریٹائٹ کے حملے سے خود کو بچانا تھا۔ تیلے کی بلندی سے آس پاس کے مناظر تو دکھائی دے رہے تھے مگر میں یہ دیکھنے سے قاصر تھا کہ

آرگون کس سمت ہے اور سامیرا کے قلعے کس طرف واقع ہیں۔ آرگون کے عقب میں وہ سرنگ تھی جو معبد کو آرگون سے ملاتی تھی اور اسی سرنگ کے ہوا کے لیے کیے ہوئے سوراخوں میں سے ایک سوراخ سے اندر جانے کا راستہ تیار کیا گیا تھا۔ یہ کام کیرٹ نے اپنے آدمیوں سے لیا تھا۔ نہ جانے اس کی موت کے بعد یہ خانہ کھلا ہوا تھا یا ریٹاٹ نے واقف ہونے کے بعد اسے بند کر دیا تھا۔ دوسرا تفصیل میں موجود خفیہ خانہ تھا۔ مگر یہ اندر سے ہی کھولا جاسکتا۔

آرگون کی سمت دیکھنے کا ایک طریقہ تھا لیکن یہ نہایت مشکل تھا۔ بہر حال مجھے مشکل کام کرنے کی عادت تھی۔ میں نیلے سے اترا اور اندازے سے سب سے بلند درخت کو جانچا۔ میں جوتے کیبن میں چھوڑ آیا تھا اور اپنے ساتھ صرف نیرہ اور تیرکمان لایا تھا۔ میں جوتے گنوانے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ درخت بہت موٹے تنے کا تھا مگر اس میں ہر کچھ فاصلے کے بعد شاخیں نکل رہی تھیں۔ نیچے کی چند شاخیں جانوروں کی دست برد کا شکار ہو گئی تھیں مگر ان کے کچھ حصے باقی تھے۔ ان کی مدد سے میں شاخوں تک پہنچا۔ یہاں اپنا تیرکمان اور نیزہ حفاظت سے رکھا کہ وہ نیچے نہ گرنے پائے اور مزید اوپر چڑھنے لگا۔ جیسے جیسے اوپر جا رہا تھا۔ تنے سے نکلنے والی شاخیں نزدیک ہوتی جا رہی تھیں اور میرے لیے آسانی ہو رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ یہ کوئی دوسو فٹ بلند درخت ہے مگر جب اس کے وسطی حصے تک پہنچا تو مجھے اپنا خیال غلط لگا تھا۔ میں دوسو فٹ اوپر آچکا تھا اور درخت کا آخری سرا بدستور خاصا دور تھا۔

اس کی بلندی تین سو فٹ کے آس پاس تھی اور جب میں خاصی دیر بعد اس کے اوپری حصے کے نزدیک پہنچا تو اندازہ ایک بار پھر بدلا۔ اس کی بلندی لازمی تین سو فٹ سے زیادہ تھی۔ میں حیران ہوا تھا کیونکہ دنیا میں بہت کم درخت اتنی بلندی رکھتے ہوں گے۔ جب کہ یہاں اتنی بلندی کے اور اس سے بھی زیادہ بلند درختوں کی بھرمار تھی۔ اس کا اندازہ مجھے اس بلندی پر آکر ہوا جب میں نے دور نزدیک بہت سے درختوں کے سرے اس سے زیادہ بلند دیکھے۔ خوش قسمتی سے میں جس سمت دیکھنا چاہتا تھا اس سمت اس سے زیادہ بلند درخت اور کوئی نہیں تھا اور کھلی جگہ نکلنے ہی مجھے آرگون کی تفصیل اور اس کی عمارتیں دکھائی دیں گئیں۔ اس بلندی سے معبد کا اوپری سنہری حصہ بھی نظر آ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ آرگون کوئی چھ سات میل کے فاصلے پر تھا اور معبد اس سے زیادہ دوری پر تھا۔

سامیرا کے تینوں قلعے اس جگہ سے نزدیک تھے اور ترتیب سے دکھائی دے رہے تھے۔ آرگون اور قلعوں کے درمیان پھیلے ہوئے باغات اور کھیت بھی یہاں سے دکھائی دے رہے تھے۔ اوپر آتے آتے میرا سانس چڑھ گیا تھا اور میں نظاروں کے ساتھ ساتھ سانس بھی درست کرتا رہا۔ جب سانس ٹھیک ہوا تو میں نے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ کسی سیانے نے ٹھیک کہا ہے کہ چڑھائی سے زیادہ اترائی مشکل کام ہے۔ نیچے دیکھنا دشوار تھا اور بہت سنبھل کر پاؤں جمانے پڑ رہے تھے۔ ایک غلطی مجھے کئی سو فٹ نیچے پہنچا دیتی۔ اس لیے احتیاط لازمی تھی۔ بہر حال میں صحیح سلامت نیچے پہنچنے میں کامیاب رہا۔ میرا اندازہ تھا مجھے چڑھنے میں آدھا گھنٹہ لگا تھا اور اترنے میں بھی تقریباً اتنا ہی وقت لگا تھا۔ آدھا یا پون گھنٹہ میں اوپر رکھا تھا۔ جب نیچے پہنچا تو دن ڈھل چکا تھا اور روشنی مدہم ہونے لگی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد رات کی تاریکی چھا جاتی۔

میں واپس ٹیلے پر آیا۔ تاریکی چھانے تک آرام کرتا رہا پھر اٹھ کر مشعل جلائی اور تھیلے سے کچھ پھل نکال کر کھائے۔ میرے ساتھ جو ہوا۔ اس کے بارے میں مجھے سو فیصد یقین تھا کہ یہ سازش کا حصہ ہے تو کیا سازش مجھے قلعے سے نکلوا کر سکون سے بیٹھ گئے ہوں گے؟ یہ سوال بہت اہم تھا۔ اگر وہ نہیں جانتے تھے کہ میں کہاں تھا ان کی حکمت عملی کامیاب نہیں ہوتی تھی۔ ان کا اصل مقصد مجھے مروانا یا پھر اپنے قبضے میں کرنا تھا اور قبضے میں لینے مقصد بھی میرا وجود نابود کرنا ہوتا۔ تب انہوں نے ایسی حماقت کیوں کی کہ صرف مجھے شہر بدر کر کے بیٹھ گئے۔ اچانچ مجھ پر ایسا ہی تھا یا میں اب بھی ان کی نظروں میں تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں بے چین ہو کر اٹھ بیٹھا تھا۔ ربیک چچ مجھ کو سامنے لے بیٹھا تھا۔ تھیلے میں پھلوں کے ساتھ مخصوص نکلیاں تھیں جو سامیرا خود بناتی تھی۔ مگر ایسی نکلیاں کو دوسرا بھی تو بنا سکتا تھا۔ اسی طرح ہارن اور دوسرے درندوں سے بچانے والا محلول بھی ریٹا مہیا کر سکتا تھا لباس اور تھیا روں سے کچھ ثابت نہیں ہوتا تھا۔

ٹھیک ہے ربیک کو میں نے کئی بار سامیرا کے پاس دیکھا تھا مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اسی کا وادہ تھا۔ اس خیال نے مجھے اتنا بے چین کیا کہ میں کیبن سے باہر نکل آیا اور کھلی جگہ ٹھہرنے لگا۔ آئے دن دشمنوں۔ پالا پڑنے کے بعد میرے سوچنے کا انداز بدل گیا تھا اور اب میں ہر بات کو جانچتا تھا اور دشمن کے ذہن سے سوچنے کی کوشش کرتا تھا۔ اندر چلنے والی مشعل کی روشنی یہاں تک آ رہی تھی مگر ٹیلے سے نیچے اس کے دیکھے جانے امکان بہت کم تھا۔ کسی قدر سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اگر دشمن میری یہاں موجودگی سے واقف تھے مجھے احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ میں نے کیبن سے نکال کر مشعل ایسی جگہ لگائی کہ ٹیلے کا اوپری حصہ روشن رہے۔ مگر دور سے اس کی روشنی نظر نہ آئے اور پھر نیچے اتر کر ایک نزدیکی درخت پر چڑھ گیا۔ میرے پاس تیر کمان ا نیزہ تھا۔ درخت کی شاخوں سے ہوتا میں اتنی بلندی تک آیا کہ مجھے ٹیلہ اور کیبن نظر آنے لگا۔ ایک موٹی شاخ میں ٹھیک سے بیٹھ کر آرام کرنے لگا۔ میری نظر ٹیلے پر مرکوز تھیں۔

انتظار اور نگرانی کرنا بہت مشکل کام ہے کیونکہ آدمی کو کچھ نہ کرتے ہوئے بھی کرنا پڑتا ہے۔ تبھی شاعر کہا ہے کہ وہ بھی خوب کرتے ہیں جو صرف انتظار کرتے ہیں۔ ان کی اذیت صرف وہی جانتے ہیں اور کچھ دیر میں اسی اذیت سے گزر رہا تھا۔ درخت کی کھردری شاخ پر بیٹھنا آسان کام نہیں تھا۔ جسم ڈمکھنے لگا تھا اور سخت ہو رہے تھے۔ یہاں پہلو بدلنے کی بھی گنجائش نہیں تھی کہ ایک پہلو سلگ اٹھے تو دوسرا بدل لیں۔ کچھ دیر کیڑے کوکڑوں نے یلغار کی اور میرا خیال غلط ثابت کیا کہ اس وادی کے کیڑوں کوکڑوں میں شرافت پائی ہوئی ہے۔ وہ ہر جگہ گھس رہے تھے اور کاٹ بھی رہے تھے۔ اس وقت واحد مصروفیت یہی تھی کہ انہیں چن چن کر مزہ علاقوں سے بے دخل کرتا رہوں اور مارتا رہوں۔ دو گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ میں اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبو گیا۔

درخت سے اتر کر واپس ٹیلے پر آیا اور یہاں آ کر میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ ظالم کیڑوں نے ایسا تھا کہ بعض جگہوں پر دوڑے سے بن گئے تھے جواب رفتہ رفتہ تحلیل ہو رہے تھے۔ تیلہ ایسی جگہ تھی جہاں میں صرف عقبی حصے کی نگرانی کر سکتا تھا اور اگر کوئی عقبی حصے تک آ جاتا تو میرے فرار کی راہ مسدود ہو جاتی۔ کے علاوہ کسی اور جگہ سے نگرانی کرنا بہت خطرناک تھا کیونکہ یہاں ندی پاس تھی اور ہارن سے لے کر سامرا

تک سب کی آمد کا پورا امکان تھا۔ درخت پر جانے کا ایک ہی تجربہ کافی ثابت ہوا تھا۔ اس لیے اب میرے پاس ٹیلے پر رکنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ مجھے حن کیڑوں نے کاٹا تھا ان میں سے کچھ نہرے لیے تھے اور میں اپنے اندر ایک قسم کی تھکاوٹ اور سُستی سی محسوس کر رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اندر جا کر لیٹوں اور سو جاؤں۔ مگر میں سونا نہیں چاہتا تھا اس لیے باہر ایک پتھر کی نشست پر بیٹھا رہا۔

مگر کچھ دیر بعد مجھے جھوٹے آنے لگے۔ دو تین بار ایسا ہوا کہ میں اوجھنے کے دوران گرنے لگا تو چونکا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نیند کی شدت بڑھ رہی تھی۔ ساتھ ہی اندر جا کر لیٹنے کی خواہش بھی بڑھ رہی تھی مگر یہ خدشہ مجھے روک رہا تھا کہ یہ نیند ہمیشہ کی نہ ہو جائے۔ نیند بھگانے کے لیے میں اٹھ کر ٹیلے لگا۔ اچانک مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے سسکی لی ہو۔ میں رک گیا اور کان غور سے لگائے۔ مختلف حشرات اپنے اپنے راگ الاپ رہے تھے مگر شکر ہے ان میں کوئی جھینگڑ نہیں تھا ورنہ اس کی آواز میں کوئی اور آواز کہاں سے سنائی دیتی۔ قدرت نے اس انج سے چھوٹے کیڑے کو کتنی بلند آواز دی ہے جو نصف میل سے زیادہ دوری تک صاف سنائی دیتی ہے۔ یہاں جو بولنے والے حشرات تھے وہ معمولی آوازیں نکال رہے تھے اور اسی وجہ سے وہ سسکی میری سماعت تک پہنچ گئی تھی۔ پہلے میں اسے وہم یا کسی کیڑے کی آواز سمجھا۔ ہوا یہاں چلتی نہیں تھی ورنہ اس کی آواز سمجھتا۔ پہلی بار سنتے ہوئے مجھے لگا کہ سسکی نسوانی ہے۔ میں رک کر کچھ دیر کان لگائے سنتا رہا مگر جب آواز دوبارہ نہیں آئی تو میں پھر ٹیلے لگا تھا۔ ٹیلے کے لیے یہاں مشکل سے بارہ تیرہ فٹ لمبا ایک فٹ پاتھ تھا میں اس پر چکر لگا رہا تھا۔ تیسرے چکر میں واپس آتے ہوئے میں نے اس بار واضح کراہ سنی اور یہ کراہ نسوانی تھی۔ آواز ٹیلے کے نیچے سے اور سامنے سے آئی تھی۔ میں اس جگہ سے نیچے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگرچہ میں نے جھانکنے کی کوشش کی مگر ٹیلے کی ساخت یہاں گولائی لیے ہوئے تھی اور اس کی جڑ تک دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

تیسری بار سسکی کی آواز آئی تو میں سیرھی سے نیچے اترا۔ احتیاطاً میں نے نیزہ لے لیا تھا۔ دبے قدموں نیچے آیا اور پھر دبے ہی قدموں ٹیلے کے سامنے والے حصے کی طرف بڑھا۔ میں ٹیلے کی دیوار کے ساتھ لگ کر آگے بڑھ رہا تھا اور میری کوشش تھی کہ میرے سر کے نیچے کی آواز نہ ہو۔ اوپر ستارے نکل آئے تھے اور کسی قدر روشنی تھی۔ نزدیک آنے پر مجھے سسکیوں کی آواز مسلسل آنے لگی۔ وہ جو بھی تھی رورہی تھی اور کبھی کبھی اس کی بلند آواز نکلتی تھی جو مجھ تک آتی تھی۔ بالآخر میں اس تک پہنچ گیا۔ وہ ٹیلے کی جڑ کے ساتھ لگی بیٹھی تھی اور اس نے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے۔ وہ ٹیلے کی جڑ میں اس طرح کھسی ہوئی تھی اگر اس کی آواز نہ آ رہی ہو تو میں اسے گول مول سا پتھر ہی سمجھتا جو ٹیلے کے ساتھ موجود تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور آہستہ سے اسے آواز دی۔

”روبیہ.....“

اس نے چیخ ماری اور اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ مگر میں نے اسے پکڑ لیا اور تب انکشاف ہوا کہ اس کے بدن پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ چل رہی تھی اور خود کو چھرانے کی دیوانہ وار کوشش کر رہی تھی۔ میں اسے آواز دے رہا تھا اپنی شناخت کر رہا تھا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس وقت ہسٹریا کی کیفیت میں تھی۔ جب اس کی آوازیں ہسٹریائی انداز میں بلند ہونے لگی تھیں اور مجھے خطرہ ہوا کہ دشمن نہ سہی

کہیں اس کی آوازیں کسی خطرناک درندے کو متوجہ نہ کر لیں۔ تو مجبوراً میں نے اسے ایک ہاتھ سے قابو کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر تھپڑ مارا اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ دوسرے تھپڑ میں وہ میرے ہاتھوں میں جھول گئی۔ وہ نیم بے ہوش ہو گئی تھی۔

میں نے اسے اٹھا کر شانے پر ڈالا اور کسی نہ کسی طرح اوپر نیلے پر لے آیا۔ کیمین میں بستر پر لٹا کر میں نے پہلے شعل کی روشنی میں دل کڑا کر کے اس کا جائزہ لیا۔ اس کا بدن خراشوں اور معمولی زخموں سے بھرا ہوا تھا مگر یہ کسی انسان کی کارستانی نہیں تھی۔ وہ یقیناً اس حالت میں جہاز یوں سے گزرتی رہی تھی اور اس کی یہ حالت ہوئی تھی۔ پورا جسم مٹی مٹی ہو رہا تھا۔ مگر اس کی حالت کی وجہ جسمانی زخم نہیں بلکہ ذہنی صدمہ تھا اور میں کسی حد تک اس کا سبب بھی سمجھ رہا تھا۔ دو تھپڑ کھا کر وہ نیم بے ہوش ہوئی تھی مگر اوپر لاتے لاتے وہ گہری غنودگی میں چلی گئی۔ شاید اس کے لاشعور نے سمجھ لیا کہ اب وہ محفوظ ہے اور بے ہوش ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے اسے پلٹ کر بھی دیکھا۔ اس کے جسم پر کیمین کوئی بڑا زخم نہیں تھا اور نہ ہی کیمین سے خون برس رہا تھا۔

میں نے تھیلے میں موجود ایک چھوٹا سا کپڑا نکالا اور ایک برتن میں پانی نکال کر اس سے کپڑا بھگو کر روہیر کا پورا جسم صاف کیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں بہت مٹی زدہ ہو رہے تھے۔ میں بس کسی حد تک صاف کر سکا تھا۔ مجھے اپنی نظر بچا کر یہ کام کرنا پڑ رہا تھا۔ روہیر صرف صورت کی ہی نہیں بدن سے بھی دلکش تھی۔ گرد مٹی اور زخموں اور خراشوں میں بھی اس کا حسن جگمگا رہا تھا۔ اس لیے بھی مجھے دشواری پیش آئی۔ میں عورت کا احترام کرنے والا شخص ہوں مگر خدا نے اس مخلوق کو ایسا بنایا ہے کہ آدمی کی توجہ خود اس کی طرف جاتی ہے۔ آخر میں، میں نے اسے اپنا اتارا اور دھویا ہوا کرت لاکر پہنایا اور اطمینان کا سانس لیا۔ کرتہ کسی قدر نم تھا مگر مجھے امید تھی کہ روہیر کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ موسم نہ ہونے کے برابر سرد تھا بلکہ اسے خوشگوار بھی مشکل سے کہا جاسکتا تھا۔ روہیر کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے مگر میں نے اسے پانی دینے سے گریز کیا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ کچھ دیر آرام کرے جلدی ہوش میں آنے سے اس کی حالت پھر خراب ہو سکتی تھی۔ وہ جتنی دیر آرام کرتی اس کے دماغ اور اعصاب کے لیے اتنا ہی اچھا ہوتا۔

ویسے بھی میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ یقیناً اسے پوری طرح سزا دی گئی تھی جیسا کہ سومرو نے بتایا تھا کہ شہر بدر ہونے والوں کے کپڑے بھی اتار لیے جاتے ہیں۔ روہیر کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔ شہر بدر کرنے سے پہلے اس کا لباس اتار لیا گیا تھا۔ وہ آبادی سے نکلنے کے بعد جنگل اور ویرانے میں بھگتی رہی ہوگی۔ اس دوران اسے مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا ہوگا۔ جہاز یوں اور چٹانوں سے اس کے نازک وجود نے زخم کھائے تھے اور شاید تار بکی چھانے پر اس کے حواس جواب دے گئے تھے۔ مگر اس کی ہسٹریا کی اصل وجہ اس کے ساتھ کیا جانے والا سلوک تھا۔ اسے بے لباس کر دیا گیا تھا اور اس کی نوانیت یہ توہین برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی خوش قسمتی کہ وہ کسی درندے کے ہاتھ نہیں آئی۔ نہ دو پیروں والے اور نہ چار پیروں والے۔ ورنہ شاید اس وقت زندہ نہ ہوتی۔ دوسری خوش قسمتی یہ رہی کہ وہ یہاں تک چلی آئی جہاں میرے پاس ایک محفوظ ٹھکانہ تھا۔ اب وہ یہاں محفوظ تھی۔



میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ جب اس نے میرے خلاف سازشیوں کا ساتھ دیا تھا تب اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں ہوا؟ بے ہوشی کی نیند سوتے ہوئے وہ اتنی معصوم لگ رہی تھی کہ میرے لیے یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا یہ وہی لڑکی ہے جس نے مجھ پر بدترین الزام لگایا اور اپنے حوالے سے اس کی تصدیق بھی کی تھی۔ وہ میرے خلاف استعمال ہوئی تھی۔ اس کی وجہ کچھ بھی رہی ہو۔ جلدوجہ بھی میرے سامنے آ جاتی۔ رویہ کے یوں آنے سے ایک فائدہ ہوا کہ میں جو نیند سے بے حال ہو رہا تھا میری نیند اڑ گئی تھی اور اب میں ذہنی طور پر خود کو چاک و چوبند محسوس کر رہا تھا۔ رویہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں دوبارہ باہر نکل آیا۔ میں نے ایک مشعل اور جلالی اور اسے باہر لگا دیا۔ آج بھی آسمان پر چاند نہیں تھا۔ ابتدائی دنوں کا چاند تھا جو نکل کر جلد غروب ہو جاتا ہوگا اس لیے وادی کے باسی ان دنوں آسمان کی جھلک سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔

جب رویہ نے عدالت کے روبرو اعتراف کیا تو میرا اس پر غصہ لازمی تھا اور اگر اس وقت مجھے موقع ملتا تو شاید میں اس کی گردن مروڑ دیتا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا غصہ سرد ہونے لگا تھا۔ پھر مجھے لگا کہ میرے حق میں یہی بہتر تھا۔ جہاں تک وادی کے لوگوں کا تعلق تھا مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور میرا ضمیر مطمئن تھا۔ اس لیے کوئی مجھ پر الزام لگاتا تھا یا اسے ثابت کرتا تب بھی مجھے پروا نہیں تھی۔ میرے جذبات پر اب تجسس غالب تھا کہ رویہ نے ایسا کیوں کیا؟ اسے یوں جھوٹا الزام اپنے اور میرے سر لینے پر کس نے مجبور کیا اور ایسی کیا مجبوری تھی جو وہ اتنا بڑا جھوٹ بولنے پر مجبور ہوئی؟ یہ سب رویہ خود بتا سکتی تھی اور اب وہ میرے قبضے میں تھی اسے زبان کھولنا ہی پڑتی۔ اس لحاظ سے میں خوش قسمت تھا کہ وہ بھٹکتے ہوئے میرے پاس چلی آئی۔ یقیناً اسے علم ہوتا کہ یہاں میں ہوں تو وہ کبھی اس جگہ کا رخ نہ کرتی۔ میں نصف رات تک باہر ہا پھر اندر آیا تو رویہ نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ہوش میں آگئی تھی مگر مجھے دیکھ کر سوتی بن گئی۔ شاید وہ ڈر رہی تھی۔ میں نے منٹے سے پانی نکالا اور اس سے کہا۔

”اٹھ جاؤ اور پانی پی لو۔ تمہیں ضرورت ہے۔“

اس نے آنکھیں کھولیں اور اٹھ بیٹھی۔ میں نے اس کی طرف پیالہ بڑھایا تو اس نے میری طرف دیکھے بغیر پیالہ لیا اور ایک ہی بار منہ سے لگا کر خالی کر دیا۔ اس سے پتا چلا کہ وہ کس قدر پیاسی تھی اسے یقیناً اور پانی کی ضرورت تھی مگر میں نے مزید پانی نہیں دیا اور اس سے پیالہ لے کر رکھ دیا۔ وہ خاموش اور سہمی ہوئی تھی۔ شاید اس کی خواہش تھی کہ میں اس سے بات کروں۔ مگر میں نے بات نہیں کی اور باہر جانے لگا تو اس نے کہا۔ ”آپ نے مجھے کیوں بچایا؟“

”تا کہ تم آئندہ بھی مجھے دھوکا دے سکو۔“ میں نے تلخ لہجے میں کہا اور باہر نکل آیا۔ اس وقت مجھے پھر غصہ آ گیا تھا اور میرا سر گرم ہو رہا تھا۔ میں فی الحال اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے یہ خوف تو نہیں تھا کہ میں اسے کوئی جسمانی گزند پہنچا سکتا ہوں۔ کسی عورت پر غصے میں بھی ہاتھ اٹھانا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ لیکن میرے منہ سے اس کے لیے کچھ غلط سلط نکل جاتا تو مجھے اس کا افسوس رہتا۔ میں ہر حال میں عورت کی عزت کا قائل ہوں۔ کھلی فضا میں آکر اور چند گہرے سانس لے کر میں نے خود کو بہتر محسوس کیا۔ یہ بات رویہ نے بھی محسوس کر لی اور اس نے فوری میرے پیچھے آنے کی کوشش نہیں کی۔ خاصی دیر بعد وہ اندر سے برآمد ہوئی۔ میرا کرتب اسے

پیروں سے بھی نیچے تھا۔ اس نے اسے سمیٹ کر اوپر کیا ہوا تھا۔ میں نے کمر بند بھی نہیں پہنایا تھا اس لیے کرتہ پھیل رہا تھا اور اسے سنبھالنا پڑ رہا تھا۔ میں ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر دوسرے پتھر پر بیٹھ گئی۔

”میں معافی نہیں مانگوں گی۔“

میں نے طنز آؤ چھا۔ ”کیونکہ تم اس کی قائل نہیں ہو؟“

”نہیں بلکہ اس لیے کہ میں نے جو کیا اس کے لیے معافی بہت چھوٹا سا لفظ ہے۔ میں تو سزا کی مستحق ہوں۔“

اس بار میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ”تو تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے؟“

”ہاں، اگر آپ مجھے جانتے ہیں تو یہ بھی جان گئے ہوں گے کہ میں نے کس قدر مجبور ہو کر آپ کے اور اپنے خلاف بیان دیا۔ دیکھا جائے تو میں نے خود کو سزا دلوائی ہے اور خود کو سزا کون دلاتا ہے؟“

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی اگر اس کے بیان سے مجھے سزا ہوئی تھی تو اسے یہی سزا زیادہ اذیت ناک انداز میں بھگتنا پڑی تھی۔ میں نے پھر کسی قدر طنز سے کہا۔ ”ان لوگوں نے تمہیں نہیں بچایا جنہوں نے تمہیں اس کام پر آمادہ کیا۔“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”مجھے مجبور کیا گیا تھا مجھ سے کوئی وعدہ نہیں کیا گیا تھا کہ مجھے بچا لیا جائے گا۔“

”آخر ایسی کیا بات تھی جو تم نے اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا دی۔ تم جانتی ہو آبادی سے نکل کر کوئی شخص زیا

دیر زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔“

اس کا سر جھک گیا۔ ”میں نہیں بتا سکتی۔“

”کیوں؟“

اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ”بس نہیں بتا سکتی۔“

”تمہارے کسی پیارے کی جان خطرے میں ہے؟“ میں نے اچانک کہا تو اس کے چہرے پر حیرت آئی۔ شاید اسے تعجب ہوا تھا کہ میں یہ کیسے جان گیا۔ اس نے سنبھل کر انکار میں سر ہلانا چاہا مگر میں نے موقع نہ دیا۔ ”یہی بات ہے، کون ہے وہ؟ تمہارے ماں باپ، بہن بھائی یا کوئی ایسا فرد جو تمہیں محبوب ہو۔“

”آپ..... آپ کو کیسے پتا چلا؟“ وہ ہشکل بولی۔

”بس پتا چل گیا۔ مگر وہ فرد کہاں ہے۔ اس نے اس مشکل میں تمہارا ساتھ نہیں دیا؟“

روہیر جلدی سے بولی۔ ”اسے علم نہیں ہے۔“

”اس کا تعلق آرگون سے ہے؟“ میں نے ایک بار پھر تکا مارا۔

روہیر نے گہری سانس لی۔ ”ہاں، اس کا تعلق آرگون سے ہے۔“

”تمہاری اس سے ملاقات کیسے ہوئی؟“

”اتفاق سے۔“ وہ بولی۔ ”میں ایک دن باغات سے ہوتی ہوئی غلطی سے آرگون کے باغوں کی طرف نکل گئی۔ وہاں شامین موجود تھا۔“

میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ”شامین؟“

”وہ آرگون کی فوج میں شامل ہے۔ اس نے مجھے تنہا پایا تھا مگر اس نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی اور بہت شرافت سے پیش آیا۔“

روبیر کو اس کی شرافت اور شخصیت نے متاثر کیا ہوگا۔ ”پھر اس سے دوسری ملاقات کب ہوئی؟“

”چند دن بعد۔“ وہ جھجک کر بولی۔ ”میں اسی جگہ گئی۔“

”اور وہ وہاں موجود تھا۔“ میں نے کہا۔ ”یقیناً اسے بھی تمہارا انتظار ہوگا؟“

روبیر کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے سر ہلایا۔ ”ہاں وہ بھی میرا انتظار کر رہا تھا۔“

”اس کے بعد بھی تمہاری ملاقاتیں ہوتی رہیں؟“

”کئی بار۔“ روبیر نے گہری سانس لی۔ ”اس نے مجھ سے کئی بار کہا کہ میں اس کے ساتھ آرگون چلوں مگر

میں نہیں گئی۔ میں اپنے گھر والوں اور یہاں کے لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔“

”تم نے اس سے کہا کہ وہ تمہارے ساتھ آجائے؟“

”ہاں مگر اس کی بھی مجبوریاں ہیں۔ اس کے دو بھائی آرگون کی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر ہیں۔ اس کے

ماں باپ اور بہن بھائی ہیں۔ وہ سب کو چھوڑ کر نہیں آسکتا۔ ورنہ ان پر ریٹائڈ کا عتاب نازل ہوتا۔“

”اگر کوئی فرد آرگون چھوڑ کر سمیرا کے پاس آجائے تو اس کے پیچھے رہ جانے والے متعلقین کو سزا ملتی

ہے؟“

بالکل۔“ اس نے کہا۔ ”کئی لوگوں کو سزا میں بھی ہوئی ہیں۔ کچھ کو قید خانوں میں ڈال دیا گیا اور جو لوگ

زیادہ ملوث تھے ان کو سزائے موت بھی دی گئی۔“

میں سوچ میں پڑ گیا۔ روبیر کی باتوں سے ظاہر تھا کہ آرگون والے میری نقل و حرکت سے مکمل واقفیت

رکھتے تھے اور یہی نہیں وہ یہ بھی جانتے تھے کہ روبیر جو میرے ساتھ ہے وہ آرگون کے ایک نوجوان سپاہی سے

محبت کرتی ہے اور یہ محبت اس حد تک ہے کہ روبیر کو شامین کے حوالے سے دھمکی دے کر کچھ بھی منوایا جاسکتا ہے۔

میں نے روبیر سے پوچھا۔ ”تمہیں کس طرح سے دھمکی دی گئی؟“

”میں اس فرد کو نہیں جانتی کیونکہ وہ مجھ سے رات کی تاریکی میں اور منہ چھپا کر ملتا تھا۔“

”تم نے اس کی بات پر کیسے یقین کیا۔“

”اس نے مجھے شامین کے گلے میں موجود لاکٹ دکھایا تھا۔ یہ لاکٹ میں نے اس کے گلے میں دیکھا

تھا۔ اس آدمی نے مجھے بتایا کہ شامین اس وقت حراست میں ہے اور اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو اسے

اڑیتیں دے کر مار دیا جائے گا۔“

”یہ کب کی بات ہے؟“

”سات دن پہلے کی۔“

یعنی جب روبیر کو میرے ساتھ چار یا پانچ دن ہوئے تھے۔ میں نے سوچا اور پوچھا۔ ”وہ شخص کہاں ملا

تھا؟“

”قلعے میں جب میں اپنے گھر جا رہی تھی۔ اس رات میں اپنے گھر چلی گئی تھی۔“ روبیر نے بتایا۔ ”وہ مجھے

ایک تاریکی گلی میں ملا تھا۔“

”اسی نے تم سے کہا تھا کہ رات میرے کمرے میں آؤ؟“

اس سوال پر رویر کا سر پھر جھک گیا تھا پھر اس نے سر ہلایا۔ ”ہاں اس کے حکم پر میں آپ کے پاس آئی تھی۔“

”اس نے کیا کہا تھا مجھے واضح بتاؤ وہ کیا چاہتا تھا؟“

اس سوال کا جواب دینا رویر کے لیے مشکل کام ثابت ہوا تھا اس نے جوائنک انک کر بتایا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اس شخص نے رویر کو حکم دیا کہ وہ میرے کمرے میں جائے اور مجھے مجبور کرے کہ میں اس سے جسمانی تعلق قائم کروں اور جب یہ کام ہو جائے تو وہ شور مچا دے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اللہ نے بہکنے سے پہلے مجھے ہوشیار کر دیا تھا۔ خود رویر بھی دل سے راضی نہیں تھی۔ وہ اپنے محبوب کی خاطر دل پر جبر کرے یہ کام کرنے پر آمادہ ہوئی تھی۔ اس لیے جیسے ہی میری آنکھ کھلی اور میں نے اسے روکا تو وہ رک گئی اور جب میں نے جانے کا حکم دیا تو وہ چلی گئی۔ اس کے بعد دشمنوں کو دوسرا موقع اتفاق سے مل گیا اور میں رویر کے ساتھ ساری رات باہر رہا اور روشٹر ہونے سے پہلے واپس نہیں آسکا۔ اس لیے میرے اور رویر کے خلاف مقدمہ بن گیا۔ میں نے کہا۔ ”جب ہیئر گرفتار کیا گیا تو کیا اس کے بعد پھر اسی شخص نے تم سے رابطہ کیا تھا؟“

اس نے سر ہلایا۔ ”آپ کو یاد ہوگا آپ نے پوچھا تھا کہ میں کہاں گئی تھی تو ایک سپاہی مجھے نکال کر اس عمارت کے ایک کمرے میں لے گیا تھا اور وہاں وہی چادر پوش شخص موجود تھا۔ اس نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میٹر عدالت میں اقرار کروں کہ میں.....“ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

میں سوچ میں پڑ گیا۔ قید خانے کے سپاہی کے ملوث ہونے سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ قلعوں کا کوئی اعلیٰ عہدیدار تھا جس کے حکم کی سپاہی نے تعمیل کی تھی۔ میرا دھیان ایک بار پھر سومرو کی طرف گیا۔ ”تم نے اس کا چہرہ دیکھا۔“

”نہیں دونوں بار وہ چادر میں چھپ کر ملا اور مجھے لگا کہ وہ آواز بدل کر بول رہا تھا۔“

”اس کا مطلب ہے وہ قلعے کا ایسا فرد ہے جس کی آواز سب کے لیے مانوس ہو سکتی تھی۔“

”شاید.....“ وہ بے دھیانی میں بولی۔

”تم نے وہی کیا جو اس نے کہا تھا۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے شامین کو چھوڑ

ہوگا؟“

”میں نہیں جانتی لیکن میں نے اسے بچانے کے لیے یہ سب کیا۔“ وہ کہتے ہوئے روہانسی ہو گئی۔ ”آپ سے معافی بھی نہیں مانگ سکتی میں کیا کروں مجھے محبت نے اتنا مجبور کر دیا۔ مجھے معلوم تھا مجھے بھی ذلت آ سزا ملے گی مگر مجھے کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ میں پاگل ہو گئی ہوں۔ اگر مجھے شامین کے لیے مرنا پڑے تو اس کے لیے بھی تیار ہوں۔“

وہ رونے لگی۔ میں اس کی حالت سمجھ رہا تھا۔ محبت انسان کو کیسے بے بس اور پاگل کرتی ہے یہ میں جانتا تھا۔ یہ کیفیت مجھ پر بھی گزر چکی ہے۔ میں نے اسے رونے دیا کہ اس کے دل کی بھڑاس نکل جائے۔ کچھ دیر

اس کی سسکیاں تھنے لگیں تو میں نے پوچھا۔ ”تم یہاں کیسے آئیں؟“

”آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ مجھے کس طرح باہر نکالا گیا۔ میری کھال اتار لی جاتی تب بھی مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی لباس اتارنے پر ہوئی تھی۔ میرے حواس گم تھے اور مجھے نہیں پتا کہ میں کس طرف جا رہی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں انسانوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں بے شک مجھے اسرار یا گونز کھالیں یا کوئی ہارن مجھے نکلے نکلے کر دیں۔ جب قلعوں سے دور نکل گئی تب بھی مجھے بہت شرم آ رہی تھی اس لیے میں جھاڑیوں میں گھس کر چلتی رہی اور جب چلتے چلتے تھک گئی تو یہاں بیٹھ گئی مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں آپ ہوں گے۔ اگر معلوم ہوتا تو کبھی اس طرف نہ آتی۔ میں تو موت کی تلاش میں تھی۔“

”مگر اوپر والے کو تمہاری زندگی مقصود تھی اس لیے تم یہاں آ گئیں۔“

”لیکن آپ یہاں کیسے آئے کیا یہ جگہ آپ کی ہے؟“ اس نے آس پاس دیکھتے ہوئے کہا۔

”ایسا سمجھ لو۔“ میں نے محتاط انداز میں کہا۔ اگرچہ اس کا انداز کہہ رہا تھا کہ اس نے جو کہانی سنائی ہے وہ سچ ہے مگر اب میں اندازے لگانے کا قائل نہیں رہا تھا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ روہی کی یہاں یوں آمد میرے دشمنوں کی ہی ایک چال ہوئی۔ وہ اعتراف کر چکی تھی کہ میرے دشمنوں کے ہاتھ میں کھیل رہی ہے۔ پوری وادی چھوڑ کر اس کا یہاں آنا بھی نظر انداز کیے جانے والی بات نہیں تھی۔ ممکن ہے وہ اسے شامین کے حوالے سے دہمکی دے کر مجھے قتل کرنے کا کہتے تو روہی یہ کام بھی کر گزرتی۔ میرے لہجے پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر پھیکے انداز میں مسکرائی۔

”آپ محتاط ہیں۔ اچھی بات ہے مجھ سے آپ کو محتاط ہی رہنا چاہیے میں بالکل بھی بھروسے کے قابل نہیں ہوں۔“

”میرا خیال ہے تم آرام کرو۔“ میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ”تمہیں اس وقت آرام کی ضرورت ہے اور اگر بھوک لگی ہو تو اندر رکھے تھیلے میں کھانے کو بہت کچھ ہے۔“

”میں یہاں سے جانا چاہوں گی۔“ اس نے بنجیدگی سے کہا۔ ”آپ نے مجھے لباس دے دیا میرے لیے یہی بہت ہے۔ اب میرے لیے مرنا آسان ہو جائے گا۔“

”تم جذباتی ہو رہی ہو۔“ میں نے بدستور نرمی سے کہا۔ ”میں نے کہا نا تمہیں آرام کی ضرورت ہے اور جہاں تک یہاں سے جانے کی بات ہے تو اسے بھول جاؤ، میں تمہیں کوئی حماقت کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔“

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر سر ہلاتی ہوئی کبین کی طرف چلی گئی۔ میں اس کی طرف سے ہوشیار تھا۔ اگر وہ دشمن کی طرف سے بھیجی گئی تھی یا پھر خود آئی تھی دونوں صورتوں میں مجھے اس پر نظر رکھنی تھی۔ میں وہیں ایک جگہ گھاس پر لیٹ گیا۔ یہ تختہ زیادہ برا تو نہیں تھا مگر میرے لیے کافی تھا اور سب سے بڑی بات تھی کہ اس میں بستر کی سی نرمی تھی۔ مگر میں سونا نہیں صرف آرام کرنا چاہتا تھا اس لیے جب کچھ دیر بعد نیند کے جھونکے آنے لگے تو میں اٹھ بیٹھا۔ جب بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو دوبارہ لیٹ گیا اور جب تیسری بار لیٹا تو مجھے نیند آ گئی۔ مگر میں زیادہ دیر نہیں سویا تھا۔ اچانک ہی میری آنکھ کھلی اور میں کچھ دیر سوچتا رہا کہ میری آنکھ کیوں کھلی ہے۔ تب اچانک مجھے

محسوس ہوا کہ کیبن میں جلنے والی مشعل روشن نہیں تھی۔ میں تیزی سے اٹھا اور کیبن میں جھانکا۔

حسب توقع روئیر وہاں نہیں تھی۔ وہ شاید ابھی نکلے تھی اور کسی آہٹ نے مجھے چونکا دیا تھا۔ میں سیرھی تک آیا اور اترنے سے پہلے میں نے نیچے کا جائزہ لیا اور اس کا فائدہ ہوا تھا۔ کچھ ہی دور مجھے روشنی نظر آئی اور وہ یقیناً اس مشعل کی روشنی تھی جو روئیر نے کر لگی تھی۔ میں اتر کر نیچے آیا اور تیز قدموں سے اس طرف روانہ ہو گیا۔ میرے پاس نیزہ تھا۔ میں نے جان بوجھ کر مشعل نہیں لی ورنہ روئیر اس کی روشنی سے ہوشیار ہو سکتی تھی۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے جا کر دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیوں نکلے تھی؟ جب میں اس جگہ پہنچا جہاں میں نے روشنی دیکھی تھی تو وہاں اب کوئی نہیں تھا اور تاریکی تھی۔ میں سکون سے کھڑا ہو کر نظریں دوڑانے لگا اور اس بار بھی چند لمحوں بعد مجھے روشنی نظر آ گئی۔ وہ کئی سو گز آگے جنگل میں جا رہی تھی۔ میں روشنی کو مد نظر رکھتے ہوئے تیزی سے چلے لگا۔

ابھی تک تارے نکلے ہوئے تھے اس کا مطلب تھا کہ صبح میں کچھ وقت تھا۔ نیچے تاریکی تھی اور مجھے محتاط بھی ہونا پڑ رہا تھا ایک ذرا غلط قدم مجھے مشکل میں ڈال سکتا تھا یا کوئی آواز روئیر کو میرے تعاقب سے خبردار کر دیتی۔ اس لیے مجھے ہر قدم دیکھ کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ روئیر کو روشنی کی سہولت تھی اس لیے وہ تیز چل رہی تھی اور مجھے اس کے پاس جانے کے لیے خاصی جدوجہد کرنا پڑ رہی تھی۔ ایک بار وہ میری نظروں سے اوجھل ہوئی اور مجھے روشنی دیکھنے کے لیے رکنا پڑا تھا۔ اس بار روئیر ایک کھلی جگہ سے گزر رہی تھی اور مجھے اس کے پاس پہنچنے کا موقع مل گیا۔ اس کا رخ ایک چٹان کی طرف تھا۔ میں اس سے دس بارہ قدم پیچھے تھا اور وہ پیچھے دیکھے بغیر چل رہی تھی۔ شاید اتنی دور نکل آنے کے بعد اسے اطمینان تھا کہ میں اس کے پیچھے نہیں آسکوں گا۔ وہ چٹان کے پاس پہنچی اور اس پر چڑھنے کا راستہ تلاش کرنے لگی۔ مگر چٹان اس قسم کی تھی کہ اس پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔

اس کے دوسری طرف کیا تھا یہ مجھے علم نہیں تھا۔ وادی کی دیوار یہاں سے کچھ فاصلے پر تھی۔ روئیر چڑھنے میں ناکامی کے بعد چٹان سے گھوم کر جانے لگی۔ میں نے تیزی دکھائی اور اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ یہ تیزی ہی کام آئی کیونکہ جب میں اس کے پیچھے گھومتا ہوا چٹان کے دوسری طرف پہنچا تو وہ ایک مہیب کھائی کے کنارے کھڑی تھی اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس میں کودنے والی ہو۔ وہ کود بھی جانی مگر شاید اس کے لیے ہمت کر رہی تھی۔ میں تیزی سے لپکا اور بروقت اس کا بازو پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ اس کوشش میں، میں خود اس کے ساتھ جاتے جاتے پچھا تھا کیونکہ وہ تقریباً گودگی تھی اور مجھے اس کو پورے وزن کے ساتھ کھینچنا پڑا تھا۔ وہ جھٹکے سے آئی اور مجھ سے ٹکرائی۔ میرا توازن بگڑا تو وہ مجھ پر ہی گری تھی۔ مشعل ہمارے پاس گری اور اس سے پہلے وہ بھرتی میں نے دوسرے ہاتھ سے اسے اٹھا لیا اس وقت روشنی کے لیے بس یہی ایک چیز تھی۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے روئیر کو مضبوطی سے پکڑا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہ پھر کودنے کی کوشش کرے گی۔ مگر اس نے مزاحمت نہیں کی اور وہ رورہو تھی۔ میں نے اس کے بازو پر گرفت مضبوط کی اور کھڑا ہو گیا۔

”تم خودکشی کرنے یہاں آئی تھیں۔“

”ہاں میں نہیں چاہتی تھی کہ میری لاش کسی کو ملے یا میرے انجام کا کسی کو علم ہو۔“

میں نے مشعل آگے کی اور کھائی میں جھانکا۔ جہاں تک روشنی جاتی تھی اس کی تہہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ اصل میں کھائی نہیں بلکہ بہت بڑا کنواں تھا۔ اس کا قطر کم سے کم بھی سو فٹ تھا۔ گہرائی اس سے کہیں زیادہ تھی

میں نے روپیر کی طرف دیکھا۔ ”تمہیں اس کنویں کا علم ہے۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”تجھی یہاں آئی تھی۔“
”واپس چلو۔“

”مجھے مر جانے دیں۔“ اس نے التجا کی۔

”احقانہ بات مت کرو۔ تمہارے اس طرح مر جانے سے کسی پر کیا اثر ہوگا۔ ہاں وہ لوگ خوش ہوں گے

جنہوں نے تمہیں استعمال کیا۔ تمہیں شامین کا خیال بھی نہیں آیا۔“

”شامین۔“ وہ آہستگی سے بولی۔ ”کیا میں اس کے قابل ہوں؟“

”ایک اور احقانہ بات، تم نے اس پر احسان کیا ہے اس کی خاطر وہ کرنے کو تیار ہو گئیں جو کوئی لڑکی یا

عورت نہیں کر سکتی ہے۔ تم اسے قبول کرو گی تو تمہارا یہ احسان اور ہوگا۔“

”میں ایسا نہیں سمجھتی ہوں۔“

میں نے گہری سانس لی۔ ”اگر تم ایسا سمجھتی ہو تب بھی تمہیں یوں جان نہیں دینا چاہیے۔ زندگی اوپر والے

کی امانت ہوتی ہے اور اسے ہمیشہ کسی اچھے کام میں استعمال کرنا چاہیے۔“

”اچھا کام؟“

”ہاں آگروں کو ان لوگوں سے نجات دلانا کیا اچھا کام نہیں ہے جو تم جیسی لڑکیوں کو اپنے مفاد میں اتنے

گھٹیا انداز میں استعمال کرتے ہیں۔“

وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ ”میں ان کا کیا بگاڑ سکتی ہوں۔“

”یہ میں تمہیں بتاؤں گا۔ اگر تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو۔ دوسری صورت میں یہ کھائی تمہارے سامنے

ہے اور میں تمہیں ہمیشہ نہیں روک سکوں گا۔“ میں نے کہتے ہوئے رسک لیا اور اس کا بازو چھوڑ دیا۔ اگر وہ کنویں

میں کودنے کی کوشش کرتی تو اسے بچانا مشکل ہوتا۔ اس بار اس نے سوچنے میں زیادہ وقت لیا تھا۔ اس نے گہری

سانس لی اور کھائی کی طرف دیکھا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ موقع تو میرے پاس ہمیشہ رہے گا۔“

”یعنی تم نے میرے ساتھ چلنے کا فیصلہ کیا ہے۔“

”ہاں آپ نے کہا نا کہ میں کسی اچھے مقصد کے لیے جان دوں تو میں پہلے اس کی کوشش کروں گی اور اگر

میں اچھے مقصد میں کامیاب نہ ہوئی تو پھر.....“ اس نے جملہ اٹھوڑا چھوڑ دیا اور میرے ساتھ قدم بڑھائے۔ ہم

واپس آنے لگے۔ میرے ساتھ چلتے ہوئے اس نے جھر جھری لی۔ ”پتا نہیں میں کیسے رات میں یہاں تک چلی

آئی۔“

”بنیادی طور پر تم ایک بہادر لڑکی ہو اور خطرات کو خاطر میں نہیں لاتی ہو۔“ میں نے اس کی ہمت افزائی

کی۔ ”ہماری خوش قسمتی کہ اس دوران میں ہمیں کسی جانور سے واسطہ نہیں پڑا۔ دعا کرو کہ جاتے ہوئے بھی کسی

سے واسطہ نہ پڑے۔ ورنہ ہمارے پاس بس یہی ایک نیزہ ہے۔“

مگر دعا قبول نہیں ہوئی اور جب ہم ٹیلے کے نزدیک تھے تو ایک گونر سے واسطہ پڑ گیا۔ وہ اچانک ہی

ہمارے سامنے آیا اور یہ اس کے لیے بھی سر پرانز تھا۔ بد قسمتی وہ رکا ہوا تھا۔ ورنہ وہ حرکت کر رہا ہوتا تو اس کے جسم سے آنے والی ہڈیاں چٹختے جیسی آواز ہمیں پہلے ہی خبردار کر دیتی۔ وہ شاید اس درخت کے تنے سے نگا ہوا آرام کر رہا تھا اور اسی وقت حرکت میں آیا جب ہم اس جگہ سے گزر رہے تھے۔ ایک لمحے کو وہ ششدر ہوا اور مجھے روہر کو پیچھے کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے ایک ہاتھ سے نیزہ اور دوسرے سے مشعل سنبھالی۔ گونز ہماری طرف لپکا تھا۔ میں نے اس کے نزدیک آنے کا انتظار کیا اور جیسے ہی وہ پاس آیا میں نے مشعل لہرائی اور اس کے منہ پر ماری۔ لہرانے سے مشعل بھڑکی تھی اور اس کا شعلہ بڑھ گیا تھا۔ گونز نے شاید زندگی میں پہلی بار آگ کا شعلہ براہ راست اپنے منہ پر محسوس کیا تھا۔ اس نے منمناتی ہوئی آواز نکالی اور پیچھے ہٹ گیا۔

تقریباً چھ فٹ قامت اور درجہ جیسی جسامت والے اس جانور کے بچے ریچھ سے زیادہ چوڑے تھے اور یہی پنچ اس کا ہتھیار تھا۔ میں نے نیزے سے اس کی توجہ بھٹکانی اور اچانک ہی مشعل اس کے سینے پر موجود گھنے بالوں سے لگادی۔ اس نے منمن کر ہاتھ مارا مگر میں مشعل پیچھے کر چکا تھا۔ جب اس کا ہاتھ اپنے سینے سے لگا تو میں نے مشعل اس کے ہاتھ سے لگادی۔ یہاں بال زیادہ لمبے تھے اور انہوں نے آگ پکڑ لی۔ گونز نے بوکھلا کر ہاتھ ہلایا اور آگ بجھانے کی کوشش کی مگر وہ ہوا سے اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ ابھی وہ اس آگ سے الجھا ہوا تھا کہ میں نے اس کی کمر سے مشعل لگادی۔ اسے اس وقت پتا چلا جب اس کی کمر کے بالوں نے بھی آگ پکڑ لی۔ اب وہ دو طرف سے گھر گیا تھا اور اس موقع پر اس نے درست کام کیا کہ زمین پر گر کر لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ موقع تھا ہمارے پاس اور ہم بھاگے۔ روہر پہلے ہی بھاگ کر ٹیلے تک پہنچ چکی تھی۔ میں بھی بھاگا اور جب تک گونز کھڑا ہوتا میں ٹیلے کے پیچھے آ گیا تھا میں نے مشعل اوپر پھینکی اور خود بھی سیزر ہیاں چڑھ کر اوپر آ گیا۔ روہر کنارے لیٹی ہوئی نیچے دیکھ رہی تھی۔ میری پھینکی مشعل اس نے اٹھالی تھی۔

”وہ کہاں ہے؟“

”شش۔“ میں نے کہا اور اس سے لے کر مشعل بھادی کیونکہ کہیں کے آگے ایک مشعل اور جل رہی تھی اور دو مشعلوں کی روشنی یقیناً زیادہ ہو جاتی۔ گونز چند لمبے بعد نمودار ہوا۔ وہ تیزی سے آیا تھا اس لیے بے آواز تھا۔ یہاں آ کر اس نے چاروں طرف دیکھا مگر ہم کہیں نظر نہیں آئے۔ کیونکہ وہ خود ٹیلے پر نہیں چڑھ سکتا تھا اس لیے اسے یہ خیال بھی نہیں آیا کہ ہم اوپر ہو سکتے ہیں۔ اس کے بالوں سے لگی آگ بجھ گئی تھی مگر ہلکا سا دھواں اٹھ رہا تھا اور جلنے کی بدبو یہاں تک آ رہی تھی۔ وہ غرا تا نہیں تھا بلکہ منمناتا تھا۔ اس وقت بھی کچھ دیر منمناتا رہا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ ہم نے سکون کا سانس لیا تھا۔ یہ سب سے کم خطرناک جانور تھا اور اس سے بھی ہم بمشکل بچے تھے اس کی جگہ اسمار ہوتا تو اور مشکل میں پڑ جاتے اور ہارن سے تو بس اللہ ہی بچائے۔ مگر اسمار اور ہارن کے برعکس اس کی جسمانی ساخت ایسی تھی کہ یہ سیزر ہیاں چڑھ سکتا تھا اگر وہ اسے نظر آ جاتیں۔ میں نے مشعل بھادی کو اسے سیزر ہیاں نظر نہ آئیں۔ اس وقت تک روشنی نمودار ہونے لگی تھی۔ میں نے روہر سے کہا۔

”تم نے کچھ آرام کر لیا ہے اب میری باری ہے تم یہاں پہرہ دو اگر کوئی بات ہو تو مجھے جگا دینا۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”میں جگا دوں گی۔“



میں کیبن میں آیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ رویہ کی خودکشی کی کوشش نے اس کی طرف سے میرے شکوک رفع کر دیئے تھے اور اب میں اس پر پورا نہیں لیکن خاصی حد تک اعتماد کر رہا تھا۔ اگر وہ دشمنوں کی طرف سے آئی ہوتی تو یوں اپنی جان دینے کی کوشش نہ کرتی۔ پھر بھی اس کی سب سے بڑی کمزوری شامین میرے دشمنوں کے قبضے میں تھا اور وہ اسے استعمال کر کے رویہ سے کچھ بھی کروا سکتے تھے۔ میں سو گیا اور جب خود آنکھ کھلی تو دن خاصا روشن ہو گیا تھا۔ رویہ نے مجھے نہیں اٹھایا تھا بلکہ وہ خود باغ میں گھاس کے تختے پر سو رہی تھی اس نے بھی نگرانی کے لیے اسی جگہ کا انتخاب کیا تھا اور گھاس کی نرمی نے اسے سلا دیا تھا۔ میرا بڑا کرتہ پڑکا نہ ہونے کی وجہ سے اس کے جسم پر بے ترتیب ہو رہا تھا۔ یہ پیروں پر گھٹنوں سے اوپر ہو گیا تھا۔ اس کی شفاف پنڈلیوں اور رانوں پر جہاں جہاں زخم تھے وہ اب سرخی مائل ہو رہے تھے اور ان میں سے کچھ یقیناً پک رہے ہوں گے۔ میں نے کھنکھار کر اسے خبردار کیا۔ وہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی اور پھر جلدی سے کرتہ اپنے پیروں پر کیا۔ اس نے خفت سے کہا۔ ”وہ مجھے پتا نہیں چلا کہ کب سو گئی؟“

”اچھا ہوا تم نے بھی آرام کر لیا۔“

اس نے ہچکچا کر کہا۔ ”وہ مجھے منہ ہاتھ دھونا ہے۔“

میں سمجھ گیا۔ میں اسے لے کر ندی تک آیا اور میں نے اسے مشورہ دیا۔ ”تم نہالو، میں یہاں پودوں کے پیچھے موجود ہوں۔ مگر جلدی کرنا یہ جگہ محفوظ نہیں ہے۔“

”ہاں میں مٹی مٹی ہو رہی ہوں۔“ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور میں واپس ٹیلے کی طرف آ گیا۔ وہ کچھ دیر بعد گیلے بالوں سے پانی نچوڑتی نمودار ہوئی۔ ”اب آپ چلے جائیں۔“

میں منہ ہاتھ دھو رہا تھا کہ کوئی چیز تیزی سے پانی سے اچھل کر کنارے پر گری۔ میں نے چونک کر دیکھا یہ خاصی بڑی سی مچھلی تھی۔ شاید وہ میری پانی میں موجودگی سے ڈر گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ واپس جاتی میں نے اسے دبوچ لیا۔ مچھلی نے تڑپ کر خود کو چھڑانا چاہا اور وہ شاید کامیاب بھی ہو جاتی کیونکہ اس کا جسم چمکتا تھا۔ میرے لیے گرفت برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس لیے میں نے اسے ندی سے دور پودوں میں اچھال دیا اور پھر نیزہ اٹھاتے ہوئے اس طرف لپکا۔ میں نے پودوں میں تڑپتی مچھلی کو نیزے میں پرو دیا۔ وہ کچھ دیر ملتی رہی پھر ساکت ہو گئی۔ یہ اچھی خاصی بڑی اور کوئی ڈھائی کلو گرام وزنی مچھلی تھی۔ اس کے جسم پر چھلکے کے بجائے کھال تھی اور منہ کھا مچھلی جیسا تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کہ اس وادی میں آنے کے بعد پہلی بار مجھے گوشت نصیب ہونے والا تھا۔ ورنہ اب تک سبزیوں اور دودھ وہی، مکھن پر گزرا چل رہا تھا۔ میں مچھلی لے کر اوپر پہنچا تو رویہ حیران ہوئی۔

”یہ کیسے پکڑی یہ بہت مشکل سے ہاتھ آتی ہے۔“

”بس خود ہی آگئی۔“ میں نے اسے نیزے سے الگ کیا۔ پھر نیزے کی انی سے ہی اس کا پیٹ صاف کیا۔ سر اور کھال اتاری اور اس کے ٹکڑے کیے۔ یہ کام آسان نہیں تھا مگر میں نے کسی نہ کسی طرح کر لیا۔ پھر لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی اور اس پر مچھلی کے قتلے بھون کر ناشتہ کیا۔ رویہ اب نارل تھی۔ مچھلی بھوننے کا کام اس نے کیا۔ اس کے اندر کا حال تو اسے ہی معلوم تھا مگر اوپر سے وہ کبھی کبھی بولتی اور مسکراتی بھی تھی۔ اس پر جو

گزری تھی وہ اس کے لحاظ سے بہت بڑی قیامت تھی۔ جو اس نے جانتے بوجھے صرف اپنے محبوب کی خاطر قبول کی تھی۔ اسے کچھ وقت چاہئے تھا اس ذلت کو بھولنے کے لیے۔ وہ اس کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ اس نے اچانک پوچھا۔ ”اب آپ کیا کریں گے؟“

”ہونے والی جنگ میں اپنا کردار ادا کروں گا۔“ میں نے جواب دیا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

”اس کے باوجود جو آپ کے ساتھ ہوا ہے؟“

”ہاں کیونکہ اصل میں تو یہ آرگون والوں کی سازش ہے۔ وہاں بیٹھے میرے دشمنوں کا کام ہے اور مجھے ان

کی سازش کو ناکام بنانا ہے۔“

”آپ اس جنگ میں سامیرا کی وجہ سے شامل ہو رہے ہیں؟“

”ایک وجہ تو یہ بھی ہے لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ دنیا میں میرے کچھ دشمن ہیں جو مجھے یہاں لائے ہیں اور وہ

اس وقت ریٹا کے مہمان ہیں۔“

روبر اچھل پڑی۔ ”باہر سے آنے والے کچھ لوگ ریٹا کے مہمان ہیں۔“

”ہاں۔“ میں نے تنگی سے کہا۔ ”جس بات پر کیڑ جیسے اچھے انسان کو سزائے موت دی گئی وہی جرم اس

سے کہیں بڑھ کر آرگون کے حکمران نے کیا ہے۔“

”تب آپ نے یہ بات سامیرا اور دوسروں کو کیوں نہیں بتائی۔ جب کیڑ کو سزائے موت دی جا رہی تھی

تب کیوں نہیں بتائی۔“

”سامیرا کو علم ہے۔“ میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”برف والے نے ہمیں منع کیا تھا کہ ہم ریٹا کے

پاس موجود باہر سے آنے والوں کا ذکر نہ کریں۔“

روبر نے مجھے غور سے دیکھا۔ ”اب آپ کو مجھ پر اعتبار ہو گیا ہے تو مجھے بتادیں کہ یہاں آپ کو کس نے

پہنچایا ہے؟“

”ریک نامی نوجوان نے جو سامیرا کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسے سامیرا نے میری مدد پر

مamor کیا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ مجھے اس پر پورا یقین نہیں ہے۔“

روبر نے سر ہلایا۔ ”میں اسے جانتی ہوں اور بظاہر وہ اچھا انسان ہے۔“

”اسی نے اس جگہ پہنچایا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ وہ ہر تیسرے دن میرے پاس آئے گا۔“

”اگر وہ دشمن کا آدمی ہوتا تو اب تک دشمن یہاں آچکے ہوتے۔“ روبر نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”مجھے لگتا

ہے وہ آپ سے بہت خوف زدہ ہیں اور ہر صورت آپ سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔“

”یہ حقیقت ہے۔ انہوں نے پہلے مجھے خود سزائے موت دینا چاہی مگر کیڑ عین موقع پر نجات دہندہ بن

کر آ گیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں سامیرا کی مدد کر رہا ہوں تو انہوں نے یہ چال چلی۔“

روبر بولی۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ریٹا ہم سے کہیں زیادہ

طاقتور ہے تو اس نے اب تک ہم پر حملہ کیوں نہیں کیا ہے۔“

روبر کے اس سوال نے میرے دماغ میں جیسے ایک کھڑکی سی کھول دی تھی۔ میں نے بے ساختہ کہا۔

”سامیر اور برف والے کو یقین ہے کہ میں جس کے ساتھ ہوں گا اسے فتح ملے گی اور ممکن ہے یہی سوچ ریٹا کی بھی ہو اس لیے وہ پہلے مجھے سامیر اسے الگ کرنا چاہتا تھا اور اس میں کامیاب رہا، اب مجھے یقین ہے وہ جلد حملہ کرے گا۔“

رویر بے چین ہو گئی۔ ”اور آپ سامیر اسے دور ہیں۔ اس کی فوج کو شکست ہوگی۔“
 ”اللہ نے چاہا تو ایسا نہیں ہوگا۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”سنو تم میں ہمت ہے۔“
 اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ”کیا مطلب؟“
 ”ہمیں دور جانا ہے اور شاید مشکل مرحلوں سے گزرنا پڑے۔“
 اس نے جھرجھری لی۔ ”ہارن اور اسمار.....؟“

”نہیں ان کی فکر مت کرو میرے پاس ان کا توڑ ہے۔ مگر ہمیں دور جانا ہوگا اور شام سے پہلے واپس بھی آنا ہے۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”میں تیار ہوں۔“

میں نے تیاری شروع کر دی۔ سب سے پہلے رویر کے لباس کا مسئلہ حل کیا۔ میرا کرتہ بڑا تھا اور کچھ زیادہ ہی کھلا ہوا تھا۔ میں نے اس کا ٹیلا ایک بالشت کا حصہ پھاڑا اور اسی کی مدد سے پنکا بنا کر رویر نے اپنی کمر سے باندھ لیا۔ پاجامے کی مجبوری تھی مگر کرتہ ویسے ہی پیروں تک آ رہا تھا اس لیے ستر پوشی ہو رہی تھی۔ پنکا باندھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ ”اب بہتر ہے ورنہ تو یہ قابو میں نہیں آ رہا تھا۔“

وہ ماہر تیر انداز تھی اس لیے کمان اور ترکش اس کے حوالے کر دیا۔ خود میں نے نیزہ لیا تھا۔ پھر میں نے محلول نکالا اور اس کی مخصوص مقدار نکال کر پہلے رویر کو دی۔ مجھے یاد تھا کہ کیرٹ نے مجھے کتنی مقدار میں محلول بھیجا تھا۔ اس بوتل میں اس جیسی کوئی ایک درجن خوراکیں تھیں۔ اس نے تجسس سے پوچھا۔ ”یہ کیا ہے؟“
 ”یہ شربت پی لو، اسے پینے کے بعد تمہیں پسینہ آئے گا جس میں مخصوص مہک شامل ہوگی اور اس مہک کی وجہ سے ہارن، اسمار اور گونز جیسے خطرناک جانور پاس نہیں آئیں گے۔“
 اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ”سچ میں، میں نے آج تک کسی ایسے شربت کے بارے میں نہیں سنا۔“

”اسے سامیر ا کے باپ اور گان نے ایجاد کیا تھا اور جب وہ مہا پجاری بنا تو یہ محلول معبد کے رازوں میں شامل ہو گیا اس لیے عام افراد اس کے بارے میں نہیں جانتے ہیں۔“
 ”آپ جانتے ہیں؟“

”ہاں یہاں آنے سے پہلے ہی اس سے واقف تھا اور یہاں آنے کے بعد اس کا عملی تجربہ بھی کیا۔ سچ سچ درندے میرے پاس آنے سے گریز کرتے تھے اور میں آرام سے جنگل سے ہوتا ہوا تم لوگوں تک آ گیا۔“
 ”اس کا اثر کتنی دیر رہتا ہے۔“
 ”کم سے کم دس بارہ گھنٹے رہتا ہے۔“

رویر نے محلول پی لیا اور پھر منہ بنایا۔ ”عجیب سا ذائقہ ہے۔“

”کچھ دیر بعد بہتر محسوس ہو گا۔“ میں نے کہا اور پیالے میں نکال کر خود بھی محلول پیا۔ سامیرا نے جوتھیلہ بھیجنا تھا اس میں چمڑے کی ایک چھانگل بھی تھی۔ اس میں آرام سے ڈیڑھ دو لیٹر پانی آسکتا تھا اور اس میں گلتے سے سے اسے شامیے پر لا دیا جاسکتا تھا۔ میں نے اس میں پانی بھرا۔ رویہ نے کچھ بیٹھی نکلیاں ساتھ لے لیں۔ دو عدد تازہ مشعلیں اور ان کو جلانے کے لیے تیلیاں بھی ساتھ لیں اور ہم روانہ ہوئے۔ گزشتہ روز درخت پیائی کر کے میں نے جو ست تعین کی تھی۔ اسے ذہن میں رکھتے ہوئے سفر شروع کیا۔ رویہ نے پوچھا۔

”ہم کہاں جا رہے ہیں؟“

”آرگون اور معبد کے درمیان ایک جگہ۔“

”وہاں کیا ہے؟“

”آرگون اور معبد کو ملانے والی سرنگ اسی جگہ سے گزرتی ہے۔“ میں نے جواب دیا تو رویہ خاموش ہو گئی۔ ابھی دن نصف نہیں ہوا تھا۔ مگر روشنی بہت تیز تھی اور ہلکی سی گرمی کا احساس بھی ہو رہا تھا اور یہ اچھا ہوا کیونکہ ذرا سا چلنے سے ہمیں پسینہ آنے لگا اور رویہ نے کہا۔ ”میرے پاس سے عجیب سی بو آ رہی ہے۔“

”یہی بو ہمیں جانوروں سے محفوظ رکھے گی۔“

اس نے ذرا نزدیک ہو کر مجھے سونگھا۔ ”آپ کے پاس سے بھی آ رہی ہے۔“

”یہ اچھا ہوا کیونکہ یہاں کچھ پتائیں کب کس جانور سے سامنا ہو جائے۔“ میں نے سر ہلایا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہمیں کوئی دس میل دور جانا تھا اور اس نارمل رفتار سے اتنا فاصلہ طے کرنے میں تین سے چار گھنٹے لگ سکتے تھے مگر میں نے رفتار کسی قدر تیز رکھی تھی۔ رویہ کا خیال کرتے ہوئے رفتار کو اتنا تیز بھی نہیں کیا تھا کہ اسے بھاگنا پڑتا اور نہ ہی اتنی کم تھی کہ تین چار گھنٹے تک سفر کرتے رہتے۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں آنے جانے میں پانچ سے ساڑھے پانچ گھنٹے لگتے تو ہم تین چار گھنٹے وہاں سرنگ میں اترنے والا راستہ تلاش کر سکتے تھے۔ ہمیں لازمی آج ہی واپس آنا تھا چاہے اس میں نصف رات ہی کیوں نہ ہو جائے۔ دوسری صورت میں محلول کا اثر ختم ہو جاتا اور ہم درندوں کے خلاف اپنی ڈھال سے محروم ہو جاتے۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم گیارہ بجے روانہ ہوئے تھے تو ابھی دن کی روشنی کے ہی آٹھ گھنٹے باقی تھے۔



جنگل سے گزرتے ہوئے ہم کسی قدر کھلی جگہ آئے اور یہاں ہمیں پہلے خطرے سے واسطہ پڑا۔ یہ ایک اسار تھا جو دیکھنے میں بہت کمزور اور بیمار لگ رہا تھا۔ شاید وہ کسی قابل نہیں رہا تھا اور اسے جھنڈ سے نکال دیا گیا تھا۔ مگر ہمارے لیے وہ بھی کافی تھا۔ وہ غراتا ہوا ہماری طرف لپکا اور رویہ جھج مار کر میرے پیچھے ہو گئی۔ اسار دوڑتا ہوا آیا اور پھر ہمارے پاس پہنچ کر یوں رکا جیسے درمیان میں کوئی دیوار آ گئی ہو۔ اس نے منہ اٹھا کر سونگھا اور ناپسندیدہ انداز میں غراتا ہوا پیچھے ہٹا۔ کئی بار اس نے آگے آنے کی کوشش کی اور میں نیزہ لے کر بالکل تیار تھا۔ جانور کا کیا بھروسہ اگر وہ پاگل ہو جائے تو شاید اس بو کی پروا بھی نہ کرے۔ مجھے اعتماد تھا کہ میں نیزے سے اس اسار کو قابو کر سکتا تھا۔ دوسری طرف رویہ نے بھی تیر کمان نکال لیا اور اسار کی طرف تیر کا رخ کر لیا تھا کہ وہ غراتا ہو فرار ہو گیا۔ اس گرگ باران دیدہ کو تیر کی خطرناکی کا خوب علم تھا۔

”شکر ہے بھاگ گیا۔“ روہیر نے تیر واپس ترکش میں رکھا اور کمان کمر سے لٹکالی۔ ”یہ چیز حیرت انگیز ہے۔“

”میں خود اس کی وجہ سے ہارن سے بچا ہوں۔ اس کے پاس موقع تھا کہ وہ مجھے پکڑ لے مگر وہ میرے پاس بھی نہیں پہنچا۔“

روہیر غور کر رہی تھی اس نے مجھ سے کہا۔ ”اب بوتیز ہو گئی ہے۔“
کھلی جگہ آنے اور کسی قدر آگے نکلنے کے بعد کئی میل دور شمال مشرق میں آرگون کی فسیل نظر آنے لگی تھی مگر ہمیں اس سے کترا کر شمال کی طرف سفر جاری رکھنا تھا۔ اس طرف آرگون کے کھیت اور باغات تھے اور ہمیں ان سے بھی دور رہنا تھا۔ ان کھیتوں میں کام کرنے والوں کے علاوہ مسلح سپاہی بھی ہوتے تھے جو اصل میں کارکنوں کی حفاظت کے لیے مامور تھے۔ اگر وہ ہمیں دیکھ لیتے تو ہم مشکل میں پڑ سکتے تھے۔ جب ہم کھیتوں اور باغات کے پاس آئے تو سپاہیوں کی نظر سے محفوظ رہنے کے لیے ہم نے نو میز لینڈ کے پاس جنگل کا رخ کیا۔ وہاں ہم کسی کی نظر میں آئے بغیر سفر کر سکتے تھے۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا اور اب آرگون شہر ہمارے دائیں طرف مشرق میں تھا۔ گویا زیادہ فاصلہ نہیں رہا تھا۔ میں خاص تھکن محسوس نہیں کر رہا تھا مگر روہیر کا سانس پھول گیا تھا اس لیے ہم کچھ دیر کو سنانے کے لیے رکے۔ میں نے چھاگل سے پانی پیا اور پھر روہیر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اگر تم تھکن محسوس کر رہی ہو تو ہم کچھ دیر کو رک جاتے ہیں۔“
اس نے انکار کیا۔ ”نہیں آپ زیادہ مت رکیں، مجھے اتنی تھکن نہیں ہو رہی ہے۔“
اس نے گزشتہ دن جسمانی اور ذہنی لحاظ سے بدترین گزرا تھا۔ اتنی جلد اس کا ریکورٹنا مشکل تھا۔ اسے جہاں جہاں زخم آئے تھے وہ اب پک گئے تھے اور انہیں ٹھیک ہونے میں دو تین دن کا وقت لگتا۔ اعصاب نے جو دباؤ سہا تھا وہ الگ تکلیف تھی۔ وہ یقیناً ہمت کر کے میرا ساتھ دے رہی تھی۔ ویسے یہ اس لحاظ سے اس کے لیے بہتر تھا کہ وہ فارغ بیٹھ کر سوچنے کے بجائے میدانِ عمل میں تھی۔ وہ جتنا کم سوچتی اس کے لیے اتنا ہی اچھا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم چلنے کو تیار ہوئے۔ اتنا آرام کافی تھا۔ مگر کچھ ہی آگے گئے ہوں گے کہ ایک چیخ سنائی دی۔ چیخ نسوانی تھی۔ میں نے روہیر کی طرف دیکھا۔ اس نے بھی چیخ سنی تھی اور آہستہ سے بولی۔ ”کوئی عورت چیخی ہے۔“

”یہاں کوئی جانور یا پرندہ اس قسم کی آواز نہیں نکال سکتا ہے؟“
”میں ایسے کسی جانور یا پرندے سے واقف نہیں ہوں۔“

آواز سامنے سے آئی تھی اور ہمیں اسی طرف جانا تھا۔ دس بارہ قدم آگے گئے تو چیخ پھر سنائی دی اور اس بار زیادہ بلند اور زیادہ نزدیک سے آئی تھی۔ روہیر نے تیر نکال کر کمان پر لگایا اور میں نے نیزہ آگے کر لیا ہم درختوں کے اس گھنے جھنڈ کی طرف بڑھے جہاں سے چیخ سنائی دی۔ نزدیک جانے پر چند مردانہ آوازیں بھی سنائی دیں۔ جو کچھ اس قسم کی تھیں۔

”مضبوطی سے پکڑو..... اس کا منہ بند کرو..... اس کی چیخ سن کر کوئی آگیا تو..... تو کیا اسے بھی حصہ دیں

گے۔“

واضح رہے یہ ساری آوازیں مختلف مردوں کی تھیں اور ان سے صورت حال کی قدر واضح تھی۔ باقی آنکھوں سے دیکھ کر پتا چل گیا۔ تین سپاہیوں نے ایک جوان عورت کو قابو کیا ہوا تھا۔ ایک نے اس کا منہ دبایا ہوا تھا اور باقی دوا سے بے لباس کر رہے تھے۔ میں نے بتایا کہ یہ آسانی سے پہنا اور اتارا جانے والا لباس ہے مگر اپنی کسی حیوانیت کی تسکین کے لیے وہ لبا سنا پھاڑ کر اتار رہے تھے اور عورت کے چمٹنے سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ میرا خون کھولا تھا کیونکہ مجھے دنیا میں کسی فعل سے اتنی نفرت نہیں ہے جتنی کہ اس فعل سے ہے۔ میں نے نیزہ سیدھا کیا تھا مگر رو بہر بازی لے گئی۔ اس نے سب سے نزدیک موجود سپاہی کو تیر مارا جو اس کی گردن میں اتر کر دوسری طرف نکل گیا اور وہ خرخراتا ہوا زمین پر گر گیا۔ باقی دو چلائے اور اپنے ہتھیاروں کی طرف بھاگے تھے۔ رو بہر پھر تیر کمان پر چڑھاری تھی کہ میں نے اس سے کہا۔

”رک جاؤ..... تیر مت چلانا۔“ میں نے کہتے ہوئے اپنا سامان اور پکا کھولتے ہوئے کرتا بھی اتار دیا۔

تب تک سپاہی اپنے نیزے اٹھا چکے تھے۔ رو بہر بے چین ہو گئی۔

”آپ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ بہت ماہر ہوتے ہیں۔“

”یہی میں دیکھنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”اگر ان میں سے کوئی تمہاری طرف آئے یا عورت کو نقصان

پہنچانا چاہے تو اسے پہلی فرصت میں مار دینا۔ مگر جب تک میں کمزور نہ پڑوں درمیان میں مت آنا۔“

سپاہیوں کے پاس اگر تیر کمان تھے تب بھی وہ کہیں چھوڑ آئے تھے اور یہاں ان کے پاس صرف نیزے اور سامنے پنکوں میں لگی چاقو تھے۔ ایک نے براہ راست نیزہ میرے سینے میں اتارنے کی کوشش کی۔ میں نے ترچھا ہوتے ہوئے اس کا وار خالی جانے دیا اور پھر نیزہ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ یہ دواؤں کے لیے غیر متوقع تھا۔ وہ کھنچا چلا آیا اور نزدیک آنے پر میں نے اس کے سینے پر لات ماری۔ وہ پیچھے جا گرا۔ میں نے اس کا نیزہ چھوڑ دیا تھا کیونکہ اسی اثنا میں دوسرا مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس نے نیزہ میرے پیٹ میں مارنا چاہا مگر میں نے اپنے نیزے سے اس کے وار کو روکتے ہوئے اس کا نیزہ گھمایا اور وہ میرے شانے کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ جس وقت میں اس کا نیزہ اپنے نیزے سے گھما رہا تھا اور میرا جسم ترچھی پوزیشن میں آیا ہوا تھا۔ اس کا بایاں پاؤں وار کرنے کی پوزیشن میں آگے تھا اور میرا بایاں پاؤں نیچنے والی پوزیشن میں تھا۔

میں نے اسی پوزیشن میں پاؤں اٹھا کر اس کے بائیں گھٹنے پر مارا۔ وار شدید تھا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ اس کے حلق سے نکلنے والی کراہ سے ظاہر تھا کہ چوٹ شدید آئی ہے۔ وہ اپنا گھٹنا پکڑ کر لڑکھڑانے لگا اس دوران میں پہلا والا اٹھ کر آیا اور اس نے دوبارہ میرے سینے میں نیزہ اتارنے کی کوشش کی میں پیچھے کی طرف جھکا اور نیزے کی انی میرے چہرے کے سامنے سے نکلتی چلی گئی۔ میں اتنا پیچھے جا چکا تھا کہ توازن برقرار رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ پیچھے گرا اور فوراً ہی کروٹ لی ورنہ اس کا نیزہ جسم میں اتر جاتا۔ نیزہ زمین میں اتر گیا تھا اور وہیں پھنس چکا تھا۔ میں نے واپس کروٹ لیتے ہوئے نیزہ پکڑ لیا دوسرے ہاتھ سے اپنا نیزہ اس کی ران پر مارا۔ پوزیشن درست نہ ہونے سے وار ہلکا پڑا تھا اس کے باوجود اس کی ران پر زخم آیا اور وہ کراہ کر پیچھے ہوا۔ رو بہر چلائی۔ ”شہباز بچیں۔“

دوسرا اپنے گھٹنے سے فارغ ہو کر مجھ پر چھلانگ لگا رہا تھا اور اس نے نیزہ سیدھا کر لیا تھا۔ میں نے اس سے بچنے کے لیے پھر کروٹ لی اور وہ میری خالی کی ہوئی جگہ آ کر گرا۔ اس نے ہوا میں نیزے کا رخ بدلنا چاہا مگر نیزہ مجھ سے دور ہی رہا اور زمین پر لگا۔ اس بار بھی میں بال بال بچا۔ رویر بولی۔ ”میں تیرا رہی ہوں۔“

میں نے واپس پلٹتے ہوئے ساتھ گرنے والی کی کن پٹی پر کہنی آزمائی اور رویر کو منع کیا۔ ”تیرمت چلانا۔“

اس دوران میں پہلا زمین سے نیزہ نکال چکا تھا۔ اس نے دانت کچکا کچکا کر مجھ پر وار کیا۔ میں اسی کی طرف پلٹ گیا اور نیزہ دوسرے کے دائیں پہلو میں اتر گیا۔ کن پٹی پر آنے والے چوٹ نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے مگر نیزہ نے اس کے سارے حواس بالکل بجھا کر رکھ دیئے اور وہ گلا چھاڑ کر چلایا تھا۔ اس کا ساتھی نیزہ چھوڑ کر پیچھے ہٹا۔ اسے احساس ہوا کہ اس نے اپنے ہی ساتھی کو نشانہ بنالیا تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے نیزہ اس کے سینے پر رکھ دیا اور اس نے دونوں ہاتھ بلند کر لیے تھے۔ جسے رویر نے تیر مارا تھا وہ دم توڑ چکا تھا اور نیزے کا زخمی بھی آخری دموں پر لگ رہا تھا۔ تیرا ہاتھ اوپر کیے موت کے خوف سے لرزہ بر اندام تھا۔ چند منٹ پہلے یہ تینوں ایک مجبور اور بے بس عورت کے سامنے فرعون بنے ہوئے تھے۔ بے بس ہو جانے والی عورت ایک طرف کھڑی اپنے پھٹ جانے والے لباس کو پکڑ کر ستر پوشی کر رہی تھی۔ وہ رو رہی تھی اور اسے صرف اپنی ستر پوشی کا خیال تھا۔ میں نے رویر کی طرف دیکھا۔

”اس سے پوچھو۔ اس کا تعلق فوج کے کس حصے سے ہے؟“

رویر کے سوال پر اس نے گڑگڑا کر جواب دیا۔ ”میرا تعلق کسانوں کی حفاظت کرنے والے دستے سے ہے۔ سینتور کے لیے مجھے مت مارنا۔“

”اگر تم نے میرے سوالوں کے جواب دیئے تو تم زندہ رہو گے لیکن جیسے ہی تم نے غلط بیانی کی تم مارے جاؤ گے۔“

ان لوگوں سے مقابلہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک تو اپنی جسمانی کنڈیشن جانچنا تھا اور دوسرے اگر ان میں سے ایک بھی قابو میں آجاتا تو میں اس سے آرگون کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ رویر کے توسط سے میں اس سے سوال کرنے لگا۔ رویر میرا بتایا ہوا سوال کرتی تھی کیونکہ وہ جو کہہ رہا تھا وہ میں خود بھی سمجھ رہا تھا۔ اس لیے وہ سوال کرنے کے بعد عورت سے بات کرنے میں لگ جاتی۔ یہ اچھا تھا کہ کم سے کم وقت میں ہمیں زیادہ معلومات مل رہی تھیں۔ اس لیے میں نے رویر کو بات کرنے پر نہیں ٹوکا۔ میں نے پوچھا۔

”آرگون میں جنگ کی تیاری کس مرحلے میں ہیں؟“

اس نے جواب دیا۔ ”کل تک تو خاص نہیں تھیں مگر اب جنگ کی تیاری تیزی سے جاری ہے۔“

”ریٹا کے پاس فوج کی تعداد کتنی ہے۔“

ان کے ہاں حساب کتاب کا خاصا پیچیدہ ساسٹم تھا اور اس نے جو جواب دیا اس کے مطابق ریٹا کی کل فوج تین ہزار سے کچھ اوپر تھی۔ لیکن یہ سب اعلیٰ تربیت یافتہ اور بہترین ہتھیاروں سے لیس تھی۔ سامیرا کے پاس اس سے نصف فوج تھی اور اس کے پاس بعض اہم ہتھیاروں کی کمی تھی۔ میں نے اس کے لیے کچھ دفاعی حکمت عملی ترتیب دی تھی لیکن میرے بعد نہ جانے اس پر ٹھیک سے عمل ہوتا ہے یا نہیں۔ میں نے جو گھاس اور

لکڑی کے گٹھوں کی لائن بنائی تھی۔ اس کے لیے آگ لگانے والی رال خاصی مقدار میں جمع کر لی گئی تھی اور تقریباً تیس افراد رضا کاروں میں سے صرف اسی مقصد کے لیے تھے کہ جب انہیں اشارہ کیا جائے تو وہ ان گٹھوں پر رال ڈال دیں۔ پھر جب ضرورت پڑتی آتیشیں تیز برسا کر ان کو آگ لگا دی جاتی۔ یہ کام مکمل ہو گیا تھا۔ مگر سورو کے توسط سے آرگون والوں تک اس دفاعی حکمت عملی کی اطلاع پہنچ چکی ہوگی۔

گٹھوں کے اوپر بڑی لکڑیاں جمع کی گئی تھیں اور دور سے دیکھنے پر یہ حفاظتی دیوار جیسی کوئی چیز نظر آتی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے آتیشیں تیز بھی تیار کرائے تھے۔ سو تیر اندازوں کا ایک دستہ آتیشیں تیروں سے حملہ کرتا۔ یوں حملے اور دفاع دونوں میں آگ کا استعمال آرگون کی فوج کے لیے سر پرانز ہوتا۔ اگرچہ وہ اس سے واقف بھی ہوتے تب بھی انہیں عملی سامنا کرنا پڑتا جو الگ چیز تھی۔ زبانی کلامی علم الگ ہوتا ہے اور عملی سامنا الگ ہوتا ہے۔ میں سپاہی سے جو سوال کر رہا تھا۔ اس کا مقصد آرگون کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا تھا۔ مگر چند سوالوں کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اتنا زیادہ نہیں جانتا ہے۔ اس کی وجہ بھی جلد سامنے آگئی۔

بد قسمتی سے یہ سپاہی کسانوں کی حفاظت پر مامور تھا اور اسے آرگون کے معاملات کا اتنا علم نہیں تھا۔ خاص طور سے جنگ کی تیاریوں اور آرگون کے حفاظتی انتظامات کا۔ اس کے باوجود اس نے میری معلومات میں خاصا اضافہ کیا تھا۔ اس کے مطابق اب قلعے کے عام لوگوں پر رات ہونے کے بعد گھر سے نکلنے کی پابندی تھی۔ گویا کرفیو لگا دیا گیا تھا۔ سوائے فوج اور انتظامیہ کے کوئی فرد باہر نہیں آسکتا تھا اور جو اس کی خلاف ورزی کرتا اسے کڑی سزا دی جاتی۔ آرگون اور معبد کولمانے والی سرنگ میں بھی تاریکی چھانے کے بعد آمد و رفت بند کر دی جاتی تھی۔ یعنی عام آمد و رفت بند ہو جاتی تھی۔ البتہ سپاہی رات میں بھی اسے استعمال کر سکتے تھے۔ پابندیوں کی خلاف ورزی کرنے والے سخت سزا کے مستحق سمجھے جاتے۔ جب میں نے اس سے کیڑ کی موت پر لوگوں کا رد عمل پوچھا تو اس نے ہچکچا کر جواب دیا۔ ”لوگوں نے اسے اچھا نہیں سمجھا۔ کیونکہ کیڑ پجاریوں میں ایک ایسی شخصیت تھا۔ جو عام لوگوں سے ہمدردی رکھتا تھا اور ان کے کام آتا تھا۔“

اس سے ممکنہ حد تک معلومات حاصل کر کے آخر میں عورت کی طرف اشارہ کیا۔ ”تم لوگ اس کے ساتھ زبردستی کر رہے تھے کیا تمہیں خوف نہیں تھا کہ تمہیں سزا ملے گی۔“

اس نے ہچکچاتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ”ان دنوں فوج کے خلاف کوئی شکایت نہیں سنی جا رہی

ہے۔“

بات واضح تھی ریٹائٹ سامیرا اور حریت پسندوں کے خلاف جنگ لڑنے جا رہا تھا اور یہ جنگ اس کے سپاہیوں نے لڑنی تھی اس لیے اس نے انہیں کھلی چھوٹ دے دی تھی کہ وہ کچھ بھی کریں ان کو کوئی سزا نہیں دے گا۔ اسی کا فائدہ اٹھا کر یہ لوگ باغ میں کام کرنے والی اس عورت کو زبردستی یہاں لاکر اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے تھے۔ میرے خیال میں اب اس سے مزید سوالات کی ضرورت نہیں رہی تھی اس نے پُر امید لہجے میں کہا۔ ”میں نے تمہارے ہر سوال کا ٹھیک جواب دیا ہے اب مجھے جانے دو۔“

میں نے سوچ لیا تھا کہ اس کا معاملہ اس عورت اور رویہ پر چھوڑ دوں گا۔ مجھے معلوم تھا رویہ اسے نہیں چھوڑے گی۔ اس نے جس طرح پہلے سپاہی کو مارا تھا اس سے مجھے اس کے دل میں ان لوگوں کے خلاف نفرت کا

اندازہ تھا۔ میں اسے کہنے جا رہا تھا کہا سی لمحے روپیر نے مجھے آواز دی اور میں نے مڑ کر دیکھا۔ روپیر اشارہ کر رہی تھی اور وہ جس طرف اشارہ کر رہی تھی وہاں وہی بوڑھا اور کمزور ہو جانے والا اسمار موجود تھا۔ وہ شاید چھپ کر ہمارا پیچھا کرتا رہا تھا۔ وہ ہمارے قریب نہیں آیا تھا۔ تیسرا سپاہی سمجھا کہ ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں اور وہ اٹھ کر اچانک بھاگا۔ مگر اسے زیادہ دور جانا نصیب نہیں ہوا۔ بوڑھے اسمار نے اسے چند جستوں میں آیا تھا۔ اسمار نے اسے منہ کے بل زمین پر گرایا اور اس پر اپنے دانت اور پنچے آزمانے لگا۔

اسمار اگرچہ بوڑھا ہو گیا تھا مگر پھر بھی درندہ تھا۔ ذرا سی دیر میں اس نے سپاہی کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ اس دوران میں وہ بری طرح چیخ چلا رہا تھا اور اس پر مشتعل ہو کر اسمار نے ایک بار جو اس کی گردن دو چوٹی تو اس وقت چھوڑی جب اس کا دم نکل گیا تھا۔ اس کے بعد وہ اسے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ اس کی بے تابلی بتا رہی تھی وہ بہت بھوکا تھا اور شاید ہفتے بھر سے اسے کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا۔ تیسرے سپاہی کا یہ بہت مناسب انجام ہوا تھا اور مجھے یارو پیر کو اس کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنے پڑے تھے۔ روپیر دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اور عورت دم بہ خود کھڑی تھی۔ یہ منظر ایسا تھا کہ اس کے ہاتھ سے اپنا لباس بھی چھوٹ گیا تھا اور پچھلے حصوں سے اس کا جسم بھلکنے لگا تھا۔ میں نے روپیر سے کہا۔ ”اس کا خیال رکھنا۔“

روپیر نے سر ہلایا اور میں مرنے والے سپاہیوں کا لباس اتارنے لگا۔ دونوں کا ہی لباس خون آلود ہو گیا تھا مگر اسے صاف کیا جاسکتا تھا۔ ویسے بھی یہ سرخ رنگ کا تھا اگر دھبے پوری طرح صاف نہ بھی ہوتے تب بھی کام چل سکتا تھا۔ اس طرح ان کی زہ بکتر بھی اتاریں اور آخر میں ان کے ہتھیار سمیٹے۔ عورت نے بتایا کہ تیرکمان انہوں نے جھنڈ کے باہر رکھے تھے۔ میں بلا خطر سپاہی کو کھاتے اسمار کے پاس سے گزرا تو وہ میرے پاس سے آتی ہو پر ایک طرف ہو گیا۔ میں تیروں سے بھرے ترکش اور کمائیں اٹھالایا۔ یہ سامیرا کی فوج کے پاس موجود کمائوں سے بہتر اور زیادہ مضبوط تھیں۔ اسی طرح تیروں کی کوائی بھی بہت عمدہ تھی۔ میں نے مرنے والے سپاہی کی گردن سے تیر اور دوسرے کے جسم سے نیزہ الگ کر لیا۔ روپیر نے پوچھا۔ ”یہ کیا کر رہے ہیں؟“

”انہیں بھی یہ اسمار یا دوسرے اسمار کھالیں گے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کی موت کسی انسان کی کارستانی سمجھی جائے۔“

”اس صورت میں ان کے ہتھیار اور لباس لے جانا مناسب ہوگا؟ اسمار لباس پھاڑ سکتے ہیں اور ہتھیاروں کا انہوں نے کیا کرنا ہے۔“

اس کی بات مناسب تھی۔ میں نے یہ کیا کہ ایک ترکش اور کمان اور ایک اضافی نیزہ لے لیا۔ باقی چیزیں اس طرح پھیلا دیں جیسے اسماروں کے حملے میں وہ ادھر ادھر ہو گئی ہوں اب ان میں سے کچھ غائب ہوں گی تب بھی کسی کو شک نہیں ہوگا۔ لباس کے بارے میں اگر کوئی سوچتا ہے سوچتا رہے۔ لیکن ایک مسئلہ بدستور باقی تھا جس کی طرف میں نے ابھی تک توجہ نہیں دی تھی۔ روپیر نے اب عورت کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس کا کیا کرنا ہے یہ سب بتا دے گی۔“

میں عورت کے پاس آیا تو وہ جلدی سے اپنے لباس کے پھٹوں حصوں کو درست کرنے لگی۔ وہ تقریباً پینتیس برس کی مگر جسمانی لحاظ سے جوان اور خوب صورت عورت تھی۔ اس کے سرخی مائل بھورے بال بکھرے

ہوئے تھے اور چہرے پر خراشوں اور مار کے نشانات تھے۔ مگر یہ بہت نمایاں بھی نہیں تھے۔ ہم بروقت پہنچ گئے تھے۔ ورنہ یہ درندے اس عورت کا اس سے کہیں زیادہ برا حشر کر دیتے اور اگر وہ زندہ بچتی تب بھی کسی کو صورت دکھانے کے لائق نہیں رہتی۔ میں نے روبیر کے توسط سے کہا۔ ”تم اپنی زبان بند رکھو گی۔ دوسری صورت میں تمہیں بھی ان تین سپاہیوں کی ہلاکت میں شامل سمجھا جائے گا۔ ہم تو ملیں گے نہیں تمہیں ضرور سزائے موت ہو جائے گی۔“

وہ کانپ اٹھی۔ ”میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی، اپنی زبان بند رکھوں گی، میرے تین چھوٹے بچے ہیں۔ میں مر گئی تو ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے۔“

”تم کام کیوں کرتی ہو؟“

”میرا شو ہر مہر چکا ہے وہ باغ میں کام کرتا تھا اب اس کی جگہ میں کرتی ہوں۔“ عورت نے سادہ سی وجہ

بتائی۔

”مگر بے سہارا عورتوں کی تو حکومت کفالت کرتی ہے۔“ روبیر نے حیرت سے کہا۔

”پہلے کرتی تھی اب نہیں کرتی ہے۔“ عورت تلخی سے بولی۔ ”اب ہر فرد کو کام کرنا پڑتا ہے۔ جن عورتوں کے مرد نہیں ہوتے ان کو کام کرنا پڑتا اور جن بچوں کے ماں باپ مر جائیں انہیں سرکاری افسران اور حکومتی اعمال اپنے غلاموں میں شامل کر لیتے ہیں۔“

عورت کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ آرگون میں جبر و استبداد کا نظام پوری طرح نافذ ہو چکا تھا۔ ایک با مزاحمتی تحریک کا خاتمہ ہو جاتا تو وادی کے لوگ بدترین قسم کی غلامی کی لپیٹ میں آ جاتے۔ میں نے کہا۔ ”اب نہ جاؤ اور اپنی زبان بند رکھنا۔“

”میرا پھٹا ہوا لباس سب کی نظروں میں آئے گا۔“ اس نے پریشانی سے کہا۔ میں نے سوچا اور اپنا کر:

اس کی طرف بڑھا۔

”تم یہ پہن لو۔“

یہاں زیادہ تر عوام سفید لباس ہی پہنتے تھے۔ میرا کرتہ بھی سفید تھا۔ عورت ہچکچائی لیکن پھر اس نے کر: لے لیا اور درخت کی آڑ میں جا کر بدل لیا۔ میں نے روبیر سے پوچھا۔ ”تم نے اسے ہمارے بارے میں بتایا نہیں؟“

”اس نے پوچھا تو تھا لیکن میں نے جواب نہیں دیا۔“

”تم نے اچھا کیا۔“

عورت لباس پہن کر آگئی اور میں نے اس کا پھٹا ہوا کرتہ لے لیا یہ کہیں نہ کہیں کام آ جاتا۔ روبیر نے اسے جانے کو کہا تو وہ سہمے انداز میں اسار سے دور ہو کر جانے لگی۔ مگر ہم سے جدا ہوتے ہی اسار نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر غراتا ہوا اس کی طرف بڑھا تھا کہ عورت چیخ مار کر واپس بھاگی اور ہمارے درمیان میں آگئی۔ جیسے: وہ ہمارے پاس آئی اسار اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ روبیر نے کہا۔ ”اس کے پاس سے بو نہیں آ رہی ہے اسار اسے بھی مار دے گا۔“

”اسے باغ تک چھوڑ کر آنا ہوگا۔“ میں نے کسی قدر فکر مندی سے کہا۔ روبیر سمجھ گئی تھی۔

”آپ یہیں رکیں میں اسے چھوڑ کر آتی ہوں۔“ روبیر نے عورت کو ساتھ لیا اور وہ درختوں سے نکل کر کھلے میدان سے ہوتے ہوئے باغات کی طرف بڑھے اور جب پاس پہنچے تو روبیر رک گئی اور عورت تیزی سے باغوں کی طرف بھاگی۔ روبیر نے انتظار نہیں کیا کہ عورت باغ میں داخل ہو وہ فوراً واپس آ گئی۔ یہاں خطرہ تھا کہ کسی وقت بھی سپاہی آ سکتے تھے۔ اسی خطرے کو مد نظر رکھتے ہوئے روبیر فوراً واپس آئی تھی اور جیسے ہی وہ درختوں میں داخل ہوئی ہم آگے بڑھ گئے۔ اسار جس کے لیے ایک سپاہی کی لاش بھی کافی تھی وہ اسے چھوڑ کر اب دوسری لاش پر پلا پڑ رہا تھا۔ اگرچہ یہ انسان کی توین تھی کہ اسے درندوں کی غذا بننے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ مگر یہ انسان کہاں تھے یہ تو دو پیروں پر چلنے والے درندے تھے۔ وہ اسی سلوک کے مستحق تھے۔ پھر میں چاہتا تھا کہ ہمارے بارے میں کوئی نہ سوچے۔ ان سپاہیوں کی ہلاکت کا الزام اسار کے سر جائے۔ مجھے امید تھی کہ جلد وہاں اور اسار بھی آئیں گے اور ان کی ہڈیاں بھی باقی نہیں رہیں گی۔ میں نے روبیر سے پوچھا۔

”کیا خیال ہے یہ عورت زبان بند رکھے گی۔“

”ہاں میں نے زبان کو سمجھا دیا ہے۔ راستے میں بھی اسے پکا کرتی رہی تھی کہ وہ چپ رہے ورنہ ریناٹ جیسے ظالم سے کچھ بعید نہیں ہے وہ اس کے ساتھ اس کے بچوں کو بھی مروادے گا۔“

”یہ تم نے اچھا نکتہ دیا ورنہ عورت کی زبان بند رکھنا بہت مشکل کام ہے۔“

اس نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔ ”عورتیں کہاں زیادہ بولتی ہیں۔“

میں بے ساختہ ہنسا۔ ”ہمارے ہاں بھی عورتیں یہی کہتی ہیں۔“

میری بات پر وہ کسی قدر خفا نظر آنے لگی۔ اس نے رخ دوسری طرف کر لیا تھا اور اس کے بعد بات نہیں کی۔ مجھے ہی پہل کرنا پڑی تھی۔ ”یہ اچھا ہوا کہ ہمیں آرگون کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئیں۔“

وہ غفلی بھول گئی۔ ”اگر سرنگ میں اترنے کا راستہ مل گیا تو.....؟“

”آج ہم راستہ تلاش کریں گے اور ممکن ہوا تو کل رات اس میں اتریں گے۔“

”پھر.....؟“

”ہمیں شہر میں ریناٹ کی فوج کی تیاریاں دیکھنی ہوں گی۔“

”اگر ہم یہ کام کر بھی لیں تو اس لیے کیا فائدہ ہوگا؟“

”فائدہ ہوگا۔“ میں نے یقین سے کہا۔ وہ ایک محدود دنیا کی باقی تھی اگرچہ وہ ذہین تھی مگر جنگی حکمت عملی اور اس میں جاسوسی کی اہمیت سے نا آشنا تھی۔ اس وقت ہم آرگون کی تفصیل کے ساتھ ایران حصے میں آگئے تھے۔ باغات اور کھیت ختم ہو گئے تھے اور یہاں اب گنے جنگل تھے یا جھاڑیوں اور گھاس سے بھرے ہوئے میدان تھے۔ اب ہم وادی کے خطرناک ترین حصے میں داخل ہو رہے تھے کیونکہ یہی ہارن کا اصل مسکن تھا۔ روبیر جانتی تھی اور وہ محلول کی کارکردگی دیکھنے کے باوجود سہی ہوئی نظر آنے لگی۔ چلنے کے دوران اس کی نظر مستقل آس پاس بٹنک رہی تھی۔ اسے فری پینڈ دینے کے لیے میں نے سارا سامان خود اٹھا رکھا تھا۔ اس میں اسار کا لباس اور ہتھیار بھی تھے۔ یہ سب میں نے عورت کے پٹھے لباس میں لپیٹ کر گھڑی سی بنائی تھی اور اسے شانے پر لاداد ہوا

تھا۔ دوسرے شانے پر چھاگل اور ترکش و کمان تھی۔ ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے میں مشعلوں والی لکڑیاں تھیں۔ روبیر نے صرف تیر کمان اٹھایا ہوا تھا۔



اس چکر میں کچھ وقت ضائع ہوا تھا۔ مگر مجھے امید تھی کہ ہماری واپسی تک محلول کا اثر رہے گا۔ جب کیرٹ نے مجھے معبد سے فرار کرایا تھا تو اس نے محلول دیا تھا مگر بد قسمتی سے دوران سفر پانی نہ ملنے کی وجہ سے مجھے پسینہ آنا بند ہو گیا تھا اور بومدہم بڑی تھی مگر اب ہماری پاس پانی تھا اور راستے میں آنے والے ایک چشمے سے میں نے دوبارہ چھاگل بھری تھی۔ اس لیے پانی کی کمی نہیں تھی۔ امید تھی ہمیں شام تک پسینہ آتا رہتا اور اس میں محلول کی بوشال ہو کر جانوروں کو ہم سے دور رکھتی۔ دن ڈھلنے کا آغاز تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ دو بج رہے تھے اور ہم سفر کے آخری مرحلے میں تھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ سرنگ تازہ ہوا کی آمد و رفت کے لیے بنائے ہوئے سوراخ یہاں جنگل میں کس صورت میں موجود تھے۔ لازمی بات تھی کہ انہیں کھلا تو نہیں چھوڑا گیا ہوگا ورنہ جنگل کے جانور ان سے سرنگ میں گھس سکتے تھے۔ ان کے تحفظ کا کوئی نہ کوئی بندوبست ہوگا۔ اس وقت ہم آرگون کے عقبی حصے میں تھے۔

یہاں سے معبد ذرا فاصلے پر تھا۔ ہمیں آرگون اور معبد کے درمیان میں اس سرنگ کے ہوا دان تلاثر کرنے تھے۔ ہم جھاڑیوں سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک خاصا بڑا اور خوش رنگ پرندہ سامنے آیا۔ اس ہمیں دیکھا لیکن کسی خوف کا اظہار نہیں کیا۔ وہ شاید انسانوں سے مانوس تھا یا اس نے پہلی بار کسی انسان کو دیکھا تھا۔ اس کے رنگ بڑے دلکش اور پر ذرا پھولے پھولے سے تھے۔ میں نے دلچسپی سے دیکھا مگر روبیر خوفزدہ نہ آنے لگی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اس سے دور ہوں۔ یہ پر جھاڑتا ہے تو بہت باریک زہریلے کانٹے نزدیک موجود جاندار کو لگتے ہیں اور اس کا زہر بہت مہلک ہے۔“

اس وقت ہم پرندے سے کوئی بیس چھپس گز کے فاصلے پر تھے۔ روبیر کی بات نے پرندے کی خوشنم کے بارے میں میرے خیالات کو آڑا کر رکھ دیا تھا۔ میں محتاط ہو گیا اور ہم سست روی سے پیچھے ہٹنے لگے۔ روبیر نے بہت آہستہ سے کمان اس کی طرف کی۔ تیر پہلے ہی چڑھا ہوا تھا۔ مگر جیسے ہی تیر اس کی طرف ہوا نے مکر وہ سی آواز نکالی اور جن جھاڑیوں سے نکلا تھا مڑ کر انہی میں گھس گیا۔ میں نے سکون کا سانس لیا اور جیر سے کہا۔ ”اتنا خطرناک ہوتا ہے یہ پرندہ؟ دیکھنے میں تو یہ بہت بے ضرر اور خوب صورت لگ رہا تھا۔“

”یہ صرف اسی علاقے میں ہوتا ہے اور اس سے سارے جانور ڈرتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ با جیسا درندہ بھی اس کے سامنے نہیں رکتا بھاگ جاتا ہے۔“

ظاہر ہے موت کے سامنے کون رکے گا۔ ہم ان جھاڑیوں سے دور ہو کر گزرے اور کچھ دیر بعد ہم آر اور معبد کے درمیان میں تھے۔ یہاں چٹانیں تھیں۔ جنگل تھا اور کہیں کہیں خشک جھاڑیوں اور گھاس کے تھے۔ مگر یہاں کوئی چیز زیادہ وسیع نہیں تھی۔ میں نے آس پاس دیکھا مگر مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جسے سرنگ کا ہوا دان کہہ سکتا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ کسی بلند جگہ سے آس پاس کا جائزہ لوں اور سب سے مناسب ایک بلند ٹیلہ لگا جو تقریباً ستر اسی فٹ بلند تھا اور اس پر چڑھنے کے امکانات بھی دکھائی دے رہے تھے۔ میر

اس کی طرف اشارہ کیا۔ میں اور رویہ میلے تک آئے۔ سامان نیچے چھوڑنے میں خطرہ تھا اس لیے ہم اس سمیت اوپر چڑھے اور ایک مناسب جگہ ہم نے سامان اور ہتھیار رکھ دیئے۔ ان کے ساتھ اوپر جانا بہت مشکل تھا کیونکہ اب ہمیں باقاعدہ کوہ پیائی کرنا تھی۔ میں نے رویہ سے کہا۔

”تم یہیں رکو۔ میں اوپر سے آتا ہوں۔“

”نہیں جہاں تک میں چڑھ سکوں گی میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔“

میں نے سر ہلایا اور اوپر چڑھنے لگا۔ تیلہ پتھر اور مٹی پر مشتمل تھا اس لیے جہاں مٹی تھی وہاں پودے اور سبزہ بھی اگا ہوا تھا۔ جہاں جگہ تھی وہاں کچھ درخت نما جھاڑیاں اگ آئی تھیں۔ ہم مضبوط پودوں، پتھروں اور مٹی سے نکلی جڑوں کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگے۔ خلاف توقع اوپر جانا اتنا مشکل ثابت نہیں ہوا اور ہم با آسانی نیلے کی چوٹی تک پہنچ گئے۔ ہموار سطح چوٹی پر چڑھ کر میں نے رویہ کو ہاتھ سے پکڑ کر اوپر کھینچا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور میری سانس کسی قدر تیز تھی۔ یہاں کسی قدر ہوا تھی اور رویہ کا کرتہ پھڑپھڑا رہا تھا۔ میں نے صرف پا جامہ پہنا ہوا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے چاروں طرف دیکھا اور بولی۔ ”یہاں سے تو سب صاف دکھائی دے رہا ہے۔ آرگون اور معد بھی۔“

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی کہ یہاں سے آرگون کی بلند عمارتیں اور معد کی اہرام نما عمارت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ مگر ہم انہیں دیکھنے کے لیے اوپر نہیں آئے تھے۔ ہمیں سرنگ کے ہوادانوں کی تلاش تھی اور وہ فوراً ہی نظر آ گئے۔ میں نے نیشنل جیو گرافک پر افریقہ میں پائی جانے والی ایک قسم کی دیمک کا گھر دیکھا تھا۔ یہ مٹی کو کھاکر اور پھر اس میں اپنا لعاب شامل کر کے اس سے اونچے مخروطی گھر بناتی ہے۔ نیچے سے چوڑے یہ گھر جیسے جیسے اوپر جاتے ہیں پتے ہوتے جاتے ہیں یوں سمجھ لیں کہ کون کونسا کر کے رکھ دیا جائے تو ان کے گھر بالکل اس شکل کے ہوتے ہیں۔ یہاں جنگل میں اسی طرح کی مخروطی کون کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کا آپس میں فاصلہ اور سائز بالکل ایک جیسا تھا۔ سرخ پکی اینٹوں سے بنی ان کون کے اوپر سرے میں سوراخ تھا اور اسی سوراخ سے ہوا نیچے سرنگ تک جاتی ہوگی اور وہاں موجود گندی ہوا باہر آتی ہوگی۔ ان کی اونچائی یہاں سے واضح نہیں تھی مگر میرا اندازہ تھا کہ وہ پندرہ بیس فٹ اونچے ضرور تھے۔

”یہ ہیں ہوادان۔“ میں نے اشارہ کیا۔

”لیکن ہم ان میں کیسے جا سکتے ہیں۔“ رویہ نے پوچھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی کیونکہ ان کی زمین سے بلندی خاصی تھی اور بہ ظاہر چڑھنے کے لیے کوئی سہارا نظر نہیں آ رہا تھا۔ نیچے سے ان کا قطر کوئی دس فٹ اور اوپر جاتے ہوئے ان کا دہانہ مشکل سے تیس فٹ کا رہ جاتا تھا۔ اوپر جاتی ڈھلان اتنی ترچھی اور ہموار تھی کہ اس پر چڑھنا بہت ہی مشکل کام تھا۔ صرف بہت ہلکے جسم اور تیز پنجوں والے جانور ہی ان پر چڑھ سکتے تھے۔ مگر وہ اندر نہیں اتر سکتے ہوں گے۔ سرنگ سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا تھا کہ ہوادان خاصے بلند تھے اور اگر کوئی ان سے اترنا چاہتا تو وہ سیدھا نیچے آ کر گرتا کیونکہ ہوادان میں کہیں پکڑنے والی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس کی دیواریں اندر سے بھی بالکل سپاٹ تھیں۔ اس لیے کوئی جانور اندر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اور کرتا تو صحیح سلامت ہرگز نیچے نہیں آ سکتا تھا۔

کون کے اوپر سرے سے سرنگ کے پختہ فرش تک گہرائی پچاس فٹ کے قریب تھی اور اتنی بلندی سے گرنے والا کوئی فرد یا جانور سلامت نہیں رہ سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر مجھے نیچے اترنا ہوا تو میں کیا کروں گا۔ اس کے لیے رسی کی ضرورت ہوگی۔ مجھے کیرٹ کی بات یاد تھی کہ اس نے اپنے ساتھیوں سے ایک ہوادان کو اس قابل بنادیا تھا کہ آدمی اس سے آسانی سے نیچے اتر سکے۔ اس نے نقشے پر اس ہوادان کی نشان دہی بھی کی تھی۔ مجھے اس کی لوکیشن یاد تھی۔ وہ آرگون شہر سے چوتھا ہوادان تھا۔ میں نے آرگون کی طرف سے دیکھنا شروع کیا اور چوتھے ہوادان کو ذہن نشین کر لیا۔ یہ اس نیلے سے دائیں طرف کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھا اور نیلے سے سب سے نزدیک ہوادان یہی تھا۔ میں نے روبیر کو اشارے سے بتایا۔ ”ہمیں اس ہوادان تک جانا ہے۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”کیا اس سے ہم نیچے اتر سکتے ہیں۔“

”ہاں کیرٹ نے اسی ہوادان کا بتایا تھا۔ مگر ہمیں آج نہیں اترنا ہے۔“

ہم نیچے اترنے لگے۔ اترنا کسی قدر دشوار ہوا تھا اور مجھے روبیر کو سہارا دینا پڑا تھا۔ وہ تھک گئی تھی اور اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس وقت میں سمجھا کہ شاید مسلسل حرکت میں رہنے کی وجہ سے ایسا ہے۔ اس کی حرکت میں بھی سستی آئی تھی۔ وہ پہلے کی طرح چاک و چون نہیں رہی تھی۔ مگر یہ فطری امر تھا۔ ہم نے جتنا فاصلہ طے کیا تھا وہ ایک عام آدمی کو تھکانے کے لیے کافی تھا۔ ہم نیچے آئے اور ہوادان کی طرف روانہ ہوئے۔ میں محتاط تھا کیونکہ اس کا امکان تھا کہ کیرٹ سے اگلو الیا گیا ہو کہ اس نے ہماری کیا کیا مدد کی تھی؟ چنانچہ دیتے وقت میں نے اس کے جسم پر تشدد کے نشانات دیکھے تھے۔ اس صورت میں یا تو یہ ہوادان بند کیا جا چکا ہوگا یا پھر وہاں ریناٹ کے آدمیوں کا پہرہ ہوگا۔ اس کا بھی امکان تھا کہ ریناٹ کے آدمی وہاں چھپ کر آنے والوں کے منتظر ہوں۔ میں نے ہوادان سے کوئی سو گز دور روبیر سے کہا۔ ”تم اسی جگہ رکو اور چھپ کر دیکھو اگر کوئی مجھ پر حملہ کرے تو تم مجھے بچاؤ گی۔“

اس نے سر ہلایا اور ایک چٹان کی آڑ میں ہو گئی۔ میں آگے بڑھا۔ سُسٹ قدموں سے ہوادان تک پہنچا۔ اس کے آس پاس نہ تو کوئی تھا اور نہ ہی ایسے آثار نظر آرہے تھے کہ وہاں انسانوں کی آمدورفت تھی۔ یعنی زمین بالکل فطری حالت میں تھی۔ مگر یہ بھی دھوکا ہو سکتا تھا۔ نگران دور سے دیکھ سکتے تھے ان کو پاس آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں محتاط انداز میں کون تک آیا جو چاروں طرف سے جھاڑیوں میں گھری ہوئی تھی۔ اس پر چڑھنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر میں اس پر چڑھنے نہیں آیا تھا بلکہ وہ آسانی تلاش کرنے آیا جو کیرٹ نے یہاں بنوائی تھی اور جس کی مدد سے نیچے اترنا جاسکتا تھا۔ میں نے جھاڑیاں ہٹا کر دیکھا اور پھر دیکھتا ہوا پیچھے کی طرف جانے لگا۔ یہ عام نرم اور بنا کانٹوں والی جھاڑی تھی۔ نیزے کی مدد سے میں آرام سے ہٹا رہا تھا اور بالآخر مجھے دروازہ نظر آ گیا جو کون کی جڑ میں بنا ہوا تھا۔ یہ لکڑی کا بنا ہوا دروازہ تھا جس کے باہر باقاعدہ کنڈی لگی ہوئی تھی۔ میں نے یہاں سے جھاڑیاں یوں ہٹائیں کہ پھر وہ آسانی سے واپس اپنی جگہ بھی آجائیں۔ جھاڑیاں زیادہ ہلانے سے دروازے کا راز غیروں پر بھی کھل سکتا تھا۔ میں اس جگہ کو کھلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ دروازہ مشکل سے تین بائی دو کا تھا۔ اسے آپ کھڑکی سمجھ لیں۔ میں نے کنڈی ہٹائی اور پٹ کو باہر کی طرف کھینچا۔ زیادہ پرانا نہیں تھا مگر موسمی حالات نے اسے جام کر دیا تھا اور یہ کھلنے میں دشوار ہو رہا تھا۔ میں زور لگا کر کھول۔

تھا مگر مجھے خوف تھا کہ اس صورت میں آواز ہوگی اور اگر کوئی اس وقت نیچے سے گزر رہا ہوا تو وہ یہ آواز سن سکتا تھا۔ اس لیے میں دروازہ کھولنے میں احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ بالآخر وہ ہلکی سی چرچاہٹ کے ساتھ کھلنے لگا۔ ایک بار چوکھٹ سے نکلنے کے بعد کام آسان تھا اور دروازہ کھل گیا۔

میں جیران اس کے اندر کا ڈیزائن بالکل سرخ مٹی کی اینٹوں کی طرح تھا اور نیچے سے اگر کوئی دیکھتا تو اسے دیوار میں الگ سے دروازہ ہرگز نظر نہیں آتا۔ اسے بنانے اور یہاں لگانے والے یقیناً ماہر کاریگر تھے۔ میں نے نیچے جھانکا۔ عین اسی وقت نیچے سے ایک بیل گاڑی گزری جس کا رخ معبد کی طرف تھا اور اس پر منگلے لدے ہوئے تھے۔ جن میں نہ جانے کیا سامان تھا جو معبد کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔ بیل گاڑی چلانے والے معبد کے خدام کے لباس میں تھے۔ یہاں انسان کے مرتبے اور کام کی شناخت اس کے لباس سے ہوتی تھی۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا یہاں سے سرنگ کے پختہ فرش تک کوئی پچاس پچپن فٹ کا فاصلہ تھا اور کوئی انسان اتنی بلندی سے اندر نہیں کود سکتا تھا۔

مگر کیرٹ نے مکمل انتظام کیا تھا۔ دروازے کے پاس ہی ایک چرمی تھیلا رکھا تھا اور میں نے اسے کھولا تو اس میں رسی کا ایک بڑا سا بٹل تھا۔ رسی کی لمبائی یقیناً کئی سو فٹ تھی اور اس سے بیک وقت چار یا پانچ رسیاں لٹکا کر اتنے ہی لوگ اندر اتر سکتے تھے۔ کیرٹ نے درست کہا تھا اس نے مکمل انتظام کر دیا تھا۔ رسی سوت جیسے کسی ریشے سے بنی گئی تھی۔ میں نے چیک کر کے دیکھا یہ بہت مضبوط تھی اور مجھ جیسے کئی آدمیوں کا بوجھ بیک وقت سنبھال سکتی تھی۔ میں نے رسی کو واپس چرمی بیگ میں رکھا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔ ابھی تک کسی طرف سے مداخلت نہیں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ریٹائرڈ اینڈ کمپنی اس جگہ سے واقف نہیں تھے۔ جھڑپوں کو اسی شکل میں کر کے میں واپس رو بیر کے پاس آیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو میں نے کہا۔

”کون میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے اور وہاں رسیاں بھی ہیں ان کی مدد سے کئی افراد نیچے اتر سکتے ہیں۔“

”کیا ہم آج اندر نہیں جاسکتے؟“ رو بیر نے کسی قدر بے تابی سے کہا۔

”نہیں، صرف دو افراد اور دن میں کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں زیادہ افراد کی ضرورت ہے۔ پھر ہم رات کی

تاریکی میں اندر اتر سکتے ہیں۔“

میرے جواب سے رو بیر مایوس ہوئی تھی اور میں کسی حد تک اس کی مایوسی کی وجہ بھی سمجھ رہا تھا۔ اس کا محبوب شامین آرگون میں کہیں قید تھا اور رو بیر کا خیال تھا کہ ایک بار ہم آرگون میں داخل ہو جاتے تو اسے چھڑانے کے لیے کچھ کر سکتے تھے۔ لیکن اس کا یہ ممکنہ خیال بچکانہ تھا۔ میں نے آرگون دیکھا تھا یہ بہت بڑا شہر تھا اور یہاں گھس کر کسی قسم کی کوئی کارروائی کرنا ایک دو آدمیوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ ہمیں زیادہ آدمیوں اور ایک منصوبے کی ضرورت تھی۔ ساتھ ہی ضروری تھا کہ ہم اس وقت اندر گھسیں جب ریٹائرڈ کی فوج فیصلہ کن حملے کے لیے شہر سے نکل چکی ہو اور شہر میں بہت کم فوجی دستے ہوں۔ روشنی کم ہونے لگی تھی اس کا مطلب تھا کہ شام ہو چکی تھی۔ اب ہمیں واپس جانا تھا اور واپسی کے سفر سے پہلے ہم نے پیٹ پوجا کی۔ میٹھی نکلیاں کھا کر پانی پیا اور چل پڑے۔ رو بیر سست تھی اور وہ بار بار پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کے دل کی بات کہتے ہوئے اسے تسلی دی۔

”ہم آئیں گے اور اندر بھی اتریں گے۔ تم یقین رکھو ہم جب بھی شہر میں داخل ہوئے تو شامین کو زندہ سلامت بازیاب کرنا میری مہم کا ایک حصہ ہوگا۔“

وہ خوش ہو گئی۔ ”سچ کہہ رہے ہیں؟“

”ہاں تم میری ساتھی ہو اور میں تمہارے لیے یہ کام کروں گا۔“

”میں ساتھی کہاں آپ پر بوجھ ہوں۔ اگر آپ بروقت نہ آتے تو آج میں زندہ بھی نہ ہوتی۔“

”تم ساتھی ہو تبھی اس دشوار ترین مرحلے میں میرے ساتھ ہو۔“ میں نے یقین دلایا۔ ”خودکشی بزدل

لوگ کرتے ہیں جو بہادر ہوتے ہیں وہ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے جان دیتے ہیں۔“

واپسی کے سفر میں، ہمیں نے محسوس کیا کہ اب میرے اور رویہ کے پاس سے بوزیادہ نہیں آ رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ محلول کا اثر اتنا زیادہ نہیں تھا جتنا کہ میں نے سوچا تھا۔ یہ شاید وقت سے پہلے ختم ہو رہا تھا۔

اور گان جس نے یہ محلول ایجاد کیا تھا وہ اس کا اثر بارہ گھنٹے تک رکھتا تھا مگر بعد میں پجاریوں نے اسے بنایا تو شاید وہ اتنا اثر نہیں رہا یا اس میں کسی خاص چیز کی کمی تھی۔ اس لیے اس کا اثر جلدی ختم ہو جاتا تھا۔ میں نے رویہ سے

کہا۔ ”ہمیں تیز چلنا ہوگا مجھے لگ رہا ہے کہ محلول کا اثر ختم ہو رہا ہے۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے اپنے پاس سے آتی بواب کم لگ رہی ہے۔“

”اس سے پہلے کہ یہ بہت کم ہو جائے اور ہمارا واسطہ کسی درندے سے پڑ جائے ہمیں واپس پہنچ جانا

چاہیے۔“



ہم نے رفتار تیز کی اور کسی قدر بھاگنے کے انداز میں چلنے لگے۔ دن ڈھلنے کے ساتھ گرمی کم ہو گئی تھی مگر

رویہ کا چہرہ ویسا ہی سرخ ہو رہا تھا۔ میں فکرمند ہو گیا کہ اس کی طبیعت خراب تو نہیں تھی۔ اس نے گزشتہ دن جیسا

گزارا تھا وہ مکمل ٹھیک نہیں تھی اور ہمت کر کے میرا ساتھ دے رہی تھی۔ مجھے اصل فکر یہ تھی کہ راستے میں یہ خرابی

بڑھ گئی تو میں اسے سنبھال کر اتنی آسانی سے سفر کیسے کروں گا۔ تیز رفتاری کی وجہ سے ہم جلد اس جگہ پہنچ گئے جہاں

سپاہیوں سے واسطہ پڑا تھا اور ان کا موت سے واسطہ پڑ گیا تھا۔ وہاں اب اسما نہیں تھے۔ سپاہیوں کی لاشیں بھی

نہیں رہی تھیں۔ مگر لومڑی کے سائز کے چھوٹے جانور بچ جانے والی ہڈیوں کو کھنھوڑ رہے تھے اور کتے کی سی آواز

میں بھونک رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر ان میں کھلبلی مچی تھی۔ مگر ان کا انداز جارحانہ نہیں تھا۔ وہ آس پاس درختوں

اور جھاڑیوں میں چھپنے لگے۔ مگر جب ہم ذرا آگے نکلے تو وہ دوبارہ پلٹ آئے۔ میں نے رویہ سے کہا۔ ”اب

تک ان سپاہیوں کی تلاش میں کوئی نہیں آیا اس کا مطلب ہے ربان نے اپنی زبان بند رکھی ہے۔“

”مجھے بھی یقین تھا کہ وہ خاموش رہے گی۔ صرف اس کی نہیں اس کے بچوں کی زندگی بھی خطرے

میں تھی۔“

اس جگہ سے ہمیں مشعلیں روشن کرنا پڑی تھیں کیونکہ اب ہم جنگل میں سفر کر رہے تھے اور یہاں روشنی

بہت کم رہ گئی تھی۔ کچھ آگے جا کر ہم سستانے کے لیے رکے اور جیسے ہی سانس درست ہوا دوبارہ چل پڑے۔ مگر

اب میں نے محسوس کیا کہ رویہ کی چال سُست تھی اور وہ جیسے مجبوراً میری رفتار کا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ قدم اٹھا

نہیں رہی تھی بلکہ گھٹیت رہی تھی۔ کچھ آگے نکل کر میں نے جان بوجھ کر رفتار کم کر لی۔ مگر اس سے پوچھا نہیں۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس حد تک ہمت کا مظاہرہ کرتی ہے۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے تھے اور وہ پھر بھی ہمت کر کے چلتی رہی۔ اب ایک گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ اب میں نے بنا کہے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے کھینچنے لگا۔ اس کی ہمت کو مزید آزمانے کا وقت نہیں تھا۔ یوں اسے کسی قدر سہارا ملا تو اس کے قدم بہتر ہو گئے تھے۔

ہم آرگون سے آگے نکل آئے تھے اور اب ہمارے بائیں طرف ذرا فاصلے پر سامیرا کے لوگوں کے کھیت اور باغات تھے۔ ہمیں ان سے بھی درور ہنا تھا۔ درختوں سے گزرتے ہوئے وہاں کام کرنے والے اور ان کی حفاظت کرنے والے سپاہی نظر نہیں آرہے تھے مگر وہ لوگ موجود تھے۔ یہاں تار کی چھانے تک کام ہوتا تھا اس کے بعد مزدور اور دوسرے واپس آرگون کے قلعے میں چلے جاتے تھے اور اس کے دروازے بند ہو جاتے تھے۔ اگر رہبان نے زبان بند رکھی ہوگی تو وہ بھی زندہ سلامت شہر جانے والوں میں شامل ہوگی۔ رویہ کی رفتار بہتر ہوئی تھی کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”بس اب میں خود چل سکتی ہوں۔ آپ میرا ہاتھ چھوڑ دیں۔“

جب میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ سخت گرم ہو رہا تھا۔ اسے بخار تھا اور یقیناً اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ مجھے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ خود سے چل سکے گی مگر اس نے کہا تو میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ پھر سے لڑکھڑانے لگی تھی اور پھر اچانک ہی لہرا کر نیچے گری۔ میں کچھ دور تھا اس لیے اسے پکڑ نہیں سکا اور پھر سامان بھی لدا ہوا تھا۔ وہ پہلو کے بل گری اور ساکت ہو گئی۔ میں نے سامان پھینکا اور اسے جلدی سے سیدھا کیا تو وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس کی نبض کی رفتار سست اور کسی قدر بے ترتیب تھی۔ یہ یقیناً زخموں، تھکن اور گزشتہ روز کے شاک کا مجموعہ تھا جو اس کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ ابھی ہم نیلے سے کچھ فاصلے پر تھے۔

رویہ کا ہوش میں آنا ضروری تھا۔ میں نے اس کے منہ میں پانی ڈپکا یا اور کچھ اس کے منہ پر بھی چھڑکا۔ وہ کسمپاسی مگر اس کی بے ہوشی نہیں ٹوٹی تھی۔ ابھی آدھے گھنٹے کا سفر باقی تھا اور ہمارے پاس خاصا سامان تھا۔ بیک وقت سامان اور رویہ کے ساتھ سفر کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسے زبردستی ہوش میں لانا بھی مناسب نہیں ہوتا وہ پھر سے بے ہوش ہو جاتی۔ اس لیے میں نے سوچا اور سامان یہیں چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کیا۔ سارا سامان کپڑوں والے تھیلے کے ساتھ ایک درخت کی بلند شاخ پر باندھ دیا۔ اب میرے پاس صرف ایک نیزہ اور مشعل تھی۔ تار کی تقریباً مکمل ہو گئی تھی اور اب ہمیں مشعل کے سہارے سفر کرنا تھا۔ نیزہ بھی لازمی تھا کہ کسی خطرے کا سامنا ہونے کی صورت میں بالکل ہی نہتا بھی نہ ہوتا۔ رویہ کو اٹھا کر یوں شانے پر ڈالا کہ اس کا اگلا دھڑ میری پشت پر جھول رہا تھا اور میں نے اس کی ٹانگوں سے اسے پکڑا ہوا تھا۔ اسی ہاتھ میں نیزہ تھا اور دوسرے میں مشعل تھا۔ میں آگے بڑھنے لگا۔

اب تک کسی جانور سے واسطہ نہیں پڑا تھا اور میں دعا کر رہا تھا کہ واسطہ پڑے بھی نہ، ورنہ میں کسی صورت اپنا اور رویہ کا دفاع نہیں کر سکتا تھا۔ میرے پاس ایک نیزے کے سوا کچھ نہیں تھا اور ہمارے جسموں سے آتی بو بھی بہت کم رہ گئی تھی۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ بواب درندوں کو روکنے کے لیے کافی نہیں رہی تھی۔

اچانک بھیڑیوں جیسی آواز بلند ہوئی اور میرا دل ایک لمحے کو رک گیا۔ کیا اساروں نے ہماری بو پانی تھی یا کسی نے دیکھ لیا تھا اور اب دوسروں کو مطلع کر رہا تھا۔ بھیڑیے جیسی شکل و صورت کے اس جانور کی یہ عادت بھی بھیڑیوں سے ملتی تھی کہ کسی صورت میں یہ بلند آواز نکال کر اپنے دوسرے ساتھیوں کو مطلع کرتے تھے۔ وہ مختلف آوازوں سے نہ صرف لوکیشن بلکہ شکار کے بارے میں بھی بتاتے تھے۔ میں اس پر انحصار نہیں کر سکتا تھا کہ یہ آوازیں اساروں کے معمول کا حصہ تھیں۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہے اور اب وہ کہیں آس پاس موجود تھے۔

میں نے رفتار تیز کی، ٹیلہ اب کچھ ہی دور رہ گیا تھا اور بھیڑیوں جیسی آوازیں نزدیک آرہی تھیں۔ میرا شبہ بڑھ رہا تھا کہ اساروں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ میری کوشش تھی کہ ان کی آمد سے پہلے ٹیلے تک پہنچ جاؤں۔ آخر میں، میں نے تقریباً بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ روبیر کا وزن ساٹھ کلوگرام سے کم نہیں تھا۔ بد ظاہر وہ چھری دکھائی دیتی تھی مگر اس کا جسم مضبوط اور گتھا ہوا تھا۔ اس لیے وزن بھی زیادہ تھا۔ مسلسل بھاگنے سے میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا اور جسم پر پسینہ ایک بار پھر بہنے لگا تھا۔ مگر اس وقت مجھے پتہ ہی نہیں تھا۔ اب مجھے روبیر سمیت اوپر جانا تھا۔ بالآخر میں کامیاب رہا مگر جس وقت روبیر کو لے کر اوپر چڑھ رہا تھا میں چار اساروں کے آگے موجود ہوئے۔ خوش قسمتی سے تقریباً اوپر چڑھ گیا تھا ورنہ نصف راستے میں ہوتا تب بھی اسار چھلانگ لگا کر مجھے پکڑ سکتے تھے۔

انہوں نے ایسا کرنے کی کوشش کی اور ان میں سے ایک تو اتنے نزدیک تک آیا کہ اس کا منہ میرے جوتوں سے کچھ ہی دور رہ گیا تھا۔ بیک وقت دو نے چھلانگ لگائی تھی۔ اوپر آنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میرا سانس دھوکئی کی طرح چل رہا تھا اور میں سر سے پاؤں تک پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ آخری پندرہ بیس منٹ کا سفر میں نے بھاگتے ہوئے طے کیا تھا اور اسی وجہ سے ہم اسار کا نشانہ بننے سے بال بال بچے تھے۔ یقیناً حلال کی تاثیر ختم ہو چکی تھی اور میرے پاس سے بوائے تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ تبھی اسار نے بے دریغ حملہ کیا۔ روبیر کو گھاس پر لٹا کر میں کنارے تک آیا۔ اوپر چڑھنے سے پہلے میں نے مشعل ایک جگہ لگا دی تھی کہ روبیر کو اوپر چھوڑ کر مشعل واپس لے جاؤں گا مگر اب نیچے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مگر نیچے جانا بھی لازمی تھا۔ میں اپنا اہم ترین سامان پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اسی میں ہمارے سارے ہتھیار تھے۔ جو سامان لانے دیئے تھے وہ بھی وہیں رہ گئے تھے اور اب میرے پاس سوائے ایک نیزے کے اور کچھ نہیں تھا۔ میں نے ایک مشعل جلا کر باہر لگائی۔

بہر حال سامان بعد کا مسئلہ تھا اس وقت مجھے روبیر کی فکر تھی۔ خوش قسمتی سے صبح میں نے مٹکا اور ڈول بھر کر رکھ لیا تھا اس لیے ہمارے پاس پانی تھا۔ میں نے پہلے خود پانی پیا اور پھر روبیر کو پلایا۔ اس کا بدن جیسے آگ بنا ہوا تھا۔ میرے پاس کوئی دوا یا چیز نہیں تھی جسے اس کے علاج کے لیے استعمال کرتا۔ بخار کم کرنے کی ایک ہی ترکیب تھی۔ میں نے پٹیاں پانی میں بھگو کر اس کے سر، ہاتھوں اور پیروں پر رکھنا شروع کر دیں۔ کپڑے کے لیے اس کی کمر سے بندھا ہوا پٹکا اتارا تھا۔ مسلسل پٹیاں رکھنے سے اس کا درجہ حرارت کم ہوا تھا اور چہرے کی سرخی بھی کم ہوئی تھی۔ وقفے وقفے سے میں اس کے منہ میں پانی بھی ٹپکا تا رہا تھا۔ بالآخر اسے ہوش آ گیا۔ اس نے بہت سرخ آنکھیں کھولیں اور مجھے دیکھا۔ پھر انھنے کی کوشش کی۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے دوبارہ لٹا دیا۔

”ابھی مت اٹھو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”پانی مجھے پیاس لگی ہے۔“

میں اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اچھا خاصا پانی پلا چکا تھا مگر اس کے ہونٹ یوں خشک تھے جیسے اس نے نہ جانے کب سے پانی نہ پیا ہو۔ بخار اسے خشک کر رہا تھا۔ میں نے اسے کٹورے میں ڈال کر اور سہارا دے کر پانی پلایا۔ ”تھوڑا تھوڑا کر کے اور چوس کر پیو، ایک ساتھ زیادہ پانی پیا تو طبیعت خراب ہو جائے گی۔ تم خالی پیٹ بھی ہو۔“

اس نے سر ہلایا اور میری ہدایت کے مطابق پانی پینے لگی۔ کچھ دیر میں اس نے پورا کٹورا خالی کر دیا اور نڈھال سی ہو کر گھاس پر لیٹ گئی۔ پھر اس نے شکایت کی۔ ”پورا جسم دکھ رہا ہے۔ گرمی لگ رہی ہے۔“

اس کا بخار کم ہوا تھا مگر اب بھی یہ اچھا خاصا تھا۔ میں پھر اس کے ہاتھ پیروں پر پانی سے پٹیاں بھگو کر رکھے لگا۔ اس دوران میں اسار نیچے موجود تھے۔ کبھی کبھی وہ آواز نکالتے تھے۔ رویہ کے ہوش میں آنے کے بعد وہ بولے تو وہ ہم گئی۔ ”اسار ہیں یہاں؟“

”ہاں وہ راستے میں ہمارے پیچھے لگ گئے تھے۔ میں بہت تیزی سے آیا اور جب اوپر چڑھ رہا تھا تو انہوں نے حملہ بھی کیا تھا مگر خوش قسمتی سے میں ان کی پہنچ سے نکل گیا تھا۔“

وہ حیران ہوئی تھی۔ ”آپ مجھے اٹھا کر لائے، اتنی دور سے۔“

”ہاں تمہیں بالکل ہوش نہیں تھا۔ تم جو ایک بار گریں تو پھر اٹھیں نہیں، سامان بھی وہیں چھوڑنا پڑا تھا۔ مجھے لگ رہا ہے کہ محلول کا اثر بھی ختم ہو گیا تھا اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہم خوش قسمتی سے بچے ہیں۔ اگر ڈر دیر ہو جاتی تو اسار ہمیں آلیتے۔“

”نہیں میں آپ کی وجہ سے بچی ہوں۔“ اس نے جذباتی انداز میں اپنے گرم ہاتھوں سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ”آپ کیوں میرے لیے اتنا کر رہے ہیں۔ میں آپ کی کچھ نہیں لگتی ہوں۔ میں نے تو آپ کے ساتھ برا کیا۔ آپ کو دھوکا دیا۔“

”میں نے کہا نا تم میری ساتھی ہو اور میرے مشکل وقت میں میرا ساتھ دے رہی ہو۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔“

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ ”اتنا میرے لیے کسی نے نہیں کیا۔“

”یہ سب اوپر والے کی مہربانی ہے اور تم خود بہت اچھی لڑکی ہو۔“ میں نے نرمی سے کہا۔ ”تم اس وقت رو گی اور جذباتی ہو گی تو تمہاری طبیعت اور خراب ہو جائے گی۔ میرے پاس تمہارے علاج کے لیے کچھ نہیں ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم خود پر قابو رکھو اور جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔“

اس نے خود پر قابو پایا اور آنسو صاف کرنے لگی۔ میں نے اسے مجبور کر کے کچھ پھل کھلائے۔ وہ پھر آنکھ بند کر کے لیٹ گئی تھی۔ رات گہری ہونے لگی تھی۔ میں رویہ کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور کبھی کبھی جا کر جھانک کر اسار کو دیکھتا تھا۔ ان کی تعداد بڑھ گئی تھی اور اب وہاں نصف درجن خونخوار اسار موجود تھے۔ مگر اب وہ آوازیں نہیں نکال رہے تھے۔ شاید ان کا سارا جھنڈ یہاں جمع ہو گیا تھا اور اب انہیں مزید آوازیں نکالنے کی ضرورت نہیں تھی۔ غالباً انہوں نے تاڑ لیا تھا کہ ہم اس نیلے پر محصور ہیں اور یہاں سے کہیں نہیں جاسکتے۔ اس لیے وہ اطمینان

سے نیچے گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے تھے کہ کبھی نہ کبھی ہم نیچے اتریں گے۔ انہیں کوئی جلدی نہیں تھی۔ رات بھگنے لگی تو میں نے رویہ کر کاٹھایا۔ ”اندر چلو، اب ٹھنڈ ہو رہی ہے اور اس گر رہی ہے۔“ اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور پھر بے بسی سے بولی۔ ”مجھ سے نہیں اٹھا جا رہا۔“

میں نے اسے اٹھایا اور لے جا کر اندر بستر پر لٹا دیا۔ اس کا جسم اب بھی گرم تھا لیکن یہ پہلے کے مقابلے میں خاصا کم ہو گیا تھا۔ اگر رات میں اس کا بخار اتر جاتا تو صبح تک اس کی طبیعت ٹھیک ہو سکتی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ جلد ٹھیک ہو جائے تاکہ میں دوسرے کاموں پر توجہ دے سکوں اور خاص طور سے وہ سامان لاؤں جو میں چھوڑ آیا تھا۔ اس میں ہتھیاروں کے ساتھ اہم ترین چیز آرگون کے سپاہیوں کی وردیاں تھیں۔ رویہ کو کیمین میں لٹا کر میں خود گھاس کے تختے پر لیٹ گیا اور اس سے اٹھتی ہوئی سوندھی سی خوشبو محسوس کرتا ہوا سو گیا۔ رات میں آنکھ کھلی تو میں نے رویہ کو چیک کیا۔ اس کا چہرہ اور سانس نارمل تھا اور بخار تقریباً اتر گیا تھا۔ اسے دیکھ کر سو یا۔ دوسری بار آنکھ کھلی تو صبح قریب تھی۔ بھرپور نیند کے بعد اب میں خود کو تروتازہ محسوس کر رہا تھا۔ سب سے پہلے میں نے اسماروں کی خبر لی جو بدستور نیچے موجود تھے۔ مشعل بجھ گئی تھی اور نیچے تاریکی تھی مگر ان کے غرانے کی ہلکی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ وہیں موجود ہیں۔ میں کیمین میں آیا تو رویہ جاگ رہی تھی۔ وہ کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔

”اب کیسی ہو؟“

وہ مسکرائی۔ ”ٹھیک ہوں، درد اور بخار نہیں ہے۔“

”یہ تو اچھی بات ہے، بھوک لگی ہے کچھ کھاؤ گی؟“

اس نے سر ہلایا اور اٹھ بیٹھی۔ اس نے اپنے کھلے بال ایک چھوٹی سی اسٹک کی مدد سے جوڑے میں باندھے پھر جھینپے انداز میں کہا۔ ”وہ مجھے نیچے جانا ہے۔“

”اس وقت تو نیچے جانا ممکن نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔ ”ہاں اسی ٹیلے پر پیچھے کی طرف جا سکتی ہو۔“

میں نے پہلے ہی مناسب جگہ دیکھ لی تھی کہ رفع حاجت کے لیے نیچے جانا ممکن نہیں تھا۔ کیمین میں جانے سے پہلے میں خود وہاں سے ہوا آیا تھا۔ رویہ وہاں سے آئی تو اس نے منہ ہاتھ دھویا۔ پانی کفایت شعاری سے خرچ کیا جا رہا تھا۔ جب تک اسمار موجود تھے نیچے جا کر پانی لانا بھی آسان کام نہیں تھا۔ اس نے بھی نیچے موجود اسماروں کو دیکھ لیا تھا۔ ”ان کے ہوتے ہوئے ہم نیچے نہیں اتر سکتے ہیں۔“

”محمول پی کر میں جا سکتا ہوں۔“

وہ بے چین ہو گئی۔ ”آپ اکیلے؟“

”ہاں مجھے سامان لانا ہے اور پھر پانی بھی لانا ہے۔“

”محمول کا اثر جلدی ختم ہو رہا ہے۔“

”ہاں لیکن اتنی جلدی بھی نہیں۔“ میں نے کہا اور تھپلا کھولا۔ اس میں اب کھانے کا سامان کم رہ گیا تھا چند ایک پھل تھے جو میں نے رویہ کو دے دیئے اور خود مینٹی نکلیوں سے گزارا کیا تھا۔ اس دوران میں روشنی ہونے لگی تھی۔ اچانک مجھے ریک کا خیال آ رہا تھا اس نے یہاں آنا تھا اور وہ بے خبر تھا کہ یہاں اسمار کا پورا اجنڈ موجود ہے۔ وہ بے خبری میں چلا آتا تو ان کے ہاتھ لگ جاتا۔ اس لیے میں چاہتا تھا کہ اسمار جلد از جلد یہاں سے چلے

جائیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ میں ہتھیار لے کر آؤں اور تیروں سے اساروں کو مار بھگاؤں۔ ناشتے کے فوراً بعد میں نے محلول کی ایک خوراک پی لی۔ رو بیر بولی۔

”مجھے پورے جسم میں بے چینی ہو رہی ہے یہ یہاں سے دفع ہوں تو میں چشمے پر جا کر نہاؤں گی۔“
 ”بخار کے بعد ایسی ہی بے چینی ہوتی ہے۔“ میں نے تائید کی اور اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ میری کوشش تھی کہ مجھے جلد از جلد پسینہ آئے اور مجھ سے بو آنا شروع ہو۔ دس پندرہ منٹ بعد مجھ سے بو آنے لگی اور رو بیر نے تائید کی۔

”بو آ رہی ہے مگر آپ کچھ دیر بعد جائیے گا۔“

میں نے بھی یہی مناسب سمجھا۔ محلول پینے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں ٹیلے سے نیچے اترنے کے لیے سیڑھی تک آیا۔ روشنی ہو گئی تھی اور اسار صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی جسامت دیکھ کر رو بیر سہم گئی۔ اس نے مجھ سے احتیاط کرنے کو کہا۔ مگر میں جو احتیاط کر سکتا تھا وہ کر لی تھی اس سے زیادہ کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ میرے پاس سے آتی بو محسوس کر کے اسار ناپسندیدہ انداز میں غرانے لگے اور جب میں نیچے اتر رہا تھا وہ آگے آنے کے بجائے پیچھے ہٹنے لگے۔ نیچے اتر کر میں آگے بڑھا تو وہ دائیں بائیں ہو کر دور ہونے لگے۔ سچی بات ہے کہ اس خوفناک درندے کے جھنڈ کے پتوں بیچ سے گزر کر جاتے ہوئے میرا خوف سے رواں رواں کھڑا ہو گیا تھا۔ اگر وہ بو کی پروا کیے بغیر حملہ آور ہو جاتے تو لمحوں میں میرا خاتمہ کر سکتے تھے۔ مگر اس بونے انہیں پاس آنے سے روکا تھا۔ البتہ انہوں نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا اور دائیں بائیں اور پیچھے فاصلہ رکھ کر میرے ساتھ چلنے لگے۔ وہ اس امید میں تھے کہ شاید مجھ سے آنے والی بو ختم ہو جائے اور وہ مجھ پر حملہ کر سکیں۔

میرے لیے اطمینان کی بات یہ تھی کہ وہ سب میرے پیچھے تھے اور میرے پاس بھی نہیں آ رہے تھے۔ میں نے راستے کی کچھ نشانیاں ذہن میں رکھی تھیں تاکہ میں ٹھیک اسی درخت تک پہنچ سکوں جہاں میں نے سامان رکھا تھا۔ اس کے باوجود مجھے کچھ دیر بھٹکانا پڑا تھا اور تب میں درخت تک پہنچا تھا وہاں شاخ پر سامان دیکھ کر میں نے سکون کا سانس لیا ورنہ یہ خدشہ بھی تھا کہ سامان ہی غائب نہ ہو جائے۔ میں نے تھیلہ اتار کر سب سے پہلے کمان اور ترکش نکالے اور سب سے نزدیک موجود اسار پر تیر اندازی کی مشق کی۔ غیر متوقع طور پر تیر اس کی گردن میں اتر گیا۔ اس نے بھیا تک آواز نکالی اور زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اس کا شردیکھ کر دوسرے اسار تیزی سے بھاگے اور مجھ سے کچھ فاصلے پر جا کر رکے تھے۔ میں نے لوٹے اسار کو چند تیر اور مارے جو تقریباً سارے نشانے پر لگے۔

وہ بے دم سا ہو گیا تھا اور مجھے نیزے کی مدد سے اس کا خاتمہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ نیزہ میں نے اس کی گردن میں اتار دیا تھا۔ اس نے چند لمحوں پر پنے کے بعد جان دے دی۔ میں نے اس کے جسم میں اتر جانے والے تیر نکال کر صاف کیے اور واپس ترکش میں رکھ لیے۔ یہ سارا کام میں نے اطمینان سے کیا تھا۔ اپنے ایک ساتھی کا انجام دیکھ کر دیگر اساروں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ میرا پیچھا چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ جب تک میں نے تیر نکالے وہ غائب ہو گئے تھے۔ میں مطمئن ہو کر آگے بڑھا۔ سامان خاصا تھا مگر وزنی نہیں تھا۔ رتبان کے پھنے کرتے نے بڑا کام دیا اور اسی میں سب ڈال کر میں نے گھمری بنالی تھی ورنہ الگ الگ ان کو لے

جانا آسان نہیں تھا۔ البتہ نیزے اور کانیں ساتھ رکھی تھیں۔ نصف نچنے بعد میں دوبارہ نیلے کے پاس تھا۔ میں نے نیچے سے روہیر کو آواز دی۔ وہ نزدیک ہی تھی۔ فوراً دوڑی آئی اور چپک کر بولی۔

”آپ آگئے۔“

”ہاں ڈول دو۔“

اس نے اوپر سے ڈول پھینکا۔ میں نے نیچے سے سامان اچھالا اور پھر ڈول اور وردیاں لے کر ندی پر آیا۔ پہلے میں نے وردیاں دھوئیں اور پھر ڈول بھر کر واپس نیلے پر آیا۔ مزید چند پتھر لگا کر میں نے اتنا پانی کر دیا کہ روہیر اوپر ہی نہا لی تھی۔ اسار نیلہ اور اس پر ہماری موجودگی سے واقف ہو چکے تھے۔ مجھے شک تھا کہ وہ اب آس پاس رہیں گے۔ اس صورت میں روہیر کا ندی پر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ آرام سے نہائے میں نیچے ہی موجود ہوں۔ اس نے نہا لیا تو میں نے دوبارہ ندی سے جا کر پانی بھرا۔ روہیر نے کچھ خشک بیلین آپس میں ملا کر سی بنائی تھی۔ وہ اس کی مدد سے بھرا ہوا ڈول اس سے اوپر کھینچ لیتی اور مجھے اوپر نہیں جانا پڑتا تھا۔ یوں کام آسانی سے اور تیزی سے ہو گیا۔ مجھے بھی بار بار اوپر نہیں جانا پڑا تھا۔

ہمارے پاس خوراک تقریباً ختم تھی۔ جو بھلی پہلے پکڑی تھی اس کا تھوڑا سا بچ جانے والا حصہ اب خراب ہو گیا تھا اور اس سے بو اٹھ رہی تھی۔ ربیک کی آمد کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے اور ہمیں خوراک کی ضرورت تھی۔ یہاں صرف مچھلیاں تھیں۔ پانی بھرنے کے دوران میں نے ندی میں ایک جگہ دیکھ لی تھی جہاں مچھلیاں تھیں۔ مگر وہاں پانی گہرا تھا اور انہیں پکڑنا آسان نہیں تھا۔ اس کے لیے میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور میں نے رہبان کا کرتلے کر اسے یوں کھولا کہ وہ چادری بن گئی۔ جہاں سے وہ پھنسا ہوا تھا وہاں گرہ لگا دی۔ پھر یہ جال لے کر ندی تک آیا اور اس کے کنارے روہیر کی بنائی بیلوں کی رسی سے باندھ دیے۔ جال کو تہہ میں بچھا دیا۔ یہ آسان کام نہیں تھا کیونکہ پانی بہہ رہا تھا جو کپڑا بھی بہا لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کسی نہ کسی طرح میں نے کپڑا تہہ میں بچھا دیا اور پھر ڈوریاں تھام کر انتظار کرنے لگا کہ کب کچھ مچھلیاں کپڑے کے اوپر آتی ہیں اور میں جال کھینچ کر انہیں پکڑتا ہوں۔ شروع میں مچھلیاں کچھ بدکی تھیں مگر پھر کپڑے کو بے ضرر جان کر اس پر آئیں۔ جیسے ہی تین بڑی مچھلیاں جال کے اوپر آئیں۔ میں نے پوری قوت اور تیزی سے جال کھینچ لیا۔ ایک مچھلی بھاگنے میں کامیاب ہوئی مگر دو جال کے ساتھ ندی سے باہر آ گئی تھیں۔ احتیاطاً میں نے کپڑا اندی سے دور پھینک دیا کہ مچھلیاں اس سے نکلیں بھی تو پانی میں واپس نہ جاسکیں۔ وہ جس طرح تڑپ رہی تھیں انہیں کپڑے میں رکھنا دشوار لگ رہا تھا اور لگ رہا تھا کہ واپس ندی میں چلی جائیں گی۔ دوڑ گرنے پر بھی وہ باہر نکل آئیں اور ندی کی طرف آنے کی کوشش کی مگر میں نے انہیں دوبارہ کپڑا ڈال کر لپیٹ لیا۔

آج اور شاید کل کے لیے بھی یہ مچھلیاں کافی تھیں۔ ان کا گوشت ذائقے دار تھا۔ جب میں نے مچھلیاں لا کر روہیر کو دیں تو اس کی خوشی دیکھ کر مجھے بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں گھر گہستی میں گرفتار شخص ہوں جس کی صبح شام اس فکر میں ہوتی ہے کہ اپنے خاندان کا پیٹ کیسے بھروں۔ روہیر کی خوشی اصل میں مچھلی کی نہیں خوراک کی تھی کیونکہ اب ہمارے پاس کھانے کو کچھ خاص نہیں تھا۔ اس لیے میرے ہنسنے پر اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ ”کیوں ہنس رہے ہیں۔“

”میں نے آج تک ایسے کام نہیں کیے۔ اس لیے جب کر رہا ہوں تو ہنسی آرہی ہے۔“
 ”آپ کی بیوی بچے ہیں؟“
 ”نہیں۔“

”تمہی عجیب لگ رہا ہے۔“ اس نے سادگی سے کہا اور پتھر کے چاقو سے مچھلیوں کو ہلاک کرنے لگی جواب تک تڑپ رہی تھیں۔ یہ چاقو سپاہیوں کے پاس سے نکلے تھے اور کام میں دھات کے چاقو سے کم نہیں تھے۔ مجھے خیال آیا کہ جب یہ چاقو بنا سکتے ہیں تو پتھر کے اور تیز دھار ہتھیار کیوں نہیں بناتے۔ شاید اس لیے کہ بڑے ہتھیار کی صورت میں پتھر آسانی سے ٹوٹ جاتا اسی لیے یہ پتھر سے چھوٹے ہتھیار اور اوزار بناتے ہیں۔ رویہ جنگجو لڑکی ہونے کے باوجود کھانے پکانے کے کام جانتی تھی۔ اس نے مہارت سے مچھلیوں کو صاف کیا اور ان کے قتلے کیے۔ نہادھو کر رویہ تازہ دم نظر آرہی تھی۔ اس نے خاتون خانہ کا کردار ادا کرتے ہوئے یکہن اور اس کے آس پاس کی صفائی کر دی تھی۔ چیزیں سلیقے سے رکھی تھیں اور اب مچھلی صاف کر رہی تھی۔ آلائشیں نکال کر اس نے گوشت ہوا میں رکھ دیا تاکہ دیر تک خراب نہ ہو۔ کچھ قتلے اس نے نکال لیے تھے اور دوپہر کے لیے ان کو بھوننے لگی۔ تیلے پر خشک جھاڑیوں کی بھی کمی نہیں تھی جن سے جلانے کے لیے لکڑی مل رہی تھی۔

بغیر نمک اور کسی سالے کے مچھلی کا سادہ گوشت بھی بہت مزے کا تھا اور میں نے پیٹ بھر کر کھا یا۔ رویہ سے بھی کہا کہ وہ ٹھیک سے کھائے ورنہ کل تک یہ گوشت خراب ہو جائے گا۔ اس سے بہتر تھا کہ ہم زیادہ کھالیں۔ اس کے بعد کچھ وقت ہلاک کھائیں گے تو برابر ہو جائے۔ میری ہدایت پر رویہ نے مزید قتلے بھون لیے تھے۔ کھاپی کر میں آرام کرنے لگا اور کچھ دیر بعد اٹھ کر نیچے جھانکا۔ ربیک اب تک نہیں آیا تھا اور میں نے کچھ ہی دیر میں کئی بار ٹیلے کے نیچے کا جائزہ لے لیا اور فی الحال مجھے اسار کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ رویہ نے غالباً میری بے چینی بھانپ لی۔ ”آپ نیچے کیوں دیکھ رہے ہیں۔“

میں نے اسے ربیک کے بارے میں بتایا تھا۔ ”وہ آئے گا اور مجھے خطرہ ہے کہ اسار ہمارے چکر میں آس پاس موجود ہیں کہیں وہ اسے نہ گھیر لیں۔“

”ہاں اس کا خطرہ ہے۔“ رویہ بولی۔ ”سامیر اسے رابطے کا وہی ایک ذریعہ ہے۔“
 ”ہاں اگر وہ نہ رہا تو ہم سامیر اسے رابطے سے محروم ہو جائیں۔“ میں نے سر ہلایا۔ ”کیا میرے پاس سے آنے والی بو اب بھی واضح ہے؟“

رویہ نے سونگھا اور بولی۔ ”ہاں اب بھی آ رہی ہے۔“

”تب میں نیچے کا ایک چکر لگاتا ہوں۔ ربیک یا اسار آس پاس ہوئے تو پتا چل جائے گا۔“
 میرا کرتہ ربان پہن گئی تھی اور اس کا کرتہ کسی قابل نہیں رہا تھا۔ سپاہیوں کی دھوئی جانے والی وردیاں تقریباً خشک ہو گئی تھیں میں نے ان میں سے ایک کا انتخاب کیا۔ پھر میں نے نیزہ اور تیر کمان لیے اور نیچے اتر آیا۔ مارے جانے والے سپاہیوں کے پاس ڈھالیں بھی تھیں مگر وہ بڑی اور بھاری تھیں ہم لائیں سکتے تھے۔ وہ ویسے بھی ہمارے لیے بیکار تھیں کہ صرف کھلی جنگ میں کارآمد ہو سکتی تھیں۔ میں نے پہلے آس پاس کا جائزہ لیا اور میری چھٹی حس نے بتایا کہ اسار یہاں نہیں ہیں۔ مطمئن ہو کر میں قلعوں والی سمت روانہ ہوا۔ ربیک اسی سمت

سے آتا۔ جنگل سے نکل کر کھلی جگہ آیا جہاں دور تک نظر رکھی جاسکتی تھی۔ باغات اور کھیت یہاں سے خاصے فاصلے پر تھے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ کسی درخت پر چڑھ جاؤں اور یوں میں دور تک دیکھ سکوں گا۔ ایک درخت جو زیادہ اونچا تھا میں اس کی ایک درمیانی شاخ پر چڑھ گیا۔ کیونکہ درخت کے آگے کھلا میدان تھا اس لیے یہاں سے وادی کا جنوبی حصہ اور کسی حد تک قلعے بھی دکھائی دے رہے تھے۔

اب مجھے انتظار کرنا تھا۔ شاخ خاصی موٹی تھی اور میں آرام سے بیٹھا ہوا تھا۔ دن کا وقت تھا اس لیے کینرے کوڑے بھی آرام کر رہے تھے۔ درندرات میں انہوں نے میرا جو حال کیا تھا اس کا سوچ کر میری روح کانپ اٹھتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ یہاں پرندے درختوں پر گھونسلے نہیں بناتے تھے۔ وہ شاید چٹانوں اور وادی کی دیواروں میں گھونسلے بناتے تھے۔ جو پرندے اڑتے نہیں تھے وہ جھاڑیوں میں رہتے تھے۔ جیسا کہ وہ زہریلے کانٹے برسائے والا خوش رنگ پرندہ تھا۔ سائز میں وہ مور سے کچھ ہی چھوٹا تھا مگر اس کے پر مور سے کہیں زیادہ حسین اور دلکش تھے۔ وقت گزرتا گیا اور مجھے ربیک کی آمد کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ میرے پاس سے آتی ہو بھی کم ہو رہی تھی اس سے پہلے کہ بوتانی کم ہو جاتی کہ اساروں کے لیے قابل برداشت ہو جاتی میں نے مناسب سمجھا کہ واپس جاؤں۔

لیکن اس سے پہلے کہ میں درخت سے اترتا مجھے مشرقی سمت سے کچھ افراد حرکت کرتے دکھائی دیے۔ وہ خاصے فاصلے پر تھے اس لیے ان کی تعداد اور صورتیں واضح نہیں تھیں لیکن ان کے لباس کا سرخ رنگ اتنی دور سے بھی صاف دکھائی دے رہا تھا۔ درحقیقت سرخ رنگ نے مجھے ان کی طرف متوجہ کیا تھا۔ یہ سرخ رنگ سفیدی بالکل سبزے میں نمایاں ہو رہا تھا۔ سرخ رنگ کا لباس یہاں صرف آرگون کے سپاہی پہنتے تھے۔ تو کیا آرگون کے سپاہی اس طرف آرہے تھے۔ چند منٹ بعد وہ واضح دکھائی دینے لگے اور وہ آرگون کے مسلح سپاہی ہی تھے۔ ان کی تعداد سات آٹھ تھی اور وہ پوری طرح مسلح تھے۔ ان کے پاس ڈھالیں تک موجود تھیں۔ وہ تھیل کر چل رہے تھے اور ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی کو تلاش کر رہے ہیں۔

میری چھٹی جس نے اشارہ دیا کہ وہ کل غائب ہونے والے تین سپاہیوں کو تلاش کر رہے تھے۔ مجھے ذرا تعجب ہوا کہ ان کی لاشیں باغات اور کھیتوں سے زیادہ دور نہیں تھیں۔ بے شک لاشیں جانور کھا چکے تھے مگر ان کی ہڈیاں تو ملنی چاہیے تھیں۔ شاید وہ اس طرف کے سپاہی نہیں تھے یا پھر کسی وجہ سے ان کی ہڈیاں بھی نظر میں نہیں آئی تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جانوروں نے ان کی ہڈیاں تک کھالی ہوں۔ اس کے باوجود جو ہتھیار ہم چھوڑ کر آئے تھے وہ تو ملنے چاہیے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ اس جگہ آرگون کے سپاہی گئے ہی نہیں تھے۔ ان کا رخ اسی طرف تھا اور کیونکہ میں ابتدائی درخت پر تھا اس لیے اگر ان کے قریب آنے پر اترتا تو وہ مجھے دیکھ سکتے تھے۔ میں نے سوچا اور فوری نیچے اتر آیا۔

مجھے فکر تھی کہ اگر یہ ٹیلے کے پاس آگئے تو وہاں سیڑھی اور دوسرے نشانات دیکھ سکتے تھے جن سے ان کو پتا چل جاتا کہ یہاں کوئی رہتا ہے۔ میں ٹیلے کی طرف روانہ ہوا تھا کہ ان کی آمد سے پہلے ٹیلے تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ مگر جب ٹیلے سے ذرا دور تھا کہ کچھ آوازیں سن کر رکا۔ پھر درختوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا ٹیلے کے عقبی حصے پہنچا تو وہاں اسار موجود تھے۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا یہ مکار جانور گھوم پھر کر دوبارہ آگیا تھا۔ ان کی تعداد چار

تھی۔ میرے پاس سے آتی ہو کم ہو گئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا مجھے ان کے درمیان سے گزر کر ٹیلے تک جانے کا خطرہ مول لینا مناسب ہوگا؟ مجھے یہ مناسب نہیں لگا اس لیے میں نے ایک درخت منتخب کیا اور اس پر چڑھ گیا۔ درخت ٹیلے سے کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا۔ یہاں سے مجھے ٹیلہ اور اسار دونوں دکھائی دے رہے تھے۔

بلندی پر آیا تو روئیر بھی دکھائی دی جو بے چین سی پھر رہی تھی اور بار بار آکر ٹیلے سے نیچے جھانکتی تھی۔ اگر صرف اسار ہوتے تو میں اسے آواز دے کر خبردار کر دیتا مگر آرگون کے سپاہی جنگل میں داخل ہو چکے تھے اگر روئیر میری آواز سنتی تو لازمی وہ بھی سن لیتے۔ اسے علم نہیں تھا کہ اسار سے بڑا خطرہ آرگون کے سپاہیوں کی صورت میں اس طرف آرہا ہے۔ میں نے درخت کے عقب میں دیکھنا چاہا مگر میں خاصا اندر آ گیا تھا اور یہاں بے عقب میں دور تک دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اب آرگون کے سپاہی نزدیک آتے تب ہی مجھے پتا چلتا۔ میں بالکل خاموش سے آیا تھا ان چند دنوں میں مجھے جنگل میں بھی دبے قدموں چلنے کی عادت پڑ گئی تھی اس لیے اسار میری آمد سے بے خبر ہے۔ پھر میرے پاس سے ناگوار ہوا رہی تھی جو میری اصل ہو کو دوبارہی تھی۔

اس لیے بھی اسار بے خبر رہے مگر آرگون کے سپاہی نہ تو بے آواز آرہے تھے اور نہ ہی ان کی اصل ہو دبی ہوئی تھی۔ میں نے ایک اسار کو چونک کر درخت سے ڈرا فاصلے سے پیچھے کی طرف جاتے دیکھا اور پھر وہ جس طرح دبے قدموں گیا تھا اسی طرح دبے قدموں واپس بھی آ گیا۔ اس نے یقیناً سپاہیوں کو دکھ لیا تھا۔ اسار نے آواز نہیں نکالی تھی اور جب واپس آیا تو اپنے ساتھیوں کو نہ جانے کیسے اشارہ کیا وہ سب پوزیشن میں آ گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ آنے والوں کے لیے پھندہ بنا رہے تھے۔ وہ خود چھپ کر پھیل رہے تھے۔ چند منٹ بعد مجھے سپاہیوں کے بولنے کی آواز آنے لگی۔ وہ خاصے نزدیک آ گئے تھے اور آپس میں زیادہ زور سے بات نہیں کر رہے تھے اس لیے کہ باوجود مجھے ان کی آواز آرہی تھی۔ اسار کے کان یقیناً مجھ سے کہیں زیادہ تیز تھے۔ انہوں نے اس وقت سپاہیوں کی آواز سن لی تھی جب مجھے قطعی کوئی آواز نہیں سنا کی تھی۔

دوسری طرف روئیر بار بار نیچے دیکھ رہی تھی اور اس نے اسار کو غائب دیکھا تو سمجھی کہ وہ جا چکے ہیں۔ وہ بیڑھیوں کے پاس تھی اور مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں وہ نیچے نہ اتر جائے یقیناً وہ میرے نہ آنے سے فکر مند تھی۔ میں چاہتا تو اسے آواز دے کر متوجہ کر سکتا تھا مگر ایسا کرنے سے سپاہی اور اسار بھی میری پوزیشن سے آگاہ ہو جاتے اس لیے میں صبر سے کام لے رہا تھا۔ پھر وہی ہوا جس کا مجھے خطرہ تھا۔ روئیر ٹیلے سے اترنے کی تیاری کرنے لگی۔ وہ ترکش پہن رہی تھی۔ اس نے اپنا پنکا دوبارہ کمر سے باندھ لیا تھا۔ میں نے تیر کمان نکالا۔ مگر مجھے اس کی کوئی مشق نہیں تھی۔ دس بارہ فٹ کے بعد میرا نشانہ اندھے کا تیر بن جاتا۔ مجھے تیر مار کر متوجہ کرنے کا خیال آیا مگر پھر رک گیا کہ اناڑی پن میں اسے ہی تیر نہ مار دوں۔

سپاہیوں کی آوازوں سے لگ رہا تھا کہ وہ خاصے نزدیک آ گئے تھے۔ وہ لا پرواہی سے کام لے رہے تھے یا سپاہی ہونے کے دُعم میں تھے کہ ہر مشکل سے نمٹ سکتے تھے اس لیے بلند آواز میں بات کر رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر روئیر ان کی آواز سن لے تو شاید نیچے اترنے کا ارادہ ترک کر دے۔ مگر وہ ٹیلے سے دور تھے۔ ٹیلہ میرے بائیں طرف تھا اور وہ دائیں طرف آرہے تھے۔ اسار جنہوں نے پہلے درخت اور ٹیلے کے درمیان مورچہ لگایا تھا۔ اب وہ آنے والوں کے لحاظ سے اپنی پوزیشن چینیج کر رہے تھے۔ یہ اس لحاظ سے اطمینان بخش تھا کہ وہ

ٹیلے سے دور جا رہے تھے۔ میں نے روہیر کو میزٹھی سے نیچے جاتے دیکھا اور اسے روک نہیں سکا تھا میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے روکوں۔ نیچے اترنے کے بعد وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتا اس لیے اسے اللہ کے سپرد کیا اور آنے والے حالات کے لیے تیار ہو گیا۔

سپاہی اب نزدیک تھے اور میں ان کو دیکھ سکتا تھا۔ میں نے خود کو شاخوں اور پتوں میں چھپا لیا تھا کیونکہ میرا سرخ کرتا اگرچہ نمایاں نہیں ہوتا مگر میں محتاط تھا۔ اساروں سے اب صبر نہیں ہو رہا تھا اور ان کی باڈی لینکوتج ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کسی لمحے بھی سپاہیوں پر حملہ کر سکتے تھے۔ سپاہی ان کے گھیرے میں تقریباً آچکے تھے اور پھر ایک سپاہی نے جھاڑی کے پیچھے چھپے اسار کو دیکھ لیا۔ اس نے چیخ کر دوسروں کو خبردار کیا اور اسار غرا تا ہوا اس پر چھٹا۔ وہ سپاہی کو گرا تا ہوا اس کی گردن دبوچنے کی کوشش کرنے لگا۔ سپاہی ڈھال کی مدد سے خود کو بچا رہا تھا۔ دوسرے سپاہی جواب تک بے فکری سے چل رہے تھے انہوں نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ دو سپاہیوں نے بیک وقت اسار پر نیزے سے حملہ کیا۔ وہ زخمی ہوا اور سپاہی کو چھوڑ غرا تا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اسی اثنا میں باقی اسار بھی سپاہیوں پر جھپٹ پڑے تھے اور وہاں انسانوں اور درندوں کے درمیان ایک کشمکش شروع ہو گئی تھی۔

میں اس کشمکش سے بے نیاز روہیر کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہاں اب بے پناہ چیخ و پکار تھی اور روہیر کو لازمی یہ آوازیں سن لینی چاہیے تھیں۔ اس صورت میں اسے واپس ٹیلے پر جانا تھا مگر وہ مجھے ٹیلے پر جاتی نظر نہیں آئی تھی۔ مجھے اس کی حماقت پر غصہ آنے لگا اسے اتنی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے نیچے اتر جانا چاہیے کیونکہ اسار اور سپاہی لڑتے ہوئے اس جگہ سے دور جا رہے تھے۔ اصل میں سپاہی فرار کی کوشش کر رہے تھے اور اسار ان کی یہ کوشش ناکام بنا رہے تھے۔ میں نیچے اترنے لگا اور میری کوشش تھی کہ کوئی سپاہی یا اسار میری طرف متوجہ نہ ہو اس لیے میں احتیاط سے اور تنے کے پیچھے رہتے ہوئے اتر رہا تھا۔ اس دوران میں اسار تین سپاہیوں کو مار چکے تھے یا ان کو شدید زخمی کر دیا تھا۔ ان کی پھرتی، طاقت اور مہارت کے آگے سپاہی مسلح ہونے کے باوجود بے بس تھے۔

سپاہیوں نے اساروں کو زخمی ضرور کیا تھا مگر وہ انہیں روکنے میں ناکام رہے تھے۔ بہر حال ان کی جنگ سے فائدہ اٹھا کر میں درخت سے نیچے اتر آیا اور دو بے قدموں اور جھک کر چلتا ہوا ٹیلے کی طرف جانے لگا۔ ساتھ ہی میں عقب میں بھی دیکھ رہا تھا کہ کوئی اسار پیچھے تو نہیں آ رہا ہے۔ میں پچیس گز دور نکلنے کے بعد میں نے اطمینان محسوس کیا اور تیز قدموں سے ٹیلے کی طرف آیا۔ اس دوران میں سپاہیوں کی طرف سے مدافعتی جنگ ناکام ہو گئی تھی اور اسار ان پر غالب آ گئے تھے۔ یہ حقیقت ان کی چیخ و پکار سے بھی واضح تھی۔ وہ جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے اور اسار ان پر ذرا بھی رحم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ میں بے خبر تھا کہ ایک اسار نے مجھے دیکھ لیا ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کو سپاہیوں کو چیرتے پھاڑتے چھوڑ کر میرے پیچھے آ گیا تھا۔ میں تیز قدموں سے ٹیلے کے عقبی حصے میں آیا اور روہیر کو تلاش کیا مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنے ہنگامے کے باوجود اس نے ٹیلے سے دور جانے کی حماقت کیوں کی؟ میں نے آہستہ سے اسے آواز دی۔

”روہیر کہاں ہو تم؟“

مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے بجائے مجھے عقب سے غرا ہٹ سنائی دی۔ میرے

رونگلے کھڑے ہو گئے تھے۔ میں تیزی سے پلٹا تو ایک تنومند اسار مجھ سے کوئی دس بارہ قدم کے فاصلے پر موجود تھا اور وہ ایک ہی جست میں مجھ تک آسکتا تھا۔ اس کا سر چھ فٹ سے بھی زیادہ اونچا تھا۔ اس کے کھلے خون آلود جڑے سے رال بہہ رہی تھی۔ میں نے تیر کمان ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کا نشانہ لیا مگر تیر نہیں چھوڑا۔ تیر اس کے جسم میں اتر جاتا مگر اسے مار نہیں سکتا تھا۔ ایک تیر کھانے کے بعد وہ لازمی زیادہ غضب ناک ہو کر حملہ کرتا اور مجھے دوسرا تیر چلانے کا موقع نہیں ملتا۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے گہری سانس لی اور کمان و ترکش اتار دیا۔ اب میرے پاس صرف ایک نیزہ تھا اور مجھے اسی کی مدد سے اس بلا سے نمٹنا تھا۔ مجھے تیار دیکھ کر وہ خوفناک آواز میں غرایا، ذرا جھکا اور پھر اس نے ایک قدم اٹھا کر مجھ پر جست لگائی۔ اس دوران میں ہمیں نیزے کا پچھلا حصہ زمین پر ٹکا چکا تھا۔ اسار کے کھلے جڑے کا ہدف میرا سر تھا۔ میں نیزے کو تھامے اور اس کی انی کو حرکت دیتے ہوئے گھوما۔ یہ سینڈ کا بھی نہیں اس سے بھی مختصر کھیل تھا۔ مگر زندگی و موت کا کھیل تھا۔

جب اسار نے جست لگائی اور میری طرف آیا تو میں اپنا سر بچا رہا تھا اور ساتھ ہی نیزے کی انی کو اسار کے سینے کی طرف رکھ رہا تھا۔ وہ ہوا میں تھا اور میری طرح حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور نیزے کی انی ٹھیک اس کے سینے میں اتار دی۔ نیزہ اس کے جسم سے گزر گیا اور وہ مجھ پر آکر گرا۔ میری نظر آخری لمحے تک اس کے جڑے پر تھی۔ اگر اس کے شکم میں میرا سر یا گردن آجاتی تو وہ ایک لمحے میں مجھے مار دیتا۔ گرتے ہوئے اس نے یہی کوشش کی تھی۔ مگر میں نے اس کی گردن دونوں ہاتھوں سے دبوچتے ہوئے اس کا سر خود سے دور رکھے کی کوشش کی۔ نیزہ اس کے جسم سے گزرا اس نے تکلیف دہ انداز میں چیخ ماری تھی اور اب مجھے اپنے جڑوں میں دبوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے جسم سے پھوٹنے والا خون مجھے بھگور رہا تھا۔ اس کے پنجے میرے جسم کے اطراف میں تھے اور میں ایک طرح سے اس کے سینے تلے دبا ہوا تھا۔

مجھے پنجوں سے بھی خطرہ تھا کہ وہ مجھے ادھیڑ کر رکھ دیتے مگر اصل خطرہ جڑے سے ہی تھا۔ اچانک اس کی مدافعت کمزور ہوئی تو میں نے اسے ایک طرف دھکیل دیا اور مجھے پوری قوت صرف کرنا پڑی تھی۔ اس کی گردن چھوڑ کر میں نے اس کے سینے میں پرویا ہوا نیزہ تھام لیا۔ یہ دوسری چیز تھی جس سے میں اسے خود سے دور رکھ سکتا تھا۔ اس نے زپ کر اٹھنے کی کوشش کی مگر میں نے نیزہ کی مدد سے اسے پھر گرا دیا۔ میں زیادہ زور نہیں لگا رہا تھا کہ نیزے کی لکڑی ہی نہ ٹوٹ جائے۔ ساتھ ہی اس کے پنجوں سے بھی دور رہا تھا۔ میں نیزہ چھوڑ نہیں سکتا تھا کہ وہ کھڑا ہو جاتا۔ میں اس کے زخمی سینے پر لاتیں مارنے لگا۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس نے مزاحمت ترک کر دی۔ اب وہ زمین پر لیٹ گیا تھا اور دم ٹوڑنے کے انداز میں گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ مگر میں اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا ہو سکتا تھا کہ یہ اس کی مکاری ہوتی میں اسے چھوڑتا اور وہ پھر کھڑا ہو جاتا۔

ابھی میں اس سے نمٹ رہا تھا کہ پھر غراہٹ سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو تین عدد اسار مزید آن موجود ہوئے تھے۔ یہ وہی تھے جو اب تک سپاہیوں سے نمٹ رہے تھے اور شاید ان کا خاتمہ کر چکے تھے اور اب اپنے ساتھی کی مدد کے لیے آئے تھے۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ زیادہ دور نہیں تھے اور میں بھاگ کر نیڑھیوں تک نہیں جا سکتا تھا وہ اس سے پہلے ہی مجھے آلیٹے۔ میں نے تقریباً نیم مردہ اسار کے سینے سے نیزہ نکلنے کی کوشش کی اور ظاہر ہے ناکام رہا۔ نیزہ بری طرح اس کے سینے میں پھنسا ہوا تھا۔ میں نے نیزہ چھوڑ دیا

اور پیچھے ہٹنے لگا تھا۔ میری پشت پر ٹیلے کی دیوار تھی۔ جیسے جیسے میں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اسار آگے آرہے تھے۔ وہ زنجی تھے مگر ان زنجیوں کی پروا کیے بغیر میرے خاتے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے انہوں نے درمیانی فاصلہ کم نہیں ہونے دیا تھا۔ جب وہ دم توڑتے اسار کے پاس پہنچنے تو اس نے آخری بار سر اوپر کیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا دم نکل گیا۔ بالآخر میری پشت پر دیوار آگئی۔ اسار غرانے لگے تھے۔ اپنے ساتھی کی موت نے انہیں مشتعل کر دیا تھا۔ ایک اسار آگے آیا اور اس نے مجھ پر فیصلہ کن چھلانگ لگائی تھی۔



جب سے عام زندگی چھوڑ کر جدوجہد کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ میں نے کبھی موت کے آگے ہتھیار ڈالنے کا نہیں سوچا تھا۔ کبھی موت کو سامنے دیکھ کر آنکھیں بند نہیں کیں۔ چاہے وہ کتنی ہی یقینی کیوں نہ نظر آ رہی ہو۔ اس وقت بھی اساروں کی صورت میں سامنے یقینی موت تھی اور ان میں سے ایک اڑتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ مگر میں نے آنکھیں بند نہیں کی تھیں اور میری نظر اس پر مرکوز تھی۔ آخری دم تک کوشش کرتے رہنا اور بُرا امید رہنا میرا شیوہ رہا ہے اور شاید اس وجہ سے بھی بہت سے مواقع پر اوپر والے نے مجھے محفوظ رکھا۔ ابھی اسار راستے میں تھا کہ میں نے بائیں طرف چھلانگ لگائی۔ میں زمین پر گرا اور فوراً ہی اچھل کر کھڑا ہوا تھا کیونکہ اسار پہلی ناکامی کے بعد دوسرا حملہ کرنے میں تاخیر نہیں کرتا۔ گرنے کے دوران میں وہ سنسناتی آوازیں نہیں سن سکا تھا مگر اسار کی خوفناک غراہٹ سن لی تھی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ جہاں چٹان سے ٹکرایا تھا وہیں گر گیا تھا اور اس کی وجہ چٹان سے ٹکر نہیں تھی۔ اسار کے جسم میں کم سے کم نصف درجن تیراتے ہوئے تھے اور ان میں سے ایک اس کی کھوپڑی کے آ پار ہو گیا تھا۔ یہی اس کی فوری موت کی وجہ بنا تھا۔ ابھی میں حیران ہو رہا تھا کہ اتنے تیرکس نے چلائے ہیں کہ تیروں کی دوسری بو چھڑ آئی اور اس بار نشانہ بچ جانے والے دو اسار تھے۔ تیرکھا کروہ غرائے اور افراتفری میں فرار کے لیے پیچھے ہٹے مگر ان میں سے ایک کی قضا آگئی تھی۔ چند سینکڑ کے وقفے سے تیر دوبارہ آئے اور سب کے سب اس کے جسم میں اتر گئے۔ اتنے تیز کھا کر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ ایک تیر نے اس کے گلے کی مرکزی شریان کاٹ دی تھی اور یہی اس کے لیے باعثِ مرگ ثابت ہوئی تھی۔ چوتھا اسار فرار میں کامیاب رہا تھا مگر وہ بھی اتنا زنجی تھا کہ اس کا پلٹ کر آنا محال لگ رہا تھا۔ مشکل سے ایک منٹ پہلے اسار حاوی تھے اور میں زندگی و موت کی سرحد پر تھا اور اچانک ہی بازیِ پلٹی۔ موت اساروں کے حصے میں آئی اور زندگی نے مجھے چن لیا۔ میدان صاف ہوتے ہی درختوں کے پیچھے سے ریک اور روبیر پانچ دوسرے افراد کے ساتھ نکلے تھے۔ ریک آگے آیا اور گرم جوشی سے میرے سینے سے لگا۔

”آپ نے کمال کر دیا۔ میں نے آج تک کسی کو اس طرح سے اسار کا مقابلہ کر کے اسے ختم کرتے نہیں دیکھا۔“

”کمال تو تم نے کیا ہے۔ بالکل موقع پر آئے۔“ میں نے کہا تو روبیر نے ترجمہ کیا۔ میں نے روبیر کی

طرف دیکھا اور خفگی سے پوچھا۔

”تم ٹیلے سے کیوں اتری تھیں؟“

وہ خفیف ہو گئی۔ ”میں نے ان لوگوں کو آتے دیکھ لیا تھا اور جب اسار ہٹے تو میں انہیں خبردار کرنے لگی تھی۔“

”تب تو تم نے ٹھیک کیا۔ میں حیران تھا کہ سپاہیوں اور اساروں کی آوازیں سننے کے بعد بھی تم نے نیچے اترنے کی حماقت کیوں کی؟“

”اس نے بہترین کام کیا ورنہ ہم بے خبری میں اساروں کے سامنے آ جاتے اور ہمارا بھی وہی انجام ہوتا جو آرگون کے سپاہیوں کا ہوا ہوگا۔“

میں چونکا۔ ”تم ان کے بارے میں جانتے ہو؟“

ریک نے سر ہلایا۔ ”ہم نے انہیں پہلے ہی دیکھ لیا تھا اور ان کا تعاقب کر رہے تھے۔“

”یہ کون ہیں؟“ میں نے ریک کے پانچ ساتھیوں کی طرف دیکھا جو مکمل فوجی لباس میں تھے۔

”یہ میرے ساتھی ہیں۔“ اس نے کہا اور تعارف کرایا۔ ”یہ شاٹ ہے، یہ رائٹون، یہ ایمار، یہ مارٹ اور یہ ایرٹ ہے۔“

یہ سارے نوجوان تھے۔ میں نے دیکھا تھا کہ یہاں مردوں کے نام میں ٹ بہت زیادہ آتا ہے اور بہت کم ایسے تھے جن کے نام میں ٹ نہیں آتا تھا۔ اس وجہ سے مردوں کے نام خود بہ خود کرجت ہو جاتے تھے جب کہ یہاں عورتوں کے ناموں میں نرمی اور نفیسی تھی۔ ان میں رب، اورس جیسے نرم حروف زیادہ آتے تھے۔ ریک نے بتایا کہ یہ وہ نوجوان ہیں جنہیں میں نے خاص چنا تھا اور یہ سب مجھ سے متاثر تھے۔ ان کو بھی یقین تھا کہ میرے خلاف سازش ہوئی ہے۔ انہیں رویہ رور کے ساتھ کیے جانے والے سلوک پر بھی افسوس تھا۔ وہ اسے زندہ اور میرے ساتھ دیکھ کر حیران و گرجوش بھی ہوئے تھے۔ مجھے ان سے بہت کچھ پوچھنا تھا مگر ابھی اس کا وقت نہیں تھا۔ ہمیں فوری طور پر سپاہیوں اور اساروں کی لاشوں کو ٹھکانے لگانا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ ”ابھی ہمیں کام کرنا ہے۔“

تاریکی قریب تھی اس لیے مشعلیں جلائی گئیں اور ان کی روشنی میں آرگون کے مارے جانے والی سپاہ کی وردیاں اور ہتھیار حاصل کیے گئے۔ کچھ کے لباس اساروں کی دست درازی کی وجہ سے پھٹ گئے تھے مگر انہیں کام میں لایا جاسکتا تھا۔ ہم سپاہیوں کے لباس اتار رہے تھے اور یہاں کرتے پا جامے کے نیچے کچھ پہننے کا رواج نہیں تھا۔ اس لیے رویہ ٹیلے پر چلی گئی۔ مارے جانے والوں کی لاشیں ٹھکانے لگانا اصل مسئلہ ثابت ہوا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ ٹیلے کے آس پاس رہیں۔ ایک تو آرگون کی طرف سے پھر کسی اور پارٹی کی آمد متوقع تھی اور دوسرے جانوروں کو بھی پتا چل جاتا کہ یہاں اور انسان ہیں اور ہمارے لیے سکون سے رہنا مشکل ہو جاتا۔ اس لیے ہم نے لاشیں اٹھا کر کوئی نصف کلومیٹر دور ایک چھوٹے سے گڑھے تک پہنچائیں۔ اس کام میں ایک گھنٹہ لگا تھا۔ تین افراد لاشیں ڈھور رہے تھے اور چار حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ وزنی اساروں کی لاشیں اتنی دور لے جانا ممکن نہیں تھا اس لیے انہیں کھینچ کر ٹیلے سے دور کر دیا گیا اور ان کے جسموں میں اترے تیر نکال لیے تھے۔ اس کے بعد سپاہیوں کا اسلحہ اور وردیاں دھو کر اوپر ٹیلے پر پہنچائیں۔ سب سے آخر میں ہم مندی میں نہائے دھوئے کیونکہ لاشیں اٹھانے سے سب ہی خون خون ہو رہے تھے۔

ریک نے حیرت سے کہا۔ ”تین سپاہیوں کو نیزے کی مدد سے۔“
 ”نہیں اس میں سے ایک کو روبیر نے تیرے نشانہ بنایا تھا۔“ میں نے سچ بیانی سے کام لیا۔ ”باقی دو سے مقابلہ کیا تھا۔“

”آرگون کے سپاہی بہت تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔“
 ”وہ تربیت یافتہ ہوں گے۔“ میں نے تردید کی۔ ”مگر اب وہ ایک ظالم شخص کی سپاہ کا حصہ ہیں اور ان کی توجہ جنگ اور تربیت سے زیادہ ذاتی مفادات پر ہے۔“

میں نے ریک کو بتایا کہ سپاہیوں سے اصل میں کیسے سامنا ہوا تھا جب وہ ایک مجبور عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لیے جنگل میں لائے تھے۔ روبیر بولی۔ ”آرگون کی عوام ان لوگوں کے مظالم سہہ رہی ہے اور اگر ہم نے ریٹائٹ کی فوجوں کا حملہ روک کر انہیں یہاں الجھا دیا تو عقب میں بغاوت ہو جائے گی۔“
 ”ایسا ہی ہو گا مگر یہ اتنا آسان نہیں ہے اور اس کے لیے ہمیں منظم ہو کر کام کرنا پڑے گا۔“ میں نے کہا اور ریک کی طرف دیکھا۔ ”تم اتنے ہی آدمی اور لانے کی کوشش کرو مگر وہ مکمل اعتماد کے ہوں۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”میں پوری کوشش کروں گا۔“
 ”سامیرا کو میرا پیغام دینا کہ وہ اپنے آدمیوں کو پوری طرح متحرک کرے اور ان کا حوصلہ بڑھائے۔ ریٹائٹ کی فوج جلد حرکت میں آنے والی ہے۔“



ریک ناشتہ کر کے روانہ ہوا تو میں اور اس کے ساتھی جواب میرے ساتھی تھے اسے چھوڑنے جنگل کی حد تک گئے تھے۔ اس سے آگے جانوروں کا خطرہ نہیں تھا۔ اسے چھوڑ کر واپس آئے تو باقیوں نے ناشتہ کیا اور اس کے بعد ہم نیچے آئے۔ وہ اپنے ساتھ بڑے سائز کے مشکیزے لائے تھے جن کو پشت پر لا دیا جاسکتا تھا اور ایک مشکیزے میں آرام سے بیٹھ کر پانی پینے لگا تھا اس سے پانی اور اوپر پہنچانے اور ذخیرہ کرنے میں بہت آسانی ہوتی تھی۔ ہم نے گزشتہ روز حاصل کی ہوئی وردیاں اور ہتھیار صاف اور مرمت کیے۔ ان پر لگا خون کل ہی صاف کر لیا تھا۔ وہ سامان میں سلائی کے لیے سوئی اور دھاگا بھی لائے تھے۔ یہ سوئی باریک ہڈیوں سے بناتے تھے اور دھاگا اسی ریشے سے جس سے یہ لباس بناتے تھے۔ اس کام سے فارغ ہو کر ہم نے تیروں کی مدد سے مچھلیاں شکار کیں اور اس طرح خاصی مچھلیاں مختصر وقت میں ہاتھ لگی تھیں۔ آگے ندی میں دو افراد موجود تھے اور جو مچھلی تیر کھا کر تیرتی ہوئی ان تک جاتی وہ اسے پکڑ لیتے تھے۔ ان سب کاموں سے فارغ ہو کر ہم نہائے اور پھر واپس ٹیلے پر آ گئے۔

دوپہر کے وقت ہم نیچے اترے اور لڑائی کی مشق کی۔ وہ سب ماہر تیر انداز تھے۔ نیزے اور دوسری طرح کی لڑائیوں کے بھی ماہر تھے۔ میں انہیں کچھ داؤ پیچ سکھانے لگا جس سے کسی بھی سخت جان حریف کو تیزی سے موت کے گھاٹ اتاراجاسکتا تھا یا اسے قابو کیا جاسکتا تھا۔ جسمانی طور پر وہ سب بہت چوکس اور مضبوط تھے صرف مہارت کی کمی تھی اور وہ میں نے پوری کرنے کی کوشش کی۔ میں انہیں ایسے چاک و چوبند تے میں بدل دینا چاہتا تھا۔ بڑل کر کسی مشن کی تکمیل کرے۔ میں ان کو ایسی لڑائی کی مشین میں ڈھالنا چاہتا جس میں ہر فرد اپنے حصے کا کام کسی مشین کے پرزے کی سی تیزی اور مہارت سے کرے۔ آرگون میں گھس کر کارروائی کرنا چند لوگوں کے بس کی بات نہیں تھی سوائے اس کے کہ ہم بہت زیادہ تیاری اور طے شدہ منصوبے کے ساتھ اندر داخل ہوں۔ دوپہر سے شام تک ہم اسی کام میں لگے رہے۔ رویہ اوپر ٹیلے پر پاؤں لٹکائے بیٹھی ہماری مشقیں دیکھ رہی تھی۔ کبھی کسی کی کارکردگی سے خوش ہوتی تو تالیاں بجاتی تھی اور شاباشی کا مستحق خوش ہوجاتا۔

وہ پیشہ ور سپاہی تھے مگر رویہ کے سامنے مشق میں بھی بہت جان مار رہے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ رویہ سے متاثر تھے یا اس کے چکر میں پڑ گئے تھے۔ مگر آس پاس کوئی عورت ہو تو مرد اس کی توجہ سے خوش ہوتا ہی ہے۔ عورت کے ہونے سے ماحول ہی بدل جاتا ہے۔ چاہے وہ کسی بھی روپ اور رشتے میں ہو۔ شام کے قریب رویہ

نے ہم سے اوپر آنے کو کہا تو ہم نے حکم کی تعمیل کی اور اس سے پہلے ندی پر جا کر خود کو ٹھنی اور پسینے سے آزاد کیا تھا۔ روہر نے تواضع کے لیے مقامی چائے اور میٹھی نمکیاں سرو کیں۔ اس دوران میں اس نے مچھلیوں کی صفائی کر کے ان کے قتلے بنالے تھے۔ صبح اس نے ولیہ نما کھیر بنائی تھی۔ دوپہر میں کسی نے کچھ نمکس کھایا تھا۔ اس لیے اب سب ہی بھوک سے بے تاب تھے۔ سورج ڈوبتے ہی چولہا جلا لیا گیا اور ڈنر تیار ہونے لگا تھا۔ ولیہ خاصی مقدار میں تھا اور مچھلی کے قتلے بھونے جاتے۔ ان لوگوں کے پاس معدنی نمک نہیں تھا مگر یہ کچھ پودوں سے نمک حاصل کرتے تھے اور یہ قلیل مقدار میں ہوتا تھا اس لیے بہت کم ہی کسی کو ملتا تھا۔ شات کے پاس اس نمک کی کچھ مقدار تھی جب اسے مچھلی کے قتلوں پر چھڑکا تو ان کا ذائقہ ہی کچھ اور ہو گیا تھا۔ مجھے یہاں آنے کے بعد پہلی بار نمک کا ذائقہ ملا تھا۔ ورنہ ان کے کھانے پھلکے یا میٹھے ہوتے ہیں۔ نمکین کھانوں کا یہاں رواج نہیں تھا۔

سپاہی ہونے کے ناطے وہ پانچوں وقت کے پابند تھے اور ڈنر کے کچھ دیر بعد ہی وہ سونے کے لیے لیٹ گئے۔ قلعے میں دو صبح بلکہ رات کے آخری پہر اٹھ جاتے تھے۔ یہاں انہیں آرام کرنے کو زیادہ مل رہا تھا۔ وہ اسے بھی انجوائے کر رہے تھے۔ مگر اگلی صبح میں نے انہیں جلدی اٹھا دیا۔ میرے ذہن میں کچھ تجاویز تھیں اور میں چاہتا تھا کہ وہ ان پر عمل کریں اس طرح وہ مصروف بھی رہتے۔ وہ کھلی جگہ سوتے تھے۔ میں نے پتوں، شاخوں اور بیلوں سے چھیر بنانے کا کہا۔ یہاں جگہ ایسی گھاس تھی جو خشک ہونے کے بعد کسی بچھو کی طرح نرم پڑ جاتی تھی یہاں گدے اسی گھاس کو کپڑے میں بھر کر بنائے جاتے ہیں۔ وہ اس سارے دن اسی کام میں لگے رہے۔ اب ان کے لیے مناسب جگہ بن گئی تھی اگر رات کو بارش ہو جاتی تب بھی وہ آرام سے سوتے۔

مجھے نیلے کا دفاعی نظام بہتر بنانا تھا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ بڑی تعداد میں رسیاں اور کچھ اوزار لائے تھے۔ میں نے رسیوں کی مدد سے نیلے سے آس پاس چند منتخب بلند درختوں تک آمد و رفت کا راستہ بنایا۔ بوقت ضرورت ہم ان رسیوں کی مدد سے بھی نیلے سے نکل سکتے تھے اور ہمیں نیچے اترنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ رسیوں کو یوں لگایا گیا تھا کہ یہ ایک لیول پر تھیں اور نیچے سے آسانی سے نظر نہیں آتیں۔ زمین سے رسیوں کی اونچائی کوئی پچاس فٹ تھی اس لیے دن میں بھی کوئی غور سے دیکھتا تب ہی یہ نظر آتیں۔ تیلے پر آنے جانے کے لیے لکڑی کی نصب میڑھی تو تھی مگر میں نے دو عدد لکڑی اور رسی سے بنی میڑھیاں اور بنوائیں اور انہیں اوپر اس طرح لگوا دیا کہ بہ وقت ضرورت ان کو صرف نیچے پھینکنا ہوتا۔ دو دن ان ہی کاموں میں گزر گئے تھے۔ مگر اب ہم کہیں بہتر دفاعی پوزیشن میں تھے۔

کام کے ساتھ ساتھ میں ان لوگوں کو مشقیں بھی کر رہا تھا اور درحقیقت میں خود کو تیار کر رہا تھا کیونکہ کچھ عرصے سے صرف بھاگ دوڑ ہو رہی تھی اور میری جسمانی حالت مثالی نہیں رہی تھی۔ میں اسے بہتر کرنا چاہ رہا تھا تاکہ آخری معرکے کے وقت میں پوری طرح فٹ ہوں۔ اس لیے جان بوجھ کر سب سے مشکل کام اپنے سر لیتا تھا۔ اس طرح دورانِ مشق میں بیک وقت کئی افراد سے لڑنے کی مشق کرتا تھا۔ میں گوشت خور قوم کا فرد ہوں اور گوشت کی کمی ہمیں جسمانی طور پر تو کمزور کرتی ہے ساتھ ہی ذہنی صحت پر بھی اثر ڈالتی ہے۔ اس اثر سے ہماری گھریلو خواتین اچھی طرح واقف ہیں کہ اگر وہ شوہر کو دو تین دن دال سبزی کھلا دیں تو اس کی حالت کیا ہوتی ہے؟ یہاں آنے کے بعد میرا اگر ارا بھی ایسی ہی چیزوں پر تھا۔ مگر اب مچھلی کی صورت میں مجھے گوشت مل رہا تھا اور یہ

بہت اعلیٰ درجے کا پروٹین تھا۔ اس نے چند ہی دنوں میں میری صحت کو خاصا بہتر کر دیا تھا اور رہی سہی کسر ورزش اور مشقوں سے پوری ہو رہی تھی۔

رویر مشقوں میں کسی حد تک شامل ہوتی تھی جیسے تیر اندازی یا نیزے سے لڑائی کی مشق میں۔ لیکن اس کا زیادہ وقت ہمارے لیے کھانے اور دوسرے انتظامات میں گزرتا تھا۔ جب کرنے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو وہ سوئی دھاگہ لے کر آرگون کے سپاہیوں کی پھٹ جانے والی وردیاں درست کرتی۔ رفتہ رفتہ اس نے ساری وردیاں بالکل درست حالت میں کر دیں۔ اب ہمارے پاس وردیوں کے آٹھ سیٹ تھے اور سپاہیوں کے زرہ بکتر سمیت کل چھ سیٹ تھے۔ ہتھیار اس سے زیادہ تعداد میں تھے۔ مگر میرے خیال میں ہمیں مزید وردیوں اور آرگون کے ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب میرے پاس افرادی قوت تھی۔ کیا میں ان کی مدد سے آرگون کی فوج پر چھاپہ مار کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ ہم اچانک حملہ کر کے آرگون کے سپاہیوں کو ٹھکانے لگا کر ان کی وردیاں اور ہتھیار حاصل کر سکتے تھے۔ مگر فی الحال یہ خیال میں نے خود تک محدود رکھا تھا اور رویر سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھے ریک کا بھی انتظار تھا۔ وہ تیسرے دن آیا۔ وہ میرے لیے سامیرا کا پیغام اور کچھ سامان لایا تھا۔ سامان اس نے سب کے سامنے دیا مگر پیغام اکیلے میں دیا تھا۔

”سامیرا نے برف والے کا پیغام بھیجا ہے۔“

”کیسا پیغام؟“

”برف والے نے کہا کہ شہباز غلٹ سے کام نہ لے اور اس کے ذہن میں جو خیال آیا ہے اس پر عمل کرے۔“

میں چونکا۔ برف والے نے ایک بار پھر میرا ذہن قبل از وقت پڑھا تھا۔ یقیناً اس کا اشارہ چھاپہ مار کارروائیوں کی طرف تھا۔ میں نے سر ہلایا۔ ”ٹھیک ہے اور میں نے تم سے جو کہا تھا کہ مجھے مزید آدمیوں کی ضرورت ہے؟“

اس نے جواب دیا۔ ”میں کوشش کر رہا ہوں۔ تین لڑکے اور ملے ہیں اور میری کوشش ہے کہ ایک دو دن میں اتنے ہی اور مل جائیں تو ان کو لے کر ایک ساتھ آؤں۔“

”قلعے میں تیاریوں کا کیا احوال ہے؟“

”بدستور جاری ہے۔ سامیرا نے تربیتی پروگرام کی خود نگرانی شروع کر دی اور مزید دو سو افراد کو تربیت میں شامل کیا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ نے چنا تھا۔“

مجھے اطمینان ہوا کہ کم سے کم دفاع کے معاملے میں وہ لوگ کوئی کوتاہی نہیں کر رہے تھے۔ جو کام میں نے شروع کیے تھے میں سامیرا کو باقاعدگی سے ان کی رپورٹ کرتا رہا تھا اور اسے ایک ایک چیز بتاتا تھا۔ اس لیے اب وہ میرے بنائے پروگرام کو اسی طرح کامیابی سے چلا رہی تھی جیسے میں چلا رہا تھا۔ دیکھا جائے تو دشمنوں کی سازش اس لحاظ سے ناکام رہی تھی کہ وہ مجھے سامیرا سے جدا کرنے میں ناکام رہے تھے اور قلعوں کا دفاع مضبوط ہو رہا تھا۔ دوسری طرف مجھے عمومی ذمے داریوں سے نجات مل گئی تھی اور میں اب وہ کر رہا تھا۔ جس کے لیے برف والے نے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔ ریک زیادہ دیر نہیں رکھا تھا۔ وہ چند گھنٹوں بعد چلا گیا تھا۔ دوپہر کا وقت

تھا اور ابھی شام ہونے میں کئی گھنٹے باقی تھے۔ وہ روشنی میں ہی واپس قلعوں تک پہنچ جاتا۔



جس وقت میں ٹیلے اور اس پر رہنے والے انسانوں کے دفاع کو مضبوط بنانے کا سوچ رہا تھا تو جانوروں سے نمٹنے کے لیے میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی تھی۔ اس ترکیب کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے اپنے آدمیوں کے ہمراہ جنگل سے بڑی مقدار میں دوشاخہ ہونے والی بڑی لکڑیاں تلاش کی تھیں اور پھر انہیں خشک ہونے کے لیے ٹیلے پر پھیلا دیا تھا ان میں سے بہت سی پہلے ہی خشک تھیں۔ ان کے دو اور سہ شاخوں پر خشک گھاس کے پولے باندھے گئے تھے۔ ربیک کے جانے کے بعد میں نے سب کو تیار کی حکم دیا۔ روبیر کو بھی۔ وہ سب تیار ہونے لگے اور کچھ ہی دیر میں تقریباً سب آرگون کی سپاہ کے حلیے میں آچکے تھے۔ حد یہ کہ روبیر نے سرخ لباس پہنا ہوا تھا حالانکہ آرگون کی فوج میں عورتیں نہیں ہوتی ہیں۔ سب نے ہتھیار لیے اور پھر سب نے دو عدد دوشاخہ لکڑیاں اٹھائیں۔ رواگلی سے پہلے میں نے انہیں بریف کیا۔

”ساتھیو آج ہمارا پہلا امتحان ہے۔ ہمیں آرگون کے سپاہیوں کے کسی گشتی دستے پر یوں چھپ کر حملہ کرنا ہے کہ انہیں بھاگنے یا جوابی حملہ کرنے کا موقع نہ ملے۔ کم سے کم فرار سے لازمی روکنا ہے۔ تاکہ آرگون والے ہماری موجودگی سے واقف نہ ہو سکیں۔ ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ جب تک میں علم نہیں کہ دوں حملہ نہیں کرنا ہوگا اور نہ ہی دشمن کو متوجہ کرنے والا اور کوئی کام کرنا ہوگا۔ اپنی حفاظت اور رازداری سب سے اہم ہوگی۔ میری بات سمجھ آگئی ہے ورنہ تم لوگ سوال کر سکتے ہو۔“

روبر میری تقریر کا ترجمہ کر رہی تھی اور اسی کے توسط سے ان سب نے سوالات کیے۔ میں جواب دیتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا کہ وہ ہر بات پوچھیں تاکہ صاف ذہن کے ساتھ یہاں سے روانہ ہوں۔ آگے چل کر ان سے کوئی غلطی نہ ہو۔ جب وہ مطمئن ہو گئے تو ہم ٹیلے سے نیچے آئے۔ لکڑی کی سیڑھی کو ممکنہ حد تک بیلوں سے چھپا دیا تھا رواگلی سے پہلے میں نے کچھ ایسی نشانیاں لگائیں اگر کوئی یہاں آتا اور ٹیلے پر جاتا تو مجھے علم ہو جاتا۔ ہمارا رخ میدان کے ساتھ ساتھ پھیلے جنگل میں آرگون کی طرف تھا۔ ایک گھنٹے بعد ہم آرگون کے کھیتوں اور باغات تک پہنچ گئے تھے۔ درمیان میں صرف گھاس کا کوئی تین چار سو گز چوڑا میدان تھا۔ اس میدان کو باقاعدہ جھاڑیوں اور درختوں سے صاف رکھا جاتا تھا تاکہ جنگل اور کھیتوں کے درمیان حد فاضل رہے اور اگر کوئی جانور جنگل سے نکل کر آئے تو دور سے نظر آجائے۔ ان جانوروں سے نمٹنے کے لیے یہاں آرگون کی سپاہ کے دستوں کی موجودگی لازمی تھی۔

ہم ایک جگہ رکے۔ روبیر نے پوچھا۔ ”اب کیا کرنا ہے؟“

”انتظار۔“ میں نے کہا۔ ”ہم کھیتوں و باغات کی طرف جائیں گے تو بہت سی نظروں میں آسکتے ہیں۔ یہاں یقیناً نگرانی کی جارہی ہوگی۔ خاص طور سے گیارہ سپاہیوں کی گمشدگی کے بعد وہ لوگ بہت چوکنا ہوں گے۔ ایسے میں ہمارا اس طرف جانا مناسب نہیں ہوگا۔ ہمیں کسی دستے کے باہر آنے کا انتظار کرنا چاہیے۔“

”اگر اس طرف سے کوئی نکلا تو؟“

”تب ہم انہیں متوجہ کر کے اس طرف بلائیں گے۔“

روبیر مسکرانے لگی۔ ”اور جب وہ یہاں آئیں گے تو ان کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔“
میں نے حکمت عملی مزید واضح کی۔ ”بالکل مگر کوشش کرنی چاہیے کہ ان میں سے کوئی زندہ بھی ہاتھ آئے۔
اس سے ہمیں آرگون کے اندر کی صورت حال کا علم ہو سکتا ہے۔“

روبیر سوچ رہی تھی۔ ”اگر سپاہی آئے تو انہیں کیسے یہاں متوجہ کیا جائے گا۔“
”ہم نے آرگون کے سپاہیوں کی وردی پہنی ہوئی ہے۔ وہ ہمیں اپنا آدمی سمجھیں گے۔“
ابھی ہم گفتگو کر رہے تھے کہ آٹھ یا نو سپاہیوں پر مشتمل ایک دستہ باغ سے برآمد ہوا۔ وہ آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے اور ان کا انداز انجوائے منٹ والا تھا۔ شاید ان کی ڈیوٹی ختم ہو گئی تھی اور وہ اس وقت تھکن اتار رہے تھے۔ وہ بالکل کر گھاس پر دراز ہو گئے۔ ان کے پاس ہتھیار تھے جو انہوں نے جسموں سے اتار کر پاس رکھ لیے۔ ان میں سے اکثر لیٹ گئے تھے اور کچھ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ پینے کا سامان ساتھ لائے تھے مگر یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ جو پی رہے تھے وہ سادہ پانی تھا کوئی قوت بخش مشروب یا مقامی شراب تھی۔ ہم انہیں دیکھ رہے تھے۔ ایماں اور ایرٹ میرے پاس تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ یہ دونوں نوجوان ذہن کا استعمال کرتے تھے اس لیے میں ان سے بات کرتا تھا اور ان سے مشورہ لیتا تھا۔ اس وقت بھی میں نے پوچھا۔ ”کیا خیال ہے انہیں کیسے قابو کیا جاسکتا ہے؟“

”انہیں متوجہ کر کے یہاں بلا کر۔“ ایماں نے کہا۔
”میرا خیال ہے ہم سب درختوں پر پڑھ جاتے ہیں۔“ ایرٹ نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔
”جب وہ یہاں آئیں تو انہیں تیروں سے نشانہ بنائیں۔“

”نہیں اس میں خطرہ ہے۔“ روبیر نے کہا۔ ”حسب معمول گفتگو اسی کے توسط سے ہو رہی تھی۔“ ہو سکتا ہے وہ سب نہ آئیں اور ہو سکتا ہے کہ جس وقت ہم انہیں نشانہ بنا رہے ہوں۔ اندر سے مزید سپاہی نکل آئیں۔ اس صورت میں ہم خطرے میں پڑ جائیں۔“

میں نے روبیر کی تائید کی۔ ”خطرے کا سامنا نہیں کرنا ہے کیونکہ یہ کام ہم مشق کے طور پر کر رہے ہیں۔“
”تب تم کیا کہتی ہو؟“ ایرٹ نے کسی قدر طنزیہ انداز میں پوچھا۔

روبیر نے میری طرف دیکھا۔ ”ربان والے واقعے سے اندازہ ہو گیا ہے کہ آرگون کے سپاہی آج کل بے قابو ہو رہے ہیں۔ اگر انہیں کوئی عورت نظر آئے تو کیا یہ اس کی طرف نہیں آئیں گے۔“
روبیر کی تجویز نے مجھے متاثر کیا۔ ”وہ بالکل آسکتے ہیں۔“

”اب ہم درختوں کے ذرا اندر ان کے لیے جال بچھاتے ہیں۔ ایرٹ کی تجویز کے مطابق یہ سب درختوں پر ہوں گے۔ میں اور آپ نیچے ہوں گے۔ ہم ہی انہیں متوجہ کریں گے۔“
”وہ کیسے؟“ ایماں نے پوچھا۔

روبیر کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ ”میں مظلوم لڑکی بنوں گی۔ میں درختوں سے یوں نکلوں گی جیسے آپ سے بچ کر بھاگ رہی ہوں اور آپ پیچھے سے آکر مجھے پکڑ لیں گے۔ اس دوران میں ہمیں چیخ چلا کر ان کو متوجہ کر لوں گی اور پھر آپ مجھے زبردستی درختوں میں لے جائیں گے۔ وہ دیکھ لیں گے کہ ان کا ہی ایک ساتھی ہے تو وہ لازمی یہاں

آئیں گے۔“

روبر کا پلان اچھا تھا۔ سادہ اور موثر۔ اگر اس پر اچھے طریقے سے عمل کیا جاتا تو یقیناً یہ کامیاب ہو سکتا تھا۔ میں نے سر بلایا۔ ”ٹھیک ہے لیکن پہلے ہمیں جنگل کے اندر کوئی ایسی جگہ دیکھنی ہوگی جہاں ان کو اس طرح گھیرا جائے کہ کوئی بچ کر نہ نکلے پائے۔“

ہم پیچھے درختوں میں آئے۔ تقریباً پچاس گز اندر ہمیں ایک کسی قدر کھلی جگہ ملی جس کے چاروں طرف گھنی شاخوں اور پتوں والے درخت تھے اور گھات لگانے کے لیے یہ جگہ نہایت موزوں تھی۔ وہ پانچوں درخت پر چڑھنا چاہ رہے تھے مگر میں نے ایرٹ کو روک لیا۔ ”تم میرے ساتھ رہو گے۔ یہ بتاؤ کہ اگر ان لوگوں کو بتانا ہو کہ آرگون والے اس طرف آرہے ہیں تو کیسے اشارہ دیا جاسکتا ہے؟“

”میں ایک پرندے کی آواز نکال سکتا ہوں جو یہاں پایا جاتا ہے۔“ ایرٹ نے کہا اور آواز نکال کر دکھائی۔ آواز میں مصنوعی پن نہیں تھا۔ میں نے اسے اوکے کر دیا۔

”ٹھیک جب تم ایک بار آواز نکالو گے تو مطلب ہوگا کہ دشمن ہماری چال میں آگیا ہے۔ دوبارہ آواز نکالو گے تو اس کا مطلب ہوگا کہ دشمن اس طرف آرہا ہے اور تین بار آواز نکالنے کا مطلب ہوگا کہ دشمن بالکل نزدیک آگیا ہے سب تیار رہیں۔“

روبر نے سب کو بتایا تو وہ سمجھ گئے۔ مزید تسلی کے لیے کچھ سوال جواب کے بعد میں نے کہا۔ ”حملے کا اشارہ میں کروں گا اور جب میں چلا کر کہوں ٹوٹ پڑو تو حملہ کرنا ہے۔“

روبر نے ان کو بتاتا تو سب نے جلدی سے ”ٹوٹ پڑو“ کی گردان کی اور اسے ذہن نشین کر لیا۔ شاٹ، ایمبار، رائون اور مارٹ میرے منتخب کیے درختوں پر چڑھ گئے۔ اس کے بعد ہم واپس آئے اور میں نے دو درخت اور منتخب کیے۔ یہ کھلے میدان سے ذرا ہی اندر تھے۔ ایرٹ اور روبر نے ان پر اپنا سامان چڑھا دیا۔ اب یہ وقت ضرورت صرف ان کو اوپر چڑھنا پڑتا۔ جب سب ہو گیا تو میرا دھیان اصل مسئلے کی طرف گیا۔ روبر نے بھی جنگی وردی پہن رکھی تھی۔ وردی میں موجود کرتا نہ تو زیادہ کھلا تھا اور نہ ہی یہ طویل تھا۔ بمشکل گھٹنوں تک آتا تھا۔ اگر روبر اسی وردی میں آرگون کے سپاہیوں کے سامنے جاتی تو انہیں شک ہو جاتا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ ہم اور کوئی لباس ساتھ نہیں لائے تھے۔ اس وقت اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی مگر اب میں سوچ رہا تھا کہ ہمیں ایک سادہ لباس لانا چاہیے تھا تاکہ روبر عام عورت ہونے کا تاثر دے سکتی۔ وہ وردی میں ہوتی تو آرگون والے ویسے ہی چوکنہا ہو جاتے اور پھر مشکل سے ہی ہمارے جال میں آتے۔ میں نے روبر سے کہا۔

”یہ تو مسئلہ ہو گیا تمہارے لباس سے سارا تاثر ہی بدل جائے گا۔“

وہ بھی پریشان ہو گئی۔ ”یہ تو ہے۔“

”تب ہمیں پلان بدلنا ہو گا یا ترک کرنا ہو گا۔“

روبر سر سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے کہا۔ ”نہیں پلان تبدیل نہیں ہوگا۔“

”وہ کیسے؟“ میں نے پوچھا تو اس نے ایرٹ کی طرف دیکھا۔

”تم درخت پر جاؤ۔“

ایرٹ جانتا تھا کہ رویہ کا درجہ میرے بعد آتا تھا اور اس کا حکم ماننا بھی لازمی تھا اس لیے وہ خاموشی سے درخت پر چڑھ گیا۔ رویہ میرے ساتھ آگے آئی اور اس نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ ”میں لباس اتار دوں گی۔“

میں دنگ رہ گیا پھر میں نے ہڑبڑا کر کہا۔ ”کیا مطلب لباس اتار دو گی؟“
 ”میں یہ وردی اتار دوں گی۔“ اس نے وضاحت کی۔ ”پھر ان لوگوں کو شک نہیں ہوگا اور وہ اسے بالکل سچ سمجھیں گے۔“

میں اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”تب تم کیا پہنو گی یہاں کوئی اور لباس نہیں ہے۔“
 اس کا سرخ چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔ ”کچھ..... بھی نہیں۔“
 میرا چہرہ بھی سرخ ہوا تھا مگر غصے سے۔ ”میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں نے آج تک اپنے مقصد کے لیے کسی عورت کو یوں استعمال نہیں کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ اس کی توہین ہے۔“
 ”مجھے..... بس آپ ہی دیکھیں گے۔“ اس نے انک کر کہا۔ ”آرگون والے بہت دور ہیں۔“
 ”میرے سامنے بھی تم ایسا نہیں کرو گی میں کوئی الگ سے نہیں ہوں۔“

”میں آپ کو جانتی ہوں۔ میں خود یہ کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آدمی کو بزدلوں کی طرح خوشی کرنے کے بجائے بہادری کی طرح لڑکر جان دینی چاہیے۔ تو اب میں ان لوگوں سے لڑنے کو تیار ہوں جنہوں نے شامین کو قید کیا ہوا ہے اور جو پوری وادی کو قید خانہ بنانا چاہتے ہیں۔“
 ”ٹھیک ہے مگر میں تمہیں یوں استعمال نہیں کر سکتا۔“

اس نے میرے ہاتھ تھام لیے۔ ”شہباز یہ میری التجا ہے۔ انسان جان اور مال کے ساتھ عزت بھی تو قربان کرتا ہے اگر مقصد بڑا ہو تو جو ہم کر رہے ہیں اس سے بڑا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔ میرے لیے یہ معمولی سی قربانی ہے۔ بے لباسی کی ذلت میں نے سہی تھی۔ بے شک وہاں چند ہی افراد تھے مجھے قلعے سے دور لاکر لباس اتارنے کو کہا تھا۔ اس وقت میں مجبور تھی اور اب میں اپنی مرضی سے یہ کام کرنے کو تیار ہوں۔“
 وہ رفتہ رفتہ مجھے قائل کر رہی تھی۔ میں نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ”رویہ یہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔“

”اگر آپ دیکھیں تو میں اصل میں آپ کے سامنے ہی بے لباس ہوں گی اور آپ کی نظروں کا مجھے علم ہے میں چاہے لباس میں ہوں یا بے لباس آپ مجھے ایک ہی انداز میں دیکھیں گے۔ اب یہ مت کہیے گا کہ آپ الگ سے نہیں ہیں۔ آپ میرے لیے سب سے الگ ہیں۔ رہے آرگون والے تو وہ اتنی دور ہیں کہ انہیں میری جھلک ہی نظر آئے گی اس سے پہلے وہ نزدیک آئیں میں پھر سے لباس پہن لوں گی۔“

اس کی دلیلوں میں وزن تھا مگر میرا دل کسی صورت ماننے کو تیار نہیں تھا۔ یہ زندگی و موت کا مسئلہ تھا جس کے لیے میں رویہ سے اتنی بڑی قربانی لیتا اور شاید اس نے بھی میرے تاثرات سے بھانپ لیا تھا کہ میں اسے کسی صورت اجازت نہیں دوں گا۔ اس لیے اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ ہم درختوں کے آخری سرے تک تھے اور یہاں سے آرگون کے سپاہی صاف نظر آرہے تھے۔ انہوں نے شاید واپسی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ وہ

گھاس سے اٹھ گئے تھے اور اپنا اسلحہ سمیٹ رہے تھے۔ ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا کہ اب روبیر کی تجویز پر عمل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے سکون کا سانس لیتے ہوئے سوچا اور پلٹا تھا کہ بھونچکا رہ گیا کیونکہ روبیر وردی اتار چکی تھی اور پھر وہ تیزی سے کھلے میدان کی طرف بھاگی۔ اس نے بہت زور سے چیخ ماری تھی۔ اس نے اپنی من مانی کر لی تھی اور اب اس کے پیچھے چلنا اور منصوبے کے باقی حصے پر عمل کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ میں چند لمحوں کے وقفے سے اس کے پیچھے لپکا تو مجھے آتے دیکھ کر وہ جان بوجھ کر گری اور اس نے چلا کر کہا۔

”میرے پاس مت آنا۔“

چاہتا تو میں بھی نہیں تھا کہ اس کے پاس نہ جاؤں مگر اس نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ میں اس کے پاس آیا اور اس سے نظریں چراتے ہوئے اسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ آرگون کے سپاہی ہمارے طرف متوجہ ہو گئے اور ان کو دکھانے کے لیے میں نے روبیر کو ہلکا سا تھپڑ مارا مگر ان کو لگا جیسے میں نے بہت زور سے مارا ہے اور پھر میں اسے زبردستی گھسیٹ کر درختوں میں لے جانے لگا اور روبیر نام نہاد مزاحمت کرنے لگی اور اس دوران میں اس نے کئی بلند چیخیں ماری تھیں۔ اب اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ پوری طرح بھر گیا تھا۔ میرا رخ دوسری طرف تھا کہ میں اسے نہیں دیکھنا چاہتا تھا اس لیے میں سپاہیوں کو آتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکا۔ مگر روبیر پیچھے دیکھ رہی تھی۔ درختوں میں آتے ہی اس نے کہا۔ ”وہ آرہے ہیں۔“

”لباس پہنو۔“ میں نے غرا کر کہا اور تیزی سے ایرٹ والے درخت کے پاس آیا۔ ”ایرٹ۔“

اس نے اوپر سے جھانکا تو میں نے اسے اشارے سے سمجھایا آرگون کے سپاہی آنے والے ہیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس دوران میں روبیر بہت تیزی سے لباس پہن چکی تھی اور وہ اس درخت پر چڑھنے لگی جس پر اس کے ہتھیار تھے۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو مجھے اطمینان ہوا کہ پورا دستہ درختوں کی طرف دوڑا آ رہا تھا۔ میں نے روبیر سے کہا۔ ”ایک دو چیخیں اور مارو جیسے تمہارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔“

اس نے میری ہدایت پر عمل کیا اور ان چیخوں کے نتیجے میں آنے والے سپاہیوں کی رفتار میں خاطر خواہ تیزی آئی تھی۔ روبیر نے صرف منصوبہ نہیں بنایا تھا مجھے اس پر عمل کرنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ مجھے غصہ تو آ رہا تھا مگر یہ وقت غصہ دکھانے کا نہیں عمل کا تھا۔ اب میں تیزی سے پیچھے ہٹ رہا تھا۔ سپاہیوں کے اندر آنے سے پہلے میں ان کے لیے بنائے ہوئے چال والے مقام تک پہنچ گیا تھا۔ اس دوران میں ایرٹ نے ایک بار پرندے کی آواز نکال کر باقیوں کو ہوشیار کر دیا تھا۔ جب سپاہی اس کے پاس سے گزرے تو اس نے دوسری بار آواز نکالی۔ میں اس جگہ سے بھی پیچھے ہٹ گیا اور درختوں کے درمیان جا کر میں نے مردانہ غراہٹ کی آواز نکالی اور پھر تالی بجائی جس سے تاثر ہوا کہ کسی کو تھپڑ مارا گیا ہے۔ آنے والے سپاہی مجھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ مگر جب ایرٹ نے تیسری بار پرندے کی آواز نکالی تو میں نے جھانک کر دیکھا۔

سپاہی بے وقوف نہیں تھے کہ وہ ایک جگہ ہوتے وہ پھیلے ہوئے تھے اور ان میں سے گھات والی جگہ پانچ سپاہی تھے باقی ڈرافٹلے پر تھے۔ میں نے تیرکمان نکالا اور اپنے سب سے موجود نزدیک سپاہی کا نشانہ لینے لگا۔ وہ مجھ سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر تھا اور اتنے فاصلے سے نشانہ لینا آسان نہیں تھا مگر میں نے اللہ کا نام لے کر تیر چھوڑ دیا۔ میں نے سینے کا نشانہ لیا تھا مگر تیر اس کی گردن میں اتر گیا۔ یہ بہتر ہوا تھا۔ اس کی آواز نہیں نکلی اور اس

کے گھات والی جگہ موجود پانچ ساتھی بے خبر رہے تھے۔ وہ ڈگماتے ہوئے اپنی گردن سے تیر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر تیسرا طرح گھسا تھا کہ نکل نہیں رہا تھا۔ اسے نشانہ بناتے ہی میں نے دھاڑ کر کہا۔ ”ٹوٹ پڑو۔“

نورانی سنسناتی آوازیں آئیں اور سپاہیوں کی چیخیں بلند ہوئیں جن میں موت کا کرب رچا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ان چاروں نے اپنے شکاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔ میں نے جسے نشانہ بنایا تھا اس کے نزدیک ایک سپاہی اور تھا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا اور نیزہ لے کر میری طرف لپکا۔ تیر استعمال کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اس لیے میں نے کمان پھینک کر نیزہ سنبھال لیا۔ سپاہی وحشیانہ انداز میں دھاڑتا ہوا آیا تھا۔ وہ خاصا تنومند تھا اور اس کا انداز خوف زدہ کرنے والا تھا مگر میں پہلے بھی بارہا ایسے لوگوں کا سامنا کر چکا تھا۔ اس لیے جب اس نے ہوا میں اچھل کر نیزہ میرے جسم میں اتارنے کی کوشش کی تو میں آسانی سے درخت کی اوٹ لے کر بچ گیا۔ نیزہ درخت پر لگا اور ٹوٹ گیا۔ میں گھوم کر دوسری طرف سے نمودار ہوا تو سپاہی نے نیزے کی ڈنڈی مجھ پر کھینچ ماری اور اپنے پچکے سے لگے ہوئے دو عدد سنگی چاقو نکال لیے۔

یہ کوئی چھانچ لے بے پھل والے چاقو تھے جن کا دستہ بھی سنگی تھا اور انہیں ایک ہی پتھر سے تراش کر بنایا گیا تھا۔ میرے پاس نیزہ تھا اور میں دور سے اس پر وار کر سکتا تھا مگر مجھے اچھا نہیں لگا کہ اب نیزے سے مقابلہ کروں اس لیے میں نے بھی نیزہ پھینک کر چاقو نکال لیے۔ مجھے چاقو نکالتے دیکھ کر وہ سفاک انداز میں مسکرایا اور اس نے بیک وقت دونوں چاقو تھراتے ہوئے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اس میں شبہ نہیں تھا کہ وہ چاقو کے استعمال کا ماہر تھا۔ اس نے پیٹ کا دھوکا دے کر اٹلے ہاتھ والا چاقو میری گردن میں اتارنے کی کوشش کی تھی اور اگر میں پوری طرح چوک نہ ہوتا تو وہ کامیاب بھی ہو جاتا۔ میں نے بروقت کلائی اس کے ہاتھ پر ماری اور اسے روک لیا۔ یہ اس کا فطری ہاتھ تھا کہ سے کم طاقت اور پنے تلے وار سے ایسا ہی لگ رہا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ میرے پیٹ اور سینے سے کچھ دور تھا۔ اس نے اب پیٹ پر وار کیا۔ جو میں نے بائیں ہاتھ سے روکا۔

اگر اس کا دایاں ہاتھ فطری ہوتا تو وہ شاید کامیاب ہو جاتا۔ میں نے دونوں ہاتھ روک کر اس کے پاؤں پر ٹھوکر ماری۔ چوٹ کھا کر وہ پیچھے گیا اور دوبارہ آگے آیا۔ اس بار اس نے دونوں چاقو سامنے رکھے اور میرے جسم کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ یہ بہک واریں تھیں اس کی کوشش تھی کہ مجھے زخم لگا کر کمزور کر دے اور وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہا۔ ایک چاقو میری بائیں کلائی پر خراش ڈالتا ہوا نکل گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ صرف چاقو بازی سے اسے روکنا محال تھا وہ مجھ سے زیادہ ماہر تھا۔ میں نے پھر پاؤں استعمال کیا اور اسے پیچھے دھکیل دیا۔ اس کے بعد میں نے ایک چاقو بھی پھینک دیا اب میرے پاس صرف ایک چاقو تھا۔ میں چاقو زنی کے بجائے کرانے والا انداز اپنایا اور جیسے ہی وہ آگے آیا میں نے نیچے بیٹھتے ہوئے سوپ لک ماری۔ اس کے لیے یہ وار غیر متوقع تھا اور وہ دھڑام سے نیچے گرا تھا۔

مگر وہ عام آدمی نہیں پیشہ ور سپاہی تھا۔ اس نے گرتے ہی میری طرف والا ہاتھ چلایا اور چاقو کی نوک اس بار میری پنڈلی کو چھو گئی۔ میں نے تڑپ کر پاؤں پیچھے کیا اور اس کا گھومتا ہوا ہاتھ قابو میں کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ میں نے دوسرا ہاتھ اس کی کہنی کے نیچے رکھا تھا اور وہ کہنی ٹوٹنے سے بچانے کے لیے از خود کھڑا ہونے لگا مگر میری اٹھنے کی رفتار کہیں تیز تھی۔ دباؤ زیادہ آیا تو اس کی کہنی جوڑ سے نکل گئی۔ خشک ٹہنی ٹوٹنے جیسی آواز کے ساتھ اس

کے حلق سے دھاڑ نکلی تھی۔ میں نے اس کا بازو چھوڑ کر عقب سے اس کی گردن جکڑی اور اس کا دوسرا ہاتھ قابو کر لیا۔ اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی تو میں نے اس کے بائیں گھٹنے پر پیچھے سے پاؤں مار کر اسے نیچے گر لیا اور گردن پر دباؤ بڑھانے لگا۔

اس دوران میں درختوں پر موجود میرے ساتھی اتر آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے آ کر اس کا دوسرا چاقو چھین لیا۔ وہ ویسے ہی بے دم ہو رہا تھا۔ میں اسے مارنا نہیں بے ہوش کرنا چاہتا تھا۔ مگر مجھ سے اندازے کی غلطی ہوئی اور میں نے بہت سختی سے اس کی گردن دبا لی تھی۔ چاقو سے محروم ہونے کے بعد اس کا رہا سہا دم بھی جلد نکل گیا۔ اس کے ساکت ہونے پر میں نے اسے چھوڑ کر اس کی نبض چیک کی تو مجھے انفوس ہوا۔ نبض ساکت تھی اور وہ مر چکا تھا۔ میں نے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ ان سے پوچھنا بیکار تھا میری بات ان کی سمجھ میں کہاں آتی۔ میں گھات والی جگہ آیا تو وہاں چھ لاشیں پڑی تھیں۔ دو میں نے مارے تھے۔ مگر میرا خیال تھا کہ وہ نو تھے تو ایک کہاں تھا۔ میں نے چلا کر روپیر کو آواز دی۔ ”ایک بھاگ گیا ہے اسے روکو۔“

باقی میرے اندازے سمجھ گئے کہ کوئی مسئلہ ہے۔ میں میدان کی طرف بھاگا تو وہ بھی میرے پیچھے آئے۔ ایرٹ اور روپیر درختوں سے اتر آئے تھے۔ میں نے ان کو اسی وجہ سے یہاں لگایا تھا کہ اگر کوئی بچ کر واپس بھاگے تو وہ اسے جانے نہ دیں۔ میں نے روپیر سے کہا۔ ”ان سے کہو ایک بچ گیا ہے اسے تلاش کریں۔“ روپیر نے میری بات کا ترجمہ کیا اور وہ فوری آس پاس پھیل گئے۔ روپیر نے کہا۔ ”یہاں سے کوئی نہیں گزرا ہے۔“

”وہ چالاک ہے شاید اس نے محسوس کر لیا کہ یہاں بھی گھات ہے تو وہ کہیں اور سے نکلے گا۔“ میں کہتے ہوئے روپیر کے ساتھ کھلے میدان میں نکل آیا۔ مگر دائیں بائیں کوئی نظر نہیں آیا۔ فرار ہونے والا اتنی جلدی یہ میدان عبور نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے تو پورے میدان میں گھاس تھی مگر کہیں کہیں زیادہ گھاس گھوٹی تھی اور اس میں کوئی آدمی لیٹ جاتا تو دور سے نظر نہیں آتا۔ درختوں میں ایرٹ اور اس کے ساتھی بھاگنے والے کو تلاش کر رہے تھے۔ میں نے روپیر سے کہا۔ ”بڑھی ہوئی گھاس میں دیکھنا ہو گا ممکن ہے وہ اس میں چھپ گیا ہو۔“

”میں الگ دیکھتی ہوں آپ.....“

”نہیں تم میرے ساتھ رہو گی اکیلا پا کر وہ النام تم پر یا مجھ پر حملہ کر سکتا ہے۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”اب خاموش رہنا اور دے قدموں چلنا، کوئی بات کہنی ہو تو اشارے سے کہنا۔“

روپیر نے سر ہلایا اور ہم نے اپنے تیر کمانوں پر چڑھالیے اور اونچی گھاس والی جگہوں کو کھنگالنے لگے۔ میدان میں ایسی جگہیں بہت ساری تھیں مگر اس جگہ سے نزدیک چند ایک ہی تھیں اور وہ ان میں سے ہی کسی میں چھپ سکتا تھا۔ ہم نے جہاں دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ میدان کے تقریباً وسط میں اونچی گھاس تھی۔ میں اور روپیر دے قدموں خاموشی سے اس کے نزدیک پہنچے تھے کہ ایک سرخ لباس والا سپاہی تڑپ کر اس میں سے نکلا اور باغوں کی طرف دوڑا۔ میں نے بے ساختہ تیر چلایا جو اس سے خاصے فاصلے سے گزر گیا۔ مگر روپیر نے فوری تیر نہیں چلایا۔ اس نے تیر کا رخ اس کی طرف کیا اور پھر بتدریج اسے اوپر کرنے لگی۔ البتہ سمت اس نے وہی رکھی تھی۔ سپاہی دوڑنے کے ساتھ اب چلا بھی رہا تھا۔ ”مدد..... مدد..... جملہ ہوا ہے۔“

میں نے اضطراب سے کہا۔ ”رو بیر اسے روکو۔“

وہ پورے انہماک سے نشانہ لے رہی تھی اور جب اسے یقین ہو گیا کہ سپاہی نشانے پر آ گیا ہے تو اس نے پوری طرح کھنچی کمان کی تانت چھوڑ دی۔ کمان کھینچنے کے دوران اس کا جسم خود کڑی کمان بن گیا تھا۔ تیر ہوا میں بلند ہوا تو دونوں کمانیں نرم پڑ گئیں۔ میری نظر تیر اور دوڑتے سپاہی پر بیک وقت لگی ہوئی تھی۔ وہ باغوں کے خاصا پاس پہنچ گیا تھا۔ مگر جب دو چار ہاتھ لب بام رک گئے تو اس کی امید کی کند ٹوٹ گئی۔ تیر عقب سے اس کی گدی میں داخل ہوا اور دوسری طرف نکل گیا۔ وہ نیچے گرا اور ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے دم توڑنے لگا۔ ایک بار وہ کھڑا ہوا اور لڑکھڑاتا ہوا چند قدم درختوں کی طرف چلا مگر پھر گر پڑا اور دوبارہ نہیں اٹھا۔ میں اور رو بیر بیک وقت اس کی طرف بھاگے۔ اس دوران میں ایرٹ اور اس کے ساتھی بھی میدان میں نکل آئے تھے۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں درختوں میں جانے کو کہا اور انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ ہم سپاہی کی لاش کے پاس رکے اور رو بیر نے پوچھا۔

”اس کا کیا کرنا ہے؟“

”اسے بھی واپس لے جانا ہے۔“ میں نے کہا اور اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں۔ رو بیر نے تیر کھینچ لیا اور اسے زمین پر صاف کر کے ترکش میں لگالیا۔ مگر اس سے پہلے میں اسے واپسی کے لیے کھینچتا۔ تقریباً دو سو گز دائیں طرف باغات کی طرف سے تیز بولنے کی آواز آئی اور میں نے بھرتی سے سپاہی کی لاش کھینچی اور درختوں میں داخل ہو گیا۔ رو بیر میرے ساتھ تھی۔ شام دھندلا گئی تھی اور کچھ ہی دیر میں تاریکی ہونے والی تھی۔ یہاں کیونو جیسے درخت لگے تھے جو نیچے سے بھی گھنی شاخوں والے ہوتے ہیں۔ میں نے لاش ایک درخت کے اندر کی اور رو بیر کو دوسرے میں جانے کا اشارہ کر کے واپس آیا۔ زمین پر سپاہی کا لہو پھیلا ہوا تھا اور یہ اچھا خاصا تالاب جیسا بن گیا تھا۔ خون والی جگہ مجھ سے صرف دو گز دور کھلے میں تھی مگر میں اس حد تک آتا تو ان لوگوں کی نظروں میں آ جاتا تو اب باہر نکل کر غالباً مدد کے لیے پکارنے والے کو تلاش کر رہے تھے۔ یقیناً مرنے والے سپاہی کی چیخ و پکار اندر سن لی گئی تھی اور یہ لوگ اسی پر آئے تھے۔

ان کی تعداد ایک درجن کے لگ بھگ تھی اور ان میں نو یا دس سپاہی تھے باقی عام لباس میں تھے۔ وہ پھیل کر دائیں بائیں دیکھ رہے تھے اور ان میں سے کچھ ہماری طرف آرہے تھے۔ میں نے سوچا اور اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مٹی اٹھا کر خون پر پھینکنے لگا۔ میں زیادہ مقدار میں نہیں پھینک رہا تھا جو آنے والوں کو متوجہ کر لیتی۔ مٹی گرنے سے رفتہ رفتہ لہو کی سرخی غائب ہونے لگی۔ ایک منٹ میں خون بالکل غائب ہو گیا تھا اور اب کوئی آکر یہاں مٹی کریدتا تب ہی اسے خون دکھائی دیتا۔ سپاہی کو کھینچنے سے جو گھاس دی تھی وہ دوبارہ سیدھی ہو رہی تھی۔ باقی ایسا کوئی نشان نہیں تھا جو آنے والوں کی توجہ کھینچتا۔ میں واپس آیا تو رو بیر خود کو ایک درخت میں اچھی طرح چھپا چکی تھی۔ میں نے اس سے مخالف سمت میں دوسرے درخت کا انتخاب کیا اور اندر گھس کر خود کو پوشیدہ کر لیا۔ پانچ منٹ بعد تلاش کرنے والے وہاں آگئے تھے اور انہوں نے باغ کے اندر بھی جھانکا تھا۔ مگر کسی کو درختوں میں دیکھنے کا خیال نہیں آیا۔ کوئی بولا۔

”کسی نے مذاق کیا ہوگا۔“

”اگر یہ مذاق ہے تو بہت ہی بھونڈا مذاق ہے۔“ دوسرے نے کہا وہ لاش والے درخت کے پاس کھڑا ہوا تھا اور ذرا سا شائخص ہٹا کر دیکھتا تو اسے بھونڈا مذاق کرنے والا فوراً نظر آ جاتا۔

”سوال ہے کہ مذاق کرنے والا بھی تو کوئی ہوگا۔ وہ مذاق کر کے کہاں غائب ہو گیا۔“ پہلے والے نے کہا۔

”یہاں موجود دستہ کہاں گیا؟“

”میرا تو خیال ہے وہ حرام خور پہلے ہی شہر کی طرف جا چکے ہیں جب کہ انہیں یہاں کام کرنے والوں کے ساتھ جانا تھا۔“

وہ دونوں عام لباس میں تھے اور ان کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ سپاہیوں سے خوش نہیں ہیں۔ وہ باتیں کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔ ان کے دور جانے کے بعد میں درخت سے باہر آیا اور روہیر کو اپنی جگہ رہنے کا کہہ کر میں باغ کے کنارے تک آیا۔ باہر جھانکنے پر مجھے میدان میں پھیلے سپاہی نظر آئے مگر وہ جنگل کی طرف جانے سے گریز کر رہے تھے۔ البتہ چلا چلا کر ان لوگوں کو آوازیں دے رہے تھے جواب ان کی کسی آواز کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ تنازیکہ بہت تیزی سے بڑھ رہی تھی اور کچھ ہی دیر جاتی تھی کہ تاریکی مکمل ہو جاتی۔ مجھے اور روہیر کو اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں سے نکلنا تھا۔ البتہ میں لاش کے بارے میں متذبذب تھا کہ اسے یہاں چھوڑ کر جاؤں یا لے جاؤں۔ ایک بار لاش مل جاتی تو وہ لوگ ہوشیار ہو جاتے اور اس کے بعد ہمارے لیے کوئی کارروائی کرنا مشکل ہوتی۔

لاش یا لاشیں نہ ملنے کی صورت میں وہ بہت کچھ سوچ سکتے تھے۔ جیسے انہیں جانور کھا گئے یا پھر وہ فرار ہو کر سامیرا سے جا ملے۔ ایک شک کی کیفیت رہتی اور وہ اس کیفیت میں دس مفروضے قائم کرتے مگر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے اور ہم ان کی اسی کیفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بعد میں بھی اپنی چھاپہ مار کارروائیاں جاری رکھتے۔ کہ قدر سوچ بچار کے بعد میں نے لاش لے جانے کا فیصلہ کیا اور روہیر سے کہا۔ ”سنو تم تاریکی چھانے ہی یہاں سے نکل جاؤ گی۔“

”اور آپ؟“

”میں لاش لے کر آؤں گا۔ تم اس کے ہتھیار لے جاؤ گی۔“

روہیر تیار نہیں تھی مگر میرے حکم کے آگے مجبور ہو گئی۔ اس نے سپاہی کے ہتھیار جو اس کے پاس تھے سنبھال لیے اور جیسے ہی تاریکی مکمل ہوئی اور تلاش کرنے والے سمٹ کر بانوں کی طرف آئے وہ تیزی سے نکلی جنگل کی طرف روانہ ہو گئی۔ آسمان پر ابھی تک دھند تھی اور اگر تارے نکل آئے تھے تو ان کی روشنی نیچے نہیں آسکتی تھی۔ دھند کچھ دیر بعد ختم ہوتی۔ میں نظر جما کر دیکھ رہا تھا۔ روہیر کوئی پچاس گز تک نظر آتی رہی اور اس کے نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ گویا حد نظر پچاس گز تھی اگر میں اس حد سے نکل جاتا تو ان لوگوں کی نظروں سے نکلتا۔ میں نے لاش درخت سے نکالی اور اسے اٹھا کر شانے پر لا دلیا۔ وہ متوسط جسامت کا ہلکے وزن والا آدمی تھا۔ پھر خون نکل جانے سے بھی اس کا وزن کم ہوا تھا۔ میں نے با آسانی اسے اٹھا لیا اور اللہ کا نام لے کر با سے نکل آیا۔ میں نے تیز رفتاری دکھائی مگر اتنی نہیں کہ شوکر کھاؤں تو سنبھل نہ سکوں اور اسی وجہ سے شاید میں

کی نظر میں آیا۔ کوئی دائیں طرف سے چلایا۔

”وہ کون ہے؟“

”کہاں؟..... کس طرف؟“ مختلف آوازیں آئیں۔ میں ذرا جھکا اور لاش سمیت نیچے گر گیا۔ پھر لینے لینے آگے سرکنے لگا۔ لاش میری پشت پر تھی اور بار بار پھسل رہی تھی اور اسے قائم رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔ مگر میں نے کسی نہ کسی طرح اسے برقرار رکھا۔ اس دوران میں عقب سے آوازوں کا سلسلہ جاری تھا۔ ابھی کسی دوسرے فرد نے مجھے دیکھنے کا دعویٰ نہیں کیا تھا کیونکہ میں بروقت زمین پر لیٹ گیا تھا۔ اگر ایک دو افراد اور مجھے دیکھ لیتے تو لازمی میری تلاش شروع ہو جاتی۔ مگر اس وقت اس شخص کا مذاق اڑایا جا رہا تھا اور اسے وہم کا مریض کہا جا رہا تھا۔ بلکہ کسی نے موقع کی مناسبت چٹھے سے شے شروع کر دیئے تھے۔ اس طنز و مزاح کا فائدہ مجھے ہوا اور میں کوئی پچاس گز دور نکل آیا۔ زمین پر گرینگے سے میرا لباس خراب ہوا تھا اور ہاتھ پیروں پر خراشیں آئی تھیں مگر دشمنوں کی نظروں سے بچ گیا تھا۔ پچاس گز سے زیادہ دور آکر میں نے ایک بار پھر لاش شانے پر لادی اور آگے بڑھنے لگا۔

جنگل کے درختوں کا دیوار نما ہیولہ میری رہنمائی کر رہا تھا۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ میں اسی طرف جا رہا تھا جہاں میرے ساتھی تھے یا میں بھٹک کر کسی اور طرف نکل رہا تھا۔ شاید میں نکل بھی جاتا تھا مگر اس وقت روبیر کی ذہانت کام آئی۔ درختوں میں داخل ہوتے ہی مجھے پرندے کی آواز سنائی دی جو یقیناً ایرٹ نکال رہا تھا۔ اس طرح وہ مجھے اپنے جائے وقوع سے آگاہ کر رہا تھا میں سنہل کر اس طرف بڑھنے لگا اور کوئی دس منٹ بعد میں ان کے پاس تھا۔ انہوں نے عقل مندی کرتے ہوئے اب تک روشنی نہیں کی تھی۔ کیونکہ اگر وہ روشنی کرتے تو امکان تھا کہ بانگوں کے باہر موجود دشمن دیکھ لیتے۔ وہ چاہتے تھے کہ پہلے میں آجاؤں۔ اس دوران میں انہوں نے باقی تمام لاشوں کی وردیاں اور سامان اتار لیا تھا۔ روبیر کے توسط سے ایرٹ نے پوچھا۔ ”ان لاشوں کا کیا کرنا ہے؟“

لاشوں کی خاطر دور جانا خطرہ مول لینے کے مترادف تھا اور یہ کام بہت دشوار ثابت ہوتا۔ ہم اس امید میں بھی لاشیں یہاں چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے کہ انہیں اسار یا دوسرے جانور تناول فرمائیں گے۔ اس لیے ایک ترکیب پہلے ہی میرے ذہن میں موجود تھی۔ میں نے کہا۔ ”انہیں درختوں پر چڑھا کر شاخوں سے باندھ دو۔“

یہ کام نسبتاً آسان تھا۔ ہم نے چند درخت منتخب کیے اور دو دو آدمی ایک درخت پر چڑھ گئے۔ لاشوں کو رسیوں کی مدد سے اوپر کھینچا جانے لگا اور پھر انہیں رسیوں کی مدد سے ہی یوں باندھ دیا گیا کہ وہ نیچے نہ گریں۔ روشنی کے لیے ہم نے دو مشعلیں جلا لی تھیں اور کام کر رہے تھے۔ لاشیں اوپر لے جانے اور باندھنے کا کام ان پانچوں نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ میں اور روبیر انہیں نیچے سے لاشیں دے رہے تھے۔ آدھے گھنٹے میں یہ کام منٹ گیا۔ اس کے بعد زیادہ مشعلیں جلا کر باقی رہ جانے والے آثار مٹائے گئے اور جو رہ گیا اسے تقدیر پر چھوڑ کر ہم واپس ٹیلے کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب ہر فرد کے پاس ایک مشعل تھی اور ہم اس طرح چل رہے تھے کہ آس پاس بھی نظر رکھی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی ہم ان جگہوں سے دوری سے گزر رہے تھے جہاں کوئی جانور گھات لگا کر بے خبری میں ہم پر حملہ کر سکتا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ جانوروں سے واسطہ پڑے گا اور ایسا ہی ہوا۔ یہ تین عدد گوز تھے جو چانک ساٹے آئے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی میں نے حکم دیا۔

”دو شانے جلا لو۔“

سب نے اپنے اپنے پاس موجود دوشانے جلا لیے اور چند لمحوں میں روشنی بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ گونز جو پہلے ہی ہماری اتنی بڑی تعداد کی وجہ سے حملہ کرنے سے گریزاں تھے۔ روشنی ہوئی تو وہ گھبرا کر پسپا ہونے لگے۔ مگر ہم سے دور نہیں گئے تھے۔ اب روپور اور دوسروں کو پتا چلا کہ میں نے یہ دوشانے کیوں تیار کرائے تھے۔ دو شاخوں کی وجہ سے شعلہ بہت بڑا اور مہیب لگ رہا تھا اور جانور ویسے ہی آگ سے گھبراتے ہیں۔ ہم جارحانہ انداز میں گونز کی طرف بڑھے تو وہ اس بار بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ چند دوشانے چھوڑ کر باقی بچھا دیئے کہ آگے کام آئیں گے۔ مگر اس بار ضرورت نہیں پڑی اور ہم بخیریت ٹیلے تک پہنچ گئے۔ سب کا تھکن اور بھوک سے برا حال تھا۔ ہم چنے جیسی خشک چیز ساتھ لے گئے تھے اور راستے میں اسے کھا کر بھوک کا مداوا کیا تھا۔ روپور بھی تھکی ہوئی تھی اس لیے میں نے اسے چولہا جلانے سے روک دیا۔ ”آج سب اسی سے گزارا کریں گے۔“

چنے برے نہیں تھے بس ذرا ہرے سے تھے ہمارے چنوں کی طرح بالکل پیلے اور ذائقے والے نہیں تھے۔ کھائی کر سب اپنی اپنی جگہوں پر لیٹ گئے تھے۔ مگر میں نے آج احتیاطاً پہرے کا بندوبست کیا تھا اور سب سے پہلے میں جاگتا رہا۔ دو گھنٹے بعد میں نے ایرٹ اور شاٹ کو اٹھا دیا۔ اب وہ پہرہ دیتے اور میں سو گیا۔ ان کے بعد دوسرے پہرہ دیتے رہے حتیٰ کہ صبح کی روشنی نمودار ہو گئی۔ میں اٹھا تو روپور ناشتہ بنا رہی تھی۔ آج ناشتے میں دلیہ نما کھیر کے ساتھ شہد اور پیڑ بھی تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہم نیچے آئے اور ندی پر گزشتہ روز کی حاصل کی ہوئی وردیاں اور دوسرا سامان دھویا جو خراب اور خون آلود ہو رہا تھا۔ خود بھی نہانے دھوئے اور آخر میں مچھلیاں پکڑیں۔ آج صرف تین مچھلیاں ہاتھ لگی تھیں شاید ندی میں ان کی تعداد کم ہو گئی تھی یا پہرہ بھانپ گئی تھیں کہ ندی میں اس جگہ ان کے لیے خطرہ ہے۔ بہر حال یہ تین بھی ہمارے لیے کافی تھیں۔

صبح بیدار ہونے کے بعد سے میری روپور سے بات نہیں ہوئی تھی۔ میرے اندر اس کے خلاف ابھی بھی غصہ تھا۔ مجھے اس کا خود کو بے لباس کرنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ اس نے بے شک خلوص نیت سے یہ کام کیا تھا اور اس کی وجہ سے ہمیں یہ کامیابی ملی تھی۔ اس کے باوجود مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔ شاید اس نے بھی محسوس کیا کہ میں اس سے خفا ہوں۔ اس لیے جب باقی سب ایک ایک کر کے ٹیلے پر جانے لگے تو وہ نیچے اتر آئی اس وقت وہاں صرف ایما تھا۔ میری خصوصی توجہ اور ان پانچوں کی طرف سے حکم بجالانے پر اب روپور ان پر پوری طرح حاوی ہو گئی تھی اور بہت تحکمانہ انداز میں بات کرتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے ایما سے کہا۔ ”یہاں سے جاؤ۔“

اس بے چارے نے بنا چوں چرا کیے نقیل کی اور میں بھی یہ سمجھ کر جانے لگا کہ شاید اسے ندی پر کوئی کام ہے۔ اس نے سامنے آ کر مجھے روک لیا۔ ”میں نے آپ سے نہیں کہا ہے۔“

”میں جھاڑیوں کے اس طرف ہوں۔“ میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ”تم ندی میں نہالو۔“

”میں نہالوں گی مگر اس وقت میں آپ سے بات کرنے آئی ہوں۔“

”کہو میں سن رہا ہوں۔“

”آپ مجھ سے ناراض ہیں۔“

”نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”نہیں ہیں۔“ وہ اصرار کر کے بولی۔ ”میں نے آپ کی بات نہیں مانی تھی اور اپنی من مانی کی تھی۔“

”جب تم جانتی ہو تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو۔“
 میرا لہجہ سخت تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ”میں نے صرف اپنے لوگوں اور آپ کی خاطر یہ کیا ہے۔ مجھے کسی نے نہیں دیکھا سوائے آپ کے۔“
 ”تمہیں یوں دیکھنے کا حق مجھے بھی نہیں ہے۔“
 ”سمجھ لیں مجبوری تھی جیسی اس وقت تھی جب میں بھٹکتی ہوئی آپ کے پاس آئی تھی تب بھی تو لباس نہیں تھا میرے جسم پر۔“

مرد کا ذہن اللہ نے کچھ اس طرح کا بنایا ہے کہ وہ از خود عورت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی جھلک، اس کی آواز، لمس اور خوشبو از خود اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔ اور کسی پجوشن میں فوراً سامنے پیش بھی کر دیتا ہے۔ میں نے اسے جس طرح دیکھا اور محسوس کیا وہ سب میرے ذہن میں موجود تھا مگر میں اسے یاد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جب رویہ نے مجھ سے بات کی تو میرا ذہن مجھے جھلکیاں دکھانے لگا۔ اس لیے مجھے اس موضوع سے الجھن ہو رہی تھی اور اسے ختم کرنے کا واحد طریقہ مجھے یہی سمجھ میں آیا کہ بات ختم کر دوں۔ ”ٹھیک ہے، مگر اب تم میری مرضی کے خلاف ایسی کوئی حرکت نہیں کر دو گی۔“
 ”آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟“
 ”نہیں۔“ میں نے کہا۔

”ج۔“ اس نے کہا اور اچک کر میرا رخسار چوم لیا۔ وہ بالکل سامنے آئی تھی مجھے موقع ہی نہیں ملا کہ اس سے بچتا۔ میں جھینپ گیا۔ ”یہ کیا حرکت ہے؟“
 ”شکریہ کا اظہار۔“ اس نے سادگی سے کہا۔

میں نے اسے نرمی سے سمجھایا۔ ”رویہ ہمارے ہاں عورتیں یا لڑکیاں اس طرح شکر یہ ادا نہیں کرتی ہیں۔“
 ”اچھا آئندہ خیال رکھوں گی۔“ اس نے جلدی سے وعدہ کر لیا۔

میں نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ ایک آدھ سپاہی کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرنی تھی مگر انہوں نے سب کو ہی مار دیا تھا۔ جس کو میں زندہ پکڑ سکتا تھا وہ میری غفلت سے مر گیا۔ رویہ اور دوسروں کا کہنا تھا کہ وہ سب خطرناک سپاہی تھے اور انہیں موقع مل جاتا تو انہیں لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔ اس لیے مجبوراً انہیں کاری وار کرنے پڑے جو سب کے سب درست بیٹھے اور وہ سارے ہی مارے گئے۔ اس طرح فرار ہونے والے کو ہم نے خود ہلاک کر دیا تھا ورنہ بھاٹا اچھوٹ سکتا تھا۔ میں نے حساب لگایا کہ اب تک آرگون کے انیس سپاہی ہمارے ہاتھوں یا ہماری وجہ سے مارے جا چکے تھے۔ اگرچہ ریٹائٹ کے پاس ہزاروں کی تعداد میں فوجی تھے لیکن یہ نقصان کم نہیں تھا جب کہ اسے جنگ کے لیے مزید سپاہیوں کی ضرورت تھی۔ اگر ہم جنگ سے پہلے اسی طرح کی چند اور چھاپہ مار کارروائیاں کر گزرتے تو ریٹائٹ کی فوج میں خوف پھیل جاتا۔ وہ جنگ میں اس کا کردگی کا مظاہرہ نہیں کر پاتے جو ایک بے خوف اور پُر یقین فوج کر سکتی ہے۔

جدید دنیا میں اسی لیے اصل جنگ سے پہلے حریف ملکوں میں افراتفری کا ماحول پیدا کر کے اس کی فوج اور عوام کو ڈی مورل رائز کیا جاتا ہے جیسا کہ آج کل وطن عزیز میں ہو رہا ہے۔ عالمی طاقتیں جس میں ہمارا پڑوسی

بھی شامل ہے پاکستان کو ایک منظم منصوبے کے تحت انتشار کی نذر کر رہے ہیں۔ ان کے اہداف میں ایک ڈاکٹر، پروفیسر اور پروفیشنل سے لے کر بڑے فوجی اڈے اور اسٹریٹجک نوعیت کی جگہیں شامل ہیں۔ مسلسل ٹارگٹ کلنگ سے عوام میں خوف بھرا جاتا ہے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہم افسران کی ٹارگٹ کلنگ سے ان اداروں کو ڈی مورالیز کیا جاتا ہے اور فوجی تعینات پر حملے کر کے فوج کو بیک فٹ پر جانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے والے چاہے کسی بھی نام اور گیٹ آپ کے ساتھ آتے ہوں وہ اصل میں پاکستان اور اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں۔ ان کو اسلحہ اور پیسے کے ساتھ ساتھ تربیت اور گائیڈ لائن بھی ہمارے عالمی دشمنوں کی طرف سے فراہم کی جا رہی ہے۔

دنیا کے بہت سے ملکوں نے اس سے زیادہ خوفناک حالات دیکھے جب ان کی بقا کو شدید خطرات لاحق ہو گئے تھے۔ امریکہ کو سول وار کی صورت میں ٹوٹ جانے کے خطرے کا سامنا ہوا۔ دوسری جنگ عظیم میں سوویت یونین کو جرمنی سے خطرہ ہوا تھا۔ مگر دونوں ملکوں کے حکمرانوں نے عوام کی طاقت سے ان خطرات کو نال دیا۔ انسانوں اور قوموں کی زندگی میں مشکلات انہیں مضبوط بنانے کے لیے آتی ہیں۔ اگر وہ ان مشکلات کا ہمت اور حوصلے سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اپنی سمجھ بوجھ اور ذرائع استعمال کرتے ہیں تو وہ پہلے سے زیادہ طاقتور ہو کر ابھرتے ہیں۔ اگر ہم بھی ایسا ہی کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے چند سال بعد ہمارا ملک بھی ان مشکلات کے کھنور سے نکل آئے۔ شرط یہ ہے کہ حکمران اور عوام ملک سے اخلاص اور محبت کا ثبوت دیں۔ مشکلات پر رونے دھونے کے بجائے استقامت، حوصلے اور عقل سے ان کا مقابلہ کریں۔

یہاں مزاحمت کا رول کو سامیرا کی صورت میں ایک بہترین اور مخلص رہنما میسر تھی جو بے لوث ہو کر ان کی آزادی کے لیے لڑ رہی تھی۔ اس نے اپنے لوگوں کو حوصلہ دیا تھا اور خود ان کے معیار کے برابر آکر مساوات کی عملی وضاحت کر دی تھی۔ مزاحمت کا جاننے والے ان کی بقا تھی اگر ریٹائٹ کا میاب ہوا تو ہمیشہ کی نہ سہی ایب طویل مدت کی غلامی ان کے مقدر میں لکھ دی جائے گی۔ ان کے پاس ذرائع کی کمی تھی مگر وہ حوصلہ مند ضرور تھے۔ انہیں اپنے گھروں اور اپنے خاندانوں کا دفاع کرنا تھا۔ اس کے لیے وہ جان بھی دینے کو تیار تھے۔ برف والے کی حمایت نے بھی ان کا حوصلہ بلند کیا تھا۔ وہ یہاں ایک اعلیٰ ترین، معزز ترین اور ماورائی حیثیت رکھنے والا شخص تھا جس سے برتر کوئی بھی نہیں تھا۔ مزاحمت کاروں کے لیے اس کا ساتھ بہت زیادہ تقویت کا باعث تھا۔ اب قلعے والے پہلے سے کہیں زیادہ پُر عزم اور پُر یقین تھے کہ کامیابی ان کے قدم چومے گی۔ یہ تصویر ایٹ اور اس کے ساتھیوں سے گفتگو کے نتیجے میں میرے سامنے آئی تھی۔

قلعے میں قیام کے دوران میرا عوام سے بس اتنا رابطہ تھا کہ وہ میرے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ وہ کیا سوچتے تھے اور ان کے مزاحمت کے حوالے سے کیا جذبات و احساسات تھے۔ اس کا اندازہ مجھے ان لوگوں سے گفتگو کر کے ہوا۔ سامیرا ان کے لیے ایسی ہستی تھی جس کے ایک اشارے پر وہ اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ وہ اور ان کے اہل خانہ یہاں تنگی ترشی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اگرچہ ان کو فقر و فاقے کا سامنا بھی نہیں تھا مگر ان کے پاس کھلا سامان بھی نہیں تھا۔ وہ تنگ اور کم جگہ والے گھروں میں رہتے تھے۔ بہت سی نعمتیں جن سے آرگون والے لطف اندوز ہوتے تھے وہ ان کے پاس نہیں تھیں۔ مگر انہیں آزادی کی نعمت میسر تھی جس سے

آرگون کے شہری قطعی ناواقف تھے اور وہ ریٹاک کی آمریت کے ساتھ نظام کا جبر بھی برداشت کر رہے تھے۔ مزاحمت کا راب اس آزادی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھے جس سے سامیرانے انہیں روشناس کرایا تھا۔ وہ اپنی آزادی کے دفاع کے لیے کسی بھی حد کو جانے کے لیے تیار تھے۔ وہ دشمن کی جان لے سکتے تھے اور اپنی جان دے سکتے تھے۔



ایرٹ اور اس کے ساتھی گزشتہ روز کے مشن سے بہت خوش تھے اور ان کی خواہش تھی کہ میں مزید مشن ترتیب دوں۔ مگر فی الحال میں نے اس بارے میں بات نہیں کی اور انہیں آج کے دن چھٹی دی کہ وہ آرام یا تفریح کریں۔ اس لیے وہ دوپہر کے کھانے کے بعد نیلے سے نیچے اتر گئے اور کوئی کھیل کھیلنے لگے۔ ان کا کھیل کچھ انوکھا تھا۔ اس میں ہر فرد کے پاس ایک گول لکڑی ہوتی تھی اور ایک اضافی لکڑی ہوا میں اچھالی جاتی اور پھر سب اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے جو حاصل کر لیتا وہ تین بار ”میں نے پالیا“ کی گردان کرتا تو وہ فاتح ہوتا اگر تین بار کہنے سے پہلے لکڑی اس سے چھن جاتی تو کھیل جاری رہتا۔ کامیاب ہو جانے والا ایک طرف ہو جاتا اور باقیوں کے درمیان مقابلہ جاری رہتا۔ اس طرح دوسری، تیسری پوزیشن کا فیصلہ ہو جاتا اور باقی لوگ شکست خوردہ تصور کیے جاتے تھے۔ دیکھا جائے تو یہ زور آزمائی کا کھیل تھا۔ جیسے ہمارے ہاں کبڈی ہوتی ہے۔ سب سے پہلے شاٹ جیتا اور نعرہ مار کر ایک طرف ہو گیا۔ میں اور روبیر اوپر سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے تالی بجائی تو شاٹ جھک کر آداب بجالایا۔ روبیر نے کہا۔

”یہ سب آپ کے شیدائی ہو گئے ہیں آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے۔“

میں مسکرا دیا اور بولا۔ ”شیدائی ہونا بھی کافی سے زیادہ ہے۔ میں تو اس پر راضی ہوں کہ یہ میرے مخالف

اور دشمن نہیں ہیں میری بات مانتے ہیں۔“

”جو شخص بھی کچھ دن آپ کے ساتھ رہے وہ آپ سے محبت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔“

میں ہنسا۔ ”میں بہت بہت دنوں تک دشمنوں کی قید میں اور ان کے ساتھ رہا مگر انہیں مجھ سے ذرا بھی

محبت نہیں ہوئی۔“

”تب ان لوگوں میں انسانوں والی کوئی بات نہیں ہوگی۔ وہ جانور ہوں گے کیونکہ جانور کبھی نہیں بدلتے

اور انسان دوسرے کے سلوک کے مطابق بدل جاتا ہے۔“

”ہاں میرے دشمن کچھ ایسے ہی جانور فطرت لوگ ہیں۔“ میں نے تسلیم کیا۔

”آپ سے محبت کرنے والے زیادہ ہوں گے۔“

”ہاں یہ اوپر والے کا احسان ہے۔“

”بہت سی لڑکیاں بھی آپ سے محبت کرتی ہوں گی۔“ اس نے کہا تو میں نے چونک کر اسے دیکھا اس نے

آج تک اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ میرا ذاتی تجربہ ہے جب کوئی لڑکی کسی آدمی سے یہ سوال کرتی ہے

تو درحقیقت وہ جاننا چاہتی ہے کہ وہ آدمی کسی اور لڑکی سے تو محبت نہیں کرتا یا کوئی لڑکی اسے تو نہیں چاہتی۔ پوچھنے

والی کے دل میں لازمی اس آدمی کے لیے پسند کا جذبہ ہوتا ہے۔ مگر میں روبیر کو ایسا سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ خود

شامین سے محبت کرتی تھی اور محبت بھی کیسی کہ وہ اس کے لیے میری جان لینے سے لے کر اپنی آبرو تک سب قربان کرنے کو تیار ہوگئی تھی۔ میں نے جواب دیا۔

”ہاں کئی ہیں۔“

”آپ بھی ان کو پسند کرتے ہیں؟“

”سب کو نہیں۔“

”کسی ایک کو کرتے ہوں گے۔“ اس نے اصرار کیا۔

”ہاں ایک ہے۔“ میں نے تسلیم کیا تو بہت دنوں کے بعد سویرا میرے ذہن کے پردے پر آئی تھی۔ یاد تو اس کی کبھی نہیں جاتی تھی مگر میں نے اسے فرصت سے نہیں سوچا تھا۔ رویر نے شاید دوسری بار پوچھا تو میں چونکا۔

”کیا پوچھا تم نے؟“

وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ”میں پوچھ رہی ہوں کہ وہ کون ہے؟“

”وہ کون ہے؟“ میں نے رویر کا سوال دہرایا اور پھر اس کی طرف دیکھا۔ ”وہ میرا سب کچھ ہے۔“

میرے لیے دنیا کی پہلی اور آخری عورت ہے۔“

میرا جواب بہت واضح تھا۔ رویر کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی اور پھر گہری سانس لے کر بولی۔ ”آپ جیسا آدمی ایسا ہی سوچ سکتا ہے۔“

”میں نہیں ہر محبت کرنے والا ایسا ہی سوچتا ہے۔“

”شاید۔“ اس نے کہا۔ وہ اداس نظر آنے لگی تھی۔

”شامین کے لیے تم ایسی ہی ہوگی۔ وہ تم سے سچی محبت کرتا ہے تو کسی اور کے بارے میں سوچے گا

نہیں۔“

اس نے پھر میری طرف دیکھا۔ ”وہ شامین ہے اور ہر شخص شہباز نہیں ہوتا۔“

رویر نے اگرچہ تجسس یا کسی اور مقصد کے تحت پوچھا تھا مگر اس کی باتوں سے مجھے اپنے یاد آنے لگے۔ میری گمشدگی کو مہینہ ہونے والا تھا یا ہو چکا تھا۔ وسیم، سفیر اور عبداللہ آرام سے نہیں بیٹھے ہوں گے۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ میری تلاش میں چل پڑے ہوں گے اور وادی تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ راجا عمر دراز پتا نہیں کہاں تھا۔ زندہ بھی تھا یا نہیں اور اوشا کے بارے میں مجھے اطمینان تھا کہ وہ برف والے کی حفاظتی تحویل میں تھی۔ اسے وہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میرے دشمن ڈیوڈ شائینڈ کپنی نیچے پہنچ گئے تھے اور وہ اس وقت ریٹا کے مہمان تھے۔ ڈیوڈ شائینڈ نے یقیناً کوئی چکر چلایا تھا۔ دوسری قوموں میں مفاد پرست غدار تلاش کرنے میں انگریز اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ یہ جہاں گئے انہوں نے اسی طرح سے غلبہ حاصل کیا اور پورے پورے ملکوں اور قوموں کو غلام بنا لیا۔ خاص طور سے برصغیر پر ان کا قبضہ ان کی مکارانہ سیاست کی مثال ہے۔

ڈیوڈ شا کا خیال آتے ہی میں بے چین ہو گیا تھا۔ وہ ریٹا کے ساتھ تھا اور اس کی مدد سے ریٹا کی طاقت دوگنی ہوگئی تھی۔ ڈیوڈ شائینڈیں اسلحہ ساتھ لایا تھا اور اس کا مقابلہ سامیرا کی سپاہ نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے ان ہتھیاروں کا خیال آیا جو راجا عمر دراز لایا تھا اور وہ اس وقت برف والے کے پاس تھے پھر میں نے برف والے

کے پاس دوسرے آتشیں ہتھیار بھی دیکھے تھے۔ اگر وہ مجھے مل جاتے تو میں کہیں بہتر انداز میں ڈیوڈ شا اور ریٹ کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اب تک مجھے ان ہتھیاروں کا خیال نہیں آیا تھا۔ ورنہ میں کسی طرح سے برف والے تک اپنی بات پہنچا سکتا تھا۔ اب خیال آیا تو مجھے ربیک کا خیال بھی آیا۔ اسی کے توسط سے سامیرا تک اور سامیرا سے برف والے تک اپنی بات پہنچا سکتا تھا۔ جنگ سے پہلے مجھے یہ ہتھیار مل جاتے تو میری طاقت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا۔ وادی کے روایتی ہتھیاروں کے ساتھ میری طاقت بہت کم تھی۔

ربیک ایک دن پہلے ہی گیا تھا اور اب وہ پرسوں آتا۔ میں نے سوچا کہ درمیان میں ایک دن جو تھا اس میں ہم مزید کوئی مہم سر کر سکتے تھے۔ شام ہوتے ہی وہ سب اوپر آگئے تھے۔ کھیل کے بعد وہ ندی کی طرف چلے گئے اور وہاں نہاتے دھوئے رہے تھے جب وہ نیچے ہوتے تو اپنے ہتھیار پاس رکھتے تھے اور پوری طرح چوکنا رہتے تھے اگرچہ اس دن مار کھا کر اسماہوں نے دوبارہ یہاں کا رخ نہیں کیا تھا مگر ان کا یا دوسرے خطرناک جانوروں کا خطرہ بہر حال موجود رہتا تھا۔ رات کھانے کے بعد میں نے میننگ کی اور اگلے روز کی مہم کے بارے میں بات کی تو وہ سب پرجوش ہو گئے تھے۔ یہ لوگ چھاپہ مار جنگ سے لاعلم تھے اور سیدی جنگ سے واقف تھے جس میں دونوں طرف سے پوری قوت سامنے لائی جاتی تھی اور پھر لڑکر فیصلہ کر لیا جاتا تھا۔ ایک نسل پہلے وہ سرے سے جنگ سے ہی نا آشنا تھے اور ان کی ساری جدوجہد فطرت اور وحشی جانوروں کے خلاف ہوتی تھی کیونکہ وہی ان کے لیے سب سے بڑا خطرہ تھے۔ اب وادی کے انسان ایک دوسرے کے مد مقابل آگئے تھے۔ پہلی بار انہیں آپس میں لڑنا پڑ رہا تھا۔

مقابلہ آرائی انسان کی فطرت ہے۔ چیزوں اور زمین کے پیچھے انسان ابتدائی دور سے لڑتا آرہا ہے۔ زن نے شروع ہونے والی لڑائی پھر زمین اور اب زمین پھیل گئی تھی۔ ان سب کے پس پشت جذبہ حکمرانی کا رفرہا تھا۔ ان جو نوجوانوں کے لیے یہ بہت قہرل والا کام تھا۔ جنگ کا خطرہ تھا مگر انہیں اب تک اس کا براہ راست تجربہ نہیں ہوا تھا یہ پہلا موقع تھا جب انہوں نے آرگون کی سپاہ سے پنجہ آزمائی کی تھی اور اس میں کامیابی بھی حاصل کی تھی۔ اس کامیابی نے ان کا حوصلہ اتنا بڑھا دیا تھا کہ وہ براہ راست دھاوے کا بھی سوچ رہے تھے۔ ایرٹ نے ان کی طرف سے تجویز پیش کی کہ ہمیں اب باغوں میں گھس کر وہاں موجود سپاہیوں پر حملہ کرنا چاہیے۔ انہیں یقین تھا کہ آرگون والے ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ باغ کے سپاہیوں پر حملہ کرتا رہوں۔“

ایرٹ حیران ہوا۔ ”تب آپ کا کیا مقصد ہے اور کل والا حملہ کیوں کیا تھا؟“
 ”کل والا حملہ اور جو حملہ ہم کل کرنے کی کوشش کریں گے یہ سب آنے والے بڑے مقصد کی تیاری ہے۔“
 ”بڑا مقصد؟“

میں نے سر ہلایا۔ ”ہم براہ راست جنگ میں شامل نہیں ہوں گے بلکہ جس وقت آرگون والے قلعے سے نکل کر ہمارے قلعوں پر حملہ آور ہوں گے ہمیں آرگون میں گھس کر وہاں قبضہ کرنا ہوگا۔“
 یہ بات ان کے لیے ناقابل یقین تھی۔ ”آرگون پر قبضہ اور ہم سات آٹھ افراد کریں گے؟“

”قبضے سے مراد شہر پر قبضہ نہیں ہے بلکہ ہمیں ان تمام لوگوں کا خاتمہ کرنا ہے جو اس فتنے کے پیچھے ہیں۔ ان میں ریٹاں اور اس کے ساتھی سرفہرست ہیں۔“

ایما ر ہچکچایا۔ ”اب معبودا لے بھی اس کے ساتھ ہیں۔“

”شاید تم کہنا چاہ رہے ہو کہ ہمیں مہا پجاری اور دوسرے پجاریوں کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔“ میں نے نرمی سے کہا۔ ”اس کے لیے انہوں نے ہی ہمیں مجبور کیا ہے۔ وہ غیر جانبدار رہتے تو ہم بھی غیر جانبدار رہتے مگر اب یہ ممکن نہیں ہے۔ بہر حال ہمارا اصل نشانہ ریٹاں اور اس کے ساتھی ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو باہر سے آئے ہیں اور میرے اصل دشمن وہی لوگ ہیں۔“

بات رفتہ رفتہ ان کی سمجھ میں آنے لگی اور جب میں نے اصل مہم ان کے سامنے رکھی تو ان کا جوش و جذبہ ذرا ماند پڑا تھا اور وہ سنجیدہ ہونے کے ساتھ کسی قدر خوفزدہ بھی نظر آنے لگے اور یہ اچھی بات تھی۔ وہ معاملے کی سنگینی کو محسوس کر رہے تھے۔ اگر وہ اسے لا پرواہی سے لیتے تو لازمی بات تھی وہ اس کے لیے ویسی تیاری نہ کرتے۔ ایرٹ نے بھی وہی بات کی۔ ”اس کا مطلب ہے ہمیں پہلے سے زیادہ تیاری کرنی ہے۔ اتنی تیاری جو ہمیں کامیابی دلا سکے؟“

”بالکل، تیاری کے دوران ہم جتنے مشکل مراحل سے گزریں گے آگے ہمیں اتنی مشکل نہیں ہوگی۔“

”ہمارے پاس افراد کم ہیں۔“ ایما ر بولا۔ ”یہ اتنے یا اور اتنے ہی لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔“

میں نے سر ہلایا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہمیں مزید افرادی قوت کی ضرورت ہے مگر مجھے ایک ایک بندہ تم لوگوں کی طرح چنا ہوا چاہیے۔ کوئی کمزور یا غدار ہمارے درمیان آگیا تو وہ پوری مہم کی ناکامی کا باعث بن سکتا ہے۔“

”ریک اس معاملے میں بہت محنت کر رہا ہے۔“ ایرٹ نے کہا۔ ”اسی نے ہمیں چنا اور ہم سے بات کی۔ پھر سامیرا سے ملاقات کرائی اور تب ہمیں آپ کے پاس آنے کا موقع ملا۔ وہ اس کام کے لیے اور نوجوان بھی چن رہا ہے۔“

”درحقیقت ہمارے پاس وقت نہیں ہے کیونکہ آرگون والے کسی وقت بھی حملہ کر سکتے ہیں۔“

”اگر انہوں نے کل حملہ کر دیا تو؟“ ایما ر نے پوچھا۔

”تب ہمیں فوری آرگون کا رخ کرنا ہوگا۔“ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”ہم مزید لوگوں کے آنے کا انتظار نہیں کر سکتے ہیں۔“

”مگر ہم آرگون میں داخل کیسے ہوں گے؟“

ایرٹ کے اس سوال کا جواب میں نے ٹالنے والا دیا۔ ”یہ میں تمہیں عملی طور پر دکھاؤں گا۔“

جب وہ سب سونے کے لیے لیٹے تو متفکر تھے۔ ان کا کھنڈرا پن مفقود ہو گیا تھا۔ یہ ضروری تھا کیونکہ جوانی کے جوش کے ساتھ اگر ہوش شامل ہو جائے تو مقصد میں کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ رو بہر زیادہ تر ترجمہ کرتی رہی تھی اور اس نے گفتگو میں حصہ نہیں لیا تھا مگر مجھے لگ رہا تھا کہ وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے جیتاب تھی۔ ایسا ہی ہوا جب سونے کے لیے لیٹ گئے تو وہ کہیں سے باہر آئی اور مجھ سے کہا۔ ”آپ سے بات

کرتی ہے۔“

میں سمجھ گیا تھا۔ وہ مجھے کہیں میں لے جانا چاہتی تھی مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ یوں سب کے ہوتے صرف اس کے ساتھ کہیں میں چلا جاؤں۔ پہلے ہی اس کے حوالے سے مجھ پر سنگین الزام لگ چکا تھا۔ اگرچہ یہ نوجوان مجھ پر یقین کر رہے تھے مگر انسان کا ذہن ذرا سی بات سے بھٹک جاتا ہے اور میں انہیں اس ذرا سی بات کا موقع ہی نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لیے روبیر کے ساتھ ٹیلے کے سیزھی والے جھے تک آیا۔ نوجوان اس جگہ سے کسی قدر فاصلے پر تھے اور وہ ہماری گفتگو نہیں سن سکتے تھے، مگر وہ ہمیں دیکھ رہے تھے اور ہم ان کی نظروں کے سامنے تھے۔ روبیر نے چھوٹے ہی پوچھا۔ ”آپ آرگون میں داخل ہوں گے؟“

”یہ بات تو تمہیں معلوم ہے میرا اصل مقصد ہی شہر کے اندر خاص جھے تک رسائی حاصل کرنا ہے۔“

”تو کیا میں ساتھ چلوں گی۔“

ہم ٹیلے کے کنارے پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے اور یہاں مشعل کی ہلکی سی روشنی آرہی تھی۔ روبیر کے اس سوال سے واضح ہو گیا کہ وہ مجھ سے کیا بات کرنا چاہ رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور نرمی سے کہا۔ ”مجھے شامین کا خیال ہے لیکن پہلے ہمیں ان لوگوں سے نمٹنا ہے جنہوں نے شامین اور اس جیسے بہت سے بے گناہوں کو قید کیا ہوا ہے۔ وہ ہمارے قابو میں آگئے تو شامین اور دوسرے خود آزاد ہو جائیں گے لیکن اگر ہم نے پہلے قیدیوں کو آزاد کرانے کی کوشش کی اور دشمن ہوشیار ہو گیا تو ہمارا پورا منصوبہ ناکام ہو جائے گا۔“

روبیر نے میرا جواب سمجھ لیا تھا اس کی آنکھیں چمکنے لگیں مگر اس نے سر ہلایا۔ ”میں سمجھ رہی ہوں اور میں آپ سے متفق ہوں۔“

”میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں کہ شامین کو آزاد کرانے کی پوری کوشش کروں گا یہ میرے مقاصد میں شامل ہے۔“

”مجھے یقین ہے آپ ایسا ہی کریں گے۔“

واپس آنے کے بعد اس نے جنگی وردی اتار کر اپنا سفید لباس پہن لیا تھا۔ مگر اس کے نیچے اس نے پاجامہ وردی والا ہی پہنا ہوا تھا۔ اس پر جنگی لباس بھی جگ گیا تھا مگر وہ سفید کرتے میں ہی زیادہ اچھی لگتی تھی۔ اس نے اچانک نزدیک ہو کر مجھ سے لگتے ہوئے میرے شانے پر سر رکھ دیا اور آہستہ سے بولی۔ ”مجھے آپ کا ہی سہارا ہے۔“

میں خفیف ہوا تھا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے اگر کہ ہماری طرف متوجہ تھے۔ ردِ عمل میں، میں نے اس کا سر تھپتھپایا۔ ”تم بھی سو جاؤ کل شاید ایک اور سخت دن ہمارا منتظر ہے۔“

وہ چند لمحے اسی طرح لگی رہی پھر الگ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی میں ٹیلے کے کنارے بیٹھا رہا اور روبیر کے گزشتہ چوبیس گھنٹے کے طرزِ عمل پر غور کرتا رہا۔ اس کے انداز میں تبدیلی آئی تھی مگر یہ اتنی خفیف تھی کہ اگر میں غیر معمولی حساس نہ ہوتا تو شاید مجھے پتا بھی نہ چلتا مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ میرے لیے روبیر کے اندر جذبات میں تبدیلی آئی تھی اور اس کی جسمانی حرکات اسی تبدیلی کے زیر اثر تھیں۔ وہ جس طرح بار بار میرے نزدیک آرہی تھی اپنے وجود کے حوالے سے میرے سامنے لا پورا ہو رہی تھی۔ لفظوں سے

مجھ سے قربت جتا رہی تھی یہ سب اشارہ کر رہے تھے اور مجھے سمجھا رہے تھے۔ بہر حال میرے لیے یہ نئی بات نہیں تھی اس سے پہلے بھی میرے نزدیک آنے والی کئی لڑکیاں میرے طرز عمل سے غلط فہمی کا شکار ہوئیں یا پھر انہوں نے اسے اپنا استحقاق سمجھا۔ انہوں نے سمجھا کہ میں ان کی پیش قدمی کے آگے ہتھیار ڈال دوں گا۔ جیسا کہ مرد حضرات کا شیوہ ہے۔

مجھے دعویٰ پارسائی کبھی نہیں رہا۔ مگر میں صنف نازک میں ایک خاص حد سے زیادہ دلچسپی کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے بھی وجود زن کا آس پاس ہونا اچھا لگتا ہے مگر ساتھ ہی میں ان سے ایسے محتاط رہتا ہوں جیسے گلاب کی خوشبو اور تازگی سے لطف اندوز ہونے والا اس کے کانٹوں سے ہوشیار رہتا ہے۔ جو گلاب توڑتے ہیں انہیں کاٹنے بھی برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ اس لیے جن جن خواتین نے پیش قدمی کی بالآخر انہوں نے جان لیا کہ میں اس فطرت کا آدمی نہیں ہوں۔ آدمی ایک عورت سے ہی محبت کرتا ہے۔ ممکن ہے بعض دو تین بار بھی محبت کر لیتے ہوں۔ مشتاق احمد یوسفی نے شادی کے حوالے سے کیا خوب کہا ہے کہ ایک شادی ضرورت، دوسری عیاشی اور اس کے بعد زنی بدمعاشی ہوتی ہے۔ محبت کے بارے میں میرا تقریباً یہی خیال ہے۔

ضروری نہیں تھا کہ روپیر کے بارے میں میرا خیال درست ہوتا۔ وہ مجھ سے کسی اور انداز میں متاثر ہو سکتی تھی۔ اس کے باوجود میں نے محتاط رہنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے نیلے پر گھاس والا حصہ اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا اور بستر آگئے تھے تو میں اس پر بستر بچھا کر لیٹ جاتا تھا۔ آج بھی پہرے کے لیے میں ہی جاگ رہا تھا۔ انداز سے سے نصف رات کے قریب میں نے ایرٹ اور شاٹ کو اٹھا دیا۔ ان سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی انہوں نے منہ پر پانی کے چھینے مارے اور مستعد ہو گئے۔ میں سونے کے لیے لیٹ گیا۔ صبح میری آنکھ روپیر کے ہلانے سے کھلی۔ وہ میرے شانے کو سہلارہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ”اٹھ جائیں ناشتہ تیار ہے۔“

میں نے اس کا ہاتھ نہیں ہٹایا مگر یوں اٹھا کہ اس کا ہاتھ خود ہٹ گیا تھا۔ وہ صرف سہلا نہیں رہی تھی اپنی ہتھیلی کی نرمی اور گرمی میرے شانے میں جذب کر رہی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل اتنے نزدیک ہی بیٹھی تھی کہ میں اس کے وجود سے اشتہی مہک محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے دیکھا ان پانچوں میں سے وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ سب نیچے جا چکے تھے۔ میں نے ان کا پوچھا۔ ”انہوں نے ناشتہ کر لیا ہے۔“

”ہاں انہوں نے کر لیا ہے۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ”آپ بھی کر لیں۔“

پہلے میں نیچے آیا ضروریات سے فارغ ہو کر ندی کے سر دیپانی سے خود کو تروتازہ کیا اور پھر ناشتے کے لیے اوپر آیا۔ ایرٹ اور اس کے ساتھی نیچے خوش گیسوں میں مصروف تھے۔ ویسے وہ پوری طرح تیار ہو گئے تھے۔ جب میں ناشتہ کر رہا تھا تو انہوں نے نیلے کے اوپر پانی پہنچایا۔ مچھلیوں کا شکار رجبی انہوں نے کر لیا تھا بیل کی خشک ڈوریوں میں پروئی ہوئی کئی مچھلیاں نیلے پر کہیں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ روپیر نے انہیں صاف کرنا شروع کیا اور پھر مجھ سے کہا۔ ”مجھے نہانا ہے۔“

”نیلے پر نہالو خاصا پانی ہے۔“

”نہیں۔“ اس نے جھل کر کہا۔ ”مجھے ندی میں نہانا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔“

”وہ لوگ بھی نیچے ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”مجھے صرف آپ پر اعتبار ہے۔ آپ وہاں موجود ہوں گے تو میں نہاؤں گی ورنہ نہیں نہاؤں گی۔“ اس نے منہ پھلا کر کہا اور میری تشویش بڑھ گئی کیونکہ یہ اندازِ محبوبی تھا۔
 ”تب ایسا کرتا ہوں ان لوگوں کو نیلے پر بلا لیتا ہوں۔“
 ”اور اگر وہاں کوئی جانور آگیا تو.....؟“

مجبوراً مجھے بھی نیچے آنا پڑا۔ اس نے ندی کی طرف جانے سے پہلے کہا۔ ”آپ جھاڑیوں کے اس طرف رہیے گا کوئی ندی کی طرف نہ آئے۔“
 ”کوئی نہیں آئے گا۔“ میں نے اسے یقین دلایا۔

رو بیر ندی کی طرف چلی گئی۔ ایرٹ اور اس کے ساتھی رسی اور لکڑی کی سیرنگ کی مدد سے نیلے پر تیزی سے چڑھنے اور اترنے کا مقابلہ کر رہے تھے۔ میں انہیں دیکھنے لگا۔ اچانک رو بیر کی چیخ سنائی دی۔ چیخ میں خوف تھا مگر میں نے جھاڑیوں کے دوسری طرف جانے سے گریز کیا اور یہیں سے پوچھا۔ ”کیا ہوا ہے؟“
 ”شہباز آپ ادھر آئیں کوئی اور نہ آئے، جلدی۔“

رو بیر کی چیخ ان لوگوں نے بھی سن لی تھی اور پھر اس نے دوسروں کو آنے سے منع کرتے ہوئے صرف مجھے بلایا تھا تو یہ بھی انہوں نے سنا اور جو آگے بڑھ رہے تھے وہیں رک گئے۔ میں جھاڑیوں کے دوسری طرف آتا تو رو بیر سامنے والے حصے کو کھینچتے ہوئے ندی کے کنارے بچوں کے بل بٹھی ہوئی تھی مگر اس نے کرتہ پہنا ہوا نہیں تھا صرف سامنے کیا ہوا تھا۔ اس کے بال اور جسم گیلیا تھا۔ بہ ظاہر وہ ٹھیک لگ رہی تھی۔ ”کیا ہوا ہے؟“

”شہباز دیکھیں میری پشت پر کیا چپک گیا ہے مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔“
 اس کی پشت لباس سے خالی تھی۔ جیسے ہی میں اس کی پشت پر آیا اس کی شفاف کمر پر چپکی ہوئی سیاہی مائل ہنر چیز نظر آگئی۔ وہ جس طرح چپکی ہوئی تھی۔ مجھے لگا کہ یہ جو تک کی کوئی قسم ہے مگر جو تک لگے تو تکلیف نہیں ہوتی ہے اور اکثر اوقات آدمی کو پتا بھی نہیں چلتا ہے، کیونکہ جو تک چپکتے ہی جلد اور گوشت کو سن کرنے والا زہر انجکت کرتی ہے تاکہ جاندار کو پتا نہ چلے اور وہ تادیر اس کا خون پی سکے۔ میں نے ناخن سے اسے جلد سے الگ کرنے کی کوشش کی مگر وہ اتنی مضبوطی سے چپکی ہوئی تھی کہ شاید رو بیر کی کھال کے ساتھ ہی الگ ہوتی۔ میں بنے اس سے پوچھا۔ ”کہیں اور تکلیف تو نہیں ہے؟“

”نہیں۔“ وہ رو دینے والے انداز میں بولی۔ ”بس یہیں ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟“
 ”کوئی کیزا ہے جو سختی سے تمہاری کھال سے چپک گیا ہے۔ تم ندی سے ذرا آگے آ جاؤ ویسے یہ پانی میں ہی لگا تھا؟“

”ہاں میں نہا رہی تھی کہ کمر میں تکلیف ہوئی میں نے ہاتھ لگا کر دیکھا اور پھر اسے الگ کرنے کی کوشش کی مگر یہ الگ نہیں ہوئی۔ تب میں ندی سے باہر آئی اور آپ کو پکارا۔“

میں نے دیکھا جو تک نما کیزے کا سائز بڑھ رہا تھا یعنی وہ خون پی کر بڑھ رہی تھی۔ میں نے سوچا اور رو بیر کے توسط سے ایرٹ سے کہا۔ ”اوپر چو لہے کے انگاروں سے ایک چاقو تیز گرم کر کے لے کر آؤ۔ جلدی

چاہیے۔“

روہیر کی بات سن کر ایرٹ مستعدی سے اوپر چڑھ گیا۔ روہیر اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی اور کرتے سے اپنا جسم ڈھانپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے اسے سے کہا۔ ”میں دوسری طرف جا رہا ہوں تم پا جامہ اور کرتا پہن لو۔“

”اور یہ.....“ اس نے ہر اس انداز میں اپنی کمر سے چپکی جو تک کی طرف اشارہ کیا۔

”اسے بھی نکالتا ہوں۔“ میں نے کہا اور دوسری طرف آ گیا۔ دومنٹ بعد ایرٹ اوپر سے چاقو لیے نمودار

ہوا اور میں نے اس سے چاقو لیتے ہوئے روہیر سے پوچھا۔ ”آ جاؤں۔“

”جی۔“ اس نے کہا تو میں ندی کی طرف آیا۔ روہیر نے پا جامہ اور کرتا پہن لیا تھا مگر عقب سے کرتا اٹھایا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کرتا پکڑنے کو کہا اور دکھتا ہوا سنگی چاقو کیڑے کو لگا دیا۔ چرچاہٹ کی آواز کے ساتھ ہی اس نے بل کھا کر روہیر کی کمر کو چھوڑنا شروع کر دیا۔ میں چاقو اس کے جسم میں اتار رہا تھا اور ساتھ ہی کوشش کر رہا تھا کہ روہیر کو چاقو نہ لگے۔ مگر جب جو تک اس کا جسم چھوڑ رہی تھی تب بھی اسے تکلیف ہوئی۔ وہ کراہنے لگی۔ ایک منٹ میں کیڑا اس حد تک الگ ہوا کہ میں نے کسی قدر ٹھنڈے ہو جانے والے چاقو سے کام لیتے ہوئے اسے اکھاڑ دیا۔ جہاں سے اسے زبردستی الگ کیا تھا وہاں روہیر کو زخم آیا اور اس نے چیخ ماری تھی۔ زخم سے خون چھلک آیا تھا۔ میں نے پہلے کیڑے کو نیچے گرا کر اسے جوتے سے مسل دیا۔ اس میں بھرا ہوا روہیر کا خون مٹی پر بکھر گیا تھا۔

”بہت گیا؟“ روہیر نے پوچھا۔

”ہاں لیکن زخم ہے۔“ میں نے بتایا۔ ”اوپر چلو اس پر دو الگاتے ہیں۔“

ریک اس بار دواؤں کا ایک تھیلہ بھی لایا تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ کس قسم کی تکلیف یا بیماری میں کون سی دوا دینی ہوگی۔ یہ دوائیں سامیرا نے بھجوائی تھیں۔ میرے زخم دیے تو تیزی سے بھر جاتے ہیں مگر پرسوں ہونے والے مقابلے میں لگنے والے زخموں پر میں نے یہ مرہم لگایا تھا اور اس وقت میرے ہاتھ اور پاؤں سے لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہاں کوئی زخم بھی لگا ہے۔ اوپر لا کر میں نے روہیر کے زخم پر وہی مرہم لگایا تو اسے تکلیف میں فوراً آرام آ گیا۔ اس سے فارغ ہو کر میں نے ایرٹ اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اب ندی کی طرف جاتے اور وہاں نہاتے ہوئے محتاط رہیں۔ انہوں نے بھی مراہو اکیڑا دیکھا تھا۔ ایرٹ نے مجھ سے کہا۔ ”یہ بہت خطرناک ہوتا ہے آدمی کو ایک بار چپک جائے تو بہت مشکل سے چھوڑتا ہے۔“

”اسے چھڑانے کی واحد ترکیب یہی ہے کہ اسے گرم چیز لگاؤ۔ اسے تکلیف ہوگی تو یہ آدمی کو چھوڑ دے گا۔“

”اس کے چپکنے سے تکلیف بھی بہت ہوتی ہے کیونکہ یہ کانٹے نما پنج کھال میں اتار دیتا ہے۔“

”بس تو اب محتاط رہنا۔“

”روہیر کو کچھ دوائیاں بھی لینا ہوں گی کیونکہ اس کا زہر طبیعت خراب کرتا ہے۔“

ایرٹ کا کہنا درست ثابت ہوا۔ ہم اوپر آئے تو روہیر بخار جیسی کیفیت میں تھی۔ اسے سانس لینے میں بھی

دشواری ہو رہی تھی۔ ایرٹ نے دواؤں کے تھیلے میں سے دیکھ کر بتایا کہ اسے کون سی دوائیاں دینی ہیں اور میں نے روبیر کو وہ دوائیاں دے دیں۔ وہ نڈھال سی ہو کر لیٹ گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ آج کی مہم ملتوی کر دوں کیونکہ روبیر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور میں اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر ایرٹ اور اس کے ساتھی بیتاب تھے۔ ایرٹ نے کہا۔ ”جناب ہم شام کے قریب چلیں گے اور زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔“

میں نے انکار کیا۔ ”آرگون کی طرف جانے اور آنے میں بہت وقت لگ جاتا ہے اور میں روبیر کو اتنی دیر کے لیے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔“

”اگر ہم قلعوں کی طرف جائیں اور وہاں آرگون کے باغات کا حصہ لگتا ہے۔ ہم وہاں کارروائی کر سکتے ہیں۔“ ایرٹ کا اصرار جاری رہا۔ ”اس میں آدھا وقت لگے گا۔“

غلاف توقع روبیر نے اس کی تائید کی۔ ”یہ ٹھیک کہہ رہا ہے اس طرف آنے جانے میں اتنا وقت نہیں لگتا ہے۔ آپ چلے جائیں، مجھے کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ میں آرام کرتی رہوں گی۔“

سامیرا کے قلعوں کی طرف جاتے ہوئے راستے میں پہلے آرگون کے باغ اور کھیت آتے تھے۔ یہ جگہ یہاں سے مشکل سے آدھے گھنٹے کی مسافت پر تھی۔ ان سے بچ کر قلعوں کی طرف جاتے ہوئے ہمیں جنوب کی طرف سے گھوم کر جانا ہوتا تھا۔ میں نے غور کیا اور راضی ہو گیا۔ روبیر سے کہا۔ ”تم آرام کرو، ہم جلد واپس آنے کی کوشش کریں گے۔“

”میں رہ لوں گی۔“ اس نے یقین سے کہا تو میں نے ایرٹ کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ وہ خوش ہو گیا۔ اس دن دوپہر کا کھانا ہم مردوں نے تیار کیا۔ روبیر نے کھانے سے انکار کیا تھا۔ کھانی کر کچھ آرام کیا اور شام ہوئے۔ میں تیاری کرنے لگا۔ روبیر آرام کرتی رہی تھی اور پھر اسے دوا بھی مل گئی تھی اس لیے اس کی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی۔ کچھ دیر میں ہم چھ افراد پوری طرح مسلح اور تیار ہو کر ٹیلے سے نیچے اترے۔ ایرٹ اور اس کے ساتھی جان گئے تھے کہ ان کی کبھی بات میں براہ راست سمجھ لیتا تھا مگر اپنی بات ان تک پہنچانے کے لیے مجھے روبیر کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ روبیر ساتھ نہیں تھی اس لیے اب مجھے اپنی بات اشاروں سے سمجھانی تھی۔ روبیر کی مدد سے میں نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ میں کون سا اشاروں کر دوں تو اس کا کیا مطلب ہوگا۔ دس بارہ اشارے مخصوص کر لیے تھے اور ان کی مدد سے میں ان سے اپنی بات کہہ سکتا تھا۔ اس کے باوجود مجھے ان سے بات کرنے میں کچھ نہ کچھ دشواری پیش آتی۔ ہم جنگل سے باہر آئے اور جھاڑیوں سے بھرے میدان سے ہوتے ہوئے آرگون کی زمینوں کی طرف جانے لگے۔



اس طرف جاتے ہوئے ہمیں محتاط رہنا تھا کیونکہ یہاں آرگون اور سامیرا کے قلعوں دونوں طرف کی زمینیں آپس میں مل رہی تھیں۔ آرگون والے میرے دشمن تھے مگر سامیرا کے سپاہی بھی اب میرے دشمن تھے۔ سومرو نے مجھے قلعے سے نکالتے ہوئے بتایا تھا کہ اگر میں قلعے کے سپاہیوں کو نظر آیا تو وہ مجھے گرفتار کر لیں گے اور اس بار عدالت سے مجھے سزائے موت سنائی جائے گی۔ ایرٹ اور اس کے ساتھی بھی جانتے تھے اس لیے وہ آگے تھے اور مجھے پیچھے رکھا تھا۔ حالانکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا اگر ان کا سامنا سامیرا کے سپاہیوں سے ہوتا تو ہماری

وردیوں کی وجہ سے وہ ہمیں دشمن ہی سمجھتے اور اگر ہم وضاحت کی کوشش کرتے تو یہ وضاحت الٹا ہمارے گلے پڑ جاتی۔ آدھے گھنٹے بعد ہم باغات کے نزدیک تھے۔ یہاں باغ کم تھے اور کھیت زیادہ تھے جن میں اب گندم نما پودے کی فصل پانچ فٹ سے اوپر جا چکی تھی۔ اب اس میں روپوش ہونا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

مگر ہمارا مقصد آرگون کے سپاہیوں کے خلاف چھاپہ مار کارروائی کرنا تھا۔ سپاہی باغوں میں ہی موجود ہو سکتے تھے۔ کھیتوں میں گھسنے کا کوئی تک نہیں تھا۔ ہمیں باغوں میں آرگون کے سپاہیوں کو تلاش کرنا تھا۔ یہاں گھا س کے میدان نہیں تھے کیونکہ یہاں خطرناک جانوروں کی آمد و رفت بہت کم تھی۔ اس لیے میدان صاف کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی تھی اور یہاں جا بہ جا جھاڑیاں تھیں۔ ان کی آڑ لیتے ہوئے ہم ایک باغ کے نزدیک جانے لگے۔ فی الحال یہاں نہ تو کوئی سپاہی نظر آ رہا تھا اور نہ ہی باغ میں کام کرنے والے۔ یہ چیز مجھے کھٹکی تھی کیونکہ کچھ نہ کچھ لوگ تو ہونے چاہیے تھے۔ جب ہم باغ کے بالکل نزدیک آ گئے تب بھی وہاں زندگی کا احساس مفقود تھا۔ ان لوگوں نے بھی اس بات کو محسوس کر لیا۔ ایما نے مجھ سے کہا۔ ”ایسا لگ رہا ہے جیسے یہاں کوئی نہیں ہے۔“

میں نے سر ہلا کر اس کی تائید کی اور پھر انہیں وہیں رکے رہنے کا اشارہ کر کے میں خود آگے بڑھا۔ درختوں کے درمیان آیا۔ یہاں تمام درخت منظم انداز میں لگائے گئے تھے۔ یعنی قطاروں میں اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام قطاریں بالکل سیدھ میں تھیں اس لیے یہ جاننا زیادہ مشکل نہیں تھا کہ وہاں کوئی ہے یا نہیں۔ اب تک کوئی نظر نہیں آیا تھا اس لیے میں پوری بے فکری سے باغ میں گھوم رہا تھا۔ میرے جسم پر آرگون کی جنگی وردی تھی اگر کوئی مجھے دیکھ لیتا تو اپنا ہی آدمی سمجھتا۔ مگر وہاں دیکھنے کے لیے کوئی نہیں تھا۔ میں نے چند منٹ میں پورا باغ دیکھ لیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس باغ اور اس طرف کھیتوں میں کام کرنے والے افراد آج آئے ہی نہیں تھے اور جب وہ نہیں آئے تھے تو ان کی حفاظت کرنے والے بھی نہیں آئے تھے۔ میں نے پورا باغ گھوم کر دیکھ لیا۔

آرگون سے دور باغات کی پوزیشن کچھ یوں تھی کہ باغ تھا پھر کچھ حصہ کھیت پر مشتمل تھا اور پھر باغ تھا۔ یہ اصل میں چوکور ساخت کے قطعے تھے جو خطرے کی بساط کے خانوں کی طرح بنے ہوئے تھے۔ اوپر سے دیکھا جاتا تو شاید یہ بساط ہی نظر آتی۔ میں نے پہلے آکر ایٹ کو خبردار کیا کہ میں آگے جا رہا ہوں۔ وہ اس باغ میں آگے جس میں کوئی نہیں تھا۔ پھر میں اگلے باغ کی طرف بڑھا۔ کھیت جس سے میں گزر رہا تھا وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگلا باغ بھی ویران ثابت ہوا۔ میں یہاں سے آگے جانا چاہتا تھا اس لیے میں نے واپس آکر پھر ان لوگوں کو بتایا اور وہ اس باغ تک آئے۔ میں چاہتا تھا کہ ہم میں اتنا فاصلہ نہ رہے کہ ایک پر کچھ گزر جائے اور دوسرے کو علم نہ ہو۔ وہ دوسرے باغ میں رکے تو میں آگے گیا۔

میرا اندازہ تھا کہ ہر باغ اور کھیت کا سائز ایک ہیکٹر تھا۔ یعنی سو میٹر لمبا اور اتنا ہی چوڑا۔ چوتھے باغ میں بھی جب کسی کو نہیں پایا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آج کوئی آرگون سے نہیں نکلا ہے۔ یہ امر ہر طرح سے تشویشناک تھا۔ اول یہ کہ ریٹاک کی فوج عنقریب حرکت میں آنے والی تھی اور اس لیے اب غیر عسکری افراد کو قلعے سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ دوسرے مسلسل تین فوجی دستوں کی گمشدگی نے انہیں چونکا کر دیا تھا اور وہ اپنی سپاہ کی مز:

گمشدگی نہیں چاہتے تھے اس لیے انہوں نے اپنے لوگوں کو قلعے سے باہر آنے سے روک دیا تھا۔ غور کرنے پر بھی ان میں سے کوئی وجہ حتمی طور پر میرے دل کو نہیں لگی تھی۔ میں واپس آیا اور اشاروں میں اپنے ساتھیوں کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ ایرٹ نے کہا: ”ہم اگر بانوں کے ساتھ ساتھ آرگون کے سامنے والے حصے تک سفر کر کے دیکھیں تو صورتِ حال کا بہتر اندازہ ہو جائے گا۔“

”لیکن سامیرا کے آدمیوں سے سامنا ہو گیا تو؟“ میں نے اشاروں میں پوچھا۔

”ہم ان کی حد سے دور رہیں گے۔“

میں نے سوچا اور ایرٹ کی تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم آگے روانہ ہوئے۔ ابھی ہمیں ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ ہم دو سے ڈھائی گھنٹے میں واپس آجائیں گے۔ اس وقت تک تاریکی بھی چھانے لگے گی یا چھا چکی ہوگی۔ بہر حال ہمیں بہت زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ ہم آرگون کی زمین کے ساتھ ساتھ جھاڑیوں میں چل رہے تھے۔ تقریباً پون گھنٹے بعد ہم سامیرا کے قلعوں کی حدود کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں ان کے کھیت اور باغات تھے اور ان میں کام کرتے افراد دور سے نظر آ رہے تھے۔ دوسری طرف آرگون کے کھیتوں اور باغات میں اب تک ایک تنفس بھی نظر نہیں آیا تھا۔ صورتِ حال بہت واضح اور سنگین تھی۔ ریناٹ نے سب کو قلعہ بند کر لیا تھا اور اس کی طرف سے بہت جلد جنگی کارروائی ہوتی نظر آ رہی تھی۔ دوسری طرف مجھے سامیرا کے لوگ معمول کے مطابق کام کرتے نظر آئے تھے حالانکہ انہیں صورتِ حال کا اندازہ کر کے اس کے مطابق ردِ عمل دینا چاہیے تھا۔

ریک کے آنے کا پتا نہیں تھا مگر میں نے فیصلہ کیا کہ ایرٹ کو فوری قلعے کی طرف روانہ کروں گا مگر اس سے پہلے اسے بریف کرنا لازمی تھا اور بریفنگ کے لیے رویہ کا ہونا لازمی تھا۔ اگر وہ ساتھ ہوتی تو میں یہیں سے ایرٹ کو سامیرا کے لیے پیغام دے کر روانہ کر دیتا۔ مگر اتفاق اور قسمت کی خرابی کہ اسے بھی آج ہی جو تک لگنا تھی۔ اتنے دن سے اتنے لوگ ندی میں نہا رہے تھے اور کسی کو جو تک نہیں لگی۔ وہ بھی رویہ کو لگی تھی۔ میں نے واپسی کا اشارہ کیا اور ہم واپس چل پڑے۔ آرگون کے قلعے کے سامنے تک آنے کے چکر میں ہم خاصے آگے نکل آئے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ واپسی میں ہمیں رات ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔ ابھی ہم جنگل سے دور تھے کہ تاریکی چھانے لگی۔ ہم نے مشعلیں جلا لیں اور جانوروں سے بچاؤ کے لیے دوشانے ہمارے پاس تھے مگر ابھی انہیں آگ دکھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ جب ضرورت پڑتی تو ایک لمحے میں انہیں جلا سکتے تھے۔

جنگل میں داخل ہونے سے پہلے تاریکی مکمل ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے ٹیلے کے اوپر کی غیر معمولی روشنی ہمیں دور سے نظر آ گئی۔ میں چونکا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ٹیلے کے اوپر کسی نے بڑا سا لاؤ جلا یا ہوا ہے اور یہ معمول کی بات نہیں تھی۔ کیا کوئی خطرہ تھا اور رویہ اس طرح سے آگ جلا کر ہمیں اس سے خبردار کر رہی تھی۔ یا وہاں کوئی حادثہ پیش آچکا تھا۔ میں نے جلدی سے اپنی مشعل بجھا دی اور دوسروں نے بھی یہی کیا۔ میں نے اشاروں سے انہیں پھیل کر اور چھپ کر آگے بڑھنے کو کہا اور ہم ایک دوسرے سے فاصلہ رکھتے ہوئے ٹیلے کی طرف بڑھنے لگے۔ آگے آتے ہوئے میرا دل اس خدشے سے دھڑک رہا تھا کہ کوئی حادثہ پیش آچکا تھا۔ دراصل میری چھٹی حس اشارہ کر رہی تھی۔ تیلے کے نزدیک آتے ہی صورتِ حال واضح ہو گئی۔ آگ اوپر کہیں میں لگی تھی۔



میرے ساتھ ایڑ تھا میں نے اسے اشارے سے نیچے رکنے کو کہا اور خود کڑی کی سیڑھی سے اوپر چڑھا۔ میں محتاط تھا اس کے باوجود سیڑھی کے چرچانے سے آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔ ایڑ اور اس کے ساتھیوں نے تیرکمان سنبھال لیے تھے اور پوری طرح تیار تھے۔ میں اوپر آیا۔ آگ کیمین میں ہی لگی تھی۔ کسی کو نہ پا کر تیزی سے آگے بڑھا۔ رویہ کو آواز دی اور اس کی طرف سے جواب نہیں آیا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے میں نے پورا ٹیلہ دیکھ لیا تھا۔ وہاں تباہی اور بربادی پھیلی ہوئی تھی جو صرف انسانی ہاتھوں کی مرہون منت تھی۔ تمام چیزیں توڑ پھوڑ کر برباد کر دی گئی تھیں۔ کیمین کو آگ لگا دی تھی اور رویہ غائب تھی۔ اس نیلے پردہ صرف ایک جگہ ہو سکتی تھی یعنی جلتے کیمین کے اندر۔ مگر اس صورت میں وہاں گوشت جلنے کی بدبو ہوتی جب کہ وہاں ایسی کوئی بو نہیں تھی۔

جلتے کیمین کی روشنی اتنی تیز تھی کہ مشعل کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں وہاں کا جائزہ لیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اگر یہ آرگون والوں کی کارروائی تھی تو ان کے دستے کی آس پاس موجود گی عین ممکن تھی۔ اس بات کا ناناوے فیصد امکان تھا کہ ٹیلے پر حملہ آرگون کی سپاہ نے کیا تھا۔ انہوں نے کسی طرح اس جگہ کا پتا چلایا اور جب ہم یہاں نہیں تھے تب وہ یہاں آئے اور ہماری پناہ گاہ کو تہس نہس کر دیا۔ مگر خطرہ اب بھی موجود تھا۔ میں تیزی سے کنارے تک آیا اور اشارے سے ایڑ اور دوسروں کو اوپر بلا لیا۔ وہ ایک ایک کر کے اوپر آئے اور جلتے کیمین اور برباد سامان کو دیکھنے لگے۔ پہلے ان کے چہرے اتر گئے اور پھر وہ غضب ناک نظر آنے لگے۔ میں نے اشارے سے کہا۔ ”یہ آرگون والوں کی کارروائی ہے اور ہم خطرے میں ہیں۔“

ایڑ نے پوچھا۔ ”رویہ کہاں ہے؟“

میں نے گہری سانس لی اور پھر ہاتھوں کی زبان استعمال کی۔ ”میرا خیال ہے وہ اسے لے گئے ہیں۔ اگر وہ زندہ ہے تب بھی اس کی زندگی کی زیادہ امید نہیں کی جاسکتی ہے۔ میں دیکھ چکا ہوں آرگون والے عورت کے معاملے میں اور زیادہ سفاک ہیں۔“

ایڑ کیمین کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”اسے آگ لگے زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔“

میں نے بھی کیمین کو دیکھا اور تسلیم کیا۔ شاید آدھا گھنٹہ پہلے اسے آگ لگائی گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ رویہ کو لے جانے والے زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ میں نے اشارے سے یہ بات واضح کی تو ایڑ پر جوش لہجے میں بولا۔ ”ہم ان کے پیچھے جاسکتے ہیں۔ رویہ قیدی ہے اس کی وجہ سے وہ زیادہ تیز رفتاری سے سفر نہیں کر سکیں گے اور اگر ہم تیزی سے چلیں تو انہیں راستے میں روک سکتے ہیں۔“

مجھے افسوس ہوا کہ یہ خیال میرے ذہن میں کیوں نہیں آیا۔ مگر میں نے افسوس میں زیادہ وقت ضائع نہیں کیا اور ہم فوری روانہ ہو گئے۔ میں نے ذہن میں وہ مختصر ترین راستہ سوچا جو یہاں سے آرگون کی طرف جاتا تھا اور ہم اسی پر دوڑنے لگے۔ روشنی کے لیے ایک مشعل چلائی تھی تاکہ ہمیں راستہ دکھائی دیتا رہے اور آگے رویہ کو لے جانے والا دشمن زیادہ روشنی دیکھ کر ہوشیار نہ ہو۔ ہم درمیانی سے ذرا زیادہ رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ یوں سمجھ لیں کہ ہمارا انداز طویل میراتھن میں حصہ لینے والے ایتھلیٹ کا سا تھا۔ جو کسی قدر کم رفتار مگر مستقل مزاجی سے بھاگتا ہے۔ ایڑ کی بات درست تھی رویہ کو قیدی بنا کر لے جانے کی صورت میں وہ زیادہ تیزی سے سفر نہیں کر

سکتے تھے۔ چاہے وہ اسے پیدل لے جا رہے ہوں یا کسی نے اسے اٹھا رکھا ہو۔ دونوں صورتوں میں ان کی رفتار پیدل چلنے سے زیادہ نہیں ہوگی۔

جب میں نے تباہ شدہ نیلہ دیکھا تو مجھے شاک لگا تھا اور مجھے رویہ کی زندگی سے مایوسی ہوئی تھی۔ عورتوں کے ساتھ آروغوں کے سپاہیوں کا رویہ میں دیکھ چکا تھا اور رویہ بہت حسین اور نوجوان لڑکی تھی۔ اس کی زندگی کے ساتھ آبرو بھی خطرے میں تھی۔ اگر وہ فی الحال بچی ہوئی تھی تو یہ بچت زیادہ دیر کے لیے نہیں تھی۔ جنگل میں سپاہی رکنے کا خطرہ مول لے نہیں سکتے تھے اور شاید وہ واپس اپنے باغات تک پہنچنا چاہ رہے ہوں جہاں وہ کسی قدر محفوظ تھے اور پھر وہ رویہ کے ساتھ اپنی من مانی کر سکتے تھے۔ مگر انہیں اپنے باغات تک پہنچنے میں کم سے کم ایک گھنٹہ لگتا۔ وہ یقیناً اس طرف نہیں گئے تھے جس طرف سے ہم آئے تھے۔ بلکہ انہوں نے اس طرف کارخ کیا ہوگا جہاں ہم نے جال بچھا کر آروغوں کے نو سپاہیوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ ایک گھنٹے کا یہ فاصلہ ہم نے تیز رفتاری سے آدھے گھنٹے میں طے کر لیا مگر جب گھاس والے میدان میں نکلے تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ ایما نے یہی بات مایوسی سے کی۔

”یہاں تو کوئی نہیں ہے۔“

”وہ باغ میں ہوں گے۔“ میں نے اشارے سے کہا اور مشعل بچھا دی۔ ہم اب تاروں کی چھاؤں میں آگے بڑھنے لگے۔ روشنی کم ہونے کی وجہ سے رفتار بھی کم تھی۔ سچی بات ہے کہ میں باغات کے نزدیک آنے تک بڑا امیدوار تھا کہ ہم رویہ کو لے جانے والوں کو جالیں گے مگر جب مجھے یہاں تک ان کا نشان نہیں ملا تو میں اندر سے مایوس ہونے لگا کہ شاید ہم غلط سمت میں سفر کرتے رہے تھے اور رویہ کو لے جانے والے اسے کسی اور راستے سے لے گئے تھے۔ سمت میں ذرا سی تبدیلی سے بہت زیادہ فرق پڑ سکتا تھا۔ کیونکہ باغات اور کھیتوں کا یہ سلسلہ مشرق سے مغرب کی طرف آتے ہوئے شمال کی طرف گھوم رہا تھا اور اس کی لمبائی دس میل سے بھی زیادہ تھی۔ وہ کسی بھی جگہ سے اندر جا سکتے تھے اور ایک بار وہ باغات کے اندر چلے جاتے تو ان سب جگہوں کو دیکھنے کے لیے ہم چھ افراد کیا ہزاروں کی فوج بھی ناکافی ثابت ہوتی۔

باغ کے پاس پہنچ کر میں نے سب کو دس دس گز کے فاصلے سے پھیل کر آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اس طرح ہم تقریباً پورا باغ کو کر سکتے تھے۔ میں درمیان میں تھا اور ہم آگے بڑھنے لگے۔ غلاف توقع یہ باغ چوکور کے بجائے مستطیل ثابت ہوا اور اس کی لمبائی خاصی زیادہ تھی۔ ہم وسط تک پہنچے ہوں گے کہ کسی کا بدست قبچہ سنائی دیا۔ اس قبچہ نے میرے اندر دم توڑتی امید کو پھر سے زندہ کر دیا تھا۔ قبچہ کچھ دور درختوں کی طرف سے آیا تھا۔ اب میں نے غور کیا تو درختوں کے اوپری سروں پر روشنی بھی جھلک رہی تھی۔ وہاں آگ روشن تھی۔ کیونکہ درخت نیچے سے اتنے پھیلے ہوئے تھے کہ ان کی شاخیں زمین سے جا لگی تھیں۔ اس لیے ان کے نیچے سے روشنی نہیں جھلک رہی تھی۔ ایرٹ اور دوسروں نے بھی قبچہ سن لیا تھا اور اب وہ بھی سمت کر اسی طرف آرہے تھے۔ ہم سب ہی ہوشیار اور دبے قدموں آگے جا رہے تھے تاکہ ان لوگوں کو خبر نہ ہو۔ کسی بھی ناگہانی صورت حال سے نمٹنے کے لیے ہم نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔

اب اس طرف سے کئی افراد کے بولنے کی آواز آرہی تھی اور وہ جو باتیں کر رہے تھے انہیں ایک انسان کا

زہنی گندہی قرار دیا جاسکتا تھا جو وہ منہ کے راستے خارج کر رہے تھے۔ وہ کسی عورت کے بارے میں آپس میں محو گفتگو تھے۔ آگے بڑھتے ہوئے ہم سب اتنے نزدیک تھے کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے اور سب نے تیر کمان سنبال لیے تھے۔ دبے قدموں ہم ان کے بالکل نزدیک جا پہنچے اور شاخوں کی اوٹ سے دیکھا کہ ایک کھلی جگہ گھاس پر سات سپاہی موجود تھے۔ ان کے درمیان میں الاؤ جل رہا تھا اور وہ جو چیز پی رہے تھے اسے ام الزبائٹ کہتے ہیں کیونکہ اس کا نور ان کے لہجوں سے چھلکا پڑ رہا تھا۔ ان سے کچھ فاصلے پر رو بیر ہندھی حالت میں زمین پر کروٹ کے بل پڑی ہوئی تھی۔ اس کا لباس دست درازی کی وجہ سے بے ترتیب ہوا تھا مگر اس کے جسم پر سلامت تھا۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا۔ میں نے سکون کا سانس لیا کہ اس کی جان اور آبرو محفوظ تھی۔ میں نے پلٹ کر ایرٹ کو اشارے سے بلایا اور ایک سپاہی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ سمجھ گیا اور اپنی پوزیشن پر چلا گیا۔ اسی طرح میں نے ہر ساتھی کو بلا کر اس کا شکار واضح کیا تا کہ ہم سب الگ الگ کونشانہ بنائیں۔ میں نے ان میں سے سب سے گرانڈیل شخص کو منتخب کیا تھا جو جلیے اور انداز سے ان سب کا سردار لگ رہا تھا۔ میں نے اس کی گردن کا نشانہ لیا اور تیر چلا دیا۔ مگر نشانہ کسی قدر خطا گیا اور تیر اس کی گردن کے وسط میں اترنے کے بجائے سائیڈ پر آ رہا ہو گیا اور وہ خرخراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ باقی پانچ افراد کے چوکنے سے پہلے ہی تیر ان کے جسموں میں اتر گئے تھے اور وہاں صرف ایک شخص بچا تھا جو صبح سلامت تھا۔ اس نے چھلانگ لگائی اور کسی چھلاوے کی طرح الاؤ کو پھلانگتے ہوئے رو بیر کے دوسری طرف جا کر۔ اسی وجہ سے وہ بچ بھی گیا کیونکہ رو بیر کی وجہ سے سب نے ہی ہاتھ روک لیے تھے۔ پھر سب ہی ان کو مزید نشانہ بنا رہے تھے جن کو پہلے تیر مار چکے تھے تا کہ وہ مزاحمت کے قابل نہیں رہیں۔ وہ زخم کھا کر چیخ دھاڑ پیا رہے تھے اور آنے والے تیروں سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہاں کہیں جائے پناہ نہیں تھی۔

میں نے بھی گرانڈیل کو دوسری بار نشانہ بنایا اور اس بار تیر اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر اتر گیا اور وہ کھڑا ہوا ڈگر مار ہاتھ تیر کھاتے ہی اوندھے منہ الاؤ پر گرا اور اس نے نصف سے زیادہ الاؤ بجھا دیا۔ روشنی یک دم ہی بہت کم ہوئی تھی اور رو بیر کو پھلانگنے والا اس کا بھی فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے غائب ہو گیا۔ میں نے اشارے سے ایرٹ اور دوسروں کو اس کے پیچھے جانے کو کہا مگر وہ پہلے ہی حرکت میں آ گئے تھے۔ ایرٹ، شائٹ اور رائٹون اس کے پیچھے گئے۔ ایمار اور مارٹ میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے گرانڈیل کی لاش الاؤ سے دور کی جو کسی قدر جل چکی تھی اور اس سے بدبو اور دھواں اٹھ رہا تھا۔ میں باتوں کو دیکھ رہا تھا ان میں سے تین مر چکے تھے اور دو قریب المرگ تھے۔ مارٹ نے انہیں لنگی چاقو سے مارنا چاہا مگر میں نے روک دیا اور رو بیر کی طرف بڑھا۔ اس سارے ہنگامے میں وہ پہلے کی طرح ساکت پڑی رہی تھی۔ وہ یقیناً بے ہوش تھی۔ میں نے اسے سیدھا کیا اور چونک گیا۔ وہ رو بیر نہیں تھی۔

”یہ رو بیر نہیں ہے۔“ ایمار نے مضطرب لہجے میں کہا۔

یہ بھی جوان لڑکی تھی اور خاصی دکش تھی جسامت تقریباً رو بیر جیسی تھی اس لیے ہم اسے رو بیر ہی سمجھتے تھے اس نے لباس بھی ویسا ہی سفید پہن رکھا تھا اور اس سے پہلے کسی نے توجہ نہیں دی کہ اس کا پا جامہ بھی سفید تھا جب کہ رو بیر نے سرخ پا جامہ پہنا ہوا تھا۔ چند لمحے پہلے رو بیر کو پالینے اور نیلے کی تباہی کے ذمے داروں کو سزا دیے

کی جو خوشی تھی وہ رویہ کو نہ پا کر ماند پڑ گئی۔ شاید یہ وہ لوگ نہیں تھے جنہوں نے ٹیلے پر حملہ کیا تھا۔ لڑکی بے ہوش تھی اور اس کی سانس بھی مدہم تھی۔ میں کچھ دیر کے لیے ساکت رہ گیا۔ رویہ کہاں تھی؟ میں ایک نئے خیال کے ساتھ واپس دم توڑتے سپاہیوں کے پاس آیا اور اشارے سے ایما سے کہا۔ ”ان سے رویہ کا پوچھو۔“

ایما نے ان سے رویہ کا پوچھا مگر وہ سکتے رہے اور کوئی جواب دینے سے گریز کیا۔ اس پر ایما نے ایک کے پیٹ میں اتر ہوا تیر پکڑ کر ہلایا تو وہ چلا اٹھا تھا۔ ایما نے اپنا سوال دہرایا تو وہ ٹوٹے الفاظ میں بولا۔

”میں..... رویہ..... کو نہیں..... جانتا۔“

”وہ جسے جنگل والے ٹیلے سے لایا گیا ہے ایسی ہی لڑکی ہے۔“ ایما نے بے ہوش لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

”وہ اسے..... آرگون..... لے..... گئے۔“ اس نے بمشکل کہا۔

”کون؟“ ایما نے اسے جھنجھوڑا مگر وہ جواب دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے جھرجھری لی اور دم توڑ دیا۔ دوسرا ویسے ہی ہوش سے بیگانہ تھا۔ ایک منٹ سے پہلے اس نے بھی دم توڑ دیا۔ بہر حال سپاہی کے جواب نے واضح کر دیا تھا کہ یہی دستہ ٹیلے پر حملے اور رویہ کے اغوا میں ملوث تھا۔ یقیناً وہ زیادہ تھے۔ کچھ یہاں اس لڑکی کے ساتھ رک گئے اور باقی رویہ کو لے کر آرگون چلے گئے تھے۔ یہ تو واضح تھا کہ لڑکی آرگون کی تھی اور شاید اسے پہلے ہی سپاہی عیاشی کے لیے اغوا کر کے لے آئے تھے۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ جب ایک مہم پر جا رہے ہیں تو واپسی میں موج میلہ کر لیں گے۔ ویسے تو ان کو باہر نکلنے سے منع کر دیا گیا ہوگا اور شہر میں اس قسم کے کام ذرا دشوار ہو جاتے۔ اگرچہ وہاں بھی انہیں روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ ریٹائٹ نے اپنی فوج کو کھلی چھوٹ دے دی تھی۔ اسی اثنا میں ایٹ اور دوسرے آگئے۔ ایٹ نے معذرت بھرے انداز میں کہا۔

”وہ نکل گیا۔ ہم اس کا پیچھا نہیں کر سکے۔“

میں سمجھ رہا تھا اس میں ان لوگوں کا قصور نہیں تھا۔ ان باغات میں کسی کا پیچھا کرنا یا اسے تلاش کرنا وہ بھی تاریکی میں بہت مشکل کام تھا۔ میں نے سپاہیوں کے ہتھیاروں اور دوسرے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ ”انہیں سمیٹو۔“

ایٹ کو چھوڑ کر باقی سب اس کام میں لگ گئے تھے۔ ایٹ نے لڑکی کا پوچھا۔ ”اس کا کیا کرنا ہے؟“

”ساتھ لے جانا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ لڑکی کو اٹھانے کی ذمہ داری ایٹ کو سونپ دی اور اس نے خوشی خوشی یہ خوشگوار بوجھ اٹھا لیا۔ مرتے سپاہی کے آخری جواب سے واضح تھا کہ دوسرے سپاہی جو شاید ٹیلے پر ہونے والے حملے میں شامل تھے وہی رویہ کو آرگون لے گئے تھے۔ مگر یہ لڑکی کہاں سے آئی اس کا جواب یہ خود دے سکتی تھی۔ بہ ظاہر اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس کا لباس سلامت اور جسم صاف ستھرا تھا۔ نہ جانے وہ کسی ضرب کی وجہ سے بے ہوش تھی۔ اسے کوئی دوا دی گئی تھی یا وہ ایسے ہی ہوش کھو بیٹھی تھی۔ کچھ دیر بعد ہم باغ سے نکل آئے وہیں سے مشعلیں جلائی تھیں۔ بچنے والا آرگون یا کسی اور نزدیکی دستے کی طرف گیا ہوگا اور اسے مدد لے کر آنے میں یقیناً کچھ دیر لگتی۔ اتنی دیر میں ہم یہاں سے خاصی دور نکل سکتے تھے۔

مگر واپسی میں ہماری رفتار پیدل سے زیادہ نہیں تھی اور اگر ہمارے تعاقب کرنے والے اس رفتار سے

آتے جس رفتار سے ہم ان باغات تک آئے تھے تو وہ بھی ہمیں راستے میں پکڑ سکتے تھے۔ جنگل میں داخل ہونے کے بعد ہم کچھ دیر کے اور عقب کا جائزہ لیا۔ اگر کوئی تعاقب میں آ رہا تھا تو وہ ہمیں نظر آتا مگر کوئی نظر میں نہیں آیا تو ہم آگے روانہ ہو گئے۔ خوش قسمتی سے آتے ہوئے ہمیں کسی جانور سے واسطہ نہیں پڑا تھا اسی طرح واپس جاتے ہوئے بھی کوئی خطرناک جانور نہیں ٹکرایا۔ چند ایک چھوٹے موٹے جانور ملے جنہوں نے خود ہمیں دیکھتے ہی فرار کی راہ اختیار کی۔ ایک گھنٹے بعد ہم نیلے کے پاس تھے۔ اس پوری وادی میں آرگون اور سامیرا کے قلعوں کے بعد ایک یہی جگہ تھی جہاں ہم جانوروں کے خطرے سے بے فکر ہو کر رہ سکتے تھے۔

اگرچہ یہ جگہ آرگون کی فوج کی نظر میں آچکی تھی اور وہ اسے تباہ بھی کر چکے تھے۔ مگر فی الوقت یہاں قیام ہماری مجبوری تھی۔ صبح ہم کہیں اور جا سکتے تھے۔ جب ہم نیلے کے اوپر آئے تو کیمین خاکستر ہو گیا تھا اور اب اس کے بلے میں انکارے سلگ رہے تھے۔ صبح تک یہ بھی بجھ جاتے۔ انسان کچھ دن جس گھر اور جگہ قیام کرتا ہے اسے خود یہ خود اس گھر اور جگہ سے انسیت ہو جاتی ہے اور وہ تباہ ہو جائے تو انسان دکھ محسوس کرتا ہے جیسا کہ میں کر رہا تھا۔ آگ نے کیمین کے آس پاس موجود جھاڑیوں اور پودوں کو بھی جلا ڈالا تھا۔ مگر جو پودے دور تھے وہ محفوظ رہے تھے۔ لان کی گھاس بھی بچ گئی تھی۔ البتہ گرمی نے اسے مرجھا دیا تھا۔ تباہ ہونے والی چیزوں میں ہمارا پانی اور اسے ذخیرہ کرنے والی چیزیں بھی شامل تھیں۔ مگر ہمیں آرگون کے سپاہیوں کے پاس سے بہترین قسم کی چھالیں اور مشکیں ملی تھیں۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کا سامان بھی وافر مقدار میں تھا۔

اس لیے اس حد تک نقصان کا ازالہ ہو گیا تھا مگر رویہ ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور یہ جگہ دشمن کی نظروں میں آگئی تھی۔ یہ نقصان ناقابلِ تلافی تھے۔ کیمین کی آگ نے پورے نیلے کو گرما دیا تھا اور اس گرمی سے سب پسینے پسینے ہو رہے تھے۔ مگر مجبوری تھی کوئی اس وقت نیچے نہیں جا سکتا تھا۔ گرمی کی وجہ سے سب بار بار پانی پی رہے تھے اور آتے ہی وہ لوگ کھانے کی چیزوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ سامان میں خشک کیا ہوا گوشت بھی تھا اور وہ اسے کیمین کے انکاروں پر بھون کر کھانے لگے۔ ایرٹ نے مجھے بھی پیشکش کی تھی مگر میں نے انکار کرتے ہوئے لیے اور پتلوں کو ترجیح دی تھی۔ ظاہر ہے یہ گوشت میرے لیے حلال نہیں تھا۔ کھاپی کر سب کی جان میں جان آئی کیونکہ اس طویل میراث میں سب کے پیٹ اور حوصلے کے ٹینک خالی کر دیئے تھے۔ اس لیے کھاپی کروہ سستانے لگے تھے۔



لڑکی بدستور بے ہوش تھی۔ میں نے اس کی نبض دیکھی تھی جو سست تھی۔ مگر اس کی جان کو بے ظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں نے اسے گھاس پر ڈلوایا تھا جو نیلے پر واحد شہنڈی جگہ تھی۔ کھاپی کر میں اس کے پاس آیا۔ ایرٹ نے ایک مشعل جلائی تھی جس کی روشنی کافی تھی۔ پہلے میں نے غور نہیں کیا تھا مگر اب دیکھا تو مجھے دل میں تسلیم کرنا پڑا کہ وہ رویہ سے زیادہ نہیں تو کم حسین بھی نہیں تھی۔ درحقیقت اس وادی میں حسن کا معیار عام تھا اور بیشتر خواتین و حضرات اس معیار پر پورا اترتے تھے۔ یہ لڑکی بھی بے پناہ حسن کی مالک تھی اور اس کی عمر بے ظاہر انیس بیس سے زیادہ نہیں تھی۔ ڈھیلے لباس میں بھی اس کا جسمانی حسن نمایاں تھا۔ میں نے اس کے منہ میں تھوڑا پانی ڈالا جو اس نے پی لیا۔ پھر تھوڑا تھوڑا کر کے اسی طرح خاصا پانی اس کے منہ میں ڈال دیا۔ آخر میں اس کے

منہ پر چھینٹے مارے تو وہ ہوش میں آنے لگی اور فوراً ہی اس نے رونے کے انداز میں کراہنا اور کہنا شروع کر دیا۔
”مجھے چھوڑ دو..... میرے بابا کو مت مارو..... میرے بابا کو مت مارو۔“

ایسا لگ رہا تھا کہ وہ خواب میں دیکھ اور رو رہی ہے۔ میں نے نرمی سے اسے بلایا اور پھر مستقل بلاتا رہا حتیٰ کہ وہ چونک کر بیدار ہو گئی۔ مگر اس کے منہ سے سسکیاں بدستور نکل رہی تھیں۔ جب اس کے حواس بحال ہوئے تو مجھے آرگون کی فوجی وردی میں پاس پا کر اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگی تھیں۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔ میں نے کچھ کہنے کے بجائے پیچھے ہٹنا زیادہ مناسب سمجھا اور اشارے سے ایرٹ سے کہا۔ ”اسے سمجھاؤ..... ہمارا تعلق آرگون سے نہیں ہے۔“

ایرٹ اور اس کے ساتھی ذرا فاصلے پر تھے۔ ایرٹ نے نرمی سے کہا۔ ”ذرو مت ہمارا تعلق آرگون سے نہیں ہے۔ ہم سامیرا کے لوگ ہیں۔“

مگر لڑکی آنکھوں میں شک تھا کیونکہ ہم آرگون کی فوجی وردی میں تھے۔ اس نے یقین سے کہا۔ ”تم جھوٹ کہہ رہے ہو تم لوگ آرگون کے درندہ صفت سپاہی ہو۔ تم لوگوں نے میرے بابا کو مارا ہے اور اب مجھے بھی مار دو گے۔“

”غور سے دیکھو ہم وہ لوگ نہیں ہیں۔“ ایرٹ نے اپنے اور ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”وہ لوگ اور تھے جنہوں نے تمہیں باندھ کر رکھا ہوا تھا۔ ہم نے انہیں مار دیا ہے اور تمہیں ان کی قید سے آزاد کرا لائے ہیں۔ تم اس وقت بے ہوش تھیں۔“

”تم لوگ دوسرے ہو مجھے تمہارے حوالے کر دیا ہے۔“ لڑکی ماننے کو تیار نہیں تھی اور پوری جرأت سے بات کر رہی تھی۔ مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ وہ حوصلے والی تھی۔ اس کی جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو اتنے مردوں کے درمیان ڈر کے مارے اس کی آواز ہی نہ نکلتی۔ میں نے ایرٹ کو اشارے سے اس سے رو بھر کے بارے میں پوچھنے کو کہا۔ ایرٹ نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں کسی رو بیر نامی لڑکی کو نہیں جانتی اور نہ ہی میں نے اسے دیکھا ہے۔“

”تب تم کہاں سے ان کے ہاتھ لگیں۔“

وہ ایرٹ کو گھور رہی تھی۔ ”تم لوگ مجھے شہر کے قید خانے سے لائے ہو اور مجھ سے ہی پوچھ رہے ہو۔“ ایرٹ نے عقل مندی سے کہا۔ ”تم ہمارے قبضے میں ہو اور ہمیں تم سے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم چاہیں تو تمہیں قتل کر دیں یا تمہارے ساتھ جو چاہیں کریں کیا تم ہمیں روک سکتی ہو؟“ وہ سہم گئی۔ ”نہیں۔“

”تب ہماری بات تسلیم کرو۔“ ایرٹ نے کہا۔ ”اپنے آس پاس دیکھو ہم آرگون سے بہت دور جنگل میں ہیں۔“

لڑکی کے حواس بجا ہوئے تھے تو خود اس نے بھی محسوس کیا تھا کہ ہماری نظروں اور انداز میں اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ کسی قدر مطمئن ہو گئی اور اٹھ بیٹھی۔ اس نے کہا۔ ”مجھے پیاس لگی ہے۔“ میں نے چھال گل کی طرف بڑھادی۔ اس نے ایک لمبا گھونٹ لیا اور چھال گل مجھے واپس کر دی۔ ایرٹ

نے اسے گوشت کا ایک ٹکڑا دیا جو اس نے بے صبری سے کھایا۔ البتہ دوسرا ٹکڑا اس نے رک کر اور آرام سے چبا کر کھایا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کئی وقت کی بھوکی تھی۔ ایرٹ نے سوالات جاری رکھے۔ ”کیا ان لوگوں نے تمہیں اغوا کیا ہے۔“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں پہلے سے ان کی قید میں تھی۔ مجھے یہ قید خانے سے نکال کر لائے تھے۔“
”تمہیں کیوں قید کیا گیا اور تم اپنے بابا کے بارے میں کہہ رہی تھیں کہ اسے مت مارو، کیا تمہارے بابا کو مار دیا گیا ہے؟“

اس کا ہاتھ رک گیا اور آنکھوں میں نمی جھلکانے لگی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ ”ان لوگوں نے بابا کو مار دیا۔“
”کیوں؟“

”ان پر الزام تھا کہ انہوں نے سامیرا کی مدد کی ہے اور ایک آدمی کو قید سے فرار کر دیا جسے سزائے موت ہو چکی تھی۔“

میں مضطرب ہو گیا اور اشارے سے ایرٹ سے کہا۔ ”اس کے باپ کا نام پوچھو۔“
ایرٹ نے پوچھا تو اس نے کہا۔ ”میرے بابا کا نام کیرٹ ہے وہ مہا پجاری کے نائب تھے۔“
باقی سب جہان تھے لیکن میں ششدر رہ گیا۔ وہ کیرٹ کی بیٹی ساشا تھی۔ جب کیرٹ نے اس کا ذکر کیا تو میں سمجھا کہ وہ کوئی نو عمر زیادہ سے زیادہ گیارہ بارہ سال کی لڑکی ہوگی۔ مگر یہ میں نے نہیں سوچا تھا کہ خود جوان نظر آنے والے کیرٹ کی مکمل نو جوان لڑکی ہوگی۔ میں نے بے ساختہ کہا۔ ”ساشا۔“
اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ”تم میرا نام جانتے ہو؟“

میں نے سر ہلایا اور ایرٹ کے توسط سے اسے جواب دیا۔ ”میں ہی وہ شخص ہوں جسے فرار کرانے کی پاداش میں تمہارے باپ کو سزائے موت ہوئی تھی۔“

یہ سنتے ہی اس کی آنکھیں سیاٹ ہو گئیں اور اس نے کہا۔ ”تو میرے باپ کے اصل قاتل تم ہی ہو؟“
ایرٹ کی مدد سے اس سے گفتگو کرنا اور خاص طور سے بحث کرنا آسان نہیں تھا اس لیے میں نے یہ کام ایرٹ پر چھوڑ دیا اور خود اٹھ کر ٹیلے کے کنارے تک آیا۔ کیمین کے بجٹے انگاروں سے اب تک پیش اٹھ رہی تھی۔ ایرٹ اس سے کہہ رہا تھا۔ ”تم غلط مت سمجھو، تمہارے باپ نے ایک اچھے مقصد کے لیے جان دی۔ کیا تم اپنے باپ کو غلط سمجھ رہی ہو۔“

ساشا کا چہرہ متغیر ہوا۔ ”نہیں لیکن میرے باپ کو اس شخص کی وجہ سے موت کا سامنا کرنا پڑا۔“
”اب تم احقانہ بات کر رہی ہو۔“ ایرٹ کا لہجہ سخت ہو گیا۔ ”کیا اس نے تمہارے باپ سے درخواست کی تھی کہ اس کی مدد کرے۔ تمہارے باپ نے اس کی مدد کی اور وہ اپنے مقصد کے لیے کی، اس وادی میں بسنے والے لوگوں کے لیے کی، جن سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ باہر سے آیا ہے۔“

ساشا نے سر جھکا لیا تھا۔ میں ان کی گفتگو سن رہا تھا اور مجھے لگا کہ یہ لڑکی اپنے خیالات میں پختہ تھی اور اتنی آسانی سے خیال بدلنے والوں میں سے نہیں تھی۔ مجھے اس کے خیالات کی تبدیلی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں تو چاہتا تھا کہ وہ آرگون کے بارے میں معلومات فراہم کرے اور ہو سکے تو ہماری رہنمائی کرے۔ میں واپس آیا

اور ایرٹ سے اشاروں میں تبادلہ خیال کیا کہ وہ اس سے اس سلسلے میں بات کرے۔ ایرٹ کسی حد تک میری بات سمجھ گیا اور اس نے ساشا سے آنگون کے بارے میں پوچھنا شروع کیا۔ مگر اس انداز میں کہ ساشا کو محسوس نہ ہو کہ وہ اس سے پوچھ گچھ کر رہا ہے۔ ساشا کے پاس واقعی اہم معلومات تھیں۔ اس نے بتایا کہ شہر کے حفاظتی دستے اور فوج کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔

ایک حصہ جو جنگ لڑنے والے سپاہیوں پر مشتمل تھا وہ اس وقت فیصل کے آس پاس مشقوں میں مصروف تھا۔ باغ اور کھیت میں کام کرنے والے افراد کی حفاظت پر مامور افراد میں سے بہت بڑی تعداد باقاعدہ فوج میں شامل کر لی گئی تھی اور وہ بھی جنگی مشقیں کر رہے تھے۔ دوسرا حصہ جو زیادہ تربیت یافتہ اور اہل افراد پر مشتمل تھا وہ شاہی محلات اور سرکاری دفاتر کی حفاظت کے لیے تعینات تھا۔ اس وقت آنگون میں کرفیو کی سی کیفیت تھی اور عوام کو بہت کم نقل و حرکت کرنے کی اجازت دی جا رہی تھی۔ ان کا راشن اور دوسرا سامان جو پہلے انہیں ملتا تھا اب اچانک نصف کر دیا گیا تھا۔ شہر کی بعض اہم سڑکیں عوام کے لیے بند کر دی گئی تھیں اور لوگ ان شاہراہوں پر قدم بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ ساشا صرف سوال کرنے پر جواب دیتی تھی۔ جب ایرٹ نے اسے شہر کے اندر باغی گروپوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے معصومیت سے نفی میں سر ہلایا۔

”میں ان کے بارے میں نہیں جانتی۔“

ایرٹ نے میرا سوال آگے کیا۔ ”کیا کیرٹ نے تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا؟“

اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ ”نہیں تو، بابا مجھ سے ایسی باتیں نہیں کرتے تھے۔“

”جب تمہیں فوج کے بارے میں معلومات کہاں سے ملیں؟“

”یہ تو میں نے خود دیکھا اور قید خانے کے سپاہی اس بارے میں بات کرتے تھے تو میں سن لیتی تھی۔“

”تمہیں کیوں قید کیا گیا؟“

”کیونکہ میں نے مہا پجاری سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔“

میں دنگ رہ گیا۔ اس بڑھے شرابی فیرون کی نظر اپنے ہی ساتھی کی بیٹی پر تھی۔ مگر ان لوگوں کے نزدیک اخلاقیات فضول اور بیکار چیز تھی۔ وہ صرف اپنے مفاد پر نظر رکھتے تھے۔ ساشا جیسی حسین لڑکی سے وہ کیسے دست بردار ہوتا۔ بلکہ مجھے حیرت تھی کہ اس نے اسے قید کیوں کیا۔ وہ چاہتا تو زبردستی بھی اس سے شادی کر سکتا تھا۔ اتفاق سے ایرٹ نے اس سے یہی سوال کیا۔ ساشا نے اس سوال کا جواب دیا کہ اس کی شادی اس کے باپ کی مرضی سے ہو سکتی تھی اگرچہ ہونی کسی پجاری سے ہی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد پجاری کی بیٹی کی حیثیت سے یہ اختیار اب اس کے پاس آ گیا تھا۔ اس نے فیرون سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور قانون کے تحت اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ فیرون سے شادی کرے۔

اس کے انکار پر ریٹاٹ نے اسے کیرٹ کی سازش میں شامل ہونے کا الزام لگا کر جیل میں ڈال دیا اور اس پر واضح کیا کہ اسے اسی وقت معافی ملے گی جب وہ فیرون سے شادی پر آمادہ ہو جائے گی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ اگر اسے اس وجہ سے قید کیا گیا تھا تو اس کی حیثیت ایک معزز قیدی کی سی تھی اور اسے یوں ادب باش سپاہیوں کے حوالے کر دینا سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ خاص طور سے اس صورت میں جب کہ مہا پجاری فیرون کی اس پر نظر تھی۔

اسے کسی صورت یہ سزا نہیں دی جاسکتی تھی۔ اس نے انکار کیا تھا مگر اسے قید ہوئے اتنا وقت بھی نہیں ہوا تھا کہ فیرون یا ریٹاٹ مایوس ہو کر اس قسم کا کوئی قدم اٹھاتے۔ میں نے ایرٹ کے توسط سے یہ سوال کیا تو ساشا نے بھی لاعلمی ظاہر کی کہ اسے نہیں معلوم کہ اسے کیوں ان سپاہیوں کے حوالے کیا گیا تھا جو اسے آگنوں سے نکال کر باغات میں لے آئے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ”تمہیں کس وقت وہاں سے نکالا گیا؟“

”دن کی آخری روشنی میں۔“ اس نے جواب دیا۔

”تم بے ہوش کیسے ہو گئے؟“ میں نے سوال کیا تو اس پر وہ الجھن میں نظر آئی۔ پھر اس نے جواب دیا۔ ”مجھے نہیں یاد ہے۔ بس اتنا یاد ہے کہ قید خانے سے نکال کر مجھے ایک عمارت میں لے جایا گیا تھا اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔“

”جب تمہیں ہوش آیا تو تم بہت ڈری سہی ہوئی تھیں جیسے تمہیں خطرہ ہو کہ تمہارے ساتھ برا سلوک ہو گا۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”مجھے لگا کہ جیسے میں وحشیوں کے زرخے میں ہوں اور وہ میرے ساتھ برا سلوک کرنے والے ہیں۔“

اس کی کہانی کا یہ والا حصہ مجھے الجھن میں ڈال رہا تھا۔ جب وہ قید خانے سے نکل کر کسی عمارت تک گئی اور اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں تو اسے ہوش میں آنے پر یوں کیوں لگا جیسے اس کے ساتھ برا سلوک ہونے والا ہے۔ جب کہ اسے عمارت میں جانے کے بعد اس پر کیا گزری اسے بالکل یاد نہیں تھا۔ گفتگو کے دوران وہ گوشت کے کئی ٹکڑے اور پھر تازہ پھل کھا گئی تھی۔ پیٹ بھرنے کا خمار اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگا تھا۔ ایرٹ نے اس سے کہا۔ ”اب تم سو جاؤ یہاں تم بالکل محفوظ ہو۔ کل تمہیں سامیرا کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔“

یہ بات ایرٹ نے اپنی طرف سے کہی تھی اس لیے جب ساشا سونے کے لیے لیٹ گئی تو میں نے ایرٹ کو ایک طرف بلایا اور اسے کہا۔ ”یہ ہمارے ساتھ رہے گی۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔“ اس نے ساشا کی طرف دیکھا۔ ”یہ کمزور لڑکی ہماری کیا مدد کرے گی؟ اسے روئیر کی طرح ہتھیار استعمال کرنا بھی نہیں آتے۔“

”یہ آگنوں سے اچھی طرح واقف ہے اور ہمیں آگنوں میں اس کی مدد کی ضرورت پڑے گی۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”جیسے آپ کہیں۔“

”صبح ہم یہاں سے نکلیں گے اور قلعوں کی طرف جائیں گے پھر تم میں سے ایک دو اندر جا کر ریک کو لے کر آئیں گے۔ تم ساشا کو بھی لے جاؤ گے اور سامیرا تک میرا ایک پیغام پہنچاؤ گے۔“

ایرٹ جو بات سمجھ جاتا تھا اسے الفاظ میں دوہرا کر مجھ سے پوچھتا تھا اگر بات درست ہوتی تو میں سر ہلاتا ورنہ اشاروں کی مزید مشق کرتا تھا مگر رفتہ رفتہ وہ تقریباً پوری بات سمجھ جاتا تھا۔ لیکن کے انگارے بھی اب بچنے والے تھے اور رات کی خنکی نے نیلے کی پیش بھی زائل کرنا شروع کر دی تھی اور اب ہم بہتر محسوس کر رہے تھے۔ سب کا سونا مناسب نہیں تھا اس لیے دو دو جاگ کر باری باری پہرہ دیتے رہے۔ میں نے حسب معمول پہلی باری میں پہرہ دیا اور پھر سو گیا تھا۔ صبح آنکھ کھلی تو روشنی ہونے والی تھی کیونکہ اوپر آسمان غائب ہو گیا تھا اور دھندلا رہی

تھی۔ مال غنیمت سے ناشتہ کیا گیا اور اس کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ تیلے سے اتر کر ہم نے پہلے جنوب کا رخ کیا اور پھر مشرق کی طرف مڑ گئے۔ اس طرح ہم آرگون اور سامیرا کے لوگوں کی زمین سے دور تھے۔ ساشا نے خود کو ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ جو ہم کہتے تھے وہ وہی کرتی تھی۔ روانہ ہونے سے پہلے میں نے ایرٹ کے توسط سے ساشا سے پوچھا۔

”تم شراب یا کوئی نشے والی چیز استعمال کرتی ہو؟“

”میں نے کبھی ایسی کوئی چیز استعمال نہیں کی۔“ اس نے جواب دیا۔

میں نے راستے میں ایرٹ کو سمجھایا کہ اسے جا کر سامیرا سے کیا کہنا تھا اور ساتھ ہی وہ ریک اور دوسرے تیار ہونے والے لوگوں کو لیتا آئے۔ سامیرا کو ہوشیار کرنا تھا کہ قلعوں میں معمولات پر عمل ترک کر دیا جائے اور کسی بھی لمحے آرگون کی طرف سے حملے کے لیے تیار رہا جائے۔ ایرٹ، ساشا، شاٹ اور رائٹون ہم سے ایک جگہ الگ ہو گئے۔ یہاں سے تینوں قلعوں کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سامیرا والے قلعے کی طرف روانہ ہوئے اور ہم ایک بلند چٹان پر چڑھ گئے جس پر کسی جانور کے چڑھنے کا امکان کم تھا۔ میں نے ایرٹ کے ہاتھ سامیرا کو اس حلال کا پیغام بھی بھیجا تھا جسے پینے سے خطرناک جانور پاس نہیں آتے تھے۔ کیبن میں آتش زدگی کے بعد وہ بھی تباہ ہو گیا تھا یا آرگون کے سپاہی اس کی بوتل لے گئے تھے۔ چٹان خالص پتھر کی تھی اور اس پر ذرا بھی مٹی یا نباتات نہیں تھے۔ کیونکہ صاف کرنے کے لیے اور کچھ نہیں تھا اس لیے ہم تینوں ایک مناسب جگہ دیکھ کر آرام کرنے لگے۔

مجھے غور و فکر کا موقع ملا تو گزشتہ روز ہونے والے واقعات مجھے کچھ عجیب سے اور معمول سے ہٹ کر لگے تھے۔ اول آرگون کی طرف سے تمام ہی افراد کو قلعے میں روک لینا۔ مگر دوسری طرف ان کا کوئی دستہ تلاش کرتا ہوا بالآخر ہماری پناہ گاہ تک پہنچ گیا اور اس نے نہ صرف اسے تباہ کر دیا بلکہ روبیر کو بھی ساتھ لے گئے۔ اس کے بعد ہم نے ان کا تعاقب شروع کیا اور باغات میں انہیں جالیا مگر جب ہم نے ان پر حملہ کیا اور سب کو ختم کر دیا تو ہتھ چلا کہ جسے ہم روبیر سمجھ رہے تھے وہ دوسری لڑکی نکلی اور روبیر کو سپاہی آرگون لے جا چکے تھے۔ پھر دوسری لڑکی نابھ مہا پجاری کیئرٹ کی بیٹی ساشا نکلی اور اس کا رویہ بھی عجیب تھا۔ اس نے چھوٹے ہی مجھے اپنے باپ کا قاتل قرار دے دیا اور اب بھی اس کے رویے سے لگ رہا تھا کہ اس نے اپنے خیال میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔

سوال یہ تھا کہ سپاہی اسے کس کی اجازت سے قید خانے سے نکال کر آرگون سے باہر لائے تھے؟ اور قلعے سے باہر لانے سے پہلے اسے کسی اور جگہ لے گئے تھے وہاں ساشا پر کیا گزری تھی؟ اس سارے قصے میں یہی بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ لڑکی نے خود کو ساشا قرار دیا تھا۔ کیا واقعی وہ ساشا تھی یا کوئی اور لڑکی جو خود کو ساشا کے روپ میں پیش کر رہی تھی۔ آرگون میں بیٹھے مکالموں سے کچھ بعید نہیں تھا جن میں مہماکارڈ یوڈ شا بھی موجود تھا۔ وہ اس قسم کے منصوبے بنانے کا ماہر تھا۔ بہر حال اس لڑکی کی حقیقت زیادہ دیر چھپی نہیں رہتی اور میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر یہ کوئی سازش بھی ثابت ہوئی تو میں اس لڑکی کو استعمال کروں گا۔ اس دشت کی سیاسی میں مجھے بھی اس قسم کی سازشوں کا جواب دینا آ گیا تھا۔ اب مجھے سامیرا کے جواب کا انتظار تھا۔ میں نے ایرٹ سے کہا تھا کہ کوئی جلدی نہیں ہے وہ اپنا کام منٹا کر ہی واپس آئے یعنی جو جو کام میں نے اس کے ذمے لگائے تھے انہیں بہر صورت

انجام دے۔ اب میرے پاس سوائے آرام اور انتظار کرنے کے کوئی کام نہیں تھا۔

دوپہر کو چنوں سے پیٹ پوجا کی تھی اور اب شام کے لیے ہمارے پاس زیادہ چیزیں نہیں رہی تھیں لیکن اگر اریٹ یا ربیک نہ آتے تب بھی گزارا ہو جاتا۔ ہم پانی کے کئی مشکینے لے آئے تھے اس لیے پانی کی کوئی کمی نہیں تھی۔ یہ کئی دن کے لیے بھی کافی ہو سکتا تھا۔ ایمار مارٹ آپس میں گپ شپ کر رہے تھے اور میں ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ مارٹ کہہ رہا تھا کہ اگر وہ اس جنگ میں زندہ رہا تو پھر اس کی شادی ہو جائے گی۔ اس نے لڑکی پسند کر لی تھی۔ ایمار کو شادی کا خاص شوق نہیں تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ فوج میں اوپر جائے اور اعلیٰ عہدہ حاصل کرے۔ شادی اور گھر سناں جیسے معاملے بعد میں بھی دیکھے جاسکتے تھے۔ مزے کی بات تھی کہ مارٹ جس لڑکی کو پسند کرتا تھا وہ ایمار کی بہن تھی۔

مگر ان کے ہاں اس معاملے میں جذباتی ہونے کا رواج نہیں تھا۔ وہ اسے ایک فطری چیز سمجھتے تھے کہ کوئی ان کی بہن یا بیٹی کو پسند کرے یا وہ کسی کو پسند کرے۔ اسے یہاں غیرت کا مسئلہ نہیں بنایا جاتا تھا مگر ساتھ ہی وہ مرد اور عورت کے غیر قانونی تعلق کے بارے میں بہت حساس تھے۔ اس کا اندازہ میرے کیس سے لگایا جاسکتا تھا کہ میں ان کے لیے کتنا ضروری تھا مگر انہوں نے مجھے سزا نہ دیا بلکہ اس پر عمل درآمد بھی کر دیا۔ اعلیٰ طبقہ جس میں حکمران اور پجاری شامل تھے۔ وہ بھی صرف اپنے حرم اور مخصوص کی ہوئی عورتوں سے جسمانی تعلق قائم کر سکتے تھے۔ یہاں ایک مرد کو ایک شادی کی اجازت تھی۔ جب تک اس کی پہلی بیوی زندہ رہتی یا ان کے درمیان علیحدگی نہیں ہو جاتی مرد دوسری شادی نہیں کر سکتا تھا۔ حرم کے لیے عورتیں حاصل کرنے کا ایک طریقہ کار تھا اور کسی سے زبردستی نہیں کی جاتی تھی مگر کچھ عرصے سے اس قانون پر عمل نہیں ہو رہا تھا۔ ہمارے سامنے مثالیں تھیں کہ آرمگون میں سپاہ اور اوپر ہی طبقے کو کھلی چھوٹ دے دی گئی تھی۔

سامیرا کے قلعوں میں ان قوانین پر جو مرد و عورت کے تعلق کو واضح کرتے تھے بہت سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ دیکھا جائے تو یہ اچھی بات تھی۔ ورنہ یہ مختصر سا معاشرہ بے راہ روی کے ہاتھوں سب سے زیادہ آسانی سے تباہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہماری دنیا میں بعض افریقی ملک ہو رہے ہیں۔ جہاں بیس فیصد سے بھی زیادہ آبادی ایڈز جیسے مہلک اور جان لیوا مرض کا شکار ہو چکی ہے اور اس کی وجہ بے راہ روی ہی ہے۔ آرام اور سوچ بچار میں شام ہوئی اور پھر رات آ گئی۔ ہم نے ایک مشعل جلائی تھی مگر اس کی روشنی کو اس طرح محدود کیا کہ وہ دور سے نظر نہ آئے اور ہم تاریکی میں نہ رہیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ایرٹ کو دیر ہو رہی تھی اور شاید وہ اب صبح ہی آتا۔ ہم تینوں نے بچی کچھی اشیاء سے ڈنر کیا۔ پیٹ تو نہیں بھرا مگر گزارا ہو گیا تھا۔ میں نے ایمار سے کہا۔ ”رات کو پہرہ دینا ہے کوئی ایک فرد جاگتا رہے۔“

”پہلے میں جاگتا ہوں۔“ ایمار نے پیش کش کی تو میں اور مارٹ لیٹ گئے۔ سخت چٹان کے باوجود مجھے نیند آ گئی تھی۔ کچھ عرصے سے سخت جھگڑوں پر سونے کی عادت پڑ گئی تھی۔ ایمار کے بعد مارٹ نے پہرہ دیا اور صبح کے قریب اس نے مجھے جگا دیا۔ ابھی آسمان پر ستارے تھے اور دور کہیں چاند بھی تھا مگر اس کی روشنی وادی تک رسائی سے قاصر تھی۔ مجھے حاجت ہو رہی تھی میں چٹان سے نیچے آیا اور فارغ ہو کر دوبارہ اوپر کا رخ کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں کچھ گھنٹے سو یا تھا اور اتنی نیند کافی تھی میں خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ کسی قدر رخصتہ پانی سے

میں نے منہ دھویا اور پھر ہلکی ایکسر سائز کرنے لگا۔ اسی دوران میں اوپر روشنی نمودار ہونے لگی تھی مگر یہ روشنی ابھی وادی سے دور تھی۔ مزید ایک گھنٹے بعد ستارے غائب ہونا شروع ہوئے یعنی اوپری حصے میں دھند چھا رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں صبح کے نزدیک تاریکی زیادہ ہو جاتی تھی اور جب اوپر سورج نکل آتا تب نیچے روشنی ہوتی تھی۔

میرے جاگنے کے تقریباً دو گھنٹے بعد جب کہ ماحول ابھی تاریک تھا قلعوں کی طرف سے مجھے کچھ ہلکی روشنیاں حرکت کرتی دکھائی دیں۔ تقریباً ڈیڑھ میل دور قلعوں کی روشنیاں تو صاف دکھائی دے رہی تھیں مگر ان کے آس پاس ابھی تاریکی تھی۔ وہ روشنیاں اسی تاریکی میں حرکت کر رہی تھیں۔ میں چوک ہو گیا مگر ان دونوں کو نہیں اٹھایا۔ پندرہ بیس منٹ بعد روشنیاں پاس آ گئیں۔ یہ کوئی دس گیارہ افراد تھے۔ ان میں سے چار نے مشعلیں اٹھا رکھی تھیں اور باقیوں کے پاس دوسرا سامان تھا جو انہوں نے بڑے تھیلوں کی صورت میں اپنے شانے پر لاد رکھا تھا۔ جب ایرٹ اور دوسرے قلعوں کی طرف روانہ ہوئے تھے تو انہوں نے آرگون کے فوجی لباس اتار کر اپنے لباس پہن لیے تھے۔ آنے والوں میں ان چاروں کے علاوہ ریک اور چھ دیگر نوجوان تھے۔ ان کے نزدیک آنے پر میں نیچے اتر آیا۔ ریک گرم جوشی سے میرے سینے سے لگا اور بولا۔

”اب میں آپ کی بات سمجھ سکتا ہوں۔“

”سامیرا نے تمہارے ساتھ بھی وہی عمل کیا؟“ میں نے حیرت اور خوشی سے پوچھا۔

”صرف میرے ساتھ ہی نہیں ایرٹ اور ساشا کے ساتھ بھی کیا۔ اب ہم تینوں آپ کی زبان سمجھ سکتے

ہیں۔“

ساشا ان کے ساتھ تھی اور ایک طرف خاموش کھڑی تھی۔ میں ریک اور ایرٹ کو ایک طرف لے گیا اور دھیمے لہجے میں پوچھا۔ ”سامیرا اس کے بارے میں کیا کہتی ہے؟“

”یہی ساشا ہے۔“ ایرٹ نے جواب دیا۔

”لیکن سامیرا نے پیغام دیا ہے کہ آپ اس سے محتاط رہیں۔“ ریک نے کہا۔

”آپ کے پیغامات سامیرا تک پہنچا دیئے ہیں اور انہوں نے کہا کہ آپ کی ہدایت پر پورا عمل ہوگا۔“

ایرٹ نے بتایا۔ ہم چٹان کے اوپر آئے۔ میں نے ایرٹ کے توسط سے جو پیغامات بھجوائے تھے۔ ان میں اس شخص کی تلاش بھی شامل تھی جو روہیر سے قید خانے میں ملا تھا اور اس نے اسے شامین کی دھمکی دے کر اقبال جرم کرنے اور اس میں مجھے ملوث کرنے کو کہا تھا۔ پہلے مجھے اس کا خیال نہیں آیا تھا کہ اس شخص کو تلاش کرنا چاہیے اگرچہ ریک کی مدد سے سامیرا کو ساری کہانی بتادی تھی کہ روہیر کو کس طرح مجبور کیا گیا۔ مگر روہیر کے غائب ہونے کے بعد اس شخص کی تلاش لازم ہو گئی تھی۔ وہ ہماری رہنمائی کر سکتا تھا کہ روہیر کو کیوں اغوا کیا گیا ہے اور ساشا کو ہم تک پہنچانے کے پیچھے کیا کہانی ہو سکتی ہے؟ سب سے بڑھ کر اس سے ہمیں آرگون کے اندر کے راز معلوم ہو سکتے تھے۔

ریک اور ایرٹ کے ہم زبان ہونے سے مجھے خوشی ہوئی تھی کہ ابلاغ کا بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ ورنہ انہیں اپنی سمجھانے کے لیے مجھے اچھی خاصی درزش کرنا پڑتی تھی۔ وہ دونوں ہی ذہین نوجوان تھے۔ میں ان سے

اپنی بات کر سکتا تھا۔ میں نے صرف ساشا کے لیے کہا تھا کہ سامیرا اسے میری بات سمجھنے کے قابل بنا دے مگر اس نے ایرٹ اور ربیک کو اس قابل بنا کر میرا کام بہت آسان کر دیا تھا۔ میں نے روبیر کے اغوا اور ساشا کے ملنے کے بارے میں انہیں اپنے تاثرات سے آگاہ کیا۔ وہ حیران ہوئے تھے۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ ایرٹ نے کہا۔ ”یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی۔“
 ”یہ آرون کی اہم ترین قیدی تھی۔“ میں نے ذرا دور بیٹھی ساشا کی طرف دیکھا۔ ”لیکن سپاہی اسے کسی عام لڑکی کی طرح قید خانے سے نکال کر اپنے ساتھ شہر سے باہر لے آئے۔ کیا یہ بات مشکوک نہیں ہے؟“
 ”بالکل مشکوک ہے۔“ ربیک نے کہا۔ ”مگر سامیرا نے تصدیق کی ہے یہی ساشا ہے کیرٹ کی بیٹی۔“
 ”اس میں مجھے بھی شبہ نہیں ہے مگر اس نے آتے ہی مجھے اپنے باب کا قاتل قرار دیا۔ اس سے لگتا ہے کہ اس کے دل میں میرے خلاف کچھ نہ کچھ ہے۔“

”شہباز ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ ایرٹ بولا۔ ”میں نے اس سے جو گفتگو کی ہے مجھے بھی لگ رہا ہے یہ شہباز کے خلاف اپنے دل میں عناد چھپائے ہوئے ہے۔“

ربیک فکر مند ہو گیا۔ ”اس صورت میں اسے اپنے ساتھ رکھنا خطرناک ہو سکتا ہے۔“

”ہم اسے قلعے میں چھوڑ سکتے ہیں۔“ ایرٹ نے تجویز پیش کی۔

”نہیں ہم اسے اپنے ساتھ رکھیں گے۔“ میں نے انکار کیا۔ ”میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے دشمن اسے

کس طرح میرے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں ان کی چال ان ہی پر الٹ دوں۔“

”وہ کیسے جناب؟“ ربیک نے پوچھا۔

”یہ آنے والا وقت بتائے گا۔“ میں نے روشنی تیز ہوتے دیکھی تو کھڑا ہو گیا۔ ”ہمیں یہاں سے جانا ہو

گا۔ باقی باتیں راستے میں ہوں گی۔“

ہم نیلے سے اترے اور وادی کے مغربی حصے کی طرف روانہ ہو گئے۔ نیلے کی طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگر ساشا نہ ملتی تو میں روبیر کی گمشدگی اور ہمارے ٹھکانے کی تباہی کو اتفاق سمجھتا مگر اب وہاں کا رخ کرنا دشمن کے کسی جال میں پھنسنے کے مترادف بھی ہو سکتا تھا۔ ہمیں اس سے بھٹ کر کوئی اور ٹھکانہ تلاش کرنا تھا۔ میرے ذہن میں ایک جگہ تھی۔ روشنی تیز ہوئی تو ہم نے ایک جگہ رک کر ناشتہ کیا۔ ربیک اپنے ساتھ وافر مقدار میں کھانے پینے کا سامان لایا تھا۔ سامیرا نے اس کے ہاتھ اس مخلول کی خاصی مقدار بھیجی تھی جس کی بوجانوروں کو ہم سے دور رکھتی تھی۔ دو گھنٹے بعد ہم نیلے کے عقب سے ہوتے ہوئے اندر جنگل میں جانے لگے۔ میں نے کوشش کی تھی کہ نیلے سے دور سے گزروں مگر ساتھ ہی وہ نظر میں بھی رہے کیونکہ اسی کی مدد سے میں اس جگہ پہنچتا۔ جنگل میں آتے ہی سب نے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔

ربیک جن سپاہیوں کو ساتھ لایا۔ وہ سب مضبوط صحت مند اور تونمند نوجوان تھے۔ ان کے سخت ابھرے ہوئے مسلز ان کی سخت جانی کی گواہی دے رہے تھے۔ ان میں سے دو پتھر کے بھاری تھوڑے ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا جانتے تھے۔ ایک رسی کے سرے پر بندھا بھاری پتھر گھا کر مارنے کا ماہر تھا اور باقی تین عام لڑاکے تھے مگر وہ بھی تیر اندازی اور نیزے بازی کے ماہر تھے۔ اب ہم سب ملا کر تیرہ جنگجو تھے اور ساشا آخری فرد بھی مگر

وہ لڑنا نہیں جانتی تھی۔ تیل کے پیچھے سے ہو کر ہم گھنے جنگل میں داخل ہوئے تو میں شمال کی طرف مڑ گیا۔ یہاں درخت اتنے اونچے اور گھنے تھے کہ روشنی بمشکل ہی نیچے تک آرہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ یہاں سبزہ سبزہ میں ہونے والا فوٹوسین تھیس کا عمل بہت اعلیٰ درجے کا ہوگا ورنہ ہنا دھوپ کے اتنا زیادہ سبزہ ہونا ممکن نہیں تھا۔

یورپ اور کینیڈا کے وہ خطے جہاں سال کے بیشتر وقت آسمان پر بادل رہتے ہیں۔ ان خطوں میں پانی جانی والی نباتات کو بھی اعلیٰ درجے کے فوٹوسین تھیس کے عمل سے کام لینا پڑتا ہے۔ مگر باقی دنیا میں پائے جانے والے پودوں اور درختوں کو پھر بھی سورج کی روشنی ملتی ہے۔ مگر ان پودوں اور درختوں کو یہ روشنی بالکل نہیں ملتی تھی۔ اس کے باوجود یہاں سبزے کی بہتات تھی۔ سبز رنگ کا ہر شید یہاں موجود تھا۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ جنگل میں سفر بالکل خاموشی سے ہونا ہے۔ اس لیے سب خاموشی سے سفر کر رہے تھے اور کوئی آپس میں بات نہیں کر رہا تھا۔ ساٹھ درمیان میں تھی اور وہ صبح سے اب تک یوں لا تعلق بنی ہوئی تھی جیسے ہماری قیدی ہو اور مجبوراً ہمارے ساتھ آئی ہو۔ اس نے مجھ سے یا کسی بھی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہم میں سے بھی کسی نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا اور جب سے میں نے خطا رہنے کو کہا تھا تو ریک اور ایرٹ بھی اس سے دور تھے۔ مجھے یہ بات درست نہیں لگی۔

یہاں چپ رہنے کی مجبور تھی مگر میں نے سوچ لیا کہ جب ہم محفوظ جگہ پہنچ جائیں گے تو میں ایرٹ اور ریک کی ڈیوٹی لگا دوں گا کہ وہ اس سے بات کریں اور اسے بات کرنے پر مجبور کریں۔ آدمی کے اندر کیا ہوتا اس کا پتا اس کے عمل یا زبان سے چلتا ہے۔ عمل سے پتا چلنے کی صورت میں دیر ہو چکی ہے۔ زبان سے آدمی قبل از وقت بھی ہوشیار ہو سکتا ہے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم اس چٹان تک پہنچ گئے جو یہ ظاہر چڑھائی کے قابل نہیں تھی اور اس کے ساتھ ہی وہ بڑا سکا کھائی نما کنواں تھا جس کی گہرائی نامعلوم تھی۔ میں نے یہ سفارات میں کیا تھا اور چٹان بھی رات میں دیکھی تھی۔ پھر اس پر چڑھنے کی کوشش روہیر نے کی تھی اور ناکام رہی تھی میرا خیال تھا کہ میری کوشش ناکام نہیں رہے گی۔ ایک بار کوئی ایک فرد بھی اوپر پہنچ جاتا تو باقیوں کے لیے کام آسان ہو جاتا کیونکہ ہم کام آسان کرنے والی چیز یعنی رسی اور لکڑی سے بنی ہوئی سیڑھیاں ساتھ لائے تھے۔ چٹان کوئی ستر فٹ بلند اور اس کا گھیرا کوئی سو سے ڈیڑھ سو گز بیضوی قطر کا تھا۔ میں نے ریک سے کہا۔

”ہمیں اس پر چڑھنا ہے۔“

ایرٹ نے کہا۔ ”میں یہ کام کر لوں گا۔“

اس نے اپنا سامان اتار اور رسی کا ایک لچھالے کر چٹان پر چڑھنے کے لیے مناسب جگہ تلاش کرنے لگا۔ چٹان تقریباً سیدھی اور اس کی دیواریں مسطح تھیں۔ ان میں رخنے بہت کم تھے مگر ریک نے ایک جگہ تلاش کر لی جہاں سے وہ اوپر چڑھ سکتا تھا اور اس نے چڑھنا شروع کر دیا۔ وہ خالی ہاتھ اور پاؤں استعمال کر رہا تھا اس نے اپنا چری جوتا بھی اتار دیا تھا۔ تقریباً پچاس فٹ کے بعد ایک جگہ ہاتھ یا پاؤں جمانے کے لیے کوئی جگہ نظر نہیں آئی۔ سوائے بالکل ٹاپ کے ایک ابھرے ہوئے پتھر کے اور ریک اپنا جسم ٹٹولنے لگا۔ میں، ایرٹ اور دوسرے نیچے موجود اسے دیکھ رہے تھے ہم تیار تھے کہ وہ گرے تو زمین کے بجائے وہ ہمارے ہاتھوں میں آئے اور شدید چوٹ سے محفوظ رہے۔ مجھے یہ خطرناک لگا تھا اور میں نے نیچے سے کہا۔ ”ریک احتیاط سے۔“

مگر اس نے کوشش کی جہاں اس کے پاؤں جسے ہوئے تھے اس نے وہاں سے خود کو پوری قوت سے اوپر اچھالا اور اس کا ہاتھ پھر تک پہنچا مگر اس پر جم نہ سکا۔ ایک ہلکی سی جھج کے ساتھ وہ نیچے آیا اور ہم سب تیار تھے ہمارے ہاتھ ایک دائرے کے صورت میں پھیلے تھے اور وہ اس دائرے پر گرا۔ جھجکے سے سب کے ہاتھ نیچے گئے اور ریک پھر زمین پر گرا۔ مگر ہاتھوں نے اس کے گرنے کی رفتار کو اتنا کم کر دیا تھا کہ وہ زمین پر گرا تو کوئی خاص چوٹ نہیں آئی اور وہ کپڑے جھماٹتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اسے معمولی سی چوٹیں آئی تھیں۔ البتہ ہم سب اپنے ہاتھ سہلا رہے تھے جن کو جھٹکا آیا تھا۔ ریک نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ ”میں ناکام رہا۔“

”کوئی بات نہیں تم نے کوشش پوری کی اور اوپر تک پہنچ بھی گئے تھے۔“ میں نے اسے تسلی دی۔ اسی لمحے ایڑٹ نے حیرت سے کہا۔

”ارے اسے دیکھنا۔“

تب ہم نے دیکھا کہ ساشا چٹان پر چڑھ رہی تھی۔ اس نے ایک اور راستہ اختیار کیا تھا۔ یہ زیادہ مشکل تھا کیونکہ اس میں ہاتھ پاؤں جمانے کی جگہیں نہیں تھیں مگر اس کی دیوار کسی قدر کھردری اور زیادہ تر جھجی تھی۔ ساشا کسی چھپٹلی کی طرح اس پر چاروں ہاتھوں پاؤں جماتی اوپر جا رہی تھی۔ اسے چھریے جسم اور ہلکے وزن کا فائدہ بھی تھا۔ اس جگہ کا پہلا چالیس فٹ کا مرحلہ دشوار تھا اس کے بعد یہ اوپر ہی حصے میں زیادہ ڈھلان ہو جاتی اور اس ترکیب سے اس پر چڑھنا آسان ہو جاتا۔ اب ہم سب اس جگہ کے نیچے جمع تھے کہ ساشا کے گرنے کی صورت میں اسے بچا سکیں۔ مگر وہ نہایت مہارت سے منٹوں میں چٹان کے آخری حصے میں پہنچ گئی اور اب وہاں چٹان سے بالکل چپک کر سست روی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ہماری نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ ڈھیلے اور مشکل لباس میں اس نے یہ کام اس طرح کیا تھا جیسے وہ اس کی عادی ہو۔

پھر اس نے یہ آخری مرحلہ بھی عبور کر لیا اور چٹان کے اوپر چڑھ گئی۔ چند لمحے بعد اس نے رسی نیچے پھینکی۔ ریک رسی کے سہارے اوپر گیا اور اس نے رسی اور کڑی سے بنی ہوئی رسی نیچے پھینکی۔ ہم ایک ایک کر کے سامان سمیت اوپر جانے لگے اور پندرہ منٹ بعد سب ہی چٹان کے اوپر تھے۔ چٹان اوپر سے نہ صرف ہموار تھی بلکہ بعض جگہوں سے کناروں ابھرے ہوئے تھے۔ اس کے وسط میں پیالہ نما نشیب تھا جس میں گزشتہ بارش کا کائی زدہ پانی جما ہوا تھا۔ مگر چٹان پر کہیں بھی سبزہ نہیں تھا یہ مکمل سنگی چٹان تھی اور اوپر سے ہموار ہونے کے باوجود اس پر نہ تو مٹی جمی اور نہ ہی سبزے نے جڑ پکڑی تھی۔ اصل میں یہ چٹان چٹانوں کے سلسلے کا آغاز تھی اور یہاں نباتات اور مٹی نہ ہونے کے برابر تھی اسی وجہ سے چٹان مٹی اور پودوں سے محروم تھی۔ اس کا ایک حصہ گہرے کنویں کے بالکل ساتھ لگتا تھا اور ساشا اس وقت اسی کنویں میں جھانک رہی تھی۔ میں اس کے پاس چلا آیا۔

”تم نے کمال کر دیا۔“

اس نے سرسری سے انداز میں میری طرف دیکھا۔ ”مجھے بچپن سے شوق تھا میں بابا کے ساتھ آرگون سے باہر جاتی تھی اور چٹانوں پر چڑھتی تھی۔“

میں نے بھی سرسری سے انداز میں پوچھا۔ ”تمہیں ہتھیار چلانا آتے ہیں۔“

اس نے عجیب لہجے میں جواب دیا۔ ”اگر انسان کسی کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لے تو ضروری نہیں ہے اسے

ہتھیار چلانے آتے ہوں۔“

میں نے اپنا لہجہ بدستور سرسری رکھا۔ ”ایک ایسا شخص جسے ہتھیار چلانے نہیں آتے اگر وہ کسی کے قتل کا فیصلہ کرتا ہے تو لازمی اس کے پیچھے کوئی بہت بڑی وجہ ہونی چاہیے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے آدمی کس وجہ سے کسی کو قتل کر سکتا ہے؟“

”اگر دوسرے نے آپ کے کسی عزیز کو قتل کیا ہو یا خود آپ کی جان کے لیے خطرہ بن گیا ہو۔“

وہ جب مجھے دیکھتی اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا ساپاٹ پن آ جاتا تھا۔ اس وقت بھی اس کی آنکھیں ساپاٹ تھیں۔ وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر جھٹکے سے مڑ کر وہاں سے چلی گئی۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یہ لڑکی وہ نہیں تھی جو بہ ظاہر نظر آتی تھی۔ سوچتے ہوئے میں نے کنویں میں جھانکا۔ اس وقت دو پہر تھی اور سورج کو وادی کے عین اوپر ہونا چاہیے تھا۔ وادی میں سب سے زیادہ روشنی اسی وقت ہوتی ہے مگر یہ روشنی بھی کنویں کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر تھی۔ چٹان پر کچھ پتھر پڑے تھے میں نے ایک پتھر اٹھا کر کنویں میں اچھالا اور میں حیران رہ گیا جب مجھے اس کے گرنے کی آواز بھی نہیں آئی۔ کنواں اتنا گہرا تھا کہ اس میں اتنی بلندی سے گرنے والے پتھر کی آواز تک باہر نہیں آ سکتی۔ حالانکہ کئی کلو گرام پتھر خاصہ دھماکے سے تہہ سے ٹکرایا ہوگا۔ مگر فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ آواز اسے طے کر کے یہاں ہماری سماعتوں تک نہیں آ سکتی تھی۔

ریک میرے پاس آیا۔ ”یہ جگہ محفوظ ہے لیکن یہ آرگون اور ہمارے قلعوں سے بہت فاصلے پر ہے۔“

”مگر ہمیں جس جگہ جانا ہے اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔“

”ہمیں کہاں جانا ہے؟“

”جلد میں بتاؤں گا مگر فی الحال اس کے بارے میں مت پوچھو۔“

”مجھے رویہ کا خیال آرہا ہے اسے لے جانے والے درندے لوگ ہیں اور وہ اس کے ساتھ بدترین

سلوک کر سکتے ہیں۔“

”ہمیں ذہنی طور پر اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔“ میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”صرف رویہ نہیں اس وقت آرگون کے بے شمار لوگ اور خاص طور سے عورتیں ان کے ظلم کا شکار ہیں۔ ہم رویہ کے لیے کچھ نہیں کر سکتے مگر ان تمام مظلوم لوگوں کے لیے یقیناً کر سکتے ہیں جو ریٹائٹ اور اس کے گروگوں کے جنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔“

ریک نے سر ہلایا۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہمیں صرف ایک رویہ کے بجائے ان تمام لوگوں کا

سوچنا چاہیے۔“

”ان لوگوں کے بارے میں بتاؤ کیا تمہیں ان پر مکمل اعتماد ہے؟“ میں نے نئے آنے والوں کی طرف

اشارہ کیا۔

”انہیں سامیرا نے چنا ہے اور انہوں نے ان کے ساتھ کچھ کیا بھی تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے کہا کہ

اب میں ان پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتا ہوں۔“

ریک نے بتایا کہ سامیرا ہر نوجوان کو کچھ دیر سامنے بیٹھا کر اس کی دونوں کنپٹیوں پر اپنے ہاتھ جما کر اور

آکھیں بند کر کے بیٹھی رہی تھی۔ شاید وہ ان کے ذہنوں کو جانچ رہی تھی۔ میں نے اسے یاد دلایا۔ ”لیکن ساشا سے محتاط رہنے کو کہا ہے۔“

”اب مجھے لگ رہا ہے سامیرا نے ٹھیک کہا ہے۔ ہم اسے عام سی لڑکی سمجھ رہے تھے اور یہ کتنی آسانی سے چٹان پر چڑھ گئی۔“

”ممکن ہے یہ ہتھیار استعمال کرنا جانتی ہو اس لیے سب اپنے ہتھیاروں کے معاملے میں محتاط رہیں۔“

”میں سب سے کہہ دوں گا۔“ ربیک بولا۔

لکڑی کی سیڑھی سے چٹان پر چڑھنا اور اتارنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ یہ خاص طور سے اور بہت صفائی سے تیار کی ہوئی سیڑھیاں تھیں۔ ہمارے پاس ان کی تعداد تین تھی اور ہر سیڑھی کی لمبائی سو فٹ کے لگ بھگ تھی۔ مگر فی الحال ربیک نے ایک ہی سیڑھی لگائی تھی۔ بہ وقت ضرورت ہم مزید لگا سکتے تھے۔ کھانا کھا کر میں نیچے آیا۔ یہاں پانی کا منبع نظر نہیں آ رہا تھا اور ہمیں جلد یا بدیر پانی کی ضرورت پڑ جاتی۔ اس وقت تو ہمارے پاس خاصی مقدار میں موجود تھا۔ میں چٹان کے دوسری طرف بڑھا۔ مجھے یاد تھا کہ یہاں اوپر وادی کی دیوار سے آبشار گر رہی تھی اور اس کا پانی یقیناً یہاں کسی جھیل یا ندی کی صورت میں رواں ہوتا۔ مگر سامنے بلند چٹانیں ہونے کی وجہ سے اب وہ آبشار نظر نہیں آ رہی تھی جو فاصلے سے بالکل صاف دکھائی دیتی تھی۔ میں چٹان سے دور ہوا تو مجھے بلند چٹانوں کے عقب میں اڑتا ہوا پانی کا بھاپ نما بادل دکھائی دیا تھا۔

یہ جگہ ہماری چٹان سے کوئی نصف کلومیٹر کے فاصلے پر تھی اور میں اتنی دور اکیلے نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے ایرٹ اور ایمار کو نیچے بلایا اور ہم اس طرف روانہ ہوئے۔ سبزے نے پانی کی موجودگی کا اشارہ کیا اور بالآخر ہم اس چھوٹے دریا نما ندی تک پہنچنے میں کامیاب رہے۔ اس میں پانی بہت شوریدہ اور جھاگ والا تھا۔ اس کی قوت اتنی تھی کہ اس میں تیراکی یا نہانے کا سوچا نہیں جاسکتا تھا۔ اس لیے ہم نے اپنے کرتے اتار کر کنارے سے پانی لے کر خود کو دھویا اور صاف کیا۔ ایک دوسرے کی موجودگی میں ہم پا جاسے نہیں اتار سکتے تھے ورنہ غسل مکمل کر لیتے۔ بہر حال اب بھی طبیعت بہت تازہ ہوئی تھی۔ پانی بہت سرد تھا مگر اس میں زندگی تھی۔ یہ جگہ دور تھی مگر بہت دور بھی نہیں تھی۔ نہادھو کر ہم خوش خوش واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔

میں نے خالی ہونے والے مشینزے منگوا لیے تھے ہم نے وہ بھی بھر لیے اور چٹان کے پاس پہنچے تھے کہ اوپر سے ربیک نمودار ہوا اور اشارے سے ہمیں تیزی سے اوپر آنے کو کہا۔ ساتھ ہی اس نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ میں نے ایرٹ اور ایمار کو اوپر جانے کو کہا اور جب تک وہ چڑھتے رہے میں آس پاس کا جائزہ لیا رہا مگر مجھے کوئی خطرہ محسوس نظر نہیں آیا تھا۔ مگر ربیک اور دوسرے لوگ اوپر تھے اور وہ دور تک دیکھ سکتے تھے انہوں نے یقیناً کسی خطرے کو اس طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ جیسے ہی سب سے آگے جانے والے ایرٹ نے چٹان پر قدم رکھا میں بھی چڑھنے لگا۔ سیڑھی دو افراد کا بوجھ آسانی سے برداشت کر سکتی تھی مگر تین افراد کا بوجھ ڈا مناسب نہیں تھا۔ میں درمیان میں تھا کہ ایمار بھی اوپر پہنچ گیا اور ایک منٹ بعد میں بھی اوپر تھا۔ میرے پوچھ سے پہلے ربیک نے دور شمال مشرقی جنگل کی طرف اشارہ کیا۔

”وہ دیکھیں کچھ ہارن اسی طرف آرہے ہیں۔“

میں نے دیکھا تو آنے والے ہارن ابھی دور تھے اور ان کی تعداد بھی واضح نہیں تھی مگر وہ کم سے کم نصف درجن ضرور تھے۔ وہ تقریباً چلنے کی رفتار سے اسی طرف آرہے تھے۔ لیکن ان کی چہل قدمی کی رفتار بھی خاصی تیز ہوتی ہے۔ انہیں دیکھ کر میرے جسم میں سنسنی کی لہری دوڑ گئی۔ کیا ہارن نے ہماری پناہ گاہ جان لی تھی؟ اگرچہ یہاں ہم محفوظ تھے۔ کیونکہ وہ اس پر کسی صورت نہیں چڑھ سکتے تھے۔ مگر اس چٹان پر محصور ہونے کی صورت میں جلد یا بدیر ہمیں خوراک اور پانی کی قلت کا سامنا کرنا پڑتا۔ ایرٹ نے میرے اوپر آنے کے بعد سیڑھی بھی کھینچ لی تھی اور میری ہدایت پر سب سے کہہ دیا تھا کہ وہ چٹان کے کنارے جانے سے گریز اور کوئی آواز نہ نکالیں جس سے ہارن کو یہاں ہماری موجودگی کا پتا چلے۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ”آپ بروقت آئے اگر کچھ دیر اور ہو جاتی تو آپ اوپر نہیں آ سکتے تھے۔“

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کیونکہ ہارن بے شک معمولی رفتار سے آرہے تھے مگر یہ رفتار پھر بھی خاصی تھی اور اب وہ چٹان سے کوئی نصف کلومیٹر دور تھے۔ اتنے فاصلے سے ان کے لیے ہمیں دیکھ لینا مسئلہ نہیں تھا۔ میں چٹان کے کنارے لیٹا ہوا تھا اور ایرٹ میرے برابر میں تھا۔ ریک ڈرافٹ صلی پر تھا۔ ہم تینوں ہی آنے والے ہارن کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی تعداد چھ تھی۔ اس سے پہلے میں نے صرف دو ہارن دیکھے تھے۔ ایک جو معبد کے کنویں میں قید تھا اور جس کے آگے مجھے پھینکا گیا تھا۔ مگر ابھی اوپر والے کو میری زندگی منظور تھی اس لیے میں بچ گیا تھا۔ پھر دوسری بار ہارن سے سامیرا کے قلعے کے عقب میں واسطہ پڑا اور اس بار بھی میں بچ نکلا۔ مگر دونوں مواقعوں پر میں نے ایک ہی ہارن دیکھا تھا۔ پہلا موقع تھا جو میں اس مخلوق کا پورا ریوڑ دیکھ رہا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ چٹان کے پاس تھے۔ مگر انہوں نے چٹان کے اوپری حصے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ اس کے بجائے وہ غراہٹ بھرے انداز میں شاید آپس میں جو گفتگو تھے۔ میری توجہ ایک بہت کمزور اور لاغر سے ہارن کی طرف گئی تھی۔ اس کی کھال ہڈیوں پر جھول رہی تھی اور اس کے سر اور ایال کے بال سفید ہو رہے تھے۔ ایک موقع پر اس نے منہ اوپر کیا تو اس کے چہرے پر بہت بوڑھے ہو جانے والے انسانوں کی طرح جھریاں بھی نظر آئی تھیں۔ اس کی گدلی آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں۔ ہارن کے آپس کے تبادلہ خیال میں وہ شامل نہیں تھا اور ایک طرف خاموشی سے کھڑا تھا۔ یہ ہارن یا تو بیمار تھا یا پھر بہت زیادہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ باقی تمام ہارن تو منہ اور پوری طرح صحت مند نظر آ رہے تھے۔ وہی آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایرٹ نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ”یہ کس لیے یہاں آئے ہیں۔“

”پتا نہیں مگر مجھے نہیں لگ رہا کہ یہ ہمارے چکر میں یہاں آئے ہیں۔ اگر انہیں ہماری موجودگی کا پتا ہوتا تو یہ ایک بار سر اٹھا کر اوپر تو دیکھتے۔“

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ ایرٹ نے گویا سکون کا سانس لیا۔ ”یہ یہاں ہماری موجودگی سے واقف نہیں ہیں۔ اب یہ جتنی جلد یہاں سے چلے جائیں اتنا اچھا ہے۔“

”مگر یہ کسی نہ کسی کام سے یہاں آئے ہیں۔“ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”اگرچہ یہ جانور ہے لیکن بعض اوقات مجھے انسانوں سے ملتے جلتے بھی لگتے ہیں تم دیکھ رہے ہو یہ آپس میں جیسے بات کر رہے ہیں۔“ ایرٹ نے غور کیا اور سر ہلایا۔ ”ہاں واقعی یہ تو جیسے آپس میں بات کر رہے ہیں۔“

لاغر ہارن کو چھوڑ کر باقی پانچ ہارن ایک دوسرے کی طرف منہ کیے تابلہ خیال کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ اور سروں کی جنبش سے ایسا ہی لگ رہا تھا کہ وہ آپس میں بات کر رہے ہیں مگر ہمیں جو سنائی دے رہا تھا وہ صرف غراہٹیں تھیں۔ کس غراہٹ میں کیا مفہوم پوشیدہ ہے یہ صرف ہارن جان سکتے تھے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ انسانوں کے علاوہ جانور بھی آپس میں بات کرتے ہیں مگر ان کی زبان میں الفاظ بہت کم اور صوتی تاثر سے عاری ہوتے ہیں۔ سمندری مخلوق ڈولفن اور بڑی ڈھیل مچھلیاں بھی آپس میں گفتگو کرتی ہیں اور ان کی زبان میں خاصے الفاظ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مچھلی شکار دیکھ لے یا کسی مشکل میں گرفتار ہو تو وہ مخصوص الفاظ کے ذریعے اپنی ساتھیوں آگاہ کرتی ہے۔ تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ دوسری مچھلی اس پر فوراً

رو عمل ظاہر کرتی ہے۔ ڈھیل کا شکار کرنے والے بعض بڑے فشنگ ٹرالرز پانی میں ان ہی ریکارڈ شدہ آوازوں کا ٹیپ چلا کر ڈھیل مچھلیوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں اور پھر ان کا شکار کرتے ہیں۔

یہاں ہارن بھی جس طرح آوازوں کے ساتھ جسمانی رو عمل دے رہے تھے اس سے لگ رہا تھا کہ وہ باقاعدہ گفتگو یا بحث کر رہے ہیں اور میری چھٹی جس نے اطلاع دی کہ یہ گفتگو یا بحث کا موضوع وہی کمزور اور بوڑھا ہو جانے والا ہارن تھا۔ جواب رحم طلب نظروں سے اپنے ساتھیوں کو دیکھ رہا تھا۔ مگر یہ مخلوق جس طرح انسانوں کے لیے رحم سے عاری تھی اسی طرح اپنے ہم جنسوں کے لیے بھی بے رحم تھی۔ ان کی بے رحمی کچھ ہی دیر میں کھل کر سامنے آگئی۔ جب انہوں نے متفقہ فیصلے پر پہنچنے کے بعد لاغر اور بوڑھے ہارن سے کچھ کہا اور وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر نحیف آواز میں غرانے لگا۔ وہ شاید ان سے التجا کر رہا تھا مگر وہ اس کی التجا سننے کے نہیں بلکہ اپنے فیصلے پر عمل کرانے کے موڈ میں تھے۔ انہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا اور ایک طرف دھکیلنے لگے۔ پہلے تو ہم سمجھ نہیں کہ وہ اسے کس طرح لے جا رہے ہیں مگر کچھ دیر میں واضح ہو گیا۔ ریک نے بے ساختہ کہا۔

”یہ اسے کنویں کی طرف لے جا رہے ہیں۔“

واقعی وہ اسے دھکیل کر کنویں کی طرف لے جا رہے تھے اور لاغر ہارن مزاحمت کی کوشش کر رہا تھا مگر ان پانچ تو مند اور طاقتور ہارن کے سامنے اس کی کوشش سیلاب پر بہنے والے تنکے کی مدافعت سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ اب رونے والے انداز میں غرار ہا تھا اور خود کو روک رہا تھا مگر ہر دھکے پر جو اسے کسی ہارن کی طرف سے دیا جاتا تھا وہ کنویں کے نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ انہوں نے اسے یوں گھیر رکھا تھا کہ اس کے فرار کی راہ بھی مسدود کر دی تھی۔ اگر وہ کسی سے بچ کر واپس آنے کی کوشش کرتا تو دوسرے کو اپنی راہ میں حائل پاتا۔ وہ لمبی دھکیلتے ہوئے وہ اسے کنویں کے کنارے لے آئے۔ اس منظر کو واضح دیکھنے کے لیے ہم بھی چٹان پر ان کے ساتھ ساتھ گھوم رہے تھے۔ اب لاغر ہارن کنویں کے بالکل کنارے کھڑا تھا اور باقی ہارن نے اسے دھکیلتا بند کر دیا تھا مگر ساتھ ہی وہ اس کے سامنے کسی سنگی دیوار کی طرح جھبے ہوئے تھے۔ میں نے ایرٹ، ایمار اور ریک سے کہا۔

”یہ اسے کنویں میں کودنے کا کہہ رہے ہیں۔“

”مگر کیوں؟“ ایرٹ بولا۔

”شاید یہ بہت بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہے یا پھر اس سے کوئی ایسی حرکت ہوئی ہے جس کی سزا میں یہ اسے

نیچے پھینکنا چاہتے ہیں۔“

”ان کا انداز بتا رہا ہے کہ یہ اس سے خود کو د جانے کی توقع کر رہے ہیں۔“ ایرٹ بولا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ میں نے کہا۔ ہارن ہمارے بالکل نیچے کوئی سو فٹ کے فاصلے پر تھے۔ ان کے خیال سے ہم بہت ہی دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ اگر وہ آپس میں محو نہ ہوتے تو شاید ہماری آواز سن لیتے۔ مگر اس وقت انہیں اس کام کی پڑی تھی جس کے لیے وہ یہاں آئے تھے اور اب اس کی تکمیل چاہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ لاغر ہارن کودنے پر آمادہ نہیں ہے تو ایک دیوار کی طرح دباؤ ڈالنے کے لیے اس کی طرف بڑھے۔ اس کے قدم لڑکھڑانے لگے اور وہ کنارے پر جے رہنے کی اپنی کوشش میں ناکام ہو رہا تھا۔ اچانک ایک ہارن نے اس کی گردن پر زور سے ہاتھ مارا۔ اس وار میں اتنی قوت تھی کہ لاغر ہارن کوشش کے باوجود خود کو نیچے جانے سے نہ روک سکا۔ اس کے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکلی اور اس کا جسم کنویں میں گرنے لگا۔

چند ہی لمحوں میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں منتظر تھا کہ اتنے وزنی جانور کے گرنے کی آواز تو آئے گی مگر اس کی آواز بھی نہیں آئی تھی۔ پتا نہیں یہ کنواں بہت زیادہ گہرا تھا یا اس کی تہہ میں پانی تھا جس میں گرنے کی وجہ سے آواز اوپر تک نہیں آتی تھی۔ باقی ہارن ذرا جھک کر دیکھ رہے تھے۔ شاید ان کی نظر اتنی تیز ہو کہ تاریکی میں بھی نیچے دور تک دیکھ سکتی ہو۔ وہ اپنے ساتھی کا انجام دیکھ رہے ہوں۔ چند لمحے بعد وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ یہاں سے جا رہے تھے اور کچھ دیر بعد ہم ان کے خوف سے آزاد ہو جاتے۔ مگر ابھی وہ چٹان کے ساتھ ہی پیچھے ہٹ رہے تھے کہ ہمارے عقب سے جھینک کی آواز آئی۔ یہ آواز اتنی نمایاں تھی کہ تمام ہی ہارن چونک گئے اور انہوں نے اوپر دیکھا۔ ہم چاروں تیزی سے پیچھے ہٹے تھے مگر اتنی تیزی سے نہیں ہٹ سکے کہ ان کی نظروں سے بچ پاتے۔ فوراً ہی ان کی دھاڑ نما غراہٹ بلند ہوئی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو ساشا اپنے منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی اور اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔ جھینک اسی نے ماری تھی۔ اگرچہ جھینک مارنے میں اس کا قصور نہیں تھا۔ مگر اس وجہ سے ہارن اس چٹان پر انسانوں کی موجودگی سے واقف ہو گئے تھے۔ وہ گھوڑوں کی طرح دوڑتے ہوئے چٹان کے ہر طرف گھوم رہے تھے اور شاید کوئی راستہ تلاش کر رہے تھے جس سے وہ اوپر آسکیں۔ مگر یہاں ایسا کوئی راستہ نہیں تھا اور ہارن سے ہمیں فوری کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں نے ہاتھوں کو پیچھے رہنے کو کہا اور خود چٹان کے سامنے والے حصے کی طرف آیا۔ جہاں ہارن موجود تھے اور اوپر ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ غرارہے تھے اور ہنکار رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی ان کا جوش و خروش بڑھ گیا تھا۔ ایک تو باقاعدہ لکار دے رہا تھا کہ نیچے آجئے دیکھتے ہیں۔ مگر میرا اس کی لکار قبول کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ انہوں نے بھی چند منٹ کی بھاگ دوڑ کے بعد جان لیا کہ اس بلند چٹان پر چڑھنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ مگر انہیں معلوم تھا کہ ہم کبھی نہ کبھی چٹان سے ضرور اتریں گے اور وہ اسی خیال سے چٹان کے آس پاس کھڑے ہو گئے۔ ریبک اور ایرٹ میرے پاس چلے آئے تھے۔ ریبک نے تشویش سے کہا۔

”یہ جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔“

”اس کینہ پرور جانور کو میں نے جتنا دیکھا ہے یہ انسان کو دیکھ لینے کے بعد اسے مارنے کی انتہائی کوشش کرتا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”یہ اتنی آسانی سے جان نہیں چھوڑیں گے۔“

ابھی الفاظ میرے منہ میں تھے کہ کہیں دور سے ایک آواز بلند ہوئی اور مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے یہ آرگون کے مخصوص قمرنے کی آواز تھی جو جنگ یا کسی ہنگامی موقع پر بجایا جاتا تھا۔



”اعلانِ جنگ۔“ ربیک نے سرسراہتی آواز میں کہا۔

میرے ذہن میں فوری آرگون کا خیال آیا مگر اس خیال کے راستے میں یہ ہارن موجود تھے۔ قرنا پھونکنے جانے کا مطلب تھا کہ آرگون کی فوج حرکت میں آنے والی تھی اور اس فوج کو سامیرا کے قلعوں تک پہنچنے میں نصف دن بھی نہیں لگتا۔ مگر باقاعدہ ساز و سامان اور حملے کی مکمل تیاری میں شاید انہیں قلعوں کے سامنے کچھ وقت لگتا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اگر ریٹات کرات کے وقت جنگ کا ارادہ نہیں تھا تو حملہ اگلی صبح ہی ہوتا۔ اس سے سامیرا کی فوج کو اپنی تیاری مکمل کرنے کا موقع مل جاتا۔ دفاعی انتظامات ایسے تھے کہ سامیرا کی فوج اگر ذرا بھی استقامت سے کام لیتی تو ریٹات کی فوج کو کئی دن روک سکتی تھی اور اتنا وقت میرے لیے کافی ہوتا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ آرگون میں داخل ہوتا اور ریٹات اور اس کے ساتھیوں تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔

ساماشا نے بتایا تھا کہ فوج کا زیادہ تربیت یافتہ حصہ ریٹات نے اپنی اور سرکاری علاقے کی حفاظت کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ اس صورت میں ہمیں اندر کہیں زیادہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا مگر یہ اس لحاظ سے اچھا تھا کہ سامیرا کی فوج کو ریٹات کی کم تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ کرنا پڑتا۔ قمرنے کی آواز نے سب کو ہی بے چین کر دیا تھا۔ ان نوجوانوں کے گھربار اور رشتے دار قلعوں میں تھے اور فطری طور پر انہیں سب سے زیادہ فکر اپنے گھروالوں کی تھی۔ ایک نوجوان نے آگے آکر کہا۔ ”ہمیں فوراً قلعوں کی طرف جانا چاہیے۔“

ایرٹ نے اس سے کہا۔ ”قلعوں میں لڑنے کے لیے بہت ساری فوج موجود ہے اور وہاں ہماری موجودگی اتنی ضروری نہیں ہے جتنا ضروری ہے باز کا ساتھ دینا ہے۔“

”بالکل۔“ ربیک نے اس کی تائید کی۔ ”ہم اسی لیے یہاں ہیں کہ شہباز کا ساتھ دیں اور جو یہ کہے اس پر عمل کریں۔ ہمیں بھول جانا چاہیے کہ پیچھے ہمارے گھربار اور رشتے دار ہیں۔“

”ہم ان ہی کے لیے تو نکلے ہیں۔“ ایما نے کہا اور میری طرف اشارہ کیا۔ ”یہ شخص ہمارا کچھ نہیں لگتا اس کے باوجود ہمارے لیے لڑنے کو تیار ہے۔ کیا ہم اسے اس وقت اکیلا چھوڑ دیں۔“

”نہیں..... ہرگز نہیں..... بالکل نہیں۔“ کچھ آوازیں ابھریں۔

”تب ہمیں اس کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔“ ایرٹ بلند آواز سے بولا۔

”دینا چاہیے..... دینا چاہیے۔“ اس بار سب ہی چلائے تھے۔ ”ہم سب شہباز کے ساتھ ہیں۔“

ساماشا عجیب سی نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی اس نے اس دوران میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ”تم کیا کہتی ہو کیا تم میرا ساتھ دو گی؟“

وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ہاں میں تمہارا ساتھ دوں گی۔“

مجھے اس کا انداز ذرا مختلف لگا۔ مگر موقع نہیں تھا کہ میں اس پر غور کرتا۔ میں نے حکم دیا۔ ”تب ہمیں یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے ہمیں آرگون جانا ہے۔“

”ہم آگوں کیسے جاسکتے ہیں؟“ ربیک نے بے یقینی سے کہا۔ ”اس کے چاروں طرف فصیل اور اس پر پہرہ ہوگا۔“

”ایک راستہ ہے جس سے ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر آگوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔“ میں نے کہا۔
 ”مگر پہلا مرحلہ یہاں سے نکلنا ہے اور اس کے لیے ہارن کو یہاں سے ہٹانا ہوگا۔“
 ہارن بذات خود ایک بڑا مسئلہ تھے اور ہماری ساری قوت بھی ان کے خلاف بیکار تھی۔ انہیں یہاں سے ہٹا کر ہی ہم نکل سکتے تھے اور یہ بھی ضروری تھا کہ وہ ہمارے پیچھے نہ آنے پائیں۔ ایرٹ نے تجویز پیش کی۔ ”ہم اوپر سے تیرا رہتے ہیں۔“

”غیر منظم تیر اندازی کا ان پر اثر نہیں ہوگا۔ چند ایک تیر لگے بھی تو اس کے بعد یہ دور ہٹ جائیں گے جہاں تک تیر نہ جاسکیں۔“

میرے انکار پر ربیک نے پوچھا۔ ”پھر ہم کیا کریں سامنے سے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“
 ”ہمیں پیچھے کی طرف کوئی راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔“ میں نے چٹان کے عقب میں دیکھا۔ ویسے تو چٹان چاروں طرف سے الگ تھی مگر اس کے عقب میں ایک جھوٹا سا حصہ زمین سے خاصی بلندی پر دوسری چٹانوں تک جا رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ”اگر ہم اس کی مدد سے پیچھے چٹانوں تک جاسکیں تو ہارن کی نظروں میں آئے بغیر یہاں سے نکل سکیں گے۔“
 ”اس پر اترنا آسان نہیں ہوگا۔“ ربیک نے کہا۔

”ہم کوشش کر سکتے ہیں۔“ ایرٹ نے اپنا ترکش اور کمان رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک رسی باندھی اور اس کے سہارے نیچے اترنے لگا۔ اس دوران میں چند نوجوان ہارن پر نظر رکھے ہوئے تھے کہ ان میں سے کوئی اس طرف نہ آجائے۔ اگرچہ یہ مختصر سی جگہ زمین سے خاصی بلند لگ رہی تھی مگر کیا کہا جاسکتا تھا کہ ہارن اس تک رسائی حاصل کر لیں۔ ایرٹ خاموشی سے جا رہا تھا چند منٹ میں وہ اس جھوٹے سے حصے پر تھا اس نے رسی ڈھیلی کی اور آگے جانے لگا۔ اوپر جاتے ہوئے پتھر کا یہ ٹکڑا مختصر اور سیدھا ہوتا جا رہا تھا۔ آگے چڑھنا دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں ایرٹ کی مہارت کام آئی اور وہ کسی نہ کسی طرح دوسری طرف موجود چٹان پر چڑھ گیا۔ سب سے پہلے اس نے چٹان کا جائزہ لیا کہ وہ محفوظ ہے یا نہیں اور اس کے بعد اشارے سے ہمیں اس پر آنے کو کہا۔ وہ جو رستی ساتھ لے کر گیا تھا، اس نے اسے ہی کہیں باندھ دیا اور اب دوسرا کوئی اس رستی کے سہارے با آسانی اس چٹان تک جاسکتا تھا۔

ہم باری باری چٹان پر جانے لگے اور اس دوران میں ہارن کی نگرانی جاری رہی تھی۔ وہ ہماری سرگرمی سے بے خبر تھے، مگر وہ زیادہ دیر بے خبر بھی نہ رہتے۔ آخر میں صرف میں، ساشا اور ربیک رہ گئے۔ میں نے ان دونوں کو پہلے جانے کو کہا مگر ربیک نے اصرار کیا کہ پہلے میں جاؤں۔ میں مان گیا۔ پہلے ساشا گئی۔ اس کے پیچھے میں تھا۔ اس دوران میں ربیک نگرانی کر رہا تھا۔ میں چٹان سے نیچے اترا تو ساشا دوسری چٹان پر جانے والے راستے پر تھی۔ اسے چٹانوں پر چڑھنے میں کمال مہارت تھی۔ مگر وہ کہتے ہیں نا کہ تیراک ہی ڈوتا ہے اور شہ سوار گرتے ہیں۔ تو یہاں بھی یہی ہوا تھا۔ وہ اوپر جاتے ہوئے لاپرواہی سے کام لے رہی تھی کہیں کہیں وہ رستی چھوڑ

بھی دیتی تھی ایسے ہی ایک موقع پر اس کے پاؤں تلے موجود چٹان کا ایک حصہ جو یقیناً پہلے سے ہلا ہوا تھا یک دم ہی ٹوٹا۔ وہ لڑکھرائی اور دونوں اطراف میں سے کسی طرف گرنے سے بچنے کی کوشش میں راستے پر گری اور لڑھکتی ہوئی میری طرف آنے لگی۔

ڈھلان پر اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ گرتے ہوئے اس نے چیخ بھی ماری تھی اور پھر اس کے منہ سے مسلسل آواز نکل رہی تھی۔ وہ مجھ سے کوئی بیس بائیس گز آگے گری تھی اور جب وہ نیچے آ رہی تھی تو مجھے لگا کہ وہ راستے پر نہیں رہ سکے گی اور چٹان سے نیچے گر جائے گی۔ اس کے باوجود میں اسے روکنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے رتی دائیں ہاتھ پر پلیٹ لی اور قدم مضبوطی سے راستے پر جمائے۔ میری نظر نزدیک آتی سا شاہ پر لچی ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے چار گز دور تھی جب راستے پر بھی اس کا توازن بگڑا اور وہ بائیں طرف گرنے لگی۔ میں نے آگے کی طرف جست لگائی اور رستی سے تقریباً جھولتے ہوئے نازن کی طرح سا شا کو پکڑ لیا۔ میرے ہاتھ میں اس کا بایاں ہاتھ آیا تھا اور اب وہ اس کے سہارے خلا میں جھول رہی تھی۔ زمین اس کے پیروں تلے کوئی بیس فٹ نیچے تھی۔ اتنی بلندی سے گر کر مرنے کا امکان کم تھا مگر اس کی کوئی ہڈی ٹوٹ سکتی تھی اور سب سے بڑا خطرہ ہارن کا تھا۔ یہاں چٹانوں کے درمیان اتنی جگہ تھی کہ ہارن کوشش کرتے تو اس طرف آسکتے تھے۔ سا شا اب بھی چٹانیں مار رہی تھی۔ میں نے کہا۔

”چینو مت ہارن یہاں آسکتے ہیں۔“

یک دم وہ ساکت اور خاموش ہوئی تو میں سمجھا میری بات کا اثر ہو گیا ہے۔ رستی میری کلائی پر لپٹی ہوئی تھی اور میں نازن کی ہی طرح ہی جھولتے ہوئے واپس آیا تھا۔ مگر سا شا کے پاؤں ابھی راستے پر نہیں آئے تھے وہ بدستور راستے کے بائیں طرف جھول رہی تھی۔ یہ ادھر بندھی رستی کی پوزیشن کا کمال تھا کہ جب اس پر پاؤں زور آیا تو یہ اس طرف ہو گئی جس طرف بندھی ہوئی تھی اور اب ہم دونوں ہی راستے سے دور ہو گئے تھے۔ البتہ میں چٹانی دیوار سے آکر لگا تھا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ میں راستے سے کوئی دو گز کی دوری پر اور کوئی دو گز ہی نیچے خلا میں تھا اور سا شا میرے ہاتھ کے سہارے بالکل ہی خلا میں تھی۔ میری پشت دیوار سے رگڑ کھا رہی تھی مگر اس کے پاس جسم نگانے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں اسے جھلا کر اوپر لے جانے کی کوشش کرنے کا سوچ رہا تھا کہ ٹاپوں کی مخصوص آواز آئی اور میں ساکت ہو گیا۔

تب میں نے اس ہارن کو دیکھا جسے سا شا نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا اور ساکت و خاموش ہو گئی تھی۔ وہ چٹانوں سے گھومتا ہوا ہم سے کوئی پچاس گز کی دوری پر نمودار ہوا تھا۔ یقیناً سا شا کی چیخوں نے اس کی رہنمائی کی تھی۔ مگر ابھی اس کی نظر ہم پر نہیں گئی تھی کیونکہ وہ سر جھکا کر زمین کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس وقت سا شا کے پاؤں زمین سے کوئی پندرہ سولہ فٹ کی بلندی پر تھے اور یہ بلندی خطرے کی حد میں تھی۔ میں نے رستی پر زور دیتے ہوئے اپنا جسم جھلایا تاکہ سا شا کو راستے تک پہنچا سکوں۔ اس نے بھی سمجھ لیا کہ میں کیا کوشش کر رہا ہوں اور وہ جھولنے میں میرا ساتھ دینے لگی۔ پہلی کوشش ناکام رہی کیونکہ یہ غلطی میں کی گئی تھی۔ میرا جسم راستے کے نزدیک ہو گیا تھا مگر سا شا پیچھے تھی اور اس کا دایاں ہاتھ راستے سے دور رہا۔ اسی دوران میں ہارن نے ہمیں دیکھ لیا۔ وہ بھڑک کر غرایا اور ہماری طرف لپکا تھا۔

”پاؤں اوپر کرلو۔“ میں نے ساشا سے کہا۔ ”میرے اوپر چڑھنے کی کوشش کرو۔“

ساشا نے سہمی اور گھکیائی ہوئی آواز نکالی اور اپنے پاؤں ممکن حد تک اوپر کر لیے تھے۔ اب وہ دائیں ہاتھ سے میرا کرتہ تھام کر اوپر ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہارن عین ہمارے نیچے آیا اور اس نے دونوں ہاتھ بلند کر کے ساشا کو پکڑنے کی کوشش کی۔ ایک لمحے کو مجھے لگا کہ وہ اسے پکڑ لے گا مگر اس کے ہاتھ ساشا سے ذرا ہی دور رہ گئے تھے۔ اگر اس نے پاؤں اوپر نہ کیے ہوتے تو شاید ہارن کامیاب ہو جاتا۔ پہلی ناکامی کے بعد وہ ذرا پیچھے ہوا اور پھر گھوڑے کی طرح پچھلے پیروں پر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے دوبارہ ساشا پر ہاتھ مارا۔ اس بار وہ اس لیے بچ گئی کہ میں اسے دوسرے بھولے میں اوپر لے گیا تھا۔ ہارن کے ہاتھ ایک بار پھر خلا میں لہراتے رہ گئے تھے۔ ہارن کی وجہ سے ساشا کو راستے کا ہوش نہیں تھا ورنہ وہ کوشش کرتی تو کنارہ تھام لیتی۔ میں کنارہ پکڑنے کو کہتا رہ گیا اور اس نے یہ موقع ضائع کر دیا۔

میں بڑی مشکل پوزیشن میں تھا۔ رتی میری کلائی کے گرد لپٹی ہوئی تھی مگر یہ دونوں چٹانوں پر بندھی تھی اس لیے اس کے بلوں کا زور میری کلائی پر آ رہا تھا۔ اگر یہ ایک طرف بندھی ہوئی تو زیادہ بوجھ میری ہتھیلی کی پکڑ اٹھا لیتی مگر یہاں رتی دو طرف بندھی تھی اور میں تھیلی سے اسے پوری طرح گرفت نہیں لے سکتا تھا۔ میرے وزن کے ساتھ ساشا کا وزن بھی تھا۔ رتی کے دوہرے بندھن کی وجہ سے ہم ٹھیک سے جھول بھی نہیں پارہے تھے۔ ہم واپس آئے اور نیچے ہوتے ہارن کے عین اوپر سے گزرے جو دوسری بار اچھلنے کی تیاری کر رہا تھا اور اس بار اس نے اندازہ کر لیا تھا ہم کب اس کے اوپر سے گزریں گے وہ اسی لحاظ سے اوپر ہوتا۔ وہ بالکل درست وقت پر اچھلا تھا اپنے دونوں پیروں پر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے اپنے خوفناک ہاتھ ساشا کی طرف بڑھائے اور اس بار بظاہر اس سے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

مگر جب ہم اس کے اوپر سے گزر گئے اور اس کے ہاتھ ہم سے دور رہے تو میں اس کرشمے پر حیران رہ گیا تھا۔ میرے حساب سے بچنے کا امکان نہیں تھا اس کے باوجود ہم بچ گئے تھے اور جب ہم جھولنے ہوئے کنارے تک آئے تو مجھے دوسری خوشگوار حیرت کا سامنا کرنا پڑا کہ اب ہم راستے سے اوپر تھے۔ ساشا نے دوسرا موقع ضائع نہیں کیا اور پہلے پاؤں نکائے اور پھر خود بھی بل کھا کر راستے پر چلی گئی۔ میں نے اس کی کلائی چھوڑ دی اور اس کے ساتھ ہی ایک دم مجھے بہت سکون ملا تھا۔ میری کلائی پر آنے والا دباؤ بہت کم رہ گیا تھا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے بھی رتی تھام لی۔ اب اس کا زانو یہ بدل رہا اور میں بغیر جھولے ہی راستے پر جا رہا تھا۔ ساشا کے اترنے کے چند لمحے بعد میں بھی راستے پر آ گیا تھا مگر میں نے رتی نہیں چھوئی تھی۔ کیونکہ میرے قدم ڈگ گارہے تھے۔

یہ سارا کمال ایٹ، ایمار اور دوسرے نوجوانوں کا تھا۔ انہوں نے اپنی طرف والی رتی پکڑ کر کھینچی تو پہلے ساشا ہارن کی دوسری کوشش سے بھی بچ گئی۔ پھر انہوں نے رتی کا زانو یہ بدلتے ہوئے مجھے بھی راستے پر ڈال دیا تھا۔ مشکل سے ایک منٹ کے واقعہ نے مجھے اور ساشا دونوں کو پسینے پسینے کر دیا تھا اور ہماری سانس یوں پھول رہی تھیں جیسے ہم نے میرا تھن میں حصہ لیا ہو۔ ساشا راستے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ گرنے سے اس کا کرتہ رگڑ کے باعث کچھ جگہوں سے پھٹ گیا تھا اور اس کا گلابی جسم جھلک رہا تھا۔ مگر جان بچ گئی تھی۔ اس کے مقابلے میں کرتہ پھٹ جانے یا معمولی چوٹوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ ”تم ٹھیک ہو؟“

”ہاں۔“ اس نے مرتعش لہجے میں کہا۔ ”تم بھی ٹھیک ہو؟“

میں نے سر ہلایا۔ ”اب تم پوری احتیاط سے اوپر جاؤ۔ رتسی مت چھوڑنا۔“

اس نے سر ہلایا اور اوپر جانے لگی۔ ریبک بچھلی چٹان کے اوپر سے جھانک رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔
”تم بھی آ جاؤ اس سے پہلے کہ مزید ہارن یہاں آئیں۔“

ناکام ہارن غضب ناک نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا کیونکہ ہم اس کی پہنچ سے باہر تھے۔ دو تین بار اس نے راستے پر چڑھنے کی کوشش کی مگر جلد اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ راستہ کم سے کم بھی زمین سے بچیں فٹ اوپر تھا۔ مگر ہارن کے یہاں آنے سے ہمیں یہ نقصان ہوا کہ وہ واقف ہو گئے کہ ہم یہاں سے فرار ہو رہے ہیں اور اب وہ آگے کہیں ہمارا راستہ روکتے۔ ساشا کے بعد میں بھی دوسری طرف پہنچا تو ریبک دستوراً ہی چٹان پر تھا اور نیچے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے آواز دی تو اس نے پلٹ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر اشارے سے ہمیں رکنے اور صبر کرنے کو کہا۔ وہ یقیناً ہارن کا جائزہ لے رہا تھا۔ راستے کی طرف آنے والا ہارن بھی باہر چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد ریبک ہماری طرف آیا مگر اس نے رتسی نہیں کھولی تھی۔ چٹان پر چڑھتے ہی اس نے بتایا۔

”وہ کنویں کے گرد گھوم کر آگے جا رہے ہیں۔“

کنواں اس چٹان سے نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ وہ پہلی چٹان کے ساتھ تھا۔ میں نے سوال کیا۔ ”سب گئے

ہیں؟“

”سب چلے گئے ہیں۔“ ریبک نے یقین سے کہا۔ ”ہمارے پاس موقع ہے۔“

”کیسا موقع؟“ ایرٹ نے پوچھا۔

”ہم واپس چٹان پر جا کر اتریں اور یہاں سے نکل جائیں۔“

”لیکن اگر یہ دھوکا ہوا یا ہارن اس دوران میں آ گئے تو؟“ ایما نے اعتراض کیا۔

”اس کا خطرہ تو آگے ہی ہے ہم جہاں اتریں گے وہاں ہارن موجود ہو سکتے ہیں۔ وہ یہاں آتے ہیں اور

اس جگہ کے چپے چپے سے واقف ہیں۔“

”ریبک ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ میں نے تائید کی۔ ”ہارن کا خطرہ ہر جگہ ہے اور ہمیں یہاں سے نکلنے کے لیے

مختصر ترین راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ ویسے ہارن سے بچنے کے لیے ہمارے پاس محلول ہے۔ جس کی بو سے یہ

بھاگتے ہیں۔“

ریبک چونکا۔ ”اے تو ہم بھول گئے تھے۔“

”لیکن مجھے یاد ہے۔“ میں نے کہا۔ ”البتہ اگر ہم صرف اس محلول کے بل بوتے پر ہارن سے بچنے کی

کوشش کرتے تو اس کا امکان تھا کہ وہ ہماری کوشش کسی طرح ناکام بنا دیں۔ ایک آدھ ہارن پر یہ کارآمد ہوتا ہے

لیکن زیادہ تعداد کی صورت میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیا حکمت عملی اختیار کرتے جب کہ ہمیں بہت طویل سفر کر

ہے۔ یعنی ان کے پاس لامحدود وقت اور مواقع ہوں گے کہ وہ ہمیں مار سکیں۔“

ان کا ہارن سے واسطہ نہیں پڑا تھا اس لیے وہ چپ رہے۔ مجھے یاد تھا کہ جس ہارن کے سامنے مجھے پھین

گیا تھا اس نے میرے جسم سے آتی بو کی وجہ سے مجھے ہاتھوں سے پکڑنے کی کوشش نہیں کی مگر اس نے گھوم کر مجھے دھکیلتی سے مارنے کی کوشش ضرور کی تھی اگر ایسی ہی کوشش یہ ہارن کرتے تو ہماری بقا خطرے میں پڑ جاتی۔ ربیک کی تجویز مان لینے کے بعد میں اور ربیک واپس چٹان پر آئے اور ہم نے احتیاط سے سامنے آئے بغیر چٹان کے نیچے کا اور خاص طور سے کنویں کے آس پاس کا جائزہ لیا۔ مگر ہمیں دور تک کوئی ہارن نظر نہیں آیا۔ وہ سچ جج یہاں سے جا چکے تھے۔ لیکن اگر وہ کہیں دور جا بھی چکے تھے تب بھی ان کو واپس آنے میں دیر نہ لگتی اگر انہیں کسی طرح پتا چل جاتا کہ ہم اس چٹان سے اتر آئے ہیں۔ ان کے دوڑنے کی رفتار ہمارے گھوڑے سے زیادہ ہی تھی۔ ان کا بے خبر رہنا ہی ہماری بقا کی ضمانت تھی۔ میں نے دور جنگل کی طرف اشارہ کیا۔

”ہمیں وہاں تک پہنچنا ہے اس کے بعد ہی ہم محفوظ ہو سکتے ہیں۔“

ربیک نے سر ہلایا۔ ”تب ہمیں فوری روانہ ہو جانا چاہیے ہم جتنی دیر کریں گے ہارن کی واپسی کا خطرہ اتنا ہی بڑھ جائے گا۔“

”ہم باری باری نیچے اتریں گے اور جب ایک جنگل تک پہنچ جائے گا تو دوسرا اترے گا۔“

”اس میں بہت وقت لگ سکتا ہے۔“ ربیک نے نقطہ اٹھایا۔

”اس صورت میں دودھ کر کے روانہ ہوں گے۔“ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”اس سے زیادہ نہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“

”جو پہلے جائیں گے ان کے پاس محلول ہوگا۔ کسی خطرے کی صورت میں وہ فوری محلول پی لیں اور جب تک جسم سے بوند آنے لگے خود کو ہارن سے دور رکھیں۔“

ربیک نے تائید کی تو میں نے باقی سب کو بھی واپس آنے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک ایک کر کے اسی راستے سے واپس آئے اور آخر میں ایرت رتی کھولتا ہوا آیا تھا۔ ان میں سے کچھ اس فیصلے سے مطمئن نہیں تھے مگر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ ربیک نے سب کو سمجھایا کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔ سب سے پہلے ربیک اور ایک نوجوان جاتے۔ سامیرا نے اس بار محلول کی کئی بوتلیں بھجوائی تھیں۔ ایک بوتل اور کچھ سامان ربیک اور اس کے ساتھی نے لیا۔ وہ رستی اور ککڑی کی سیڑھی کی مدد سے نیچے اترے اور پوری رفتار سے جنگل کی طرف دوڑ پڑے تھے۔ دوسری ٹیم میں ایماں اور ایک نوجوان تھا۔ وہ بالکل تیار تھے جیسے ہی پہلی ٹیم جنگل میں داخل ہوئی وہ بھی نیچے اترے اور دوڑ پڑے۔ اس دوران میں کچھ آس پاس کی گمرانی کر رہے تھے کہ کسی طرف سے بھی ہارن نمودار ہوں تو دوسروں کو خبردار کر دیا جائے۔

حکمت عملی میں یہ بھی شامل تھا کہ کسی ناگہانی کی صورت میں اگر کوئی دوسروں سے بچھڑ جائے تو وہ تباہ ہونے والے ٹیلے تک پہنچے۔ کیونکہ اس صورت میں باقی سب بھی وہیں جائیں گے۔ دوسری ٹیم کے پہنچنے ہی تیسری ٹیم روانہ ہو گئی۔ ہر ٹیم تقریباً چار منٹ میں جنگل پہنچ رہی تھی یوں آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں سب جنگل میں پہنچ جاتے اور اس کے بعد ہم آگے سفر کرتے۔ سب سے آخر میں، میں اور ساشا تھے۔ اس نے کسی اور کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور میرے ساتھ جانے کو کہا تھا۔ جب چھٹی ٹیم بھی چلی گئی تو میں نے سیڑھی اوپر کھینچی۔ اسے لپیٹ کر سامان میں رکھا اور رستی نکال کر اسے ایک ابھرے پتھر کے گرد گھما کر دونوں رسیوں کو ملا کر

چند من دینے اور ساشا سے کہا۔ ”اسے پکڑ کر نیچے اتر دو مگر دونوں رسیاں مضبوطی سے پکڑنا ایک بھی ہاتھ سے نکل گئی تو تم گر جاؤ گی۔“

اس نے سر ہلایا اور نہایت آرام سے نیچے پہنچ گئی۔ پھر میں نے رسی پکڑی اور اسی طرح نیچے آیا۔ رسی کے بل کھولے اور اسے کھینچ لیا۔ اس کا ہنڈل بنا کر شانے پر ڈالا اور ہم بھی جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ساشا آگے دوڑ رہی تھی اور میں اس سے ذرا فاصلے پر تھا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ حالانکہ اس نے بھی کچھ سامان اٹھا رکھا تھا۔ دیکھنے میں وہ خاص نہیں لگتی تھی مگر اب تک میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ جسمانی طور پر بہت فٹ اور اچھے اسٹیمنا کی مالک تھی۔ چٹانوں پر چڑھنے کی مہارت میں دیکھ چکا تھا۔ پھر مشکل وقت میں جب ہارن اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا تب بھی اس نے اپنے حواس بحال رکھے تھے۔ جب کیرٹ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں ساشا کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا تب میں یہ سوچ کر بھی ہچکچایا تھا کہ وہ کمزور لڑکی یہ مشکل ترین سفر کیسے کرے گی۔ مگر اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ کمزور نہیں تھی۔ ہم بھی چند منٹ میں درختوں تک پہنچ گئے جہاں باقی سب بے تابی سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ریک نے کہا۔

”آپ برقت آئے وہ دیکھیں۔“

میں نے پلٹ کر دیکھا تو کنویں والی سمت سے ہارن نمودار ہو رہے تھے۔ شاید انہیں چٹانوں میں ہمارا سراغ نہیں ملا اور شاید ان کے ذہن میں یہی خیال آیا ہو گا کہ کہیں واپس اسی چٹان سے اتر کر فرار نہ ہو جائیں اور ہم نے ایسا ہی کیا تھا۔ ہارن چٹان کے اوپر دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ ان کی نظر کی رسائی سے بہت بلند تھی۔ اچانک ایک ہارن جوزمین پر جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ زور سے غرایا۔ اس کی آواز یہاں تک آئی تھی اور پھر وہ اپنے ساتھیوں کو اشاروں آمیز زبان میں کچھ بتانے لگا۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر جنگل کی طرف اشارہ کیا تو میری چھٹی حس نے مجھے اشارہ دیا اور میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”دوڑو..... پوری رفتار سے۔“

خطرہ سب نے محسوس کر لیا تھا اور میرے کہتے ہی سب حرکت میں آ گئے۔ ہم ایک قطار میں دوڑ رہے تھے اور جنگل کے آڑے ترچھے راستوں میں ہماری رفتار خاصی تیز تھی۔ اس بار سب سے آگے میں تھا اور ساشا میرے پیچھے تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہارن کو زمین پر کوئی ایسا نشان نظر آ گیا تھا جو اس سے پہلے وہاں نہیں تھا اور اسی وجہ سے اس نے سمجھ لیا کہ ہم چٹان سے اتر کر جنگل کی طرف فرار ہو گئے ہیں۔ میں نہیں دیکھ سکا تھا کہ اس کے باقی ساتھی قائل ہوئے یا نہیں اور وہ ہمارے پیچھے آرہے تھے؟ یہ وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوتا، ہم اس یقین کے ساتھ دوڑ رہے تھے کہ پیچھے ہارن ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ٹیلے تک کا سفر مشکل سے پندرہ منٹ میں طے ہو گیا اور جب ہم ندی کے پاس رکے تو سب ہانپ رہے تھے۔ سب نے اپنے خشک ہو جانے والے گلے تر کیے اور دوڑنے سے گرم ہو جانے والے جسموں کو ندی کے سرد پانی سے ٹھنڈا کرنے لگے۔ میں خود ندی کے ساتھ گھاس پر لیٹا ہوا تھا۔

ساشا جوزدیک بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بھی لباس سمیت ندی میں چلی گئی۔ بھیگنے سے کھلا کرتہ اس کے جسم سے چپک رہا تھا۔ روپراستے دن میرے ساتھ رہی مگر اس نے کبھی میرے یا کسی کے سامنے ندی میں غسل نہیں کیا تھا۔ وہ ہمیشہ اکیلے میں غسل کرتی تھی۔ مگر ساشا کو اتنے مردوں کی موجودگی میں ندی میں نہانے میں کوئی شرم محسوس نہیں

ہوئی۔ بلکہ اس کی وجہ سے ربیک اور اس کے ساتھی جھینپ کرندی سے نکل آئے۔ ہم نے پانچ منٹ سے زیادہ آرام کر لیا تھا جو میرے حساب سے کافی تھا۔ اگرچہ ابھی تک ہمارے پیچھے نہیں آئے تھے مگر ان کا خطرہ ملا نہیں تھا۔ میں اٹھا اور منہ ہاتھ دھو کر خود کو تازہ دم کیا اور دوسروں سے مخاطب ہوا۔ ”اب ہمیں قلعوں کی طرف جانا ہے۔“

ربیک چونکا۔ ”مگر آپ نے تو کہا تھا کہ ہمیں آرگون جانا ہے۔“

”ہمیں آرگون ہی جانا ہے لیکن اس سے پہلے ریٹاک کی فوجوں کی پیش قدمی اور جنگ کی صورت حال

دیکھنی ہے۔ ہم مداخلت نہیں کریں گے۔“

اس بار بھی کسی نے اعتراض نہیں کیا وہ سب پوری طرح فرمانبرداری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ دوپہر ہو چکی تھی اور اب سورج شاید مغرب کی طرف جھک چکا تھا۔ ہمیں تاریکی چھانے سے پہلے قلعوں کے پاس پہنچنا تھا تاکہ صورت حال کا واضح جائزہ لے سکیں۔ کھانا بنانے کا موقع نہیں تھا اس لیے سب نے خشک لُنج کیا جو چنوں، پیپر اور میٹھی روٹی پر مشتمل تھا اس بار سامیرا نے پکوا کر بڑی مقدار میں یہ میٹھی روٹی بھیجی تھی۔ یہ خاصہ دن تک محفوظ رہ سکتی تھی اور اس کا ذائقہ خراب نہیں ہوتا تھا۔ اس نے پیپر اور مکھن میرے لیے بھیجا تھا۔ ربیک اور اس کے ساتھی اپنے لیے خشک گوشت لائے تھے۔ اناج تھا اور کچھ خشک کیے ہوئے پھل تھے۔ یہ سب اتنا تھا کہ ہم آرام سے ہفتے بھر گزارا کر سکتے تھے۔

قرنہ کی آواز نے سب کو فکر مند کر دیا تھا۔ اگرچہ ان میں سے کسی کو جنگ کی ہولناکی کا پتا نہیں تھا مگر ان کی چھٹی حس آنے والے مشکل حالات کا پتا دے رہی تھی۔ آج ندی میں خاصی مچھلیاں نظر آئیں مگر کسی کا موڈ نہیں تھا کہ پکڑتا اور نہ ہی وقت تھا۔ ہم مشکل سے دس بارہ منٹ وہاں رکے اور کھاتے ہی روانہ ہو گئے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ہم باغات کی آڑ لیں گے کیونکہ امکان تھا کہ اب دونوں طرف باغات میں کوئی نہیں ہوگا۔ آرگون کی طرف سے خطرہ تھا کہ کوئی صرف ہماری نگرانی کے لیے نہ موجود ہو اس لیے ہم پہلے جنوب کی طرف گئے اور جب قلعوں کی زمین کے پاس پہنچے تو یہاں سے مشرق کی طرف مزے گئے۔ اس جگہ سے قلعوں کے کھیت اور باغات زیادہ فاصلے پر نہیں تھے جب کہ آرگون کے کھیت ہمارے بائیں طرف شمال میں شروع ہو گئے تھے۔

اسی جگہ سے ہم نے ساشا کو حاصل کیا تھا۔ وہ عجیب لڑکی تھی۔ ہمارے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ساتھ نہیں تھی۔ میں نے اس کی جان بچائی تو اس نے جواب میں کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا تھا، شکریہ ادا کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔ مجھے اس کے شکریے کی ضرورت نہیں تھی مگر اس کا یہ رویہ معمولی نہیں تھا۔ شروع میں اس نے میرے بارے میں جس طرح کارِ ردِ عمل دیا تھا اور بے ساختہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا تھا اس کے بعد میرا اس کی طرف سے چونکا رہنا فطری بات تھی۔ میری چھٹی حس رہ رہ کر اشارہ دے رہی تھی کہ وہ جسمانی طور پر ضرور ہمارے ساتھ ہے لیکن اس کا دل و دماغ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ ابتدائی مخالفاانہ ردِ عمل کے بعد اس نے پھر کوئی ردِ عمل نہیں دیا تھا اور اس کا انداز ساٹھ ساٹھ گریزوں کے کھلے ردِ عمل سے زیادہ تشویش ناک تھا۔ ہم قلعوں کی زمین میں داخل ہوئے۔ یہاں کاشت کی جانے والی جنس کاٹ لی گئی تھی۔ مگر دوسری فصلیں ابھی پک رہی تھیں۔ آج یہاں بھی کوئی فرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم باغوں میں داخل ہوئے تو انہیں بھی خالی پایا۔ اس

کے باوجود ہم محتاط تھے کیونکہ اگر سامیرا کی فوج سے سامنا ہوتا تو آرگون کے جنگی لباس کی وجہ سے وہ ہمیں دشمن ہی سمجھتی۔ ہم کوشش کر رہے تھے کہ ایسے مقامات سے گزریں کہ دور سے نظر نہ آئیں۔ ابھی ہم قلعوں سے کوئی تین میل دور تھے کہ ہمیں آرگون کی طرف سے آگے بڑھتی سپاہ نظر آ گئی۔ یہ انسانوں کو بہت بڑا ریلہ تھا جو سامیرا کے قلعوں کی طرف بڑھ رہا تھا اور ان کی تعداد ہزاروں میں لگ رہی تھی۔ بہت منظم اور پوری طرح مسلح سپاہیوں کے اس ریلے کو دیکھ کر میرے تمام ہی ساتھی سہم گئے تھے۔ ربیک نے کہا۔ ”ایسا لگ رہا ہے ریٹاٹ نے اپنی پوری قوت سے حملہ کیا ہے۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ میں نے کہا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

”میں سمجھا نہیں جناب۔“

”ریٹاٹ نے ساری سپاہ باہر بھیج دی ہے اس کا مطلب ہے کہ آرگون اس وقت خالی ہوگا۔“ میں نے وضاحت کی تو ربیک سمجھ گیا مگر اس کی فکر کم نہ ہوئی۔ بہت بڑی تعداد میں جارح فوج کی پیش قدمی کا منظر دیکھنا اور اسے برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا ہے، خاص طور سے جب آپ اس حملہ آور فوج کا نشانہ ہوں۔ میں ربیک اور اس کے ساتھیوں کی فکر مندی سمجھ رہا تھا۔ ان کا گھر اور گھر والے داؤ پر لگے ہوئے تھے۔ اگر خدا نا خواستہ ریٹاٹ کی فوج کا سیلاب ہو جاتی تو سامیرا کے لوگ مارے جاتے اور اگر فوج جاتے تو موت سے بدتر غلامی میں مبتلا ہو جاتے۔ وہ آزادی کا مزہ چکھ چکے تھے اور اس صورت میں یہ غلامی ان کے لیے اور بھی اذیت ناک ہوتی۔ انسانوں اور قوموں کو ایسی صورت حال کا سامنا رہتا ہے اور وہ صرف حوصلے اور کوشش سے ہی اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

یہاں باغات کے درمیان ایک بڑی سی چٹان تھی۔ کسی وجہ سے اسے یونہی چھوڑ دیا گیا تھا ورنہ اس سارے علاقے کو بہت اچھی طرح ہموار اور پتھروں سے صاف کر دیا گیا تھا۔ چٹان کوئی دس بارہ گز لمبی چوڑی اور کوئی سات گز اونچی تھی۔ میں نے باقی سب کو وہیں رکنے کو کہا۔ صرف ربیک اور ایرٹ کو ساتھ لے کر اس کی طرف بڑھا۔ ہم کوشش کر کے اس پر چڑھ گئے اور اندھ سے منہ لیٹ کر ریٹاٹ کی فوج کا جائزہ لینے لگے۔ اتنی بلندی سے یہ منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ سب سے آگے حسب معمول نیزہ بردار تھے۔ ان کی کئی قطاروں کے پیچھے تیر اندازوں کی قطاریں تھیں۔ پھر لشکر کے دوسرے حصے تھے۔ وہ اس وقت آرگون کے کھیتوں اور باغات سے گزر رہے تھے اور انہوں نے فصلوں اور درختوں کو نقصان سے بچانے کے لیے اپنی فوجی ترتیب توڑ دی تھی۔ وہ ان سے بچتے ہوئے چل رہے تھے۔ میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ان کی تعداد کتنی ہے اور مجھے لگا کہ وہ کم سے کم چار ہزار افراد تھے۔

یہاں سے سامیرا کے قلعے اتنے واضح نہیں تھے مگر ایسا لگ رہا تھا کہ وہاں سارے دفاعی اقدامات کر لیے گئے تھے۔ قلعوں کے دروازے بند تھے اور فصیلوں پر تیر انداز موجود تھے۔ آرگون کے سپاہی جس رفتار سے چل رہے تھے ان کو قلعوں کے نزدیک پہنچنے میں مزید ایک گھنٹا لگ سکتا تھا۔ اس وقت تک شام ہو جاتی اور کچھ دیر بعد رات کی تاریکی چھا جاتی۔ تو کیا آرگون کی سپاہ اندھیرے میں حملہ آور ہوتی؟ لیکن اس طرح دن میں سامنے آ کر اندھیرے میں حملہ آور ہونے کی تک سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ امکان یہی تھا کہ حملہ انگلی صبح کیا جائے گا۔ مگر سامیرا

اور اس کی فوج کو کسی بھی وقت حملے کے لیے تیار رہنا چاہیے تھے۔ فوج کے عقب میں کسی قدر کھلی جگہ کچھ بڑی چیزیں حرکت کر رہی تھیں۔ مگر وہ اتنی دور تھیں کہ واضح نہیں تھیں۔ ربیک نے مجھے متوجہ کیا۔ ”وہ کیا ہو سکتا ہے؟“ میں نے غور کیا اور مجھے یہ قسم کی مشینری لگی۔ ”میرا خیال ہے یہ تیر برس آنے والی یا اس قسم کا کوئی کام کرنے والی مشین ہے۔“

یہ مشینری خاصی بھاری تھی اور بہت سُست رفتاری سے حرکت کر رہی تھی۔ ابھی یہ آرگون کے پاس ہی تھی اور اس رفتار سے اسے سامیرا کے قلعوں تک پہنچنے میں چھ سات گھنٹے درکار تھے۔ میں نے گنا۔ مشینوں کی تعداد ایک درجن سے زیادہ تھی اور یہ زمین سے کوئی چار گز اونچی تھیں اسی وجہ سے اتنی دوری سے الگ نظر آ رہی تھیں۔ یہ یقیناً لکڑی سے بنی تھیں اور مجھے فوری آتشیں تیروں کا خیال آیا یہ ان کا آسان شکار بن سکتی تھیں۔ ریٹاک کی فوج کا اکثر ساز و سامان لکڑی کا تھا حد یہ کہ سپاہ کی زرہ بکتر بھی لکڑی کی تھی۔ ایسے میں آگ انہیں بہت زیادہ نقصان پہنچا سکتی تھی۔ میرے ساتھی بھی یہی سوچ رہے تھے۔ ایٹ نے بھی یہی کہا۔

”آپ نے آتشیں تیروں والا جو حربہ ہمیں سکھایا ہے وہ یہاں بہت کام آئے گا۔ ان کا تو سارا ہی سامان لکڑی کا ہے۔“

”یہ درست ہے اس کے باوجود ہمیں صرف آتش تیروں پر انحصار نہیں کرنا چاہیے یہ صرف پیش قدمی سُست کرنے اور جنگ سے پہلے دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی تدبیر ہے۔ اصل جنگ انسانوں کے درمیان ہی ہوگی اور اس میں وہی کامیاب ہوگا جو ثابت قدم رہے گا۔“

انہوں نے ابتدائی خوف کے بعد خود پر قابو پالیا تھا۔ ربیک پُر عزم لہجے میں بولا۔ ”ہم ثابت قدم رہیں گے۔ معاملہ ہماری آزادی اور عزت کا ہے۔ ہم آخر تک لڑیں گے۔“

”اب ہمیں کیا کرنا ہے جناب؟“ ایٹ بولا۔

میں بھی یہی سوچ رہا تھا اور میں نے کہا۔ ”ہمیں دو آدمی آرگون کی فسیل کی طرف روانہ کرنے ہیں جو جائیں اور وہاں کے حفاظتی انتظامات دیکھ آئیں۔“

ان کا خیال تھا کہ میں فوری آرگون کی طرف روانہ ہونے کا فیصلہ کروں گا۔ ان کے لیے میرا یہ فیصلہ غیر متوقع تھا۔ مگر ایٹ نیچے اتر اور اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اس نے ان میں سے دو افراد چنے اور انہیں آرگون کی طرف روانہ کیا کہ وہ وہاں کا جائزہ لے کر آئیں۔ وہ آرگون کی مکمل فوجی وردی میں تھے اس لیے اگر کوئی نہیں دیکھ لیتا تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اس کے باوجود ایٹ نے انہیں چھپ کر جانے کو کہا۔ باقی آدمیوں کو اس نے آس پاس پھیلا کر چھپنے کو کہا تھا کہ اگر کوئی اچانک خطرہ آجائے تو ہم بے خبری میں شکار نہ ہوں۔ پھر وہ واپس چٹان پر آیا۔ روشنی مدہم ہو رہی تھی اور کچھ دیر میں رات آجاتی۔ آرگون کی سپاہ ابھی بھی قلعوں سے دور تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان کا پلان سکون اور اطمینان سے قلعوں کا محاصرہ کرنے اور اس کے بعد کارروائی کا تھا۔ ریٹاک کی سپاہ کو قطعی جلدی نہیں لگ رہی تھی۔

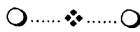
”مجھے فوری جنگ کے آثار نظر نہیں آ رہے۔“ میں نے کہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ ”ربیک کیا تم سامیرا کے قلعے تک جاسکتے ہو؟“

”بالکل جا سکتا ہوں۔“ اس نے مستعدی سے کہا۔ ”میں قلعے کے عقب میں جا کر رشتی کی مدد سے اندر جا سکتا ہوں آرگون والوں کو پتا بھی نہیں چلے گا۔“

”وہ چاروں طرف سے محاصرہ کریں گے۔“ میں نے اسے خبردار کیا۔ ”لیکن ابھی وہ دور ہیں۔ تم جاؤ اور سامیرا تک میرا پیغام پہنچاؤ کہ جنگ میں کسی صورت پہل نہ کی جائے اور دشمن کو نزدیک آنے دیا جائے لیکن ایک بار جنگ شروع ہو تو دفاعی پلان پر پوری طرح سے عمل کیا جائے۔ دوسرے ریناٹ کی فوج میں لکڑی کا سامان بہت زیادہ ہے تیرا انداز دستے آتشیں تیروں سے انہیں نشانہ بنائیں۔ یہ پیغام دے کر جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کرو۔“

ریبک نے سر ہلایا۔ وہ چٹان سے اتر اس نے جنگی وردی اتار کر سفید کرتا پہنا اور دوڑتا ہوا باغات میں غائب ہو گیا۔ ابھی اس کے پاس دو گھنٹے کا وقت تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ریناٹ کی سپاہ تاریکی چھانے تک قلعوں کے پاس پہنچے گی اور محاصرے کا عمل شاید نصف رات یا صبح کے قریب مکمل ہو گا۔ مگر انہیں تینوں قلعوں کو محاصرے میں لینا ہو گا۔ تینوں قلعوں کے درمیان فاصلہ اتنا کم تھا کہ وہ ان کے درمیان میں نہیں آ سکتے تھے انہیں ایک بڑا بیضوی دائرہ بناتے ہوئے تینوں قلعوں کو گھیرنا تھا۔ مجھے امید تھی کہ ریبک یہ کام کر کے دو گھنٹے میں واپس آ جائے گا۔ کچھ دیر میں تاریکی کے آثار نظر آنے لگے اور اس کے ساتھ ہی قلعوں کی طرف مشعلیں روشن کی جانے لگیں۔ ریبک کو بھیجے کی وجہ یہ تھی کہ کہیں سامیرا کے کمانڈرز اعصاب زدہ ہو کر قبل از وقت جنگ نہ چھیڑ دیں انہیں دشمن کے پوری طرح نزدیک آنے کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔

ریناٹ کی سپاہ تاریکی مکمل ہونے تک قلعوں سے کوئی نصف میل کے فاصلے پہنچ گئی اور وہیں رک گئی۔ اس کے بعد اس نے پڑاؤ ڈالنے کا عمل شروع کر دیا۔ وہاں خیمے نصب کیے جا رہے تھے اور قلعوں کی طرف سے کسی حملے کے تذکرے کے لیے لکڑی کی بنی نوکدار دیواریں نصب کر رہے تھے۔ یہ تیار دیواریں وہ ساتھ لائے تھے اور اب انہیں صرف ترتیب سے رکھنا تھا۔ مشعلیں نصب کی جا رہی تھیں اور یہ تیز روشنی والی مشعلیں تھیں جن کی روشنی سو گز تک کے علاقے کو منور کر رہی تھی۔ ایسی ہی مشعلیں قلعوں کی طرف بھی روشن کی جا چکی تھیں۔ اب یہاں خاصی تیز روشنی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر برف والا اوپر سے دیکھ رہا ہو تو اسے میدان جنگ جتنا ہوا دکھائی دے رہا ہو گا۔ اس وادی کے باشندے اپنی تاریخ کے خوفناک ترین معرکے سے دوچار ہونے والے تھے جس میں بہنے والے خون کا ہر قطرہ انہیں ہی کمر و کرتا۔



یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے مذہب، قوم اور رنگ و نسل سے قطع نظر انسانوں کے خون کا بہنے والا ہر قطرہ انسانیت کو کمزور کرتا ہے۔ مگر نفس اور شیطان کے چیر دکار کب بہنے والے خون کی پروا کرتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی موت ان کے نزدیک مہنگا سودا نہیں ہوتا اگر ان کا مفاد حاصل ہو جائے۔ ایسا ازل سے ہوتا آیا تھا اور اب تک ہوتا رہے گا کہ لاکھوں انسان چند افراد کے مفاد یا ہوس اقتدار کی بھیبت چڑھتے رہیں۔ یہاں پر بھی ریناٹ اور اس کا مفاد پرست ٹولہ ایسا ہی ایک کھیل کھیلنے جا رہا تھا۔ تاریکی پھیلنے کے خاصی دیر بعد ریبک نمودار ہوا۔ اس نے چٹان کے پاس آتے ہی تاریکی میں نمایاں ہونے والا اپنا گرتا اتار دیا اور آرگون کی سرخ

وردی پہن کر اوپر آیا۔ وہ خاصا پُر جوش لگ رہا تھا اور اس نے کہا۔ ”میں نے آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور سامیرا نے کہا ہے کہ وہ ایسا ہی کریں گی۔ انہوں نے جوابی پیغام دیا ہے کہ جب تک جنگ کا آغاز نہیں ہوتا آپ یہیں ٹھہریں گے۔“

میں نے اس کی بات پر غور کیا۔ ”کیا یہ سامیرا کی ذاتی رائے ہے؟“

”نہیں انہوں نے کہا ہے کہ ان سے کہا گیا ہے کہ آپ کو یہ پیغام پہنچا دیا جائے۔“

میں سمجھ گیا کہ سامیرا کو برف والے کا پیغام آیا ہوگا۔ مگر میں آرگون کی فوج کے اتنے نزدیک خود کو آرام دہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ لازمی بات تھی پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان کے گشتی دستے آس پاس کا معائنہ کرنے کے لیے نکلتے اور وہ اس چٹان تک بھی آتے۔ ہمیں اس سے پہلے پیچھے ہٹ جانا چاہیے تھا۔ مگر یہاں آس پاس ایسی کوئی جگہ بھی نہیں تھی جہاں سے ہم اتنی آسانی سے آرگون کی فوج پر نظر رکھتے۔ اس لیے میں نے پیچھے ہٹنے کے بجائے طے کیا کہ میرے ساتھی آس پاس چھپے رہیں گے اور میں، ربیک اور ایرٹ کے ساتھ چٹان پر رہوں گا۔ اگر آرگون کی سپاہ میں سے کوئی اس طرف آیا تو ہم خود کو چھپائیں گے اور اگر ظاہر ہونے لگے تو حملہ کریں گے۔ حملے کا سن کر میرے ساتھی پُر جوش ہو گئے اور اسی وجہ سے چھپ کر پہرہ دینے جیسی مشکل ذیونی پر آمادہ ہو گئے۔

ساشا نیچے تھی اور اسے میں نے باغوں کے درمیان دو ساتھیوں کے ساتھ رکھا تھا۔ میں نے کوشش کی تھی کہ وہ آرگون کی فوج کی نقل و حرکت سے بے خبر رہے لیکن میرے ساتھی آپس میں اس بارے میں بات کر رہے تھے اور وہ سن رہی تھی تو اسے یقیناً علم ہو گیا تھا کہ ہم ریٹائٹ کی سپاہ کے بالکل نزدیک ہی کہیں موجود ہیں۔ میں نے اس سے ہوشیار رہنے کو کہہ دیا تھا مگر یہ نوجوان اتنے بھی ہوشیار نہیں تھے جتنا کہ ہونا چاہیے تھا۔ وہ اسے ایک عام اور معصوم سی لڑکی سمجھ رہے تھے۔ ان کے خیال میں اس سے ہوشیار رہنے کی خاص ضرورت نہیں تھی۔ بظاہر وہ ایسی ہی تھی۔ مگر اس میں کوئی ایسی بات تھی جو میں اب تک سمجھ نہیں پایا تھا۔ اس لیے میں اس سے ہوشیار رہنا چاہتا تھا۔ نیچے کہیں سونے کی گنجائش نہیں تھی اس لیے سب کے ساتھ وہ بھی جاگ رہی تھی۔ ہم اوپر چٹان پر لیٹے تھے یہ سخت مگر ہموار تھی اور ایسی کھر درمی جگہیں کم تھیں جو جسم میں چھبے۔

اس لیے موقع غنیمت جان کر ہم اسی پر باری باری آرام کرنے لگے۔ ہر گھنٹے بعد آرام کرنے والوں کی باری بدل جاتی تھی۔ یہ ضروری تھا ورنہ صبح تک ہم سب نیند اور آرام کی کمی سے سُست ہو جاتے۔ جو آرام کر لیتے وہ پہرہ دینے نیچے چلے جاتے تھے۔ ساشا کو بھی آرام کا موقع ملا۔ اس وقت میں اس کے ساتھ تھا۔ وہ ذرا فاصلے پر کسی جگہ کی طرح ساکت لیٹی ہوئی آسمان کو تنک رہی تھی۔ ستارے نکل آئے تھے اور ان کی ہلکی سی روشنی میں آس پاس کسی حد تک نظر آ رہا تھا۔ اس نے اچانک میری طرف کروٹ لی اور بولی۔ ”شہباز ایک بات پوچھوں؟“

”ہاں پوچھو۔“

”تم جس دنیا سے آئے وہاں لوگ اپنے رشتے داروں سے محبت کرتے ہیں۔“

”بالکل اسی طرح جیسے تم لوگ اپنے پیاروں سے کرتے ہو۔“

اس نے کچھ دیر بعد پھر کہا۔ ”اگر وہ ان سے بچھڑ جائیں تو ان کا دکھ ہمیشہ تازہ رہتا ہے؟“

”کیا تمہارے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے؟“ میں نے جوابی سوال کیا۔

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ”نہیں ہمارے ہاں لوگ کچھ عرصے بعد بھول جاتے ہیں مگر بابا کا غم میرے دل سے نہیں جا رہا ہے، مجھے لگ رہا ہے یہ غم وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ رہا ہے۔“

اس نے پہلی بار اپنے بارے میں بات کی تھی۔ میں نے ہچکچا کر وضاحت کی۔ ”شاید اس لیے کہ کیرٹ ہی تمہارا سب کچھ تھا اور اس نے تمہیں پالا۔ اس لیے جب وہ اچانک جدا ہوا تو تم نے بہت زیادہ محسوس کیا۔“

”نہیں میں نے اس لیے زیادہ محسوس کیا کہ بابا اس انجام کے مستحق نہیں تھے۔“ اس نے بھیکے لہجے میں کہا۔ ”وہ اچھے انسان اور بہت اچھے باپ تھے۔“

”بہت سے اچھے انسان اس انجام کے مستحق نہیں ہوتے مگر انہیں اس سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ ان کی تقدیر میں ہوتا ہے۔“

”میں تقدیر کو نہیں مانتی۔“ اس نے صاف گوئی سے کہا۔

”اور مذہب کو؟“

”مجھے یہ سب دھوکا لگتا ہے۔“

”حالانکہ تم ایک بیماری کی بیٹی ہو۔“

”اسی لیے تو مجھے سب دھوکا لگتا ہے، میں نے سب بہت قریب سے دیکھا ہے۔ مجھے لگتا ہے بابا بھی اسے دھوکا ہی سمجھتے تھے مگر ان کی مجبوری تھی وہ یہ بات کہہ نہیں سکتے تھے۔“

”کیرٹ نے یہ بات دوسری طرح کہہ دی۔ اپنے ساتھیوں اور نظام کے خلاف ہمارا ساتھ دے کر۔“

”مقبیہ کیا ہوا انہیں زلت سے سزائے موت دے دی گئی۔“ اس کے لہجے میں تلخی آگئی۔

”ساشا تم کیا سمجھتی ہو کیرٹ کی موت کا ذمہ دار میں ہوں؟“ میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔ ”حالانکہ میں خود کیرٹ اور برف والے کے ہاتھ میں ایک مہرہ ہوں۔ برف والے نے مجھے کیرٹ کے پاس بھیجا اور اس نے مجھے آرگون کی آزادی کے لیے ایک پلان دے کر سامیرا کی طرف روانہ کیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے کس آدمی نے غداری کی اور اس کا راز فاش کر دیا۔“

ساشا خاموش رہی اور پھر چٹ ہو کر لیٹ گئی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اب مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔ کچھ دیر بعد دوسرے کی باری آگئی اور میں نیچے اتر گیا۔ ایک گھنٹہ بعد ساشا بھی نیچے آگئی تھی۔ اب تک آرگون کی سپاہ کا کوئی دستہ اس طرف نہیں آیا تھا۔ مگر وہ پڑاؤ کے آس پاس منڈلا رہے تھے، اس کا اندازہ مشعلوں کی روشنی سے ہو رہا تھا۔ رات کے آخری پہر سب ہی چونکنا ہو گئے تھے کیونکہ کچھ دیر میں صبح ہونے والی تھی۔ رات میں آرگون کی فوج نے قلعوں کا محاصرہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ کام شاید انہوں نے آگلی صبح پر چھوڑ دیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ قلعوں کی طرف آتے ہوئے جب وہ ہماری طرف کے باغات سے گزر رہے تھے تو انہوں نے فصلوں اور باغوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ اب انہیں مال غنیمت سمجھ رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ سامیرا کی شکست کے بعد یہ کھیت اور باغات بھی ان کے ہوں گے اور یہاں موجود فصلیں اور بریزی و پھل بھی ان کے ہوں گے۔ اس لیے انہیں اجازت دینے کی کیا ضرورت تھی؟

جیسے ہی صبح کی روشنی نمودار ہوئی ریٹا کی فوج میں حرکت کے آثار نمودار ہوئے۔ وہ رات بھر آرام

کر کے تازہ دم ہو گئے تھے اور یہ ریٹائٹ کی حکمت عملی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی تھکی ہاری فوج حملے کا آغاز کرے۔ اسی لیے وہ اس وقت یہاں پہنچی جب رات ہو چکی تھی اور اس نے پڑاؤ ڈال کر اپنے مورچے بنائے اور اب آرام کر کے جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ دوسری طرف سامیرا کی فوج حملے کے خوف سے رات بھر جاگتی رہی ہوگی اور اب وہ اتنے تازہ دم نہیں ہوں گے۔ مگر یہ میرا قیاس تھا ممکن ہے سامیرا کے کمانڈرز نے ریٹائٹ کی حکمت عملی بھانپ لی اور اپنی سپاہ کو بھی رات میں آرام دیا ہو۔ روشنی تیز ہوتے ہی ان کی حرکت میں بھی تیزی آئی تھی اور فوج کے دستے منظم انداز میں نکل کر قلعوں کے دونوں طرف پھیلنے لگے۔ وہ محاصرے کا عمل مکمل کرنے جا رہے تھے۔

جو بھاری مشینیں کل آرگون سے روانہ ہوئی تھیں وہ اب قلعوں کے پاس پہنچ گئی تھیں اور ہمارے اندازے کے عین مطابق یہ تیر پھینکنے والی مشینیں ہی نکلی تھیں۔ انہیں اس ترتیب سے لایا گیا تھا کہ یہ نیم دائرے میں پھیلی ہوئی تھیں اور ان سے تینوں قلعوں کو نشانہ بنا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ قلعوں کے دروازے توڑنے کے لیے پہیوں والے درخت کے بھاری تنے تھے جنہیں دروازوں تک لے جا کر اتنی زور سے مارا جاتا کہ ان کے قبضے جواب دے جاتے اور وہ کھل جاتے۔ آرگون کی سپاہ تیروں سے بچنے کے لیے بڑی ڈھالوں سے لیس تھی۔ یہ ڈھالیں بھی لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ ریٹائٹ کی فوج کے سامان میں لکڑی کی بہتات تھی۔ شاید انہوں نے جنگ میں آگ کو بہ طور ہتھیار استعمال کرنے کا سوچا بھی نہیں ہوگا۔ اگر سامیرا کے تیر انداز آتشیں تیروں کا درست استعمال کریں تو وہ بدو جنگ سے پہلے انہیں بہت بھاری نقصان پہنچا سکتے تھے۔

سامیرا اور اس کے لوگ جنگ نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ اور آرگون والے ایک ہی نسل سے تھے۔ ان کا آپس میں لڑنا ذاتی نقصان ہوتا۔ شاید یہ بات سامیرا کی فوج کو کھل کر لڑنے سے روکے مگر مجھے معلوم تھا ایک بار جنگ شروع ہوگئی تو اس کے بعد دونوں طرف سے پوری شدت سے لڑائی ہوگی اور نہ جانے کتنا نقصان ہوگا۔ اس نقصان کو روکنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ جلد از جلد ریٹائٹ اور اس کے نولے کا خاتمہ کر کے آرگون پر قبضہ کر لیا جائے۔ ایک بار آرگون ہمارے قبضے میں آجاتا تو ریٹائٹ کی سپاہ اپنی پشت خالی پا کر خود ہتھیار ڈال دیتی۔ میں نے سوچا تھا کہ صبح ہوتے ہی آرگون کی طرف روانہ ہو جاؤں گا مگر برف والے نے جنگ کے آغاز تک یہیں رکے کو کہا تھا اور میں اس کی بات ماننے پر مجبور تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کے ہر حکم کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اور یہ وجہ آگے چل کر سامنے آتی ہے اس لیے میں اس کی ہدایت سے انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے بھی یہ میری ذاتی جنگ نہیں تھی اس لیے مجھے اپنی عقل لڑانے کی بجائے برف والے کے حکم کے مطابق ہی عمل کرنا چاہیے تھا۔

سورج بلند ہونے سے پہلے ریٹائٹ کی فوج نے سامیرا کے تینوں قلعوں کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اگرچہ تینوں قلعوں کی حفاظت کے لیے سامیرا کے دستے موجود تھے مگر ریبک کے مطابق دونوں چھوٹے قلعوں کی مکمل آبادی کو مرکزی قلعے میں منتقل کر لیا گیا تھا جیسا کہ پہلے سے طے شدہ تھا۔ اب چھوٹے قلعوں میں کوئی عام فرد نہیں تھا۔ اسی طرح سوائے سپاہیوں کی ضرورت کی رسد چھوڑ کر خوراک کا بڑا حصہ بھی مرکزی قلعے میں منتقل کر لیا گیا تھا۔ قلعوں کی مرمت اور تفصیل اونچی کرنے سے ان کی حفاظت میں اضافہ ہوا تھا۔ اب تک دونوں طرف سے خاموشی

تھی۔ محاصرے کے دوران کئی بار ریٹاٹ کی فوج قلعوں کے نزدیک بھی آئی مگر قلعوں کی طرف سے کوئی تیر نہیں چلا تھا۔ سامیرا امیری ہدایت کے مطابق صبر سے کام لے رہی تھی۔ ریٹاٹ کی سپاہ لکڑیوں اور گھاس کے گتھوں سے بنائی ہوئی آتشیں دیوار سے فاصلے پر تھی۔

کہیں کہیں وہ اس کے نزدیک بھی آئی مگر انہوں نے اس دیوار کو چھیڑا نہیں تھا۔ غالباً وہ اس کا مقصد نہیں سمجھتے ہوں گے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ لکڑیوں کے ڈھیر کے نیچے خشک گھاس تھی جو آگ پکڑنے والے روغن سے تر تھی۔ صرف چند آتشیں تیر مارنے کی دیر تھی اور یہ پوری دیوار آگ پکڑ لیتی جسے پار کرنا آگ کا دریا پار کرنے کے مترادف ہوتا۔ اسے آگ لگانے کا سب سے مناسب وقت وہ ہوتا جب حملہ آور فوج کا کچھ حصہ اس کے پار آ جاتا اور باقی اس کے عقب میں ہوتا۔ اس طرح ریٹاٹ کی فوج دو حصوں میں بٹ کر رہ جاتی۔ میں ریٹاٹ کی فوج اور اس کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ ریک اور ایرٹ پُر جوش ہو رہے تھے انہوں نے کہا۔ ”کیا ہم کچھ نہیں کر سکتے؟“

ان کا اشارہ یقیناً چھاپہ مار کارروائی کی طرف تھا۔ میں نے قطعی لہجے میں کہا۔ ”نی الحال نہیں، ہمیں دیکھنا اور انتظار کرنا ہے۔“

”ایک تجویز ہے۔“ ایرٹ بولا۔

”کیسی تجویز؟“

”کیوں نہ ہم ریٹاٹ کے فوج کے عقب میں موجود ان کی فصلوں کو آگ لگا دیں۔“

”اس سے کیا ہوگا؟“ میں نے اس کی تجویز پر غور کرتے ہوئے کہا۔

”ایک تو ان میں افراتفری پھیلے گی کہ شاید ہماری فوج کہیں عقب میں بھی موجود ہیں۔ دوسرے ان کا آرگون سے رابطہ بھی ختم ہو جائے گا۔“

”ختم تو نہیں ہوگا لیکن کچھ دیر کے لیے مشکل ضرور ہو جائے گا۔“ میں نے اس کی بات پر غور کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ کام ہوگا کیسے؟ فصلیں تو میلوں کے رقبے پر پھیلی ہیں۔“

”ہم کریں گے۔“ ایرٹ میری رضامندی محسوس کر کے پُر جوش ہو گیا تھا۔ ”ہم دو شائے جلا کر ان کی مدد سے فصلوں کو آگ لگا دیں گے۔“

”نہیں۔“ میں نے انکار کیا تو اس کا چہرہ اتر گیا۔ ”اس میں بہت زیادہ خطرہ ہے اور یہ کام کرنے والوں کی بحفاظت واپسی کی کوئی ضمانت نہیں ہے لیکن.....“

ایرٹ کا چہرہ پھر پُر امید ہو گیا۔ ”لیکن کیا؟“

”تمہاری تجویز اچھی ہے، ہم اس پر بعد میں اور دوسرے طریقے سے عمل کریں گے۔“

”کس طرح؟“

اگرچہ مجھے قبل از وقت اپنے پلان بتانے کی عادت نہیں ہے مگر ریک اور ایرٹ کی تسلی کے لیے میں نے انہیں بتا دیا کہ ہم کس طرح اس پلان پر عمل کریں گے کہ کامیاب بھی رہیں اور ہمیں خطرہ بھی نہ ہو۔ سب سے بڑھ کر وہ اس منصوبے پر عمل کے لیے بہترین وقت ہوگا۔ میں سوچنے کے معاملے میں نارمل انسان ہی ہوں لیکن

حالات نے میرے ذہن کی تربیت ایسی کی ہے کہ کسی بھی پجوشن میں کوئی تدبیر بہت سرعت سے میرے ذہن میں آتی ہے۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا اور چند لمحوں میں ایک مکمل منصوبہ میرے ذہن میں آ گیا تھا کہ ہمیں یہ کام کم طرح کرنا ہے کہ ہمیں خود بھی کوئی خطرہ نہ ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ اس کے لیے تیاری شروع کر دیں کیونکہ جنگ کا آغاز ہوتے ہی ہمیں بھی حرکت میں آ جانا ہوگا اور تب تیاری کا وقت نہیں ہوگا۔ ریک پک نو جوانوں کو لے کر روانہ ہو گیا۔ ساشا بدستور چٹان سے دور درختوں میں تھی۔ ایرٹ کو چٹان پر چھوڑ کر میں نیچے آ اور ساشا سے کہا۔

”میرے ساتھ چلو۔“

وہ بلا جھجک کھڑی ہو گئی۔ ہم ٹہلتے ہوئے دوسروں سے ذرا فاصلے پر آئے اور میں نے ایک لکڑی لے زمین پر آرگون کا نقشہ بنایا۔ یعنی اس کی تفصیل جس نے پورے شہر کو گھیرا ہوا تھا اور جو مجھے کیرٹ نے نقشہ میں دکھائی تھی اسے زمین پر لکیر سے واضح کیا۔ ساشا غور سے دیکھ رہی تھی اور یقیناً سمجھ بھی رہی تھی۔ نقشہ مکمل کر کے میں نے لکڑی سے اشارہ کیا اور وضاحت سے کہا۔ ”یہ آرگون کی تفصیل ہے۔ یہاں اس کا مرکزی دروازہ ہے۔ تم سمجھ رہی ہو؟“

اس نے سر ہلایا۔ ”ہاں میں نے سارا آرگون دیکھا ہوا ہے۔“

”یہ اچھی بات اب تمہیں سمجھنے میں آسانی رہے گی۔ میں شہر کا نقشہ بنا رہا ہوں اگر میں غلطی کروں تو تم دینا۔“ میں نے کہا اور تفصیل کے دائرے میں آبادی اور دوسری جگہوں کو واضح کرنے لگا۔ عام آبادی کو الگ اور خاص یعنی امرا کی آبادی کو الگ کیا اس کے ساتھ ہی سرکاری اور پھر شاہی علاقہ تھا۔ سرکاری اور شاہی علاقہ کے نزدیک سے معبد تک جانے والی سرنگ شروع ہوتی تھی۔ ساشا غور سے میرا بنایا ہوا نقشہ دیکھ رہی تھی اور میں جو بتا رہا تھا سر ہلا کر اس کی تصدیق کر رہی تھی۔ میں نے اسے تقریباً درست نقشہ بنا کر دکھا دیا۔ چند ایک جگہوں میں ناواقفیت کی وجہ سے غلطی کر گیا جو ساشا نے درست کر دی اور جب اس نے تصدیق کر دی کہ یہ درست ہے میں نے اس سے پوچھا۔ ”تمہیں کہاں قید رکھا گیا تھا؟“

”اس جگہ۔“ اس نے سرکاری علاقے میں موجود قید خانے والی جگہ اشارہ کیا جہاں میں بھی قید رہا تھا۔

”تم قید خانے کے نگران کا نام اور حلیہ بتا سکتی ہو۔“

اس نے کہا۔ ”میں نام نہیں جانتی مگر وہ بہت لمبا اور مضبوط جسم والا آدمی تھا۔“

اس نے درست بتایا تھا۔ ”تمہاری رہائش شہر میں تھی یا معبد میں؟“

”میں معبد میں پیدا ہوئی اور وہیں پلی بڑھی ہوں۔“ ساشا نے جواب دیا۔ ”لیکن میں آرگون آتی جا رہی تھی۔ باوجود آرگون آتے تو مجھے ضرور ساتھ لاتے تھے۔“

”تم کبھی شاہی محل یا اس کے آس پاس گئی ہو۔“

اس نے زمین پر بنے نقشے میں انگلی سے ایک جگہ دائرہ کھینچا۔ ”یہ شاہی محل کا حصہ ہے۔ اس کے چاروں طرف اونچی دیوار ہے جسے کوئی پار نہیں کر سکتا۔ دیوار پر ہر تھوڑے فاصلے پر برج ہیں جن میں ماہر تیر انداز موجود ہوتے ہیں۔ چار دیواری کے اندر بھی سخت پہرہ ہوتا ہے اور کوئی نظر میں آئے بغیر دو قدم بھی نہیں جا سکتا۔“

”تم یہاں جا چکی ہو تم نے یہاں کتنے سپاہیوں کو دیکھا ہے؟“
 ”بے شمار۔“ اس نے کہا۔ ”آخری بار میں دو مہینے پہلے گئی تھی اور تب وہاں بہت زیادہ پہرہ ہو گیا تھا، قدم قدم پر سپاہی موجود تھے۔“

میں غور کر رہا تھا۔ شاہی محل کا دائرہ سرنگ کے دہانے سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا مگر یہ تھوڑا سا فاصلہ یقیناً دنیا کے دشوار ترین فاصلوں میں سے ایک تھا۔ میں نے اس سے شاہی محافظوں کا حلیہ پوچھا۔ اس نے بتایا۔
 ”خاص فوج کے سپاہی سرسری رنگ کے چھوٹے گرتے اور اسی رنگ کا پاجامہ پہنتے ہیں یہ سب سے الگ لباس ہے اور کسی کو یہ رنگ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔“
 ”تم شاہی احاطے میں موجود عمارتوں کی وضاحت کر سکتی ہو؟“

اس نے سر ہلایا۔ ”یہاں نصف درجن عمارتیں ہیں۔“ اس نے دائرے میں ان کی پوزیشن واضح کرنا شروع کر دی۔ ”وسط میں شاہی محل ہے۔ اس کے عقب میں بڑا سا تالاب ہے۔ تالاب کے پار ملازموں اور ضروری سرکاری حکام کے لیے رہائش ہے۔ یہاں ان کے لیے دو عمارتیں ہیں ایک عام ملازموں کے لیے اور دوسرے حکام کے لیے۔“ اس نے اب سامنے کی طرف کھلے میدان کے دائیں طرف ایک عمارت کی نشاندہی کی۔ ”یہاں شاہی محافظ ٹھہرتے ہیں۔ مگر کسی کو خاندان ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے سامنے میدان کے پار شاہی تقریب گاہ ہے اور اس کے برابر میں دربار ہے۔“

مجھے یاد تھا کہ مجھے اسی عمارت میں ریٹائٹ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ مگر میں نے یہ علاقہ اس طرح سے نہیں دیکھا تھا کہ پورا میرے ذہن میں محفوظ ہو جاتا۔ ساشا نے بہت اچھی طرح سے وضاحت کر دی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ ”کیا تم یہاں حملہ کرنا چاہتے ہو؟“
 ”اگر ممکن ہو تو۔“ میں نے کہا۔

”یہ ناممکن ہے یہاں کوئی نہیں ٹھس سکتا ہے۔“

”انسان جب تک کوئی کام کرنے لے اے ممکن یا ناممکن نہ کہے۔ بعض اوقات بہت آسان نظر آنے والا کام بھی ممکن نہیں ہوتا اور بعض اوقات ناممکن نظر آنے والا بھی ممکن ہو جاتا ہے۔“ میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ صبح سے اب تک کسی نے کچھ نہیں کھایا تھا اور سب کو بھوک لگ رہی تھی اس لیے سب پیٹ پوجا میں لگ گئے۔ ریک اور اس کے ساتھ گئے نوجوان جب اپنا کام کر کے لوٹے تو انہوں نے بھی ناشتہ کیا۔ ہمارے پاس خاصا پانی تھا۔ اس سے ہم آرام سے دو تین دن گزارا کر سکتے تھے، یہ شرط کہ اسے منہ ہاتھ دھوئے میں ضائع نہ کرتے۔ اس عیاشی سے سب گریزاں تھے ورنہ انہیں جا کر بہت دور سے پانی لانا پڑتا۔ ایرٹ جو چٹان پر اب تک گرائی کر رہا تھا اس کے پاس آیا تو اس نے رپورٹ دی۔

”دونوں طرف سے جنگ کے آثار نہیں آرہے۔ خاص طور سے ریٹائٹ کے کیمپ میں بہت ٹھنڈ ہے۔“
 اب تک ریٹائٹ کی فوج کا جتنا جائزہ لیا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ساری قوت میدان میں لے آیا تھا۔ مگر دشمن کے بارے میں ہمیشہ یہ سوچنا چاہیے کہ اس کے پاس کوئی حیران کر دینے والا حربہ ہوگا۔ ریٹائٹ کے پاس ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کی صورت میں ایک حربہ تھا تو۔ خاص طور سے باسو اس جنگ میں اکیلا ہی بہت

خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اگر وہ مرشد کی درگاہ پر ہونے والے حملے کی طرح سر سے پاؤں تک بلٹ پروف اور اپنے خاص ہتھیاروں کے ساتھ میدان میں آ جاتا۔ اگر وہ یہ سب نہیں لایا تھا تب بھی عام ہتھیاروں کے ساتھ وہ، کرنل اور زینی بہت بڑی قوت تھے۔ ایک بار پھر مجھے اپنے ہتھیاروں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ اگر برف والا کسی طرح سے یہ ہتھیار مجھ تک پہنچا دیتا تو میں نسبتاً آسانی سے ریٹا تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ مگر اس نے نامعلوم وجوہات کی بنا پر یہ ہتھیار اپنے پاس رکھ لیے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اسے ڈیوڈ شا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کتنے خطرناک ہو سکتے تھے۔ بہر حال میں سوائے صبر کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ریٹا کی فوج اپنی جگہ جم کر بیٹھ گئی تھی اور ایسا لگ رہا تھا اس کا کافی الحال جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس کے سپاہی عمومی قسم کے کاموں میں مصروف تھے اور کہیں کہیں وہ آپس میں لڑنے کی مشق بھی کر رہے تھے مگر مجموعی طور پر ماحول بہت ٹھنڈا تھا۔ حد یہ کہ انہوں نے آس پاس کسی مکمل دشمن کی تلاش میں دتے بھی نہیں بھیجے تھے۔ وہ اپنے پڑاؤ کی حد سے بہت کم باہر نکلتے تھے جیسے رفع حاجت یا دوسرے کاموں کے لیے اور پھر جلد واپس چلے جاتے۔ شام تک ان کا رویہ یہی رہا تو مجھے ایک خیال ستانے لگا اور میں نے ریک وائرٹ کے ساتھ ایک میٹنگ بلائی۔ ”مجھے لگ رہا ہے انہوں نے قلعوں کا محاصرہ ضرور کیا ہے لیکن یہ جنگ لڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔“

ریک حیرت سے بولا۔ ”تب یہ یہاں کیوں آئے ہیں؟“

”قلعے والوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے لیے۔“

”وہ کیسے؟“ ایرٹ نے پوچھا۔

”وہ محاصرہ کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ ریٹا کی تیاری مکمل تھی اور وہ چاہتا تو ایک مہینہ یا کئی مہینے پہلے بھی

جنگ چھیڑ سکتا تھا مگر اس کا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے۔“

”پھر کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ ریک بے صبری سے بولا۔ ”معاف کیجئے گا آپ کی بات میری سمجھ میں

نہیں آرہی۔“

”دیکھو یہ فصل پکنے کا وقت ہے۔ کیا فصلیں کچھ دنوں میں تیار نہیں ہو جائیں گی؟“

”ایسا ہی ہے۔“ ریک نے تسلیم کیا۔

”قلعوں میں گزشتہ فصل کا باقی رہ جانے والا حصہ ہے یعنی خوراک محدود ہے۔ دوسری طرف فصل پکتے

ہی آگے والے اسے کاٹنا شروع کر دیں گے اور سارا اناج آگے چلا جائے گا۔“

ایرٹ اور ریک کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ایرٹ بولا۔ ”آپ کا مطلب ہے ریٹا اناج اپنے قبضے

میں لینا چاہ رہا ہے تاکہ ہمیں بھوکا مار سکیں؟“

”بالکل، تم سوچو ایک بار اناج آگے چلا گیا تو ایک یا ڈیڑھ مہینے بعد قلعوں میں خوراک کی کیا حالت ہو

گی۔ دس ہزار افراد کی خوراک کہاں سے پوری ہوگی۔ جب خوراک نہیں ہوگی تو بھوکے سپاہی کیسے لڑیں گے؟“

صورت حال ان کی سمجھ میں آرہی تھی۔ ریک نے ریٹا کی سپاہ کے پڑاؤ کی طرف دیکھا۔ ”یہ اسی لیے

آرام سے بیٹھے ہیں؟“

”میرا اندازہ یہی ہے کہ یہ ہمیں محاصرے سے اور فاقوں سے مجبور کر کے ہتھیار ڈالوانے آئے ہیں۔ اگر محصور لوگ قلعے سے نکل کر ان پر حملہ کریں گے تو یہ آسانی سے اس حملے کو ناکام بنا سکتے ہیں۔ ہماری نسبت ان کے پاس فوج بہت زیادہ ہے۔“

ایرٹ پریشان ہو گیا۔ یہ تصور ہی خوفناک تھا کہ کچھ عرصے بعد مرکزی قلعے میں موجود اس کے گھر والے دوسرے لوگوں کی طرح فاقہ کشی پر مجبور ہوں گے اور اگر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو ریٹائٹ کی طرف سے کسی اچھے رویے کی امید نہیں تھی۔ یہ سب خیالات مجھے بھی آرہے تھے جیسے جیسے میں غور کر رہا تھا میرا یقین پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ ریٹائٹ کی اصل حکمت عملی یہی ہے۔ مگر مجھے اس چیز سے دھچکا نہیں لگا تھا۔ بلکہ اس لحاظ سے یہ اچھا ہوا تھا کہ ہم بہت جلد دشمن کی حکمت عملی بھانپ گئے تھے۔ اب ہمیں اس کا تدارک کرنا تھا۔ ہر آزمائش اپنے ساتھ امکانات بھی لاتی ہے مگر مصیبت زدگان کا دھیان اس طرف نہیں جاتا ہے۔ یہ انسانوں کا عمومی رویہ ہے۔ جو لوگ مشکلات سے آگے نکلنے کے راستے تلاش کرتے ہیں بالآخر وہی کامیاب رہتے ہیں۔ کامیابی ان کے لیے ہے جو ”کیوں؟“ کے بجائے ”کیوں نہیں؟“ پر یقین رکھتے ہیں۔ میں نے ان دونوں کو دیکھا۔

”تم فکرت کرو ہم ریٹائٹ کی اسی حکمت عملی سے اس کی شکست کا طریقہ تلاش کر لیں گے۔“
 ”وہ کیسے جناب؟“

”اس کا تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ پہلے تم لوگ یہ بتاؤ کہ میں نے جو کام دیا تھا اس کا کیا کیا؟“
 ”بہت حد تک مکمل ہو گیا ہے۔“ ربیک نے کہا۔ ”میرے ساتھ آئیے۔“

ہم چٹان سے اتر کر باغ میں آئے جہاں ایک طرف قطار سے تیر رکھے تھے اور ان کی نوک سے ذرا اوپر گھاس اور باریک سوکھی بیلوں کی مدد سے ایک پولا سا بنایا ہوا تھا۔ اس کی موٹائی تین چار انچ تھی۔ میں نے تجربے کے طور پر اسے جلا کر دیکھا اور خشک گھاس اور جھاڑیوں نے فوری آگ پکڑ لی تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ یہ کتنی دیر جلتی ہیں۔ میں نے تیر کو زمین میں گاڑ دیا تھا۔ پولا تقریباً دو منٹ جلتا رہا اور پھر راکھ ہونے لگا اس دوران میں تیر کی لکڑی نے آگ پکڑ لی تھی۔ پولے سے نکلنے والے شعلے بڑے حجم کے تھے اور یہ آس پاس آگ لگا سکتے تھے۔ اس کی کارکردگی سے مطمئن ہو کر میں نے ربیک سے کہا۔ ”ان کی تعداد کم ہے ہمیں کم سے کم تین گنا زیادہ تعداد میں آتشیں تیر درکار ہیں۔“

ربیک اور اس کے ساتھ نے دو درجن تیر بنائے تھے۔ ہم سب کے پاس کمائیں اور ترکش میں تین تین درجن تیر تھے۔ اس لحاظ سے ہمارے پاس تیروں کی تعداد تسلی بخش تھی۔ ربیک نے سر ہلایا۔ ”میں ابھی شروع کر دیتا ہوں۔“

”دوسرے ہمیں آگ لگانے والے روغن کی ضرورت ہے۔“ میں نے کہا۔ ”یہ کہاں سے ملے گا؟“
 ”میں جانتا ہوں یہ کہاں سے ملے گا۔“ ایرٹ نے آگے آکر کہا۔ ”میں لے کر آتا ہوں لیکن مجھے چھ ساتھیوں کی ضرورت ہوگی اور روغن جمع کرنے کے لیے مشکیزے بھی چاہئیں۔“

ہمارے پاس پانی کے دو درجن مشکیزے تھے جن میں سے چھ خالی ہو گئے تھے بلکہ پانچ خالی تھے اور چھٹے میں کچھ پانی تھا جو ان کے حوالے کر دیا کہ جب پیاس لگے تو پی کر ختم کر دینا۔ ایرٹ نے کہا۔ ”اس کام میں دیر ہو

سکتی کیونکہ روغن والے پودے جنوب مغرب میں وادی کی دیوار کے ساتھ لگے ہیں۔ ویسے تو یہ پوری وادی میں ملتے ہیں لیکن سب سے زیادہ وہیں پائے جاتے ہیں۔“

میں نے اندازہ لگایا کہ وہ آج واپس نہیں آسکیں گے۔ اس لیے میں نے انہیں جانوروں سے بچانے والا محلول بھی ساتھ لے جانے کو کہا اور انہوں نے خوراک بھی ساتھ لے لی تھی۔ اُس طرف پانی تھا اس لیے انہیں مزید پانی ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ روانہ ہوئے تو تاریکی چھاننے والی تھی۔ ایٹ چھوٹا جوان ساتھ لے گیا تھا اس لیے اب یہاں ریک اور مجھ سمیت کل چھ افراد تھے اور ساتویں ساشا تھی۔ وہ ریک سے محو گفتگو تھی۔ میں نے ریک اور دوسروں سے کہا تھا کہ وہ اس سے بات کرتے رہا کریں تاکہ وہ خود کو الگ سے محسوس نہ کرے مگر ساتھ ہی اس کی طرف سے چونکا بھی رہیں۔ تاریکی ہوتے ہی قلعوں اور پڑاؤ میں وہی تیز روشنی والی مشعلیں جلائی گئی تھیں۔ ان کی وجہ سے آس پاس کا علاقہ بھی منور ہو رہا تھا۔ اگر ہم ایک آدھ مشعل جلا لیتے تو شاید کسی کو پتا بھی نہیں چلتا مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ دور سے آنے والا روشنی کا انعکاس ہمارے لیے کافی تھا۔

رات کے لیے وہی سسٹم تھا کہ سب ایک ایک گھنٹے آرام کریں۔ سب کو دو تین بار سونے کو مل جاتا تھا۔ ایک گھنٹے کا وقت اس لیے تھا کہ آدمی آرام بھی کر لے اور ہوشیار بھی رہے۔ طویل نیند اسے سُست کر دیتی اور یہاں سُستی کی گنجائش نہیں تھی۔ کل چھ افراد تھے اس لیے دو آرام کرتے اور باقی چار پہرہ دیتے۔ نصف رات کو ساشا اور میری باری آئی۔ ہم چٹان پر آکر لیٹے، وہ مجھ سے ذرا فاصلے پر تھی۔ ساشا کچھ دیر تو ساکت لیٹی رہی پھر اس نے گزشتہ رات کی طرح میری طرف کروٹ لی بات شروع کی۔ ”تم سوچتے ہو گے کہ میں کیسی لڑکی ہوں؟“

”کس حوالے سے؟“

”تم نے میری جان بچائی مگر میں نے تمہارا شکریہ ادا تک نہیں کیا۔“

”اس کی ضرورت بھی نہیں تھی میں اگر اپنے کسی ساتھی کے لیے کچھ کرتا ہوں تو شکریے کے لیے نہیں کرتا۔

اس یقین کے ساتھ کرتا ہوں کہ ضرورت پڑنے پر وہ بھی میرے لیے ایسا ہی کرے گا۔“

ساشا خاموش ہو گئی۔ شاید اسے میری بات ہضم نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے وہ مزید گفتگو کے بجائے سونے کی کوشش کرنے لگی اور کچھ دیر بعد اس کی سانسوں سے خرخرانے جیسی آوازیں آئیں تو میں بھی سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی کوشش میں کسی وقت آنکھ لگ گئی۔ مگر میں زیادہ دیر نہیں سویا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو ساشا چٹان پر نہیں تھی۔ وہ نیچے اتری تھی۔ جب ساشا خاموش ہو کر سونے لگی تو میں نے محسوس نہیں کیا تھا کہ اس کا ارادہ کچھ اور ہے۔ اس نے بہت ہوشیاری سے مجھے دھوکا دیا تھا۔ میں نے چٹان سے جھانک کر ریک کو پکارا۔ ”ساشا نیچے آئی ہے۔“

ریک پاس ہی تھا۔ ”نہیں جناب۔“

اس جواب نے میری رہی سہی نیند بھی اڑا دی تھی۔ میں تیزی سے نیچے آیا اور دوسروں سے پوچھا مگر کسی نے ساشا کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ غائب تھی اور اپنی مرضی سے غائب ہوئی تھی۔ میں نے ریک سے کہا۔ ”اسے تلاش کرو۔ دودو کر کے نکلتا۔“

ریک اور دوسرے اس کو تلاش کرنے میں لگ گئے اور میں دوبارہ چٹان پر چڑھا۔ چٹان کا اگلا حصہ بہت مشکل تھا اور اس سے چڑھنا یا اتارنا دشوار تھا مگر ساشا چٹانوں پر چڑھنے کی ماہر تھی۔ میرے ذہن میں نہیں آیا کہ وہ اس طرف سے بھی آرام سے اتر سکتی ہے۔ میں آس پاس دیکھ رہا تھا۔ پڑاؤ کی طرف سے روشنی آس پاس کے بانگوں اور کھیتوں کو بھی منور کر رہی تھی۔ میں وہیں دیکھ رہا تھا کہ ایک جگہ مجھے تیار فصل ہلتی نظر آئی جیسے اس میں کوئی ہو اور وہ پڑاؤ کے متوازی چل رہا تھا۔ میں چند لمحوں دیکھتا رہا۔ یہ جگہ چٹان سے کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھی اور پڑاؤ سے اس کا فاصلہ زیادہ تھا۔ میں نیچے اتر اور اپنے ہتھیار سنبھالتا ہوا تیزی سے اُس طرف روانہ ہو گیا۔ میں اس طرف جا رہا تھا جس طرف فصل میں چلنے والا جا رہا تھا۔ اگر وہی ساشا تھی تو چند منٹ بعد وہ اس کھیت سے آگے ایک باغ میں نکلتی اور میں اس کے نکلنے سے پہلے وہاں پہنچ جانا چاہتا تھا۔

میں کھلی جگہ سے گیا تھا اور مجھے چھپنے کا مسئلہ نہیں تھا اس لیے میری رفتار بہت تیز تھی اور میں چند منٹ میں اس باغ کے پاس پہنچ گیا۔ میں باغ میں داخل ہوا تھا کہ فصل سے ایک سفید بولہ نکل کر بہت تیزی سے درختوں کے درمیان گیا۔ یہاں بھی درخت قطاروں کی صورت میں تھے اگر میں اس کی طرف جاتا تو وہ لازمی دیکھ لیتی۔ سفید لباس دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ساشا تھی۔ میں نے جھانک کر اگلی قطار میں دیکھا تو وہ اگلی قطار میں جا رہی تھی میں نے تیزی دکھائی اور اس سے پہلے کہ وہ دوسری قطار سے نکلتی میں تیسری قطار کے سرے پر پہنچ گیا تھا۔ پھر اسے آگے بڑھتے دیکھ کر میں اس بار چوتھی اور پانچویں قطار عبور کر کے چھٹی تک آیا اور یہاں سے باغ میں داخل ہو گیا۔ مگر وہ اب بھی دور تھی وہ پہلے مجھے دیکھ لیتی اور میں یہی نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے میں اس سے اگلی قطار کے ایک درخت کے پاس کھڑا ہوا اور جیسے ہی وہ نمودار ہوئی میں نے اسی طرح لپک کر بہت تیزی مگر خاموشی سے کئی قطاریں پار کیں اور پھر آگے بڑھا۔ میں نے تعین کر لیا تھا کہ وہ کس درخت سے نکلے گی میں اسی کے پاس کھڑا ہوا اور جیسے ہی وہ نکلی میں نے نیزہ اس کی گردن پر رکھ دیا تھا۔ وہ ساکت ہو گئی۔

”بس حرکت مت کرنا۔“

”در نہ تم مجھے مار دو گے۔“ وہ آہستہ سے بولی۔ ”مار دو۔“

”میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔“ میں نے کہا۔ ”میں اور میرے ساتھی تمہارے دشمن نہیں ہیں۔“

”لیکن میں تم لوگوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔“

”آخر کیوں؟“

”اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے لیکن تم جا کہاں رہی تھیں؟“

”آرگون۔“

”تمہیں پتا ہے وہاں تمہارے دشمن بیٹھے ہیں۔“

”میرے ہمدرد بھی ہیں۔“

”مگر ان ہمدردوں تک پہنچنے کے لیے تمہیں ریٹائٹ کے پہریداروں کے سامنے سے گزرنا پڑے گا اور کیا

وہ تمہیں جانے دیں گے؟“

اس سوال کا بھی اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے ضدی لہجے میں کہا۔ ”میں جاؤں گی مجھے جانے دو۔“

”میں نے تمہارے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارا تحفظ کروں گا اور جب یہاں سے جاؤں گا تو تمہیں بھی لے جاؤں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں یہاں سے جاسکوں گا یا نہیں مگر میں تمہارے باپ سے کیا ہوا یہ وعدہ پورا کر سکتا ہے۔ میں تمہیں کوئی ایسا کام کرنے کی اجازت نہیں دوں گا جس سے تمہیں نقصان پہنچے۔“ وہ آگے بڑھی تو میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے گھمایا اور اس کے پشت سینے سے لگاتے ہوئے ایک بازو سے اس کی گردن دبوچ لی۔ یہ ضروری تھا کیونکہ اگر بے بس کرنے کے دوران وہ ایک چیخ ماردیتی تو ریناٹ کی سپاہ کا پڑاؤ یہاں سے بہت فاصلے پر نہیں تھی۔ مگر اس نے چیخ مارنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ وہ مچلنے لگی اور کھڑی آواز میں بولی۔ ”مجھے جانے دو..... اس میں تمہاری بہتری بھی ہے۔“

لیکن میں نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی اور اپنے بازو کا دباؤ اس حد تک بڑھایا کہ اس کا مچلتا ہوا بدن ڈھیلا پڑ گیا۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ میں نے بازو ہٹا کر اسے سنبھالا اور اٹھا کر شانے پر ڈال لیا۔ چنان تک واپس آیا تو ریک اور اس کا ساتھی آگئے تھے باقی تین ابھی تک نہیں آئے تھے۔ ریک نے ساشا کو دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔ ”یہ آپ کو کہاں ملی؟“

”یہ آرمگوں کی طرف جا رہی تھی۔“ میں نے ساشا کو زمین پر لٹا دیا۔ ”اس کے ہاتھ پیچھے کر کے باندھ دو اور منہ پر بھی کپڑا باندھ دو۔ اب اس پر ذرا بھی بھروسہ نہیں کرنا ہے۔“

ریک نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے ساشا کو باندھ دیا۔ میں نے اس کی نبض دیکھ لی تھی وہ سُست تھی مگر اسے کوئی خطرہ نہیں تھا میں نے بس اتنی گردن دبا لی تھی کہ وہ بے ہوش ہو جائے۔ کچھ دیر میں باقی تین بھی دھکے کھا کر آگئے کیونکہ ساشا تو اب یہاں تھی۔ ایرٹ اور دوسرے اب اگلے دن ہی آتے۔ صبح دور تھی اس لیے میں ایک بار پھر سو گیا۔ ایک گھنٹے بعد اٹھ گیا۔ یہاں گھڑی نہیں تھی مگر اس کے بغیر وقت کا حساب کرنا رفتہ رفتہ آ گیا تھا۔ مسلسل بیکاری سے جسم جیسے بندھ سا گیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کوئی سرگرمی ہونی چاہیے۔ صبح کے قریب میں نے ریک سے کہا۔ ”آؤ ذرا قلعوں کے پیچھے دشمن کی موجودگی کا جائزہ لے کر آتے ہیں۔“

قلعوں کے سامنے موجود اصل پڑاؤ کے علاوہ ریناٹ کی فوج نے عقب میں بھی پڑاؤ بنایا تھا اور یہاں سے نکل کر ان کے گشتی دستے ایک مخصوص دائرے میں پہرہ دیتے تھے کہ کوئی قلعوں سے نکل نہ سکے اور نہ باہر سے قلعوں میں جا سکے۔ ہم اس دائرے سے خاصے فاصلے سے گزرتے ہوئے قلعوں کے پیچھے آئے اور یہاں کا پڑاؤ پہلی بار دیکھا۔ یہاں بھی حفاظتی انتظامات مکمل تھے۔ مگر یہاں فوج کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ یہاں ان کو خطرہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ کیونکہ سامیرا کی فوج اگر قلعے سے نکل کر ان تک آنے کی کوشش کرتی تو سامنے والوں کو پہلے ہی علم ہو جاتا۔ محاصرہ مکمل تھا اور اس میں رخنہ کی گنجائش نہیں تھی۔ ریک نے کہا۔ ”اب اگر ہم قلعے تک جانا چاہیں تو نہیں جاسکتے۔“

میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں سامیرا تک کوئی پیغام پہنچانا چاہوں تو اس کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی کیونکہ جو میں کرنے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ قلعے کی طرف سے رد عمل ضروری تھا۔ ورنہ صرف میرا عمل کام

نہیں آتا۔ مگر یہاں قلعوں کے اندر تک رسائی کے آثار نہیں تھے۔ میں نے ربیک سے اتفاق کیا کہ محاصرہ نہایت مکمل تھا اور قلعے تک جانے یا وہاں سے کسی کے باہر آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ رات میں بھی دونوں طرف سے بہت زیادہ روشنی کی جاتی تھی اور کوئی بلی کا بچہ بھی چھپ کر آجا نہیں سکتا تھا۔ محاصرے کا معائنہ کر کے ہم واپس آئے تو ساشا ہوش میں آگئی تھی اور خاموش لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے لیکن اس رویے پر تم نے مجھے مجبور کیا اگر تم وعدہ کرو کہ چیخو چلاؤ گی نہیں تو میں تمہارا منہ کھول دیتا ہوں۔“

وہ کچھ دیر مجھے گھورتی رہی پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور میں نے اس کے منہ پر بندھا ہوا کپڑا ہٹا دیا۔ اس نے گہری سانس لی اور بولی۔ ”مجھے پیاس لگی ہے۔“

میں نے سہارا دے کر اسے بیٹھنے میں مدد دی اور پھر ایک چھاگل کھول کر اس کے منہ سے لگائی اور اس نے چند گھنٹے لے کر منہ ہٹا دیا۔ میں نے چھاگل واپس رکھتے ہوئے پوچھا۔ ”اب تم بتاؤ گی کہ تمہارے ذہن میں فرار کا اور آگن جانے کا خیال کیوں آیا؟“

”تم نے مجھے روک کر اچھا نہیں کیا۔“ وہ جیسے لہجے میں بولی۔ ”تم بچھتاؤ گے۔“
 ”مجھے بچھتائے کی عادت ہے۔“ میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ”لیکن تم بھول جاؤ کہ اب تم کو آزادی دی جائے گی یا تم پر اعتبار کیا جائے گا۔“

”میں نے تم لوگوں سے نہیں کہا کہ مجھ پر اعتبار کرو تم لوگوں نے زبردستی مجھے اپنے قبضے میں کیا ہوا ہے۔“
 میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ”ہم نے تمہیں ان سپاہیوں کے جنگل سے نکالا جو تمہاری عزت کے درپے تھے۔“

”لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مجھے اپنے قبضے میں قیام کرو۔“ اس نے ہٹ دھرمی سے کہا۔ ”کیا میں تمہاری قیدی ہوں جو تمہاری مرضی کے بغیر کہیں جا نہیں سکتی۔“
 ”تم ایک نادان لڑکی ہو جسے اپنے نفع نقصان کا خیال بھی نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم کیمرٹ جیسے ذہین آدمی کی اولاد ہو۔“

بابا کے نام پر اس کے چہرے پر غم آلود غبار پھیل گیا۔ اس نے بھرائے لہجے میں کہا۔ ”بابا کا نام مت لو۔۔۔۔۔۔ مجھے صرف ان ہی کا خیال ہے ورنہ۔۔۔۔۔۔“ وہ بولتے ہوئے رکی اور پھر کہا۔ ”شہباز مجھے جانے دو یقین کرو اسی میں تمہارا بھلا ہے۔“

وہ سمجھنے والی چیز نہیں تھی۔ میں نے دوبارہ اس کا منہ کپڑے سے بند کیا اور اس کے پاس سے اٹھ آیا۔ ربیک کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا ہماری باتیں سن رہا تھا میں اس کے پاس آیا تو اس نے کہا۔ ”جناب آپ بلا وجہ اس سے سر کھپا رہے ہیں یہ سمجھنے والی چیز نہیں ہے۔ ہم بیکار میں اسے ساتھ لائے اور اب اٹھائے اٹھائے گھوم رہے ہیں۔“

”تم فکر مت کرو بیکار چیزوں کا مصرف نکال لینا مجھے آتا ہے۔“ میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور اس سے پہلے وہ ساشا پر بحث کر کے میرے دماغ کی دہی کرتا میں نے موضوع بدل دیا۔ ”ایرٹ ابھی تک واپس نہیں آیا ہے۔“

”روغن جمع کرنا آسان کام نہیں ہے اس میں بہت محنت اور وقت لگتا ہے۔“

”تجہی اسے دیر ہو رہی ہے۔“ میں نے سر ہلایا۔ ”یہ کام جتنی جلدی ہو جائے اتنا اچھا ہے۔“

اس سفر کے دوران ہم لوگوں نے کھانے کا معمول ترک کر دیا تھا اور اس وقت کھاتے تھے جب بھوک لگتی جسے بھوک لگتی وہ کھا لیتا تھا۔ پکانے کا موقع نہیں تھا اس لیے سارا ہی کام خشک اور کچی چیزوں سے چل رہا تھا۔ دو دن سے ہم بے سرو سامان اور ویرانے میں بنا کسی آرام کے زندگی گزار رہے تھے۔ ہماری آنے والی آزمائش کے لیے یہ اچھی تیاری تھی۔ ایرٹ اور اس کی پارٹی شام کے قریب آئی تھی۔ مگر وہ کامیاب لوٹے تھے ان کے پاس سات عدد مشکیزوں میں آتش گیر روغن بھرا ہوا تھا۔ ایک مشکیزے میں بیس لیٹر روغن موجود تھا اس لحاظ سے یہ کوئی ایک سو چالیس لیٹر زبن رہا تھا جو بظاہر کافی تھا۔ مگر ہم نے جس رقبے کو نذر آتش کرنا تھا وہ بھی خاصا بڑا تھا۔ ہمیں فصلوں کو آگ لگانی تھی اور یہ فصلیں کم سے کم چار مربع میل کے رقبے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ تقریباً اس سے نصف رقبہ باغات کا تھا اور اتنے ہی رقبے پر بنریاں لگی ہوئی تھیں۔

مگر باغات ہمارا نشانہ نہیں تھے، ہمیں صرف فصلوں کو آگ لگانی تھی۔ ایک تو ان میں آسانی سے آگ لگ جاتی دوسرے اسے پھیلنے سے روکنا ممکن نہیں تھا۔ جہاں جہاں آرگون اور سامیرا کے قلعوں کی زمینیں آپس میں مل رہی تھیں ان میں درمیان میں نومینز لینڈ تھے۔ اس لیے اس کا امکان نہیں تھا کہ آگ سامیرا کی فصلوں تک آجائے گی۔ ہاں اگر ریٹا کی سپاہ جوانی کا رروائی کے طور پر اس طرف کی فصلوں کو آگ لگانے کی کوشش کرتی تو ہم اسے روک نہیں سکتے تھے۔ آگ لگانے کے لیے ہمیں آرگون کے پاس جانا تھا کیونکہ فصلوں کا بڑا رقبہ وہیں تھا۔ اس طرف باغات کے ساتھ چھوٹے کھیت تھے۔ ان میں کھیت اور باغات آپس میں ملے ہوئے تھے۔ ریک آرگون کے کھیتوں کے نقشے سے اچھی طرح واقف تھا اس نے زمین پر نقشہ بنا کر بتایا کہ کہاں سب سے زیادہ کھیت تھے۔ یہ آرگون سے زیادہ دور نہیں تھے۔

”ہمیں اسی جگہ آگ لگانی ہے۔“ میں نے فوری فیصلہ کر لیا۔ یہ جگہ آرگون کے کھیتوں کا ساتھ فیصد بنتی تھی اور اگر یہ ساری جگہ نذر آتش ہو جاتی تو ان کے لیے یہ بہت بڑا نقصان ہوتا۔ میں نے کہا۔ ”ہم آج رات ہی یہ کام کر گزریں گے۔“

ریک اور دوسرے پُر جوش ہو گئے۔ انہوں نے تیاری شروع کر دی۔ دن میں ریک اور اس کے ساتھیوں نے مزید آتشیں تیر بنا لیے تھے۔ مگر میں اب کچھ اور سوچ رہا تھا۔ جیسے ہی ایرٹ آتشیں روغن لے کر آیا تھا میں نے اس کی تھوڑی سی مقدار لے کر ایک جگہ ہری گھاس پر ڈال دی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد اسے آگ دکھائی تو ہری گھاس نے یوں آگ پکڑ لی جیسے اس پر پٹرول چھڑک کر آگ لگائی گئی ہو۔ میں دیکھنا چاہ رہا تھا کہ ڈالے جانے کے بعد بھی روغن کتنی دیر کا رآمد رہتا ہے۔ یہ آتش گیر ضرور تھا مگر معدنی تیل کی طرح اڑنے والا نہیں تھا بلکہ باقی روغن کی طرح چمکنا اور دیر تک رہنے والا تھا۔ اب مجھے لگا کہ ہم پوری فصل کو با آسانی آگ لگا سکتے ہیں۔ اس کے لیے یہ روغن کافی ہو گا۔ آگ لگانے کے میں نے دوسرا طریقہ سوچا تھا۔ اس میں تیروں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن بہر حال میں نے تیروں کی تیاری سے منع نہیں کیا۔ ہو سکتا تھا کہ میرا خیال غلط ثابت ہو اور ہمیں تیروں کی ضرورت ہی پڑ جائے۔

آگ لگانے کے مشن پر ہم بارہ افراد جاتے اور ایک یہاں ساشا کے ساتھ رکتا۔ یہاں رکنے کے لیے ایرٹ نے ایک نوجوان کو منتخب کیا اور اسے سمجھا دیا کہ ساشا پر ذرا بھی اعتبار نہیں کرنا اور نہ ہی اسے کوئی چھوٹ دینی ہے۔ نوجوان نے یقین دلایا تھا کہ وہ اس کا پورا دھیان رکھے گا۔ شاگ نامی اس نوجوان کو بیک بعد میں لایا تھا۔ تار کی مکمل ہوتے ہی ہم روانہ ہوئے تھے۔ مگر ہمارا رخ سیدھا آرگون کی طرف نہیں تھا بلکہ ہم اس کے متوازی مغرب کی سمت جا رہے تھے جہاں باغات کا طویل سلسلہ تھا اور ہمیں اسی سے ہوتے ہوئے فصلوں والے حصے تک پہنچنا تھا۔ سیدھے جانے کی صورت میں خطرہ تھا کہ اس جگہ ریٹا کی فوج کے کسی گشتی دستے سے سامنا نہ ہو جائے۔ پھر یہاں اس کا بھی امکان تھا کہ فوج کے لیے رسد اور سامان کی آمد و رفت جاری ہو۔ بلکہ ایسا ہی تھا۔ اس لیے ہمارا اس جگہ سے دور رہنا مناسب تھا۔

نصف گھنٹے میں کوئی دو میل مغرب کی طرف جا کر ہم باغات کی طرف گھوڑے اور ان میں داخل ہو کر دوبارہ مشرق کا رخ کیا تھا۔ ایک میل ہم شمال کی طرف گئے تھے اور اس کے بعد ہمیں باغات ملے تھے یہاں سے آرگون کی فیصل صاف دکھائی دے رہی تھی۔ باغات میں مکمل سناٹا اور ایرانی تھی مگر ہم خاموشی سے چھپ کر اور بنا آہٹ سفر کر رہے تھے۔ ہر نئے باغ میں داخل ہونے سے پہلے ہم سن گن لیتے تھے۔ جب اطمینان ہو جاتا کہ وہاں کوئی نہیں ہے تب آگے بڑھتے تھے۔ دشمن کے بارے میں سوچنا کہ وہ بے خبر ہوگا ہماری حماقت ہوتی۔ اس لیے ہم پوری طرح ہوشیار تھے۔ بالآخر ہم فصلوں تک پہنچ گئے۔ کوئی نصف میل لمبے اور کوئی پانچ میل طویل کھیتوں کا یہ سلسلہ آرگون کی فیصل کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا اس سے آگے وادی کی اس طرف والی چٹانوں تک چلا گیا تھا۔ جب مجھے سپاہی اوپر سے گرفتار کر کے لائے تھے وہ مجھے اسی جگہ سے گزار کر آرگون کے دروازے تک لائے تھے۔

یہ پانچ میل کا سفر کر کے ہمیں فصلوں کے آخری حصے تک پہنچنے میں مزید دو گھنٹے کا وقت لگا تھا کیونکہ ہم بہت احتیاط سے سفر کر رہے تھے۔ کھیتوں کے درمیان میں کسی قدر چوڑی سڑک تھی جس پر رات کے وقت بھی آمد و رفت جاری تھی۔ میرا اندازہ درست تھا کہ فوج تک مسلسل رسد پہنچانی جاری تھی۔ کھیتوں کے آخری حصے سے ذرا پہلے ہم رک گئے اور میں نے انہیں اپنا پلان بتایا۔ ”ہمیں تیروں سے آگ نہیں لگانی ہے۔“ وہ سن کر چونکے۔ ایرٹ نے کہا۔ ”پھر کیسے آگ لگانی ہے؟“

میں نے اپنا پلان وضاحت سے بتایا۔ ”ہم میں سے تین افراد دو دو قدم کے فاصلے سے فصلوں میں مشرق سے مغرب کی طرف چلنا شروع ہوں گے اور اپنی مشکیزوں میں اس طرح سوراخ کریں گے کہ روغن تھوڑا تھوڑا کر کے فصلوں پر گرتا رہے اور جہاں ان کے مشکیزے خالی ہوں گے وہ وہیں فصل کو آگے دکھادیں گے۔ پھر ہم درمیانی سڑک کراس کر کے فصل کے دوسری طرف جائیں گے اور باقی روغن سے وہاں آگ لگاتے ہوئے باغوں کی طرف نکل جائیں گے۔ میرا منصوبہ سمجھ میں نہیں آیا تو میں پھر سمجھاتا ہوں۔“

انہوں نے سر ہلایا تو میں نے پھر سمجھایا۔ ایرٹ ترجمان بنا ہوا تھا اور دوسروں کو سمجھا رہا تھا۔ دوسری بار بتانے پر سب جان گئے کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔ ایرٹ اور دو جوانوں نے مشکیزے لے لیے اور وہ اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے اور جیسے ہی میں نے اشارہ کیا انہوں نے ایک ساتھ دوڑنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ

مشکینزوں میں سوراخ کر لیے تھے اور ان سے روغن نکل کر فصل پر گر رہا تھا۔ فصل تیاری کے آخری مراحل میں تھی اور گندم نما خوشہ پک رہے تھے دوسری اجناس کی فصلیں بھی خاصی بلند ہو چکی تھیں۔ مجھ سمیت باقی ان سے آگے تھے۔ ہمارے دوڑنے سے فصل ہل رہی تھی مگر یہ اتنی اونچی تھی کہ ہم کسی کی نظر میں نہیں آتے اور یہاں دیکھنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ ابھی آرگون کی طرف سے آنے والی درمیانی سڑک ذرا دور تھی کہ مشکینزے خالی ہو گئے۔ ایرٹ نے پرندے کی مخصوص آواز نکالی جو اس بات کا اشارہ تھی کہ وہ آگ لگانے والا تھا۔

ہم رکے نہیں تھے بلکہ دوڑتے رہے تھے۔ میں نے اچانک ہی عقب میں نمودار ہونے والی روشنی پر سرگھما کر دیکھا تو فصل سے شعلے بلند ہو رہے تھے اور یہ صرف بلند نہیں ہو رہے تھے بلکہ بہت تیزی سے عقب کی طرف بھی جا رہے تھے۔ روغن آگ پکڑ رہا تھا۔ مجھے یہاں سے ایک ہی شعلوں کی لکیر دکھائی دے رہی تھی مگر کوئی بلندی سے دیکھتا تو اسے تین الگ الگ لکیریں مشرق کی طرف جاتی نظر آتیں۔ شعلے اتنے تیز اور بلند تھے کہ آرگون والے زیادہ دیر ان سے بے خبر نہیں رہ سکتے تھے۔ ہم دوڑتے ہوئے درمیانی سڑک تک پہنچے اور اسے پار کر کے فاصلے میں ایرٹ اور باقی دونوں کا انتظار کرنے لگے۔ وہ مزید ایک منٹ بعد آئے اور دوسری فصل میں گھس کر دوڑتے چلے گئے۔ میں نے ان کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہمیں کہاں جمع ہونا ہے اور اگر کوئی زیادہ ہی راستہ بھٹک جائے تو وہ اپنے طور پر چٹان تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں نے ایک بار مڑ کر دیکھا تو آگ میرے اندازے سے زیادہ تیزی سے پھیل رہی تھی اور شعلوں کی تین لکیریں اب آپس میں ایک دوسرے کی طرف بھی بڑھ رہی تھیں یعنی ان کی جسامت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ آگ کی اس تیز رفتار ترقی سے مجھے امید ہوئی کہ اب اس آگ کو بجھانا ممکن نہیں ہوگا۔ کچھ آگے نکلنے کے بعد چار مشکینزوں میں سوراخ کر دیا گیا۔ یہاں فصل کا رقبہ زیادہ تھا اور اسی لیے میں نے چار مشکینزے یہاں کے لیے رکھے تھے۔ جاتے ہوئے ہم نے جو فاصلہ تقریباً دو گھنٹے میں طے کیا تھا وہاں ہی وہی فاصلہ اس سے تہائی سے بھی کم وقت میں طے ہو گیا اور ابھی ہم باغوں سے کچھ دور تھے کہ باقی مشکینزے بھی خالی ہو گئے اور جس کا جہاں مشکینزہ خالی ہوا اس نے وہیں تیلی جلا کر آگ دکھا دی تھی۔ تقریباً تین میل پیچھے لگنے والی آگ تو یہاں سے بھی واضح دکھائی دے رہی تھی اور اب یہاں بھی آگ کے شعلے بلند ہونے لگے تھے۔

اپنا کام کرتے ہی ہم بھاگے تھے۔ آرگون اور پڑاؤ کی طرف سے فوج کا آنا لازمی تھا اور وہ ہمیں تلاش کرنے کی کوشش کرتے مگر وہ فصل میں نہیں گھس سکتے تھے یہاں نہایت سرعت سے آگ پھیل رہی تھی اور لگ رہا تھا کہ چند گھنٹے میں ان کھیتوں میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ جب ہم ہانپتے ہوئے باغوں میں داخل ہوئے تو دوسری طرف بھی شعلے بلند اور زیادہ رقبہ پر پھیل چکے تھے۔ یہاں چند منٹ رک کر ہم نے اپنا سانس درست کیا اور پانی سے اپنے خشک ہوتے حلق تر کیے۔ جیسے ہی ہمارے سانس درست ہوئے ہم اسی راستے سے چٹان کی طرف روانہ ہو گئے جس راستے سے آئے تھے۔ میں نے واضح کر دیا تھا کہ راستے میں وقت بالکل ضائع نہیں کرنا ہے اور ہر ممکن تیزی سے یوں واپس آنا ہے جیسے دشمن ہمارے تعاقب میں ہو۔ چھاپہ مار کارروائی میں تیزی ہی دشمن سے بچاتی ہے۔ ذرا سی سستی آپ کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ آرام کے وقفے کے دوران ایرٹ نے جوش سے کہا۔

”ہم کامیاب رہے۔“

ریک نے سر ہلایا۔ ”ریناٹ ہمیں بھوکا مارنا چاہ رہا تھا، ہم نے اس کی چال اسی پر الٹ دی ہے۔“
مگر میں ان سے متفق نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ”یہ بھول جاؤ کہ فصل کو آگ لگنے سے ریناٹ کو کوئی نقصان ہوا ہے۔ اس کے پاس یقیناً خوراک کا ذخیرہ ہوگا اور اسے اپنے لوگوں کی پروا نہیں ہے اس نے پہلے عام لوگوں کا راشن نصف کر دیا ہے۔“

”اس کے سپاہی ان ہی عام لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں جب وہ بھوکے ہوں گے تو سپاہی کہاں دل سے لڑیں گے۔“

”اس کا بھی امکان ہے مگر فی الحال ہمیں اس حربے کو بہت زبردست نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہاں اگر اس کی گھبراہٹ میں ریناٹ کی فوج نے جنگ شروع کر دی تو یہ ہماری کامیابی ہوگی۔“ میں کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔
”اب چلو ہمیں جلد از جلد اپنے ٹھکانے پہنچنا ہے۔“

ہم سب پھر بھاگنے لگے تھے۔ خالی ہونے والی مشینز سے بیکار تھے ان کو وہیں بھینک دیا تھا۔ اب ہمارے پاس صرف ہتھیار اور پانی کی چھ گھلیں تھیں۔ اس لیے ہم ہلکے ہو کر زیادہ تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے۔ جب ہم واپس چٹان کے پاس پہنچے تو نصف رات کا وقت تھا مگر آرگون کے سامنے ایسا لگ رہا تھا جیسے دن نکل آیا ہو۔ فصلوں سے اٹھنے والے شعلے بہت بلند تھے اور انہوں نے تقریباً پوری فصل کا احاطہ کر لیا تھا۔ ساشا اور اس کے نگران چٹان سے نیچے موجود تھے۔ ساشا نے مجھے دیکھتے ہی تڑپ کر کچھ کہنا چاہا مگر اس کا منہ بند تھا۔ اس کے جسمانی رد عمل سے میں نے بھانپ لیا۔ میں نے ریک کو اشارہ کیا کہ اس کی بات سنو اور خود چٹان پر چڑھ گیا۔ روشنی یہاں تک آ رہی تھی اس لیے میں احتیاط لیت گیا۔ اگرچہ منظر تباہی کا تھا اور میں کبھی تباہی پسند نہیں رہا۔ مگر اس وقت اس منظر نے مجھے خوش کر دیا تھا۔ آگ آرگون کے بعض باغات تک بھی پہنچ گئی تھی۔

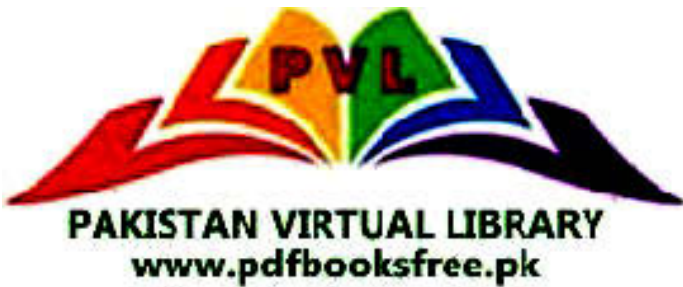
ریناٹ کی سپاہ کے پڑاؤ میں شدید ہجڑان کے آثار نظر آ رہے تھے۔ سپاہی اور ان کے کمانڈر بھاگ دوڑ کر رہے تھے مگر ان کی کبجہ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ عارضی طور پر آرگون سے ان کا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ مجھے مرکزی قلعے کی تفصیل پر بھی ہل چل نظر آ رہی تھی۔ یقیناً وہاں سے بھی آگ دیکھ لی گئی تھی۔ میں دل میں دعا کر رہا تھا کہ سامیر اس وقت اپنی فوج کو حرکت میں لائے اور ریناٹ کی فوج پر ایک مختصر لیکن بہت تیز حملہ کرے۔ ان کو جنگ پر اکسانے کے لیے یہ حملہ ضروری تھا۔ مگر میں صرف امید کر سکتا تھا کہ سامیر ایسا کرے گی۔ کاش کہ میرے پاس اس سے رابطہ کا کوئی ذریعہ ہوتا۔ ریک بھی میرے ساتھ اوپر آ گیا تھا اور وہ اوندھا لینا ہوا دیکھ رہا تھا۔ سب سے پہلے اسی نے وہ آگ دیکھی اور مضطرب ہو کر مجھ سے کہا۔ ”وہ دیکھیں۔“

میں نے دیکھا کہ آگ زیادہ جنوب کی طرف آگئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی طرح اس نے فومینز لینڈ پار کر کے قلعوں کی فصل تک رسائی حاصل کر لی تھی مگر یہ بات واضح نہیں تھی کیونکہ وہ جگہ یہاں سے خاصے فاصلے پر تھی۔ میں بھی فکر مند ہو گیا۔ ”یہ کیسے ممکن ہے آگ از خود یہاں تک نہیں آ سکتی۔“

”یہ لوگ پہنچا سکتے ہیں۔“ ریک بولا۔ ”مگر دیکھا جائے تو ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا ہے اب آگ ان کے پڑاؤ کی طرف بھی آ سکتی ہے۔“

میں خطرہ مول لیتے ہوئے کھڑا ہوا اور اس بار مجھے زیادہ بہتر نظر آیا۔ ہمارا خدشہ درست تھا آگ قلعوں کی زمین تک آپچی تھی اور اب اس کی کھڑی فصل کو چاٹ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے خطرے کا احساس ہوا۔ اگر آگ پڑاؤ تک آجاتی تو وہ منطقی طور پر مغرب کی طرف پسپا ہوتے اور یہاں ہم موجود تھے۔ اس صورت میں ہمیں فوری یہاں سے نکلنا ہوتا۔ میں نے سب کو ہوشیار کر دیا۔ اب ہم ایک سیکنڈ کے نوٹس پر یہاں سے پسپا ہونے کے لیے تیار تھے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر ہمیں پسپا ہونا پڑا تو ہم باغات میں ہی رہیں گے۔ کیونکہ باغات سے نکلنے کی صورت میں ہمیں قلعوں سے دور جانا پڑتا اور فی الحال میں اس جگہ سے زیادہ دور نہیں جانا چاہتا تھا۔ میرا اس وقت تک یہاں رہنا لازمی تھا جب تک کہ جنگ کا آغاز نہ ہو جاتا۔ مگر ابھی تک سامیرا کی طرف سے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں ہوا تھا اور ریٹاک کی فوج کو اپنی پڑی تھی۔

پھر وہ ہوا جس کی میں خواہش رکھتا تھا۔ اچانک ہی مرکزی قلعے کا دروازہ کھلا اور اس سے سامیرا کی فوج نکلتا شروع ہوئی۔ آگے بڑی ڈھالوں والے نیزہ بردار سپاہی تھے جو آنے والے تیروں سے بھی بچاؤ کرتے۔ ان کے پیچھے یقیناً تیر انداز تھے۔ وہ ایک نیم دائرے میں دروازے کے آگے پھیل گئے۔ نیزے برداروں نے ڈھالیں یوں آگے کر رکھی تھیں کہ ان کے پیچھے چھپے تیر انداز ریٹاک کی فوج کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ مگر وہ مجھے یہاں سے دکھائی دے رہے تھے۔ تیر اندازوں نے اپنے تیر کمانوں میں لگائے اور ایک آدمی مشعل سے تیزی سے ان کو آگ دکھاتا ہوا ایک سرے سے دوسرے سرے تک گیا اور جیسے ہی تمام تیروں کو آگ لگی۔ انہیں ایک ساتھ چھوڑ دیا گیا۔ بیک وقت درجنوں تیر ہوا میں بلند ہوئے اور پڑاؤ کی طرف لپکے۔ ابھی وہ تیر اپنی منزل تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ تیر اندازوں نے دوسرے تیر کمانوں پر چڑھا لیے۔ آگ دکھانے والے نے انہیں آگ دکھائی اور وہ بھی ہوا میں بلند ہوئے۔ اس دوران میں آتشیں تیروں کی پہلی برسات پڑاؤ پر برس چکی تھی۔ مجھے وہاں کئی جگہوں پر آگ لگتی دکھائی دی۔ دوسری برسات نے ایک تیر برسانے والی مشین کو نشانہ بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ آگ کی پلیٹ میں آگئی تھی۔ یہ سب دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔



اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات
اٹھارہویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

کاشفِ ذہیر کے قلم سے ایک تیز رفتار ایگیشن سے بھرپور ناول



PDFBOOKSFREE.PK

ایک ایک ایگیشن رولڈ راسٹ سلسلہ

- ❑ کوئی نہیں جانتا کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا کون سا واقعہ مستقبل میں کیا اہمیت رکھتا ہے۔
- ❑ انسانی عقل وہم و گدہ ہے۔ وہ صرف محدود دائرے میں مخصوص مہاذاہیہ نظر رکھتی ہے۔
- ❑ خیر و شر کی اس ازلی جنگ کا قصہ اس کے بغیر فلسفہ حیات کے اسرار و رموز سے آگاہی ممکن نہیں۔
- ❑ اس نوجوان کی کہانی جس نے دنیا میں آنکھ کھولی تو قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اس کی پہنچ تھی۔
- ❑ اس کی زندگی کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہ تھی لیکن قدرت کو شاید اس سے کوئی اہم کام لینا مسطور تھا۔
- ❑ چنانچہ وہ زندہ رہا اور اپنے دشمنوں کے لیے ایک جہنم بن گیا۔

۲۰۔ عزیز مارکیٹ اردو بازار، لاہور
 علی میاں پبلیکیشنز
 فون: 37247414